

تصوف، عقائد

# مجموعہ رسائل امام غزالیؒ اردو

از: حجة الاسلام امام محمد غزالیؒ

جلد دوم

الحکمت فی مخلوقات اللہ —————  
حقیقت روح انسانی ————— میزان عمل  
ہدایت الہدایت ————— التفرقة بین الاسلام والزندقة

ڈاکٹر ابراہیم علیہ السلام  
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

باہتمام      ظہیل اشرف عثمانی  
طباعت      ۲۰۰۴ء بمبئی گرافکس کراچی  
صفحہ امت :      440 صفحات

## ﴿..... ملنے کے پتے﴾

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
مکتبہ عدلیہ بی بی پتال روڈ ملتان	بیت القرآن اردو بازار کراچی
یو نیورسٹی بک انجمنی خیبر بازار پشاور	ادارۃ القرآن دارالعلوم الاسلامیہ B-437، صیہ روڈ اسپڈ کراچی
کتبہ جانشیدہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار دارالپیشانی	بیت الکتبہ المناہل اشرف الدارک مفسر اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ مین پور بازار۔ فیصل آباد	ادارۃ اسلامیات مومین چوک اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ گلزار بازار۔ بہت آباد	ادارۃ اسلامیات۔ ۱۹۰۰ گارگی لاہور
مکتبہ المعارف محلہ بنگلی۔ پشاور	بیت العلوم 220، بھدرہ بازار لاہور

## ﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre  
119-121, Halls Well Road  
Bolton BL 7NF, U.K.

Azhar Academy Ltd.  
Al Continenta (London) Ltd  
Cook's Road, London E15 2PW



فہرست مضامین

## مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

جلد دوم

### مشمول برپنج رسائل

صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر	موضوع
۲۵	کائنات ارضی و سماوی میں غور و فکر کی دعوت	۱۱	تعارف از جناب مولانا مولوی محمد شفیع صاحب
۲۷	آفتاب کی پیدائش کی حکمتیں	۱۲	مستحق ادراج ہند
۳۰	چاند ستاروں کی پیدائش کی حکمتیں	۱۳	تقریر از مولانا طبر علی صاحب شیخ الجامعہ
۳۳	زمین کی پیدائش کی حکمتیں	۱۴	الامداد یہ کوڑھنچ
۳۹	سمندر کی پیدائش کی حکمتیں	۱۵	مقدمہ
۴۲	پانی کی پیدائش کی حکمتیں	۱۶	مصحف کے حالات
۴۴	ہوا کی پیدائش کی حکمتیں	۱۷	نام اور سرورِ لادت
۴۸	آگ کی پیدائش کی حکمتیں	۱۸	تعلیم
۵۱	انسان کی تخلیق کی حکمتیں	۱۹	تحصیل علم حدیث
۷۱	اس باب کا اختتام	۲۰	نکاح کی مستثنیٰ
۷۵	پرندوں کی پیدائش کی حکمتیں	۲۱	عزت نفسی کا محرک
۸۲	چرباؤں کی پیدائش کی حکمتیں	۲۲	شعر گوئی
۹۱	شہد کی کہیں، ریشہ زنی، بکری، مرغ، کبوتر اور کہیں	۲۳	تصفیقات
۹۸	مچھلی کی پیدائش کی حکمتیں	۲۴	وفات
۱۰۴	ہوا جات کی حکمتوں کا بیان	۲۵	مقدمہ کتاب
۱۰۹	دلوں میں خدا کی عظمت پیدا کرنے کا بیان		
۱۱۳	حقیقت روحِ انسانی		
۱۱۹	فصل		

۲۰۸	فصل	۱۲۵	فصل
۰	قوائے تہذیب اور نفس کی مثال	۱۲۶	فصل
۲۱۱	فصل	۱۵۲	فصل
۰	مجاہدہ ہوی میں نفس کے مراتب، ہوی و محض	۱۵۷	فصل
۰	کے مشورہ میں کیا فرق ہے	۱۶۷	تذکرہ
۲۱۵	فصل	۱۶۸	فصل
۰	اخلاق بدل سکتے ہیں	۱۷۰	ادبیات
۲۱۷	فصل	۱۷۱	فصل
۰	اخلاق کی تہذیبی اور ہوی کے علاج کا مختصر	۰	سعادت کی طلب میں کل انکاری حقائق ہے
۰	طریقہ عمل	۱۷۳	فصل
۲۲۰	فصل	۰	حقانیت کے حقائق عدم یقین بھی حقائق ہے
۰	وہ فضائل جن کی تحصیل سے سعادت ملتی ہے	۱۸۱	فصل
۲۲۲	فصل	۰	شاہراہ سعادت یعنی علم اور عمل
۰	تہذیب اخلاق کا مفصل طریقہ	۱۸۳	فصل
۲۲۶	فصل	۰	تذکرہ نفس کا اجمالی بیان
۰	اصول اخلاق	۱۹۱	فصل
۲۲۲	فصل	۰	قوائے نفس کا آپس میں ارتباط
۰	فضیلت حکمت اور انکی افراط و تفریط یعنی	۱۹۵	فصل
۰	مکاری اور بیوقوفی	۰	عمل کی طم سے نسبت ان کا شرع سعادت ہے اہل
۲۲۳	فصل	۰	تصوف اس پر حلق ہیں اور دوسرے اہل نظر سید ہیں
۰	فضیلت شجاعت کے باقی کیا کچھ درج ہوگا	۱۹۹	فصل
۲۲۵	فصل	۰	صوفی کے نزدیک علم حاصل کرنے
۰	حفت اور اس کے حلق اخلاق و ذلیل کا اندراج	۰	کا طریق دوسرے لوگوں سے جدا ہے
۲۲۰	فصل	۲۰۲	فصل
۰	وہ جماعت جو نیکیوں کی ترغیب دیتے ہیں یا ان	۰	ان دو طریقوں سے اولیٰ کو نسا ہے
۰	سے روکتے ہیں	۰	فصل
۲۲۳	فصل	۲۰۴	فصل
۰	غیرات سعادت کی قسمیں	۰	جنت مابین تک پہنچنے کے لئے کون سے علم و عمل کی
۲۵۰	فصل	۰	ضرورت ہے
۰	سعادتوں کی غایت اور ان کے مرتبے		

۳۵۳	سے زوال تک لازمی ہیں	فصل
۳۵۴	قائد	۰
۳۵۵	آداب نماز	۲۶۳
۳۵۶	آداب نوم	۰
۳۵۷	آداب وضو	۲۶۸
۳۵۸	آداب لباس	۰
۳۵۹	آداب جمعہ	۲۷۱
۳۶۰	آداب صیام	۰
۳۶۱	حکم باطنی اجتہاد معاشی کے بیان میں	۲۷۲
۳۶۲	دل کے گناہوں کے بیان میں	۰
۳۶۳	آداب صحبت و معاشرت یا خدا و پادشاگان خدا	۰
۳۶۴	آداب عالم	۳۰۲
۳۶۵	آداب طلباء	۰
۰	اولاد کے آداب والدین کے ساتھ	۳۰۵
۳۶۶	آداب معاشرت استاد تلمذ کے ساتھ	۰
۳۶۷	بیان رعایت حقوق میت	۳۱۰
۰	آداب میت	۰
۳۶۸	نیاج از حرم	۳۱۵
۳۶۹	تتمتہ بین السلام والصلوٰۃ	۳۱۸
۰	آداب کتاب	۰
۳۷۰	فصل	۰
۳۷۱	فصل	۰
۳۷۲	فصل	۰
۳۷۳	فصل	۰
۳۷۴	فصل	۰
۳۷۵	فصل	۰
۳۷۶	فصل	۰
۳۷۷	فصل	۰
۳۷۸	فصل	۰
۳۷۹	فصل	۰
۳۸۰	فصل	۰
۳۸۱	فصل	۰
۳۸۲	فصل	۰
۳۸۳	فصل	۰
۳۸۴	فصل	۰
۳۸۵	فصل	۰
۳۸۶	فصل	۰
۳۸۷	فصل	۰
۳۸۸	فصل	۰
۳۸۹	فصل	۰
۳۹۰	فصل	۰
۳۹۱	فصل	۰
۳۹۲	فصل	۰
۳۹۳	فصل	۰
۳۹۴	فصل	۰
۳۹۵	فصل	۰
۳۹۶	فصل	۰
۳۹۷	فصل	۰
۳۹۸	فصل	۰
۳۹۹	فصل	۰
۴۰۰	فصل	۰
۴۰۱	فصل	۰
۴۰۲	فصل	۰
۴۰۳	فصل	۰
۴۰۴	فصل	۰
۴۰۵	فصل	۰
۴۰۶	فصل	۰
۴۰۷	فصل	۰
۴۰۸	فصل	۰
۴۰۹	فصل	۰
۴۱۰	فصل	۰
۴۱۱	فصل	۰
۴۱۲	فصل	۰
۴۱۳	فصل	۰
۴۱۴	فصل	۰
۴۱۵	فصل	۰
۴۱۶	فصل	۰
۴۱۷	فصل	۰
۴۱۸	فصل	۰
۴۱۹	فصل	۰
۴۲۰	فصل	۰
۴۲۱	فصل	۰
۴۲۲	فصل	۰
۴۲۳	فصل	۰
۴۲۴	فصل	۰
۴۲۵	فصل	۰
۴۲۶	فصل	۰
۴۲۷	فصل	۰
۴۲۸	فصل	۰
۴۲۹	فصل	۰
۴۳۰	فصل	۰
۴۳۱	فصل	۰
۴۳۲	فصل	۰
۴۳۳	فصل	۰
۴۳۴	فصل	۰
۴۳۵	فصل	۰
۴۳۶	فصل	۰
۴۳۷	فصل	۰
۴۳۸	فصل	۰
۴۳۹	فصل	۰
۴۴۰	فصل	۰
۴۴۱	فصل	۰
۴۴۲	فصل	۰
۴۴۳	فصل	۰
۴۴۴	فصل	۰
۴۴۵	فصل	۰
۴۴۶	فصل	۰
۴۴۷	فصل	۰
۴۴۸	فصل	۰
۴۴۹	فصل	۰
۴۵۰	فصل	۰
۴۵۱	فصل	۰
۴۵۲	فصل	۰
۴۵۳	فصل	۰
۴۵۴	فصل	۰
۴۵۵	فصل	۰
۴۵۶	فصل	۰
۴۵۷	فصل	۰
۴۵۸	فصل	۰
۴۵۹	فصل	۰
۴۶۰	فصل	۰
۴۶۱	فصل	۰
۴۶۲	فصل	۰
۴۶۳	فصل	۰
۴۶۴	فصل	۰
۴۶۵	فصل	۰
۴۶۶	فصل	۰
۴۶۷	فصل	۰
۴۶۸	فصل	۰
۴۶۹	فصل	۰
۴۷۰	فصل	۰
۴۷۱	فصل	۰
۴۷۲	فصل	۰
۴۷۳	فصل	۰
۴۷۴	فصل	۰
۴۷۵	فصل	۰
۴۷۶	فصل	۰
۴۷۷	فصل	۰
۴۷۸	فصل	۰
۴۷۹	فصل	۰
۴۸۰	فصل	۰
۴۸۱	فصل	۰
۴۸۲	فصل	۰
۴۸۳	فصل	۰
۴۸۴	فصل	۰
۴۸۵	فصل	۰
۴۸۶	فصل	۰
۴۸۷	فصل	۰
۴۸۸	فصل	۰
۴۸۹	فصل	۰
۴۹۰	فصل	۰
۴۹۱	فصل	۰
۴۹۲	فصل	۰
۴۹۳	فصل	۰
۴۹۴	فصل	۰
۴۹۵	فصل	۰
۴۹۶	فصل	۰
۴۹۷	فصل	۰
۴۹۸	فصل	۰
۴۹۹	فصل	۰
۵۰۰	فصل	۰



## عرضِ ناشر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین  
(الافتتاح)

جذہ الاسلام امام محمد غزالی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ پانچویں صدی ہجری سے ان کا نام نامی آسمان علم پر سورج کی طرح چمک رہا ہے ان کی کتابیں ہر خواص و عام کے زیر مطالعہ ہیں اور ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ کرنا ممکن نہیں، جنہوں نے امام غزالی کی کتابوں سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔

امام غزالی کی یوں تو بہت سی تصانیف ہیں مگر ان میں بہت کم ہی کتابیں ہیں جن کا اردو میں ترجمہ ہوا اور جن سے ہر صغیر کے لوگ متعارف ہیں۔ دارالانشاعت کو بھلا اللہ یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ زیر نظر مجموعہ سے پہلے امام غزالی کی مشہور تصنیف احیاء العلوم کا ترجمہ عنوانات کی ترتیب کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کر چکا ہے جو تمام حلقوں میں پسند کیا گیا۔ کافی عرصہ سے ہماری قلبی خواہش اور علمی حلقوں کا دلی تقاضہ تھا کہ امام غزالی کی ان نادر کتابوں کی دوبارہ اشاعت کی جائے جن کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے مگر مردہ زمانہ سے اب وہ کتابیں ناپید ہوتی جا رہی ہیں، بھلا اللہ کہ زیر نظر مجموعہ سے ہماری خواہش پوری ہوئی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ امام غزالی کے ان جواہر پاروں کو یکجا کر دیا جائے جن کی تلاش میں علماء، طلباء، سالکین اور دانشور پھرتے ہیں۔ مگر گو ہر مقصود ان کے ہاتھ نہیں آتا ہم نے اس سلسلے میں جناب خالد اسحاق ایڈوکیٹ کی لائبریری اور انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص کے بطور خاص ممنون ہیں جن کے تعاون کی بدولت بعض نایاب رسائل تک ہماری رسائی ہوئی اور اس طرح اس مجموعہ کی اشاعت مکمل ہوئی۔ ہمیں امید ہے کہ اہل علم اور دینی ثقافت سے تعلق رکھنے والے حضرات اس مجموعہ کو ہاتھ لیں گے اور تمام دینی حلقوں میں اس مجموعہ کی خوب پندیرائی کی جائے گی۔

(الافتتاح)

(خلیل اشرف عثمانی)





ان فى ذالك لعبرة لاولى الابصار

# الحكمة فى مخلوقات الله

تصنيف حضرت امام محمد غزالي

اردو ترجمہ

ذ

مولوی محمد علی لطفی

مع تعارف

ذ

جناب مفتی محمد شفیع صاحب

۱۹۶۰ء



## تعارف از جناب مولانا مولوی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دیوبند

انسان کیا اور اس کی ہستی کیا کہ خالق کائنات کے افعال و صفات کی نگہبانی اور اسرار معلوم کرے۔

درہار ان قلوب و مرکض دودی ست پختہ کے داند کہ عالم از کیست

لیکن انسان کا سب الخلوکات میں سب سے زیادہ عجیب مخلوق ہے۔ ایک طرف اس کی نزاکت و ضعف کی

حد نہیں تو دوسری طرف اس کی اولوالعزمیوں کا میدان بھی بڑا وسیع ہے۔ وہ طبعی طور پر راز کائنات معلوم کرنے کے

دور پہ رہتا ہے کچھ ہاتھ آئے یا نہ آئے اگرچہ محقق کھلاء امت کا آخری فیضان مسائل میں بھی ہوتا ہے کہ

کس کتور دکشاید لگت این معیار

اور بھول میر۔

مجھے اتنا کہ کچھ نہ مجھے انہوں معلوم ہوا کہ کچھ نہ معلوم ہوا

مگر دانائے روم نے انسان کی اس فطری خواہش کا ایک نذر بھی اس طرح بیان

فرمایا ہے۔

بندہ تفکیر و تصویر خوش

اس نذر کے ماتحت حقد میں و متاخرین علماء نے ان موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں

تشریحی امور کی عقلی حکمتوں پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی کتاب المصالح العقلیہ اردو زبان

میں ہے، اور کھوئی امور کی حکمتوں پر امام غزالیؒ کا رسالہ الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ عربی زبان

میں تھا۔ ہمارے محترم دوست مولانا محمد علی صاحب لطفی جو اپنے جدا مجد حضرت مولانا مفتی لطف

اللہ صاحب علیگزوی کے خلف رشید ہیں اپنے اس رسالہ کو اردو زبان میں منتقل فرما کر اردو داں

طبقہ پر بڑا احسان کیا۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ نہ تو بالکل تحت اللفظ ہے جس کو پڑھنے میں

طبیعت الجبے اور نہ تحت اللفظ سے اتنا آزاد کہ اصل کلام کا مفہوم بدل دے ساتھ مقدمہ میں

حضرت امام غزالیؒ کے کچھ حالات و سوانح بھی مستند کتابوں سے جمع فرمادیئے۔ امید ہے کہ

انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ مسلمانوں کے لئے خصوصاً نو تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بے حد مفید ثابت

ہوگا اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر اور اس رسالہ کو اصل رسالہ کی طرح مقبول و مفید بنائے۔

رسمیہ۔

(بندہ محمد شفیع علی اللہ عنہ) دارالعلوم کراچی ۲۶ رجب ۱۳۵۵ھ

## تقریظ از مولانا اطہر علی صاحبؒ شیخ الجامعہ الامدادیہ کوڑکنج

میں نے عزیز مولانا محمد علی صاحب لطفیؒ، فیرہ حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علیگریؒ کی تازہ محنت کا ثمرہ ”رموز کائنات“ ترجمہ اردو الحکمت فی مخلوقات اللہ مصنفہ امام غزالیؒ کا مطالعہ کیا، موصوف نے اس سلسلہ میں جس محنت کا ثبوت دیا ہے وہ قارئین رسالہ کو خود محسوس ہو جائے گا امام غزالیؒ کے بعض رسائل ایسے ہیں کہ جن کا اگر اردو ترجمہ ہو جائے تو ہمارے لوجوانوں کے لئے بیکہ مفید ثابت ہونگے ان رسائل میں سے ایک رسالہ یہ بھی ہے۔ تصنیف کے لئے تو امام غزالیؒ کا نام ہی کافی ہے لیکن اس کے ترجمہ میں لطفی صاحب نے جو خوبیاں رکھی ہیں وہ مطالعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں مترجم کو ان کی کوششوں پر مبارکباد دیتا ہوں اور تمام مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ لطفی صاحب کی محنت و عرق ریزی کو قبول فرمائیں۔ اور مطالعہ کرنے والوں کو اس کے فوائد و ثمرات سے مستفیض ہونے کا موقع بخشیں۔ آمین یا رب العالمین۔

فقط

اطہر علی

۱۳۱/ اگست ۱۹۵۰ء



## مقدمہ

سائنس می سزد الہت یکمذاذات یزداں را  
کہ اوازخلق تشریف شرف بخشد انساں را

## حامد و مصلیٰ

انسان کی فطرت ہے کہ ہر شے کی حقیقت و حکمت معلوم کرنے کی جستجو کرتا ہے، اور یقیناً اشیاء کی حقیقتوں کا علم قلبی اذعان و یقین کے ثبات و استحکام کا موجب ہے۔ اسی حکمت و مصلحت کے پیش نظر خالق کائنات نے اپنی مخلوقات و مصنوعات میں غور و فکر کرنے کی جا بجا دعوت دی ہے۔

انظروا الی آثار رحمة الله رحمت الہی کی نشانیوں کو دیکھو کہ کس طرح  
کیف یحیی الارض بعد موتہا موت کے بعد زمین کو زندہ کی بخشتا ہے  
ان ذالک لمحی الموتی۔ چٹک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔

مرد مومن کی حق شناس نگاہ میں کائنات ارضی و سماوی کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی اسرار قدرت کے پیش بہا خزانوں کو اپنے اندر مستور کئے ہوئے ہے اور اس کی بصیرت افروز نظر جمادات کے ایک ایک نگرینے ہیں، اور نباتات کے ایک ایک پتے میں معرفت الہی کے دفتر بے پایاں کا جلوہ دیکھ رہی ہے

برگ درختاں سبز در نظر ہو شیار  
ہر درختے دفتریت معرفت کردگار

کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے صانع و خالق کے وجود اور اس کے کمال قدرت کی زبان حال سے شہادت دے رہا ہے

ہر گیاہ کہ از زمیں زوید  
ودود لاشریک لہ گوید

عربی کے ایک شاعر نے اس مفہوم کو ادا کیا ہے

وفی کل شیء لہ آیۃ  
تدل علی انہ واحد

اس موضوع پر فاضل مصنفین نے بہت کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی ”حجۃ اللہ بالہدایہ ایک مصری فاضل ابراہیم آفندی کی اسرار الشریعہ“ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کی ”الحکمة فی مخلوقات اللہ“ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ”المصالح العقلیہ للاحکام العقلیہ“ یہ تمام تصانیف تقریباً اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ کسی میں تشریحی امور کی حکمتوں کا بیان کیا گیا ہے اور کسی میں کونی امور کی حکمتوں کا۔ آخر الذکر مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی گرانقدر تصنیف ”المصالح العقلیہ“ میں تشریحی امور کی حکمتوں اور ان کی غنی اسرار کو بے نقاب کیا ہے جس کو پڑھ کر قلب میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

فیصل اسماعیلی پاکستان کی لاہوری میں جب یہ کتاب میرے ہاتھ لگی اس کو پڑھا اور بالاستیعاب پڑھا۔ کتاب قائل دید ہے اور اپنی نوعیت میں نہایت دلچسپ اور مفید تصنیف ہے۔ مصنفین سلف نے اپنی مختصر و مشغول زندگی کے قیمتی لمحات صرف کر کے کیسی کیسی گرانقدر علمی خدمات انجام دی ہیں۔ اور اپنے مابعد کے لئے کیسے کیسے بیش قیمت علمی خزانے جمع کر کے کتنا بڑا احسان کیا ہے، ان گرانقدر علمی خدمات کا صلہ انسان کیا ادا کر سکتا ہے اس کا اجر جزیل اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائے گا۔ واللہ عنده حسن الثواب۔

حضرت مولانا تھانوی مرحوم کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد دل میں شوق پیدا ہوا کہ اس قسم کا مختصر رسالہ یا کتابچہ میں بھی لکھوں کہ آخرت میں ذریعہ نجات ہو اپنی علمی بے مانگی کا پورا پورا احساس تھا، جو ہمت کو پست کئے ہوئے تھا۔ لیکن یہ شوق اس حد تک بڑھا کہ طبیعت نے مجبور کر دیا اور دل میں یہ عزم کر لیا کہ کم از کم کسی ایسی کتاب کا ترجمہ ہی کیا جائے جو اس موضوع پر ہو کہ ما لا یدمک کلہ لا یتبرک کلہ۔

جس کتاب پر نظر کی کسی نہ کسی ہے اس کا ترجمہ کر کے ”السابقون الاولون“ میں اپنے لئے مقام حاصل کر لیا ہے۔ آخر حضرت امام غزالی کی کتاب ”الحکمۃ فی مخلوقات اللہ“ ہاتھ آئی، پھر اس کے ترجمہ کی حاش و جستجو کی میری یہ سعی تحصیل حاصل نہ ہو، باوجود تلاش کے اس کا کوئی ترجمہ دستیاب نہ ہو سکا، خیال کیا کہ شاید قدرت نے یہ سعادت مجھ جیسے حق دامن ہی

کے نصیب میں رکھی ہو، قلم اٹھایا اور ترجمہ شروع کر دیا۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر صاحب قلم تصنیف و تالیف کے بلند مقام پر پہنچنے کا جائز حقدار نہیں ہوتا

نہ ہر کہ آئینہ دار و سکندری دارد

اگرچہ میرے ذوق و شوق نے مجھے اس خدمت کی تکمیل کے لئے آمادہ کر دیا ہے، تاہم میں کسی طرح بھی مصنفین و مترجمین کی صف میں کھڑے ہونے کا اپنے کو اہل نہیں سمجھتا، ہاں یہ ضرور یقین رکھتا ہوں کہ جب اس سراپا رحمت کی بارش خادمانِ علوم پر برسے گی تو یقین ہے کہ اس کی بارانِ رحمت کے دو چار قطرے میرے دامنِ عصیاں پر بھی ضرور پڑیں گے۔ اور یقیناً مجھ جیسے ناکارہ اور آلودہ عصیاں کی مغفرت کا سامان ہو جائیں گے کہ،

رحمت حق بہا نہ می جوید

اثناے ترجمہ میں ہندوستان کا سفر پیش آ گیا، ہر چند کہ کتاب سفر میں ہمراہ تھی لیکن سفر میں اتفاقاً موقع نہ مل سکا کہ اس کام کو جاری رکھ سکتا، اور تقریباً ۲ ماہ کے لئے یہ سلسلہ مسدود ہو گیا، واپس آ کر اس کی تکمیل کی۔

ابتداءً کتاب میں فاضل مصنف حضرت امام غزالیؒ کی مختصر سوانح حیات بھی مستند و معتد کتابوں سے مطالعہ کر کے لکھی ہے، کہ صالحین کا تذکرہ بھی ذکر خیر اور عمل صالح میں شامل ہے، اور اس کی رحمت سے بعید نہیں کہ یہی کام بارگاہِ ایزدی میں میری نجات کا ذریعہ ہو جائے کہ وہ نکتہ نواز ہے

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بست ام

در ریاضِ افرینش رشتہ گلدستہ ام

کتاب کے ترجمہ کرنے میں اس امر کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی فرد گزاشت نہ ہوتا ہم انسانِ خطا و نیساں سے اپنے دامن کو پاک نہیں رکھ سکتا۔ وما ابرئ نفسی ان النفس لا مارة بالسوء۔

ناظرینِ کرام سے استدعا ہے کہ میری کوتاہیوں کو بعفرائے، ”واذا مروا بالسلطان فاعزوا انحراما“ درگزر فرماتے ہوئے میرے حق میں دعائے خیر کریں کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر خدمت کو شرف قبول عطا کرے اور میری نجات کا وسیلہ بنائے۔

ان اجری الاعلیٰ اللہ (مترجم: محمد علی لطفی ۱۹۵۶ء)

## مصنف کے حالات

تازہ خواہی دانستن گردانہائے سینہ را

گا ہے گا ہے باز خواں اس دفتر پارینہ را

یہ ایک ایسی باکمال شخصیت کا تذکرہ ہے جو عالم باعمل بھی تھا اور درویش کامل بھی۔ ایک لائق مصنف بھی تھا اور مصلح صادق بھی، جو غزالی کے مشہور لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

نام اور سنہ ولادت..... امام غزالی کا نام محمد ہے، ابو حامد کنیت اور غزالی عرف ہے، اور لقب زین الدین۔ بیشتر مورخین غزالی کی نسبت طوس کے قریب غزالہ کی طرف بیان کرتے ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ اس کی نسبت "غزال" کی مناسبت سے ہے، جس کے معنی کاٹنے والے کے ہیں امام غزالی کے والد ماجد ان کاٹنے اور اس کی تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔ اس نسبت سے ان کو غزالی کہا جاتا تھا۔

امام غزالی خراساں کے ضلع طوس میں طاہران کے مقام میں ۴۵۰ھ کو پیدا ہوئے، جب ان کے والد کا انتقال ہونے لگا تو اپنے دونوں بیٹوں امام محمد غزالی اور احمد غزالی کو اپنے ایک دوست کے سپرد کر دیا کہ وہ ان کو تعلیم دلائیں۔

تعلیم..... سرمایہ شتم ہو جانے پر اس درویش دوست نے بھی افلاس و محنت کی وجہ سے ایک مدرسہ میں داخل کر دیا، جہاں خود رونق کا انتظام بھی تھا، امام غزالی نے ایک موقع پر اس کا ذکر اس طرح کیا ہے: "طلبت العلم بغیر اللہ فابی ان یکون الا للہ ہم نے پیٹ کی خاطر (غیر اللہ کے لئے) علم سیکنا شروع کیا تھا، لیکن تقاضائے علم نے اس طرح سے علم کے حصول کا انکار کیا اور بتایا کہ علم حصّہ اللہ ہی کے لئے حاصل کیا جاسکتا ہے۔"

اس زمانہ میں آج کی طرح باقاعدہ اسکول و مدارس نہیں تھے، اہل علم مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ کر تعلیم دیتے تھے۔

امام غزالی نے اپنے ہی شہر کے ایک لائق عالم احمد بن محمد راذکانی سے ابتدائی تعلیم



حاصل کی، پھر جرجان میں امام ابو نصر اسماعیل سے، جو کچھ پڑھتے تھے اس سے حقائق اساتذہ کی تقریر اور نوٹ لکھتے جاتے تھے جیسا کہ اس زمانے میں طریق تھا، یہاں سے فیض حاصل کرنے کے بعد نیشاپور چلے گئے اور وہاں کے ایک مشہور عالم دین امام الحرمین عبدالملک ضیاء الدین کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا، یہ بزرگ اوسنے درجے کے علماء میں شمار کیے جاتے تھے، ان سے استفادہ کے بعد امام غزالی کی علمی قابلیت کی بڑی شہرت ہو گئی اور بڑے بڑے علمی معرکوں میں امام غزالی کو فتح و کامیابی حاصل ہوئی۔

ایک مرتبہ نظام الملک طوسی کے دربار میں مجلس مناظرہ منعقد تھی، علمی مباحث پر تیز کرہ تھا، دور دراز مقامات کے مشاہیر علماء موجود تھے، امام غزالی بھی شریک تھے، اس مباحثہ میں فتح و کامرانی سہرا جس کے سر رہا، یہ ایک نو عمر اور جوان سال امام غزالی تھے، اس کامیابی اور فتح مبین نے امام غزالی کی شہرت میں چار چاند لگا دیئے۔

امام غزالی کے عہد طالب علمی کا ایک واقعہ مشہور ہے، ایک بار جب وطن واپس آ رہے تھے، راستہ میں قافلہ لوٹ لیا گیا، اور امام صاحب کی پونجی بھی چھین لی گئی امام غزالی کو اپنی پونجی میں جس چیز کے چھن جانے کا قلق تھا، وہ ان کے نقلی نوٹ تھے جو اساتذہ کی تھاریر کے دوران لکھ کر تیار کیے تھے۔ ڈاکوؤں کے سردار سے جا کر اس کا مطالبہ کیا، ڈاکوؤں کے سردار نے کہا پھر تم نے خاک پڑھا اور شکروہ کا خذات واپس کر دیئے۔

کہنے کو تو یہ ایک معمولی بات تھی لیکن اس طعن کا امام صاحب کے قلب پر اتنا اثر ہوا کہ پھر جو کچھ پڑھا اس کو سینے میں محفوظ رکھا۔

**تحصیل علم حدیث** ..... تمام علوم سے فارغ ہونے کے بعد علم حدیث کی تکمیل کا شوق پیدا ہوا، اور اس کی تحصیل کے لئے علامہ اسماعیل حطی اور حافظ عمر بن ابی الحسن روسانی پر نظر انتخاب پڑی، یہ دونوں بزرگ علم حدیث میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔

مؤخر الذکر عالم حدیث کو امام غزالی نے وطن طوس میں اپنے یہاں مہمان رکھا، ان کی خدمت کی اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا، علم حدیث کی مشہور کتابیں سمیعین، صحیح بخاری، اور صحیح مسلم انہیں بزرگ سے پڑھیں اور اس طرح امام غزالی نے اپنے فن حدیث کے شوق کو آخر عمر میں پورا کیا۔

**نظامیہ کی مسند نشینی** . . . ۴۸۳ھ میں امام غزالی نہایت عظمت و شان کے ساتھ دارالعلوم نظامیہ کی مسند تدریس پر فائز ہوئے نظامیہ وہ دارالعلوم تھا جس کو نظام الملک طوسی نے کثیر رقم خرچ کر کے قائم کیا تھا، اس کی مسند نشینی معمولی منصب تھا، اس مسند پر بڑی بڑی جلیل القدر اور باکمال ہستیوں نے درس دیا تھا امام غزالی کا اس منصب پر فائز ہونا اور مسند تدریس پر مسمور کیا جانا، ان علم طبقہ کی نظر میں بڑی کامیابی تھی۔

عرصہ تک امام غزالی نے اس خدمت تدریس کو بحسن و خوبی انجام دیا اور ہزاروں تشکلات علوم کو سیراب کیا، آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے صاحب کمال اور اہل علم ہوئے۔

**عزالت نشینی** . . . . . امام غزالی کی طبیعت میں قدرے چاہ پسندی اور حمکت تھی اور بہت نازک مزاج تھے، مرثیہ کے کپڑے زیب تن رہتے، این جوزی لکھتا ہے، کان یلبس الحریر والذہب (ریشم اور سونا) پہنا کرتے تھے۔

لیکن ایک وقت وہ آباک امام غزالی کی طبیعت میں غیر معمولی انقلاب پیدا ہوا اور دنیا سے قطعاً ترک تعلق کر کے عزالت نشین ہو گئے۔ علمی مباحثوں اور مناظروں سے غرت ہو گئی، تحقیق و تدوین کی طرف توجہ کی، دنیا کے ان نمائشی ہنگامہ آرائیوں سے محف ہو گیا، کھانا پینا بالکل سادہ رہ گیا، تکلفات و تعشاش برطرف ہوئے، بدن پر قیمتی لباس فاخرانہ کی جگہ معمولی کپڑا رہتا تھا کھانے لذیذ و مرغین غزالی کے بجائے معمولی ساگ پات پر گزر بسر تھی رفتہ رفتہ طبیعت پر تصوف کا رنگ غالب آ گیا۔ اور خلوت میں عبادات و ریاضات ان کی زندگی کا معمول ہو گیا اور شیخ بوعلی فامدی سے آپ نے بیعت کی۔

غزالت نشینی کے زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے امام غزالی کو ایک صحراء میں پریشان حال جاتا ہوا دیکھا ایک خرقہ زیب تن تھا پانی کی چھاگل ہاتھ میں تھی، یہ شخص امام غزالی کو حلقہ درس و تدریس میں اس شان سے دیکھے ہوئے تھا، جب چار چار سو دشتا قان علم کا جھرمٹ امام کے گرد ہوتا تھا۔

اس نے امام غزالی کو اس پر اگندہ حال میں دیکھ کر پوچھا، کیا یہ حالت پہلے سے بہتر ہے، امام غزالی نے پ نظر حقارت اس کی طرف دیکھا اور یہ دو شعر پڑھے

ایمیں نے سلی وسعدی کا عشق تو منزل ہی ہی چھوڑ دیا۔ اور اب میں اپنے حقیقی محبوب اور رفیق اعلیٰ و جہ عدل

ترکت ہوی لہلی وسعدی سنزل وعدت الی مصحرب اول منزل  
فنارت بی الاشواق مہلا فہذہ منازل من تہری رویدک فہانزل

**عزالت نشینی کا محرک**..... امام غزالی کو درس و تدریس کے مبارک فخل بحث

وتحیص کے طبعی تذکروں اور وعظ و نصیحت کی پاک مجلسوں سے عزالت نشینی اور اس درویشانہ سادہ  
زندگی کو پسند کرنے کا وہ قوی محرک کیا تھا جس نے امام کے قلب پر ایسا اثر کیا تھا۔ اس کی بابت  
مورخین نے امام غزالی کے بھائی احمد الغزالی سے متعلق ایک روایت نقل کی ہے۔

ایک مرتبہ امام غزالی وعظ فرما رہے تھے ہزاروں علماء، صلحا، مشائخ اور امراء بیٹھے تھے  
کہ اچانک ان کے بھائی احمد الغزالی آ گئے اور اس طرح مخاطب ہوئے۔

اصبحت تہدی ولا تہتدی وتسمع وعظاً ولا تسمع

فیما حجب الشجر حنی منی تسن الحديد ولا تقطع  
ان دو شعروں کا امام کے قلب پر یہ اثر ہوا کہ پھر کبھی وعظ نہ کیا، اپنے باطن کی اصلاح  
وتحیر میں ایسے مشغول ہوئے کہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے نیاز ہو گئے، ساری عمر عبادت  
وریاضات میں بسر کی۔

علامہ شبلی نے بھی امام غزالی کی زندگی میں انقلاب کا سبب اسی واقعہ کو ٹھہرایا ہے۔  
لیکن خود امام غزالی اپنی تصنیف "المعتز فی الضلال" میں یوں تحریر فرماتے ہیں:-

"ثم الی فرغت من هذه العلوم اقبلت

بہمتی علی طریق الصوفیة وعلمت ان

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کی طلب و جستجو میں رواں دواں ہوں بشرق حجت نے مجھے لکھا، اوصحہ الورد اکدر جاتا  
ہے۔ اور آخر آ کر تیرے محبوب کا مقام یہ ہے اب اپنے سفر کو ختم کر۔

میں حقیر گدا بان مشق راکیں قوم

شبان بے کمر و خردان بے فکر اند

اتم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو، لیکن خود ہدایت پر عمل نہیں کرتے، دوسروں کو چند نصیحت کرتے ہو، لیکن خود اس  
پر کار بند نہیں، پس اس سنگ نشان آخر کب تک تم اس طرح سے لوہے کو تیز کرتے رہو گے اور کانٹے نہیں۔

طریقۃم انسا تتم بعلم وعمل وکان حاصل  
 علیہم قطع عقبات الذنوس والنفس والفتنہ عن  
 اخلاقہا المذمومة وصفاتہا الحبیثہ حتی  
 یتوصل بہا الی تخلیۃ القلب من غیر اللہ  
 وتخلیہ بذكر اللہ

جب میں ان علوم سے فارغ ہو کر صوفیاء کے طریق کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا  
 کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کے علم کا حاصل نفس کی گھٹائیوں کا قلع کرنا  
 ، اخلاقِ رذیلہ اور صفاتِ خبیثہ سے پاک و منزه ہونا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنے قلب کو غیر اللہ  
 صہ کی آلودگیوں سے پاک و صاف کر لیا جائے۔ اور ذکرِ الہی کے نور سے اس کو منور کیا جائے۔  
 امام غزالی اپنی اس درویشانہ پاک زندگی پر ایسے شاد کام تھے کہ تجلی زندگی کو اس کے  
 مقابلہ میں جاہلانہ تاریکی بتاتے تھے۔

امام غزالی کی صحرا نوردی کے زمانہ میں کسی نے فتویٰ طلب کیا، آپ نے جواب  
 میں کہا مجھ سے دور ہو، ”ایام البطلان“ کی یاد تازہ کرتا ہے جس زمانہ میں فتویٰ نویسی کا کام کیا کرتا  
 تھا، اس زمانہ میں اگر تو یہ سوال کرتا تو میں جواب دیتا۔  
 اس جواب سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام غزالی اس معراجِ کمال پر تھے کہ درس  
 و فتویٰ کے ملے دور کو ویرانی اور خرابی کا دور بتاتے ہیں۔

اے دل طلب کمال در بدر سے چند

تجلیل احوال و حکمت و ہند سے چند

ہر فکر کہ جز ذکر خدا و سوسہ ست

شرے ز خدا بد را این دوسہ چند

ذوالنون مصری نے غالباً ایسے ہی پاک باطنِ انفس کی بابت یہ کہا تھا۔

ہم قوم اثر واللہ علی کل شیء

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ماسوی اللہ پر اللہ کو ترجیح دی ہے اور بس اس کے ہو گئے خدا  
 نے بھی انہیں نوازا لیا۔

یقیناً انسان جب اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کی زندگی کا حاصل بجز محبوب کے

اور کچھ نہیں ہوتا

زآ میزش جان و تن توئی مقصود  
 وز مردن دز یستن توئی مقصود  
 تو دیر بزی کہ من رستم زمیاں  
 گرمین گویم زمن توئی مقصود

### شعر گوئی

امام غزالی کو شعر و سخن سے بھی مناسبت تھی لیکن صرف رباعیات کی حد تک کہ قصائد، مدح برائی اور خوشامدوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے امام غزالی کی آزادانہ افتاد طبیعت کے سوزوں نہ تھے بدیں وجہ آپ نے کبھی کسی کی شان میں قصیدہ نہیں لکھا، ایک رباعی ملاحظہ ہو

ہا جامہ نماز سے بسر خم کردیم  
 وز آب خرابات خیم کردیم  
 شاید کہ دریں میکدہ ہا دریا نیم  
 آں یار کہ در صومعہ ہا گم کردیم

اس رباعی میں رنگ تصوف جھک رہا ہے، گویا عشق محبوب میں اس درجہ وارفتہ و سرشار ہیں کہ زبان حال کے علاوہ زبان قال میں بھی اس کو ضبط نہ کر سکے۔

**تصنیفات** —۔ اگرچہ ہدوتقویٰ کی اس زندگی میں تمام معمولات متروک ہو چکے تھے، تاہم تصنیف و تالیف کا مشغلہ اس عزالت نشینی کی زندگی میں بھی جاری تھا، امام غزالی کی تصنیفات یوں تو بیشتر علوم و فنون میں پائی جاتی ہیں خاص کر علم کلام اور اخلاق پر آپ کی تصانیف نہایت مبسوط اور جامع ہیں منجملہ ان کے چند تصانیف درج ذیل ہیں۔

”احیاء العلوم“ ”کیسے سعادت“ ”جواہر القرآن“ ”تہافت الفلاسفہ“

”تہذیب الروح“ ”تہذیب المخلوقات“ ”الحکمت فی مخلوقات اللہ“ یا قوت۔

آپ کی بے شمار تصنیفات کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اس ۵۵ سال کی مختصر و محدود زندگی میں عزالت نشینی و ریاض و مجاہدات کا زمانہ بھی شامل ہے، عہد طفولیت و عہد طالب علمی بھی اور پھر مصائب و آلام روزگار سے بھی دوچار ہونا، تصنیفات و تالیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دینا

آسان نہیں۔

اس سعادت بہرہ ور باز و نیست

وفات..... افسوس یہ قباب علم و حکمت ۵۵۵ء میں اپنی عمر کے ۵۴ سال پورے کر کے اپنے جائے ولادت طاهران میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، لیکن اپنی تصانیف و تالیفات میں آج بھی اسی طرح روشن و درخشاں ہے اور تاقیامت روشن رہے گا۔ دارالاشکوہ صاحب سہینو الاولیاء نے امام غزالی کی قبر بغداد میں بتائی ہے۔

ابن الجوزی نے اپنی کتاب ”الطبقات عند المسلمات“ میں امام غزالی کی وفات سے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ ۳ جمادی الثانی ۵۵۵ھ (مطابق ۱۸ دسمبر ۱۱۱۱ء کو دوشنبہ کی صبح کو حسب معمول اٹھے، وضو کیا، نماز فجر ادا کی، اور کفن منگوایا، آنکھوں سے لگایا، اور کہا کہ آقا کا حکم سر آنکھوں پر، اور لیٹ گئے اور ایسے لیٹے کہ پھر کبھی نہ اٹھے۔

رفت آں طاہر اس عرشی سوئے عرش

چوں رسید از ہاتھش بوئے عرش

منہ رحم  
محمد علی لطفی

۱۹۵۶ء

## مقدمہ کتاب

حمد و سپاس اس خدائے واحد کے لئے جس نے اپنے مقررین بارگاہ کو مخصوص نعمتوں سے نوازا اور اپنی مصنوعات میں غور و فکر کرنے والوں پر خاص لطف و کرم فرمایا اپنی کائنات میں تدبیر و فکر کو ایمان و یقین کے استحکام کا ذریعہ بنایا ان اصحاب فکر و نظر نے غور و فکر سے اپنے خالق حقیقی کو پہچانا اس کے واحد و یکتا ہونے کا کامل یقین حاصل کیا اور خدا کی عظمت و قدرت کا مشاہدہ کیا اور اس کو تمام عیوب سے منزہ و مبرا ہونے کا دل سے اعتراف کیا بلاشبہ وہی عدل و انصاف کے ساتھ قائم ہے اور اہل نظر اس کے کمال قدرت پر شاہد عدل ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ صرف وہی قادر و توانا ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب مبین میں فرمایا ہے۔

خدا اور اس کے فرشتے شاہد ہیں کہ بجز اس ذات واحد کے کوئی لائق پرستش نہیں اور صرف وہی عدل و انصاف کا مالک ہے اپنے ارادہ میں غالب ہے اور اپنے تمام امور کو حکمت و مصلحت کے ساتھ انجام دینے والا ہے۔

درود و سلام ہو اس ذات پر جو سید المرسلین امام المستعین ہیں اور ہم جیسے گنہگاروں کی سنبھالنے والے ہیں جن کا اسم گرامی محمد ﷺ ہے جو تمام انبیاء میں آخری نبی ہیں اور صلوة و سلام ہو ان کی اولاد و اصحاب پر جب تک دنیا قائم ہے۔

ابا بعد! خدا تجھے کو حقیقت شناسوں کی توفیق عطا کرے اور دین کی فلاح و کامرانی نصیب فرمائے خدا کی معرفت اس کی عجائبات و مصنوعات میں تدبر و فکر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور درحقیقت یہی معرفت ایمان و یقین کے ثبات و استحکام کا موجب ہے اور اسی سے ابرار متقین کے منازل و مدارج میں تفاوت ہوتا ہے کیونکہ حقیقی معرفت کا حصول مخلوقات الہی میں غور و فکر کرنے پر منحصر تھا اس لئے اس کتاب کو ارباب عقل کی رہنمائی اور ان کے استفادہ کے لئے لکھا گیا اس میں ان حکمتوں اور مصلحتوں کو بیان کیا گیا ہے جن کی طرف قرآن حکیم نے متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم عطا کی وحی کے ذریعہ اس کی رہنمائی فرمائی اور اسباب نظر اور ارباب عقل کو اپنی مصنوعات میں غور و فکر کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق دعوت دی۔

قل انظروا اعمادہی السموات والارض

اے محمد ﷺ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کہ آسمان و زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں

و جعلنا من السماء کل شئی حلی افلا یومنون

اور پانی سے ہم نے ہر چیز پیدا کی اب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے

اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں جن کے معانی میں غور و فکر کرنے سے خدا کی معرفت اور حقیقی عظمت کا علم ہوتا ہے جو سعادت و فلاح کا حقیقی سبب ہے اور جس پر انعامات الہی کا مدار ہے۔

اس کتاب میں چند ابواب ہیں اور ہر باب میں مخلوقات الہی کی نیکوئی حکمتوں اور مصلحتوں کو حتی الامکان وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اگر دنیا کی تمام مخلوقات اپنی تمام قوتوں کو صرف کر دے کہ کسی ایک مخلوق الہی کی تمام حکمتوں کو بالاستیعاب بیان کرے تو یہ کام نامکمل رہے گا اور سب عاجز ہوں گے۔

فلسفی سر حقیقت نہ توانست کشود

گشت راز و کر آں راز افشای کرد



## کائنات ارضی و سماوی میں غور و فکر کی دعوت

اقلع ينظروا الى السماء  
فوفهم كيف بنيناها وزيناها  
ومالها من فروع.

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نظر  
ضمیم کی ہم نے اس کو کیسا بلند و وسیع بنایا ہے پھر  
ستاروں سے اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی  
رخسہ تک نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

اللہ الذی خلق سبع سموات  
اس خدا ہی نے ساتوں آسمان کو پیدا کیا۔

جب تم اس جہاں میں غور و فکر کرو گے تو ایسا معلوم ہو گا یہ تمام جہاں ایک مکان ہے  
جس میں ہماری جملہ ضروریات کی اشیاء موجود ہیں آسمان کی نیلگوں چھت ہے اور زمین  
ہمارے لئے بستر ہے یہ سیارے آسمان میں روشنی کے لئے بجلی کے قلموں کے قائم مقام ہیں  
جواہرات زمین کے خانوں میں اس طرح سے محفوظ ہیں جیسے قیمتی ذخیروں کو جمع کر دیا گیا ہے  
اور ہر ایک چیز اپنے اپنے قرینہ سے اپنے مقصد کی تکمیل میں کار فرما ہے اس مکان کا بالک  
انسان ہے اور اس مکان کی جملہ اشیاء مالک مکان کی ضروریات کے لئے مہیا کی گئی ہیں نباتات  
ہوں یا حیوانات سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں خالق حقیقی نے آسمان کا رنگ ایسا بنایا  
ہے جو نگاہ کے لئے سوزوں ہے اور قوت بخشا ہے اگر اس رنگ کے خلاف یہ آسمان شعاعوں  
اور انوار کا مجموعہ ہوتا تو نگاہوں کو خیرہ کر دیتا کیونکہ سبز اور نیلگوں رنگ نگاہ کے لئے مناسب  
اور سازگار ہے انسان آسمان کی وسعت و فراخی کو دیکھ کر نفس میں کیف اور سرور حاصل کرتا ہے  
خصوصاً اس وقت جبکہ ستارے اپنی پوری تابانی کے ساتھ نکلے ہوئے ہوں اور ماہتاب اپنی  
درخشانی سے تمام جہاں کو منور کئے ہوئے ہو دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اپنے شاہی محلوں میں  
زیب و زینت کے لئے بہتر سے بہتر سامان مہیا کرتے ہیں اپنے دربار کی چھتوں پر نہایت

خوبصورت نقوش و نگار کراتے ہیں جن کو دیکھ کر آنکھوں میں نور اور قلب میں سرور پیدا ہوتا ہے لیکن ان زیبائش و آرائش کی طرف بھی اگر متواتر دیکھا جائے تو آخر کار دل استا جاتا ہے اور ایک قسم کی کوفت ہوئے لگتی ہے برخلاف آسمان کے قدرتی مناظر و خوشنوائی اور اس کی وسعت اور ستاروں کی چمک و دمک کو جتنا بھی دیکھا جائے طبیعت اس سے کبھی نہیں گھبراتی بلکہ قدرت کی گونا گوں گلکاری اور اس کی صنعت کو دیکھ کر انسان کے دل میں خدا کی عظمت اور اس کے کمال و قدرت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے اور وہ دل کی گہرائی سے بے ساختہ پڑھنے لگتا ہے کہ ربنا ما خلقت هذا باطلا اسی لئے حکماء نے کہا ہے کہ جب تو رنجیدہ ہو تو آسمان کی طرف دیکھ کر خدا کی قدرت اور اس کی صنعت میں اپنا دل بہلا کیونکہ یہ تیرے رنج و غم کو دور کرنے کے لئے کافی سامان ہے اور ستاروں کو دیکھو اور پھر ان کی برکتوں اور فائدوں پر نظر کر کہ دنیا والے کس طرح ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور سمندر کی تاریک اور اندھیری راتوں میں یہ ستارے مسافروں کی کیسی رہنمائی کرتے ہیں۔

اور بعض حکماء اس کے بھی قائل ہیں کہ ستاروں میں جانے کے لئے راستے بنے ہیں اور ایک سیارے کے باشندے دوسرے سیاروں کے باشندوں کے پاس آتے جاتے ہیں۔ کسی حکیم نے کہا ہے کہ آسمان کی طرف نظر کرنے سے دس فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

- (۱) انسان کا رنج و غم دور ہوتا ہے
- (۲) برے خیالات دور ہوتے ہیں۔
- (۳) خوف و ہراس دل سے جاتا رہتا ہے۔
- (۴) خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے۔
- (۵) خدا کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے۔
- (۶) فاسد تفکرات دور ہوتے ہیں۔
- (۷) سوداوی امراض کو فائدہ ہوتا ہے۔
- (۸) مشتاق دلوں کو تسلی و سکون ہوتا ہے۔
- (۹) عشق الہی کے پیاروں کو شفاء ہوتی ہے۔
- (۱۰) دعا کرنے والوں کی دعاؤں کا مرکز و قبلہ ہے۔

## آفتاب کی پیدائش کی حکمتیں

وجعل الشمس سراجا  
خدا نے سورج کو مثل روشن چراغ کے

بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے جن حکمتوں اور کاموں کے لئے آفتاب کو پیدا فرمایا ہے اس کا مکمل علم تو خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ ہم اپنی قدرت و نظر کے مطابق جتنا جانتے ہیں یہاں لکھتے ہیں۔

آفتاب کی حرکت سے رات اور دن کا قیام ہے اگر یہ نہ ہو تو دین کے بہت سے کاموں کا نظام درہم برہم ہو جائے اور دنیا کے بھی بہت سے کام خراب ہو جائیں۔ روزگار اور معاش کی طلب و سعی میں بڑی دشواری ہو جائے اگر ساری دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو تو روشنی سے آنکھیں کیونکر لذت اٹھا سکتی ہیں اور اشیاء کے مختلف رنگ کا امتیاز کیونکر ممکن ہوگا انسانی جسم کو راحت و آرام کیونکر نصیب ہوگا بلکہ معدے میں غذا کے ہضم کا نظام بھی بگڑ جائے گا اسی طرح اگر روشنی ہی روشنی ہو اور آفتاب غروب نہ ہو تب بھی بڑی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی رات میں انسان آرام کر کے اپنے دن بھر کے تھکے ماندے جسم کو راحت پہنچا کر دوسرے دن کام کرنے کے قابل بناتا ہے اگر رات نہ ہو تو ایک طرف کام کرنے کی حرص و آرزو میں بڑھے گی اور دوسری طرف آرام نصیب نہ ہونے سے جسم میں نئی اور تازہ قوت نہ ہوگی وہ کافی عرصہ تک کام کرتے رہنے سے مستحکم اور مست ہو جائے گا اس سے قوی میں اضطلال اور بدن کے انتظام میں اختلال کا پیدا ہو جانا یقینی ہے اور یہ اسباب انسان کی بیماری کے لئے کافی ہیں اس طرح دو جانور جو دن بھر کام کر کے رات کو کام چھوڑ کر آرام کرنے کے لئے تھکان پر پابند دیے جاتے ہیں تاکہ رات بھر آرام کر کے پھر دوسرے دن کام کرنے کے قابل ہو جائیں ان کا حال بھی زبوں ہو جائے گا اور آفتاب غروب نہ ہونے اور متواتر ٹھکے رہنے سے زمین اتنی گرم ہو جائے گی کہ زمین پر بسنے والے انسان و جانور اس گرمی کی شدت سے ہلاک ہو جائیں گے سورج کا طلوع و غروب و ٹوٹنے اپنی اپنی جگہ پر بڑی مصلحت و حکمت پر مبنی ہیں نیز دوسری مخلوق کا سکون و راحت اسی میں مضمر ہے جس طرح ایک انسان بجلی کی متواتر روشنی سے گھبرا کر روشنی کو

بند کر کے آرام حاصل کرتا ہے اور جب طویل تاریکی سے دل اکتا جاتا ہے تو روشنی کر کے اپنی اظہرائی کیفیت کو تسلی دیتا ہے اور جیسا کہ انسان آگ سے کھانا وغیرہ تیار کر کے خود متشبع ہوتا ہے پھر دوسروں کو دیدیتا ہے کہ اب وہ اس سے کھانا وغیرہ تیار کر لیں اور دوسرا تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو اسی طرح نظام عالم قائم ہے روشنی اور تاریکی سردی اور گرمی دونوں مل کر ہی ہمیں پورا پورا فائدہ پہنچاتے ہیں۔

اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اشارہ فرمایا ہے۔

قُلْ اَرَايْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ

عَلَيْكُمْ السَّيْلَ سِرْمًا لِّیَوْمِ

الْفِتْنَةِ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِ اللّٰهِ یَاتِیْکُمْ

مُضِیًّا ؕ

آپ ان لوگوں سے کہیے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر

اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی

رہنے دیتے تو کونسا معبود ہے جو روشنی لائے گا۔

پس جس طرح آفتاب کے طلوع و غروب میں نکلتیں ہیں اسی طرح تقدیم و تاخیر یعنی تغیر موسم کے اعتبار سے اس کے طلوع و غروب میں اوقات و مقام کا تغیر و تبدل اس میں بھی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں نباتات و حیوانات کا بہت کچھ نظام آفتاب کی اسی تقدیم و تاخیر سے طلوع و غروب ہونے پر موقوف ہے فصلوں کا پکنا اور لٹکا اور پھلوں کا اپنے وقت پر پک کر تیار ہو جانا بھی اسی پر موقوف ہے اور شب و روز کا موسم کے لحاظ سے کم و بیش ہونا بھی اسی حکمت پر مبنی ہے اگر طلوع و غروب ایک مقررہ وقت پر ہی ہوا کرے تو رات دن میں یہ کمی بیشی کیونکر ہو سکتی ہے انسان کی افتاد طبیعت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ وہ ہر آن تغیرات و تبدلات کو پسند کرتی ہے اور اس سے لطف اٹھاتی ہے۔ کل جدیدہ لازماً اوقات کا پہچانا اور پھر اس کے مطابق اپنے کاموں کو ترتیب دینا وغیرہ یہ سب امور اسی آفتاب کے طلوع و غروب پر منحصر ہیں۔ دیکھو خدا نے رات و راحت و سکون کا سبب اور دن کو طلب معاش کسب و معاش کے لئے کس حکمت و مصلحت سے بنایا ہے پھر سال میں موسموں کا تغیر و تبدل اور ان موسموں میں آب و ہوا کے اثرات میں تبدیلیاں یہ سب آفتاب ہی کی برکتوں کا ثمرہ ہیں اور آب و ہوا میں سردی و گرمی اور رطوبت و بیوسٹ کے اثرات شجر و نباتات اور ان کے پھلوں اور پھولوں پر پڑتے ہیں اور آفتاب کے

طلوع وغروب اور موسم کے تغیر و تبدل اور اس کے اثرات ہی سے پادلوں کا پیدا ہونا اور وقت پر بارش کا ہونا موقوف ہے جو انسانات حیوانات اور نباتات کے نشق و ثانیہ کا موجب ہے انسان کی طبیعتوں میں اختلافات بھی اس کی برکات کا سبب ہے مزاج میں کمی و بیشی اور اعتدال کا پیدا ہونا اس کا دار و مدار بھی اسی پر ہے غرض کہ امراض کا پیدا ہونا اور دوسرے موسم کے آنے سے امراض کا چا تار چنبدنوں میں قوت پیدا ہونا اور کاموں میں از سر نو جدوجہد کا جذبہ عمل پیدا ہونا یہ بھی اسی کے ثمرات ہیں یہ سب اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے اوقات پر مدد رنجی طور پر کام جاری ہیں جس میں بیش بہا نعمتیں و مستطعات مضر ہیں جس پر نظر و غور فکر سے اس صانع و تنظیم کی کارگیری کی داود بٹا پڑتی ہے کہ اس نے کمال قدرت اور نہایت حکمت سے کیا نظام عالم بنایا ہے۔

فتبارك الله احسن الخالقين .

پھر آفتاب کا برجوں میں جانا جس سے سال کے دوروں کا قیام ہے اور اسی سے موسم گرما موسم سرما ربيع و خريف چاروں موسم کا پیدا ہونا موقوف ہے اور اسی سے سال کا حساب اور مہینوں اور دنوں کا شمار اور چیزوں کی مدتوں اور عمروں کا علم اسی پر موقوف ہے۔

تمام جہاں پر آفتاب کے بلند ہونے پر نظر کر و خدا نے کس مبلغ حکمت سے اس کو بلند کیا ہے اگر ایک ہی جگہ پر دو قائم ہوتا تو اس کی شعاعوں سے زمین کے ایک ہی حصہ کو فائدہ ہوتا باقی حصے اس کے فیض سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوتے اور پھر اس کے اثرات و ثمرات بھی تمام جہاں کو یکساں طور پر نہیں پہنچ سکتے تھے اس کی روشنی ہمیشہ ایک ہی جہت پر پڑتی اور دوسری جہتیں اس سے محروم رہتیں یہ خدا کی مبلغ حکمت ہے کہ اس نے آفتاب کو متحرک بنایا طلوع ہوتے وقت جن اطراف و اکناف میں اس کی روشنی پڑتی ہے غروب ہوتے وقت وہاں سلیہ ہوتا ہے اور جو حصے طلوع ہوتے وقت روشنی سے محروم تھے اب غروب ہوتے وقت وہ بھی اس کی روشنی سے فیضیاب ہوتے ہیں اس طرح سے آفتاب کا فیض سب کو یکساں طور پر حاصل ہوتا ہے۔

اب رات و دن کی مقداروں پر نظر کر و خدا نے کس خوبی سے اس کا نظام رکھا ہے جس میں عالم کی فلاح و نہج و مد نظر ہے کہ اگر ذرا بھی اس میں فرق آ جائے تو اس کا بڑا اثر زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کو کم و بیش پہنچنے کا خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات حیوانات کو لہجے کہ جب تک وہ دن کی روشنی دیکھتے رہیں گے کام میں لگے رہیں گے حتیٰ کہ ان کی قوت کمزور پڑ جائے گی چوپائے چرنے سے باز نہیں آئیں گے حد سے کسی چیز کا بڑھنا اس کے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے نباتات کو ذرا دیکھئے آفتاب کی حرارت اگر متواتر ان پر رہے گی تو نباتات خشک

ہو کر جمل چائیں گے اور یہی حال رات کے برابر رہنے کا ہے اگر دن نہ ہو اور رات ہی رہے تو حیوانات و انسان کچھ طلب معاش اور کسب معیشت میں اختلاف کا موجب ہوگی اور طبعی حرارتیں سرد پڑ جانے سے نباتات و حیوانات کے قیاد و تلف ہو جانے کا سبب ہوگا جس طرح کہ اس مقام پر نباتات کا حال ہوتا ہے جہاں ہم آفتاب کی روشنی و گرمی پہنچنے کا بندوبست نہ کریں اور اس کی شعاعوں کے اثرات کو وہاں تک نہ پہنچنے دیں۔



## چاند ستاروں کی پیدائش کی حکمتیں

• اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي

السَّمَاءِ نُجُومًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا

وَقَمَرًا مِّنْ نُجُومٍ -

وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان پر

بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں ایک

چراغ آفتاب اور نورانی چاند بنایا۔

اس حکیم مطلق نے جب رات کو بچ سکون و راحت بنایا ہوا کو خوشگوار ٹھنڈا کر دیا تو اس نے رات کو تاریک اور مطلق ظلمت نہیں رکھا۔ ورنہ رات کی تاریکی میں انسان اپنے ان کاموں کو کیونکر انجام دیتا جن کے انجام دینے میں وہ روشنی کا محتاج ہے کیونکہ شدت گرمی یا ٹھنڈی وقت کی وجہ سے کبھی اس کو راتوں کو اپنے دن کے کام انجام دینا ہوتے ہیں تو چاند کی روشنی سے اس کو بڑی مدد ملتی ہے اور چاند کو ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی سے جو بعض راتوں میں اپنی پوری تابانی سے پھیل جاتی ہے انسان کو اس سے نشاط و فرحت حاصل ہوتی ہے اور ان راتوں میں جب چاند کی روشنی پوری نہیں ہوتی ستاروں کی روشنی سے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے اس کے علاوہ چاند ستاروں سے آسمان کی رونق و ہلالا ہو جاتی ہے دیکھنے والے کو ایک فرحت و انبساط حاصل ہوتا ہے خدا کی اس حکمت کو دیکھو کہ اس نے کس خوبی سے رات کی تاریکی کو چاند ستاروں کی ٹھنڈی اور خوشگوار

روشنی سے دور کیا تاکہ انسان اپنی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

پھر چاند کی نقل و حرکت پر سالوں اور مہینوں کا علم کس طرح موقوف کیا ہے یہ اللہ کی بڑی مصلحت و حکمت ہے ستاروں میں روشنی کے علاوہ اور بھی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں زراعت و کاشت کا بہت کچھ، حاملہ چاند ستاروں پر موقوف ہے۔

بحر و در کے مسافرین کے لئے رہنمائی کا بڑا سبب ہے بڑے بڑے لقی و لقی جنگلوں میں رات کی تاریکی میں سفر کرنا اور اسی طرح سمندر کی تاریک راتوں میں راستہ کا معلوم کرنا انھیں سیاروں کے وجود پر موقوف ہے۔  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وہو الذی جعل لکم  
النجوم لتہتدوا بہا فی ظلمات  
البر و البحر۔

اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ اندھیروں میں فتنگی میں بھی اور دریا میں بھی راستے معلوم کر سکو۔

آفتاب کی طرح ماہتاب کے طلوع و غروب اور آنے جانے میں اور پھر اس کے پہلے دن طلوع ہونے اور کم و بیش ہونے اور بعض راتوں میں اس کے غائب ہونے اور بعض اوقات اس کے کسوف بے نور ہونے میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں وہ قدرت الہی پر دلیل ہیں ان کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟

پھر آسمان کا ان ستاروں کے ساتھ ہر شب و روز سرعت سے حرکت کرنا جس کو ہم خود بھی طلوع و غروب کے وقت مشاہدہ کرتے ہیں اگر یہ حرکت اس سرعت سے نہ ہوتی تو یہ رات و دن کے ۲۴ گھنٹہ کی طویل مسافت کیونکر قطع ہوتی اگر خدائے تعالیٰ چاند کو ہم سے اتنا بلند نہ رکھتا جس سے ہم اس کی شدت رفتار کو محسوس نہیں کر سکتے تو یقیناً اس کی حرکت کی سرعت رفتار سے ہماری آنکھیں خیرہ ہو جاتیں جس طرح کہ کبھی کبھی خلا میں بجلی کے چمکنے سے ہم محسوس کرتے ہیں اور اس حکمت سے بھی اس نے ہم سے اتنا دور اور بلند رکھا ہے کہ قریب و محسوس ہونے سے ایسے حادثات نہ پیدا ہوں جن کے ہم متحمل نہ ہوں اس لئے ایک خاص انداز و مقدار پر اس نے

بنایا۔

ان ستاروں پر نظر کرو جو سال کے بعض ایام میں پوشیدہ رہتے ہیں اور بعض ایام میں طلوع جیسا کہ ثریا جو زہاء اور شمرنی اگر یہ ہمیشہ ایک وقت میں نکلتے رہتے تو انسان کو وہ فوائد حاصل نہ ہوتے جو اس موجودہ صورت میں حاصل ہیں اور انھیں فوائد و مصالح انسانی کے پیش نظر اس نے نباتات و فحش کو ہمیشہ نکلا ہوا بنایا ہے جو کسی وقت غائب نہیں ہوتی کہ وہ ہمزلہ نباتات و دلائل کے ہے مسافروں کو رات کی تاریکی میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے اس طرح سے اگر یہ ستارے ایک جگہ پر ٹھہرے ہوئے نہ ہوتا جو حرکت نہ کرتے اور ہر برج میں سے ہو کر نہ گزرتے تو پھر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے میں جو ان سے دلالت و ہدایت کا کام لیا جاتا ہے اس سے ہم محروم ہو جاتے جس طرح کہ ہم چاند و سورج کے اپنے اپنے منازل و برجوں میں منتقل ہونے سے فوائد حاصل کرتے ہیں بالکل اسی طرح جیسا کہ زمین پر سفر کرنے والا راستہ کی منازل و مدارج میں ہو کر گزرنے میں اپنے لیے سہولت و فائدے حاصل کرتا ہے۔ کہ آسمان اور آسمان کے یہ تمام سیارے اس عالم پر سال کے چاروں فصلوں میں اس لئے گردش کرتے ہیں کہ اس میں حیوانات و نباتات و دیگر مخلوقات کے ہزاروں فوائد اور ان کی مستلکاتیں مضمر ہیں۔

اس خالق کا یہ کمال قدرت ہے کہ اس نے آسمان کو ایسا بلند ایسا خوشنما اور مستحکم اور ثابت بنایا ہے کہ صدیاں گزر جانے پر بھی اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل محسوس نہیں کہ اس کا ادنیٰ سا تغیر بھی اہل زمین کے ایک بڑے تغیر و تبدل کا موجب ہوتا اور نظام عالم میں بڑا انقلاب پیدا ہو جاتا کیونکہ زمین کا نظم و نسق آسمان کے ساتھ کچھ اس طرح سے وابستہ ہے اور خدا کی یہ بڑی قدرت ہے کہ نظام عالم ایک منہج پر اسی طرح جاری اور ساری ہے سبحان العلیم القدیر۔



انبات و فحش سے مرکب ہے قطب ثمالی کے قریب چار پائی کی شکل میں چار ستارے ہیں جو فحش کہلاتے ہیں اور اس کے مشرقی ثمالی پایہ کے متصل تین ستارے ہیں جو نباتات کہے جاتے ہیں اسی طرح نباتات و فحش سات ستاروں کا مجموعہ ہے۔



## زمین کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

والارض فرشناها فنعم  
الماہدون

اور ہم نے زمین کو بطور فرش بنایا سو ہم کیسے اچھے  
بچانے والے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے زمین کا کیسا اچھا بستر بنایا ہے جس پر ہم آرام کرتے ہیں اس بستر کے بغیر ہمارے لئے رہنا دشوار تھا پھر ہمارے لئے زندگی کی تمام ضروریات کھانے پینے کے سامان کے لئے زمین کو فرما دیا ہمارا ضرورت کی تمام چیزیں زمین سے حاصل ہوتی ہیں سردی اور گرمی سے حفاظت بھی زمین پر رہ کر کر سکتے ہیں اور بدبودار چیزیں اور مردار جن کے قطن کی وجہ سے ہمیں سخت تکلیف ہوتی ہے ایسی چیزوں کو زمین میں دفن کر کے ہم ان کی خراب ہوا کے اثر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

الم نجعل الارض کفانا الحیاء  
وامواتا۔

کیا ہم نے زمین کو زندوں مردوں کی سمیٹنے والی  
نہیں بنایا۔

ہمارے لئے زمین پر راستے بنائے تاکہ ہم اپنے لئے ضروری سامان لانے لیجانے کے لئے سفر کریں اور ایک دوسرے کی ضرورتوں کو پورا کر سکیں اس طرح ہمارے جانوروں کے لئے چارہ وغیرہ بھی زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے ہماری بھتی باڑی بھی زمین پر ہوتی ہے ان تمام چیزوں میں ہم زمین کے محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ہمیں متنبہ کیا ہے:-

اخرج منها ماءها ومرعها  
والجبہا لرساھا مقاعلکم

ولا نعامکم۔

زمین میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور  
پھاڑوں کو کاڑ دیا تھیں اور قہارے سویلیوں کو  
فائدہ پہنچانے کی خاطر۔

زمین کو نرم اور ہماری ضرورتوں کے مناسب پیدا فرما کر اس نے ہم کو اختیار دیا کہ ہم  
زمین کو اپنی ضرورتوں کے لئے استعمال کریں اس پر مینیں آرام کریں سوئیں اپنے کام کے  
لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کریں یہ سب آسانیاں اس لئے حاصل ہیں کہ زمین کو ہمارے  
حسب حال بنایا ہے کیونکہ اگر یہ زیادہ نرم اور متحرک ہوتی تو ہم اس پر نہ مکانات بنوا سکتے نہ بھیتی  
باڑی کر سکتے نہ اس پر ٹھہر سکتے نہ آرام کر سکتے تھے جیسے کہ زلزلوں کے جھٹکوں سے ہم متوحش ہو جاتے  
ہیں اور اس سے ڈر کر ہم اپنا کوئی کام بھی نہیں کر پاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ  
اپنے نافرمان بندوں کی تنبیہ کے لیے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے کبھی کبھی اپنی قدرت  
اس طرح سے ظاہر فرماتا ہے یہ بھی خدا کی بڑی حکمت ہے۔

جس طرح خدا نے زمین کو مناسب نرم بنایا ہے اسی طرح اس نے مناسب خشک اور  
سرد بنایا ہے اور اگر زیادہ خشک پتھر جیسی سخت بنا دیتا تو ہم کاشت کے لئے اور مکانات کے لئے  
اس کو کیونکر استعمال کر سکتے اس لئے اس نے کمال حکمت سے اس کو مناسب نرم اور خشک سرد  
بنایا کہ زمین پر رہنے والوں کو زمین کے استعمال کرنے میں سہولت ہو پھر اس نے اپنی حکمت  
سے شمالی حصہ کو جنوبی حصہ سے قدرے بلند بنا دیا کہ پانی ایک طرف سے بہہ کر دوسری طرف جا  
سکے اور اس طرح سے حیوانات کو فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے اور آخر میں وہ پانی سمندر میں جا  
کر گر جائے اگر ایسا نہ ہوتا یعنی زمین ایک طرف سے ذرا بلند اور دوسری طرف سے ذرا نشیب  
میں نہ ہوتی تو پانی سطح زمین پر رک کر اس کو سمندر بنا دیتا اور آمد و رفت بند ہو جاتی لوگوں کے  
کاموں میں بڑا حرج واقع ہوتا جیسا کہ ہم سیلاب کے زمانے میں پریشانیوں اور تکلیفوں کو  
محسوس کرتے ہیں۔

اب زمین کے اندرون کی طرف ذرا غور کرو خدا نے اس کے اندر کیسے کیسے خزانے  
پوشیدہ رکھے ہیں کہیں جواہرات کی کانیں ہیں تو کہیں سونے چاندی کے خزانے کہیں یا قوت  
و زمرہ کے ذخیرے کہیں لوہے تانبے سیسے گندھک ہڑتال۔ سنگ مرمر۔ چونا۔ سینٹ۔ زوولی۔  
وغیرہ کے بڑے بڑے خزانے اگر تفصیل سے ان کو لکھا جائے تو اس کے لئے کافی وقت اور

صفحات کی ضرورت ہوگی ان تمام ذخیروں اور خزانوں کو ہم اپنی ضرورتوں میں استعمال کرتے ہیں اور کس کس طرح سے یہ چیزیں ہمارے کام میں آتی ہیں۔

اگر زمین پہاڑ کی طرح بلند اور سخت ہوتی تو ہم اس سے خاطر خواہ نفع حاصل نہ کر سکتے تھے خدا نے اپنی حکمت سے سطح اور ہموار حسب ضرورت نرم و سرد اور خشک بنایا کہ ہم اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں زمین کے پہاڑ کی طرح بلند و سخت ہونے میں ہم کاشت کے لئے اسے کیونکر استعمال کر سکتے تھے کیونکہ کاشت اسی زمین پر ہو سکتی ہے کہ زمین نرم ہو اور ہموار بھی ہو تاکہ ضرورت پر پانی کو پانی سکے اور نرم و نازک پودے جب تناؤ و سخت ہو کر زمین پر قائم ہوں تو درختوں کی جڑیں اور نرم و نازک ان کی رگیں زمین کی گہرائی میں چاروں طرف پھیل کر قائم رکھنے میں مددگار ہوں اور اس کو سرسبز و شاداب کرنے میں زمین سے اپنی خوراک حاصل کر کے درخت کو سیراب کر سکیں اور اس کو قائم رکھ سکیں۔

زمین کے نرم ہونے میں جہاں اور بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اس میں آسانی سے جہاں ہم چاہتے ہیں کنویں کھود لیتے ہیں اگر زمین پہاڑ کی طرح سخت ہوتی تو کنویں کھودنے میں بڑی دشواری ہوتی اس طرح سے ہمارے سفر کرنے میں بھی بڑی دشواری ہوتی کیونکہ پتھروں میں راستوں کا بنانا بڑا سخت کام ہے اور راستوں کے موجود نہ ہونے سے اور ان کے متعین نہ ہونے سے ہمارے لئے سفر کرنا ناممکن ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

هو الذي جعل لكم الارض ذلولا

فامشوا في هذا كبتها.

وہ ایسا منعم ہے جس نے تمہارے لئے زمین

کو مسخر کر دیا پس تم اس کے راستوں پر چلو۔

وجعل لكم فيها سبلا لعلكم

تہتدون۔

اور اس نے تمہارے لئے اس میں راستے بنائے

کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

مجملہ اور فوائد کے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنے مکانات کے بنانے میں اس کی مٹی کو با آسانی استعمال کر سکتے ہیں اینٹیں بناتے ہیں گارے کے لئے استعمال میں لاتے ہیں اور برتن

وغیرہ ..... دوسری بہت سی ضروری چیزیں تیار کرتے ہیں۔

جن مقامات پر زمین سے نمک۔ پتھری۔ ابرق اور گندھک وغیرہ نکلتی ہے وہاں کی مٹی زیادہ نرم ہوتی ہے اور نرم زمین میں طرح طرح کی نباتات پیدا ہو سکتی ہے سخت اور پہاڑی زمین میں یہ نہیں ہو سکتی اور زمین کے نرم ہونے سے بہت سے جانور اپنے رہنے کے ٹھکانے بناتے ہیں حشرات الارض کے رہنے کے لئے سوراخ اور بل زمین ہی میں ہوتی ہیں اور یہ سب آسانی زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے ہے کانوں کا زمین کے اندر پیدا فرمانا خدا کی بڑی حکمتوں میں سے ہے جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت سلیمان علیہ السلام پر بطور احسان فرمایا ہے۔

واسئلناہ عین القطر۔

اور ہم نے ان کے لئے تانبہ کا چشمہ بہایا۔

یعنی ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تانبے سے قلعہ حاصل کرنے کے لئے طریقوں کو آسان کر دیا اور اس کی کان (خزانہ) پر مطلع کیا اور اسی طرح سے اپنے بندوں پر امتناناً ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

وانزلنا الحديد فيه باس

شدید و منافع للناس،

ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت ہے اور

لوگوں کے بہت کام کی چیز ہے۔

اس مقام پر نزول کا مفہوم خلق ہے یعنی پیدا کرنا جس طرح کہ دوسری جگہ لفظ انزل سے خلق کے معنی کو مراد لیا گیا۔ جیسے ایک جگہ فرمایا۔

وانزلنا لكم من الانعام

خدا نے تمہارے فائدے کے لئے مومنی پیدا

فرمائے۔

حضرت سلیمان کے حق میں جس آیت میں انزلنا ارشاد فرمایا ہے اس کے معنی اس طرح ہیں کہ ہم نے پیدا فرمایا اور ان پوشیدہ خزانوں سے سونا وغیرہ معدنیات کو نکال کر اپنے کاموں میں لانے کے طریقوں کی تعلیم دی کہ ان معدنیات کو کس کس کام میں کیوں کر لایا جا سکتا ہے پیشہ سے نفیس برتن تیار کئے جاسکتے ہیں جن میں اپنی ضروری چیزوں کو طویل مدت تک

کے لئے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

ان کانوں سے سرمہ۔ سومیا۔ سلاجیت وغیرہ مفید چیزوں کو حاصل کیا جاسکتا ہے جو ہمارے بہت سے کام آتی ہیں۔

اس کی بڑی حکمت یہ ہے کہ اس نے زمین پر پہاڑوں کو قائم فرما کر زمین کو مستحکم کر دیا جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے:-

وَالْجِبَالُ أَرْسَاةَا

وَالْقِیَ فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیْ اِنْ تَمِیْذَ بِکُمْ .

اور پہاڑوں کو اس پر قائم کر دیا۔

اور رکھ دیئے زمین پر پہاڑ کہ تم کو لیکر جھک نہ پڑے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاسْکَنَافِ  
فِی الْاَرْضِ .

ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے اندر ٹھہرا دیا۔

اس حکیم مطلق نے زمین پر پہاڑوں کو بنایا جن کے تمام فائدوں اور مصلحتوں کو بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا بخجلہ ان حکمتوں کے یہ ہے کہ خدا آسمان سے پانی برساتا ہے جو حیوانات و نباتات کی زندگی و تازگی کا سبب ہے اگر زمین پر پہاڑ نہ ہوتے تو ہوا اور سورج کی گرمی پانی کو خشک کر دیتی اور اس صورت میں زمین کو کھود کر مشقت کے بعد پانی حاصل ہو سکتا تھا خدا نے بڑی حکمت سے پہاڑوں کو زمین پر پیدا کیا جن کے اندر پانی کے بڑے بڑے ذخیرہ جمع ہو کر تھوڑا تھوڑا کر کے چشموں اور نہروں اور دریاؤں کی شکل میں پانی بہتا ہے اور اس طرح زمین کے دور وراز کے مقامات تک کو سیراب کرتا ہے اور یہ پانی گرم موسم میں اور بھی قابل قدر ہوتا ہے اور اس زمانے تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں کہ بارش کا زمانہ شروع ہو اور جن پہاڑوں میں پانی کے جمع کرنے کے لئے اندروں میں گھنچائش نہیں ہوتی ان پہاڑوں میں برف کی شکل میں پانی کے خزانے کو محفوظ کر دیا جو سورج کی گرمی سے تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت پکھیل کر ندیوں نالوں اور نہروں میں جا کر زمین اور اہل زمین کو سیراب کرتا ہے پہاڑوں پر کہیں کہیں

بڑے بڑے حوض بھی ہوتے ہیں جہاں پانی جمع رہتا ہے اور ضرورت پر اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے جس طرح کہ غلہ کے بڑے بڑے ذخیروں اور گوداموں سے ضرورت کے وقت غلہ حاصل کیا جاتا ہے۔

علاوہ اس کے پہاڑوں پر بعض خاص قسم کے درخت اور جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں اور کہیں دستیاب نہیں ہوتیں پہاڑوں پر نہایت بلند درخت پائے جاتے ہیں جن کی لکڑی عمارتوں اور کشتیوں کے بنانے میں خاص کام میں استعمال کی جاتی ہے یہ لکڑی دوسرے درختوں سے حاصل نہیں ہو سکتی پہاڑوں پر ایسے کثرتاً اور شاداب مقامات ہیں کہ وہاں جا کر لوگ اپنے فرصت کے ایام گزارتے ہیں اور صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ چوپاؤں اور دوسرے جانوروں کے لئے بھی وہاں سامان خورد و نوش اور آرام کرنے کے پر فضا مقامات بنے ہوتے ہیں شہد کی مکھیوں کے لئے خاص کر وہ جگہ مخصوص ہے جہاں وہ اپنے گھر بناتی ہیں اور انسان بھی گرمی کے موسم میں تفریح کے لئے جاتے ہیں اور اپنے مردوں کی لاشوں کو محفوظ رکھنے کے لئے وہاں دفن کرتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَتَتَّخِذُونَ مِنَ الْجِبَالِ

بُيُوتًا آمِنِينَ .

اور پہاڑوں میں اپنے رہنے کے مکانات بناتے ہیں جن میں بے خوف رہتے ہیں۔

مخملہ دیگر فوائد یہ بھی ہیں کہ پہاڑوں پر راستوں کی شناخت کے لئے بڑے بڑے نشانات نصب کرتے ہیں۔ مسافروں کو اثنائے سفر میں ان نشانات سے بڑی مدد ملتی ہے۔ ایک یہ بھی بڑا فائدہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے لشکر اور جماعتیں جو اپنے مقابل سے نہیں لڑ سکتے وہ پہاڑوں پر پناہ لیتے ہیں اور پہاڑوں کو قلعہ کی جگہ استعمال کر کے اپنے کو دشمن سے محفوظ سمجھتے ہیں۔

خدا کی حکمت کو دیکھو کہ اس نے کس حکمت سے زمین میں سونے چاندی کے خزانوں کو محفوظ کیا ہے اور پھر خاص انداز سے اس کو پیدا فرمایا ہے اور پانی کی طرح سونے چاندی کو وافر نہیں پیدا کیا۔ اگرچہ اس کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ پانی کی طرح ان چیزوں کو بھی اتنا ہی کثیر مقدار میں پیدا فرمادیتا یہ بھی اس کی بڑی حکمت اور مصلحت ہے اور مخلوق کی فلاح و بہبود

اس انداز پر موقوف ہے جس کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔

اس نے فرمایا ہے کہ

و ان من شئ الا عندنا خزائنه

وما ننزله الا بقدر معلوم

ترجمہ۔ اور جتنی چیزیں ہمارے پاس ہیں سب

کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور ہم اس چیز کو

ایک معین مقدار سے اتارتے رہتے ہیں۔



## سمندر کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وهو الذی سخر لکم البحر

لنأکلوا منه لحما طریا

اس خدا نے تمہارے لئے سمندر کو

تمہارے قبضہ میں دے دیا کہ تم اس سے تازہ

گوشت مچھلیاں کھاؤ۔

خدا تعالیٰ نے سمندر کو پیدا فرمایا اور اس کے کثیر منافع اور فوائد کی وجہ سے اس کو بہت

وسیع کیا اور زمین کے اطراف و جواب میں اس طرح پھیلا دیا کہ زمین کا خشک حصہ اور پہاڑ

وغیرہ اس کی نسبت معلوم ہوتا ہے گویا ایک چھوٹا سا جزیرہ غالباً حصہ ہو جو ہر طرف سے پانی میں

گھرا ہو اور اسی نسبت سے زمین کے جانور ہیں ان جانوروں کی نسبت سے جو خدا نے سمندر

میں بنائے ہیں یعنی سمندر میں رہنے بسنے والے جانور خشکی کی جانوروں سے کئی حصہ زائد ہیں

اور سمندر میں خدا نے بڑے بڑے عجائبات پیدا کئے ہیں جن کو دیکھ کر خالق کی قدرت نظر آتی

ہے۔ سمندر میں حیوانات جواہرات اور خوشبودار اشیاء اس کثرت سے ہم کو ملتی ہیں کہ زمین پر

اتنی افراط سے نہیں پائی جاتی اور ایسے ایسے عظیم الجمودہ جانور پانی میں پائے جاتے ہیں اگر وہ کسی

وقت اپنی پشت کا ایک حصہ پانی سے بلند کرویں تو اس پر کسی وسیع بلند ٹیلہ یا پہاڑ کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ اور جس طرح خشکی میں انسان پرندے گھوڑے اور گائے وغیرہ مختلف انواع و اقسام کے حیوانات ہیں اسی طرح اس سے کئی حصہ زائد پانی میں پائے جاتے ہیں بلکہ جتنی اقسام کے جانور پانی میں پائے جاتے ہیں خشکی میں تو دکھائی بھی نہیں دیتے پھر خدا نے عجیب قدرت و حکمت سے ان کی ضروریات کو بنایا ہے کہ اگر ان تمام باتوں کو تفصیل سے بیان کیا جائے تو اس کے لئے ضخیم کتابوں کی ضرورت ہوگی۔

خدا نے کسی خوبی اور حکمت سے موتی کو بھی کے اندر محفوظ طریقہ سے پانی میں رکھا ہے اور مرجان کو پانی کے اندر پتھر کی چٹان کی تہ میں کس طرح محفوظ کیا ہے خدا نے بندوں پر اعتنا فرمایا ہے۔

يُخْرِجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤَ وَالْمَرْجَانَ

ان دونوں دریا سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے۔

اس مرجان کے متعلق جس قرآن کی اس مذکورہ آیت میں ذکر ہے بعض حکماء نے کہا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا موتی ہے جو لؤلؤ سے زیادہ رقیق اور چھوٹا ہوتا ہے اور اس احسان اور انعام کے ذکر کے بعد خدا فرماتا ہے۔

فَبَاهِيَ آلَاءَ رَبِّكَ مَا تَكْذِبُ

بس تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔

اس آیت میں آلایہ مراد خدا کے انعامات و احسانات ہیں۔

اسی طرح غنہ اور دیگر قیمتی چیزوں کو دیکھو جن کو خدا نے اپنے کمال حکمت سے سمندر میں پیدا فرمایا۔

پانی کی سطح پر بڑے بڑے جہاز اور کشتیوں کی روانی پر نظر کرو کہ بندوں کی کتنی ضرورتیں ان کشتیوں اور جہازوں کی آمد و رفت سے پوری ہوتی ہیں۔ خدا نے اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَالْفُلُكَ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ

اور ان جہازوں میں سمندر میں چلتے ہیں انسانوں کی نفع کی چیز اور اسباب لیکر (اس

میں بڑی برکت و موعظت ہے)۔

خدا نے کس طرح سے انسان کو سمندر پر قدرت و اختیار دیا ہے کہ وہ اس کے سینے پر



مال سے لدے ہوئے کیسے بڑے بڑے جہاز ادھر سے ادھر ایک ملک سے دوسرے ملک کو لے جاتا ہے اگر انسان کے پاس بار برداری کے لئے یہ سامان نہ ہو تو اس کے لئے بڑی بڑی دشواری پیدا ہو جائے اور ایک ملک کا مال اتنی کافی مقدار میں دوسرے ملک پہنچانا ناممکن ہو جائے اور اس میں کافی زیر باری مشقت پیدا ہو جائے گی۔

خدا نے اپنے بندوں پر بڑا کرم فرمایا ہے کہ اس نے کٹری ایسی بلکی اور مضبوط چیز بنائی جو پانی پر اتنے بوجھ کو ٹیکر قائم رہ سکے اور خدا نے اپنی رحمت سے انسان کو کشتیاں اور جہاز تیار کرنے کی حکمت اور سمجھ عطا فرمائی پھر ہواؤں کو اس انداز سے سے چلایا کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جہازوں اور کشتیوں کو لے جائیں اور انسان کو ہواؤں کے چلنے کے اوقات اور اس کا علم عطا فرمایا ان تمام نعمتوں کے لئے ہمیں خدا کا شکر گزار ہونا چاہیے

شکر نعمتائے تو چند انکہ نعمتائے تو

ند ر تقصیرات ما چند انکا تقصیرات

خدا کی اس قدرت کو دیکھ کر کہ اس نے پانی کیسی سیال متصل الا جزاء پتلا لطیف بنایا ہے گویا کہ تمام پانی ایک جڑا جسم ہے اور اتصال و انفصال کو جلد قبول کر لیتا ہے کہ جلد ہی دوسرے پانی سے ملکر ایک متصل جسم ہو جاتا ہے جس میں تصرف کرنا آسان ہوتا ہے اور پانی کی روانی اور لطافت جیسی خوبیوں کی بدولت اس پر کشتی اور جہاز آسانی سے رواں ہو سکتے ہیں۔

اس کی عقل پر افسوس کرنا پڑتا ہے جو خدا کی اتنی نعمتوں اور محشوشوں پر نظر نہ کرے اور غافل بنارہے حالانکہ ان تمام چیزوں میں خدا کی قدرت و حکمت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

وفی کل شئی لہ آیۃ

تدل علی انہ واحد

یہ تمام کمالات قدرت زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اے انسان اپنی آنکھوں سے غفلت کا پردہ چاک کرو اور دل کی آنکھوں سے دیکھ کہ میں نے کیسی کیسی گونا گوں نعمتیں اور مفید چیزیں بنائی ہیں۔ کیا ان کے بنانے والا کوئی دوسرا ہے جس کو میرے ساتھ تو شریک ٹھہراتا ہے؟ بلکہ یہ صرف اسی واحد قادر اور حکیم کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے فائدے کے لئے بنائی ہیں۔

## پانی کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَجَلَعْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ  
أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۔

فَانْبِتْنَا بِهِ حَدائقَ ذَاتِ بَهْجَةٍ  
مَأْكُوكَانَ لَكُمْ اَنْ تَنْبِتُوا شَجَرَهَا اِنَّ اللّٰهَ بَلِّغُكُمْ  
مَعِ الْبَلِّ عَمَّ قَوْمٍ يَعْذِلُونَ ۔

اور بتائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں  
جان ہے پھر کیا یقین نہیں رکھتے ۔

پھر اس پانی کے ذریعہ پر رونق باغ اگائے در نہ تم  
سے ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو  
اگاسکو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ یہ  
ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کو خدا کے برابر ٹھہراتے  
ہیں ۔

خدا نے پانی جیسی ضروری چیز کو اتنی افراط سے پیدا فرما کر بندوں پر کتنا بڑا احسان  
فرمایا ہے انسان حیوان نباتات سب کی زندگی کے لیے پانی کا ہونا لازمی ہے شدت پیاس میں  
اگر پانی میسر نہ آئے تو ایک گھنٹہ پانی کے لئے ..... انسان ..... بڑی سے بڑی دولت دینے  
کے لئے آمادہ ہوگا اس وقت انسان کو پانی کی قدر و قیمت معلوم ہوگی خدا کی اتنی مفید نعمت سے  
ہم غفلت میں ہیں اور اس کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے ۔

پھر خدا کی بڑی حکمت یہ کہ اس نے اتنی ضروری چیز کو کیسی فراوانی اور افراط سے پیدا  
فرمایا کہ ہر انسان و حیوان اور ہر شے طلب کے بعد پانی حاصل کر سکے اگر پانی دوسری اشیاء کی  
طرح ایک محدود مقدار میں ہوتا تو زندگی میں بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں بلکہ نظام عالم ہی

منتشر ہو جاتا۔

پانی کی لطافت اور رقت پر نظر کیجئے کہ جوں ہی آسمان سے برس کر زمین پر آتا ہے درختوں کی جڑوں میں پہنچ کر ان کی غذا بن جاتا ہے اور سورج کی حرارت سے بخارات کی شکل میں اوپر کی طرف چلا جاتا ہے اور اپنی لطافت ہی کی وجہ سے غذا کو معدے میں با آسانی لے جا کر ہضم میں مدد دیتا ہے پیاس کے وقت اس کے پینے میں کبھی لذت محسوس ہوتی ہے اور اس کو بنا کر ہم تمام تھکان اور بے چینی کو بھول جاتے ہیں اور جسم میں ایک راحت کو محسوس کرنے لگتے ہیں غسل کرنے میں ہم اس کو استعمال کرتے ہیں بدن کا تمام میل اس سے غسل کر کے دور کرتے ہیں اپنے میلے اور گندے کپڑے اسی سے دھو کر صاف کرتے ہیں پانی مٹی میں آسانی سے مل جاتا ہے جو ہمارے مکان بنانے میں کام آتی ہے اور ہر سوکھی اور خشک چیز کو ہم پانی کے ذریعہ نرم اور تر کر لیتے ہیں طرح طرح کی مشروبات پانی ملا کر ہی تیار ہوتے ہیں بڑی بڑی آگ لگنے پر ہم پانی کی مدد سے اس پر قابو پا لیتے ہیں اور پانی چھڑکتے ہی آگ کے بجڑکتے ہوئے شعلے سرد پڑ جاتے ہیں اسی طرح جب انسان انتہائی غصہ کی حالت میں ہوتا ہے تو پانی کے دو گھونٹ پی کر اس کا غصہ فرد ہو جاتا ہے اور آتش غضب سرد ہو جاتی ہے اور نزاع کی عالم میں جب مسکرات کی تکلیف ہوتی ہے تو پانی پی کر اس میں کمی ہوتی ہے ایک مزدور دن کی مشقت کو بھول جاتا ہے ہمارے پانی سے غسل کرتا ہے اور ایک گلاس پیتا ہے تو وہ تمام دن کی مشقت کو بھول جاتا ہے ہمارے تمام کسانوں میں اس کا استعمال ضروری ہے اسی سے ہمارے کھانے تیار ہوتے ہیں پینے کی وہ تمام چیزیں جو مرطوب ہیں مگر بغیر پانی کے تیار نہیں ہو سکتی پس خدا کی اس بخشش بہ نفعیت کو دیکھ کر اس نے کس افراط سے اس کو پیدا کیا ہے کہ آسانی سے ہم اسکو حاصل کر لیتے ہیں اور اگر اتنی افراط سے اور آسانی سے یہ ہم نہ ہو سکتا تو زندگی میں بڑی تنگی ہو جاتی اور ہمارا تمام پیش و راحت کند رہ جاتا۔

پس خدا کا ہزار شکر ہے کہ اس نے پانی کو پیدا فرما کر ہمیں اتنے کاموں میں استعمال کرنے کی قدرت دی اور اس سے بے شمار فائدے پہنچا کر ہماری زندگی میں بڑی سہولت عطا فرمائی خدا کے ان انعامات کو ہم شمار کرنا چاہیں تو شمار نہیں کر سکتے۔

وان تعد واتعمه

اللہ لاتحصىها۔

اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔

## ہوا کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَارْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ  
فَافْزَلْنَا مِنْ السَّمَاءِ مَاءً فَاسْقَيْنَاكُمُوهُ  
وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ .

اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادلوں کو پانی سے بھر  
دیتی ہیں پھر ہم یہی پانی آسمان سے برساتے  
ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں تم اتنا پانی جمع  
نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال حکمت سے ہوا کو اس طرح خلق کیا ہے کہ اس کے اندر ریا ح  
داخل ہیں اگر یہ ہوا موجود نہ ہوتی تو خشکی کے مارے جانور ہلاک ہو جاتے ہوا کے چلنے اور  
حیوانات کے جسموں کو ٹگنے سے بدن کی حرارت معتدل ہوتی رہتی ہے کیونکہ ہوا ہری  
جانوروں کے لئے بالکل اس طرح ہے جس طرح پانی کے جانوروں کے لئے پانی کا وجود کہ وہ  
بدون پانی کے تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

اگر ہوا کا بدن کو لگنا اور بدن کے اندرون میں سمانا نہ ہو یا تھوڑی دیر کے لئے ہوا بند  
ہو جائے تو بدن کی تمام حرارت قلب کے اندر رجوع ہو جائے اور فرط حرارت سے موت واقع  
ہو جائے گی جیسا کہ ہم اس وقت دم کے گھٹنے اور سانس کے رکنے سے محسوس کرتے ہیں جب  
گرمی شدید ہو اور ہوا بند ہو جائے۔

پھر خدا کی اس حکمت کو دیکھو کہ اس نے ہوا کو بادلوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر  
لے جانے پر کیسا مامور کیا ہے ہوا بادلوں کو ایسی زمین پر لے جا کر بارش برساتی ہے جہاں کی  
زمین سوکھی اور پانی کے لئے پیاسی ہو اور اس طرح ہمارے کھیتوں کو پانی قدرت الہی سے  
ماتا ہے اور اگر اس طرح خدائے تعالیٰ ہواؤں کو بادلوں کے چلانے پر مامور نہ کرتا تو بادل پانی  
کے بوجھ سے بوجھل ہو کر ایک ہی مقام پر رکے رہتے اور پھر ہماری کھیتیاں اور باغات سوکھے

رو کر ضائع ہو جاتے۔

ہواؤں میں خدا نے یہ بھی حکمت پوشیدہ رکھی ہے کہ وہ جہازوں اور کشتیوں کو ادھر سے ادھر لے جاتی ہے اور اس طرح سے ایک ملک کی پیداوار سے دوسرے ملک کے باشندے متہمتے ہوتے ہیں اگر جہازوں اور کشتیوں سے اس طرح سے مال لانے بچانے کا انتظام نہ ہوتا تو لوگوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی تھیں اس طرح سے ایک چیز ایک جگہ ضرورت سے زائد پیدا ہو کر بے قدر ہوتی اور ضائع ہو جاتی اور دوسرے مقام کے لوگ اس چیز کے معدوم ہونے سے اس کے لئے ترستے رہتے اور ان کی ضرورتیں پوری نہ ہوتیں۔

دیکھو خدا نے ہوا کو کیسا لطیف الا جزاء بنایا ہے کہ جب چلتی ہے تو لطیف الا جزاء ہونے کی وجہ سے ہر ہر چیز میں با آسانی پہنچ جاتی ہے اور پھر ہر جگہ کی بدبو (خفوت) کو پاک و صاف کر دیتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو چیزوں اور زمین میں بدبو کے بڑھ جانے سے طرح طرح کی بیماریاں پھوٹ جاتیں اور انسان و حیوانات کی ہلاکت کا سبب ہوتیں۔

جب ہوا چلتی ہے تو اپنے ساتھ غبار اور خاک کو لے جاتی ہے باغوں میں جب وہ غبار ہوا کی حرکت سے درختوں کے چوں میں سے ہو کر گزرتا ہے تو اس سے درخت صاف ہوتے ہیں اور ان کو قوت حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح سے ہوا پہاڑوں پر مٹی کی تہ جمادیتی ہے جس سے پہاڑوں میں زراعت کے نشوونما کی قوت آ جاتی ہے اور اسی طرح سے سمندر کے ساحل پر ہوا کی حرکت سے پانی میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور سمندر غمر جیسی قیمتی اور مفید اشیاء کو پیدا کرتا ہے۔

ہوا کے چلنے سے بارش کے قطرے ہلکے ہو کر ہوا میں منشر ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں اور اگر ہوا ان کو منتشر نہ کرتی تو بارش کا پانی بادلوں میں بلندی سے یک بارگی جمع ہو کر زمین پر گرتا جس سے جانی اور مالی نقصان ہوتا لیکن خدا نے بڑی حکمت سے ہوا کے ذریعہ اس پانی کے زمین پر گرنے کو ایسا آسان کر دیا کہ کسی کو اس سے نقصان نہیں اور وہ منتشر قطرات زمین کی وسیع سطح پر تدریجی طور پر جمع ہو کر نالوں اور نہروں کی شکل میں ہو کر نشیبی علاقوں میں بہہ کر چا گرتے ہیں اور پھر خدا کی اس نعمت کی وسعت اور ہمہ گیری پر نظر کرو کہ دوست و دشمن سب ہی کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے جتنی یہ زندگی کے لئے ضروری ہے اتنا ہی خدا نے اس کو دافر پیدا کیا ہے اس کے بے انتہاء فوائد اور چند در چند منافعہ پر نظر کرو خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔

خدا نے فرمایا ہے۔

هو الذى انزل من السماء  
ماء لكم منه شراب ومنه  
شجر فيه تسيمون يذبت لكم به  
الزرع والزيتون والنخيل  
والاعناب ومن كل الثمرات ان  
فى ذلك لآيات لقوم يتفكرون .

وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے  
پانی برسا یا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور اس  
سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم اپنے  
موسیقی چرنے کیلئے جھوڑ دیتے ہو اور اس پانی  
سے تمہارے لئے قیمتی زیتون اور کھجور اور انگور اور  
ہر قسم کے پھل زمین سے (اگاتا ہے)۔

چونکہ اس میں سوچنے والوں کے لئے توحید کی  
دلیل موجود ہے۔

پھر خدا کی قدرت کو دیکھو کہ بارش کے ایام میں کچھ ایسے دن بھی ہوتے ہیں کہ  
آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہیں ہوتا ہوا بھی ساکن ہوتی ہے اس میں لوگوں کے بڑے فوائد ہیں  
اگر بارش ہی بارش مسلسل ہو تو بھی انسان اور حیوانات اکتنا جائیں اسی طرح اگر ہوا برابر ساکن  
رہے تو بھی بڑی تکلیف کا باعث ہو اور پھر لوگوں کے کاموں میں بڑا حرج واقع ہو تم آئے دن  
دیکھتے ہو کہ جب بارش کا سلسلہ زیادہ رہتا ہے تو تمام کھیتی باڑی سڑ جاتی ہے مکانات منہدم ہو جاتے  
گتے ہیں راستے پانی کی کثرت سے بند ہو جاتے ہیں آمد و رفت کے وسائل منقطع ہونے  
سے تمام کاروبار میں قفل پیدا ہو جاتا ہے ملازم پیشہ و رکاری گرسب کے کاموں میں رکاوٹ  
پاتی ہے۔

اور اگر جس کا سلسلہ رہے یعنی بارش نہ ہو ہوا رک جائے تو بدن خشک ہو جائیں۔ کھیتی  
کیاری سب سوکھ جائیں چشموں۔ دریاؤں اور حوضوں کا پانی سڑ جائے اور اس کی غفونت سے  
ہوا میں بھی غفونت اور پیوست غالب آ جائے جس سے بہت سی بیماریوں کے پھوٹ پڑنے کا  
امکان ہے اشیاء کے کم پیدا ہونے یا قطعاً پیدا نہ ہونے سے سخت گرائی ہو جائے جانور چارہ

ملنے سے کمزور اور لاغر ہو جائیں چہ اگا ہیں بے کار ہو جائیں شہد کی کھیاں بیہوش کے غلبہ کی وجہ سے شہد کے ذخیروں کو جمع نہ کر سکیں غرض کہ کسی بھی ایک حالت کے رہنے سے نظام عالم فاسد ہو جائے گا اس لئے اس حکیم مطلق نے دونوں حالتوں کو یکے بعد دیگرے مقرر کیا کہ ایک دوسرے کے نقصانات اور مضرتوں کو رفع کر دے ہو اس اعتدال ہو کہ اس میں مفید اثرات ظاہر ہوں اور اس طرح تمام اشیاء میں صلاحیت اور افادیت پیدا ہو کر دوسروں کے لئے مفید ہوں۔

پس یہ خدا کی بڑی مشیت اور غالب حکمت ہے کہ اس طرح پر نظام قائم ہے۔ اگر کوئی شخص دیدہ بصیرت سے محروم ہو اور یہ اعتراض کرے کہ بعض وقت اس طرح بھی نقصان اور ضرر پہنچتا ہے اس لئے ہم یہ جواب دیں گے کہ اس سے انسان کا امتحان اور اس کی آزمائش مقصود ہوتی ہے اور انسان کو آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی اس قدرت و حکمت کو سمجھے کہ اس نے متضاد اشیاء سے کیونکر مجتمع ہونے کے مواقع دیئے ہیں جو اسی کے فضل و کرم پر موقوف ہیں۔

اس سے بہت سے خالموں کو ان کے ظلم و تعدی سے باز رکھنا مقصود ہوتا ہے تم دیکھتے ہو کہ انسان جب بیمار پڑتا ہے تو بیماری کو دور کرنے کی خاطر کیسی کیسی تلخ اور کڑوی دواؤں کو استعمال کرتا ہے اور اس کو ایک لکڑی کے لئے یہ موقع ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ خدا نے کوئی چیز بیکار اور بے فائدہ نہیں بنائی۔ اور جو چیزیں ذائقہ میں کیسی کیسی بد مزہ اور بری ہیں ان میں قدرت نے اپنی حکمت سے شفا کے لئے کیسے کیسے راز پوشیدہ کیے ہیں۔ ان کو وہی خوب چانتا ہے۔

والکن یسئل بقدر ما یشاء

انہ یعبادہ لخبیر بصیر۔

لیکن اتارتا ہے ناپ کر جتنی چاہتا ہے۔ چونکہ وہ

اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے۔

# آگ کی پیدائش کی حکمتیں

خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

افرایتم النار التي توروں  
أأنتم انشأنتم شجرتها ام نحن  
المنشئون نحن جعلناها تذكرة  
ومتاعا للمقوين فسبح باسم  
ربك العظيم۔

بھلا دیکھو تو وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا اس کا  
درخت تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا  
کرنے والے ہیں ہم نے ہی وہ درخت بنایا۔  
یا دولانے اور برتنے کو جنگل والوں کے لئے پس  
اپنے رب کی جو بڑا ہے تو اس کی پاکی بیان کر۔

خدا نے آگ جیسی ضروری نفع بخش چیز کو پیدا فرما کر بندوں پر بڑا احسان فرمایا اور  
کیونکہ اس کی کثرت اور زیادتی بڑے فساد اور تباہی کا موجب تھی اس لئے اس نے اپنے کمال  
وحکمت سے اس طرح سے محفوظ رکھا کہ ضرورت پڑنے پر اس کو موجود کر لیا جاتا ہے اور اس سے  
فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور پھر وہ پوشیدہ اور معدوم ہو جاتی ہے گویا اس کو بعض دوسری چیزوں میں  
اس طرح سے پوشیدہ فرمایا کہ ضرورت پر اس کو حاصل کر لیا جائے اس طرح سے ہم اس کی  
معصرتوں اور نقصانات سے محفوظ ہیں آگ سے بے شمار فوائد اور منافع ہم کو حاصل ہوتے ہیں  
اگر آگ نہ ہوتی تو ہم اپنے کھانوں کو کیونکر تیار کرتے ہماری ماکولات۔ مشروبات بغیر آگ  
کے قابل استعمال کیونکر ہو سکتیں ان کے مختلف اجزاء اور ارکان بغیر آگ پر پکائے ایک  
دوسرے میں کس طرح تحلیل ہو کر ہمارے لئے مفید غذا بنیں۔ یہ خدا کی خاص مہربانی اور اس کا  
بڑا احسان ہے کہ ہمارے کام کی چیزوں کو کس کس حکمت سے پیدا فرمایا ہے۔

اگر آگ کا وجود نہ ہوتا تو خدا کی بخشی ہوئی بہت سی نعمتوں سے ہم کیونکر فائدہ  
اٹھاتے۔ سونا۔ چاندی۔ تانبہ۔ پیتل۔ لوہا۔ سیسہ وغیرہ ضروری معدنیات سے نفع اندوز ہوتا



ہمارے لئے بدون آگ کے ناممکن ہوتا آگ کی بدولت ہم معدنیات کو پگھلا کر زیورات برتنوں وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں جہاں خدا کی بخشش ہوئی معدنیات بڑی نعمتیں ہیں وہاں ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو استعمال کرنے کے طریقے سکھانا بھی خدا کی بڑی مہربانی اور اس کا بڑا احسان ہے جن نعمتوں پر ہمیں خدا کا شکرا ادا کرنا لازم ہے۔  
خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

اعملوا آل داؤد شکرا۔  
کام کرو اے داؤد کے گھر والو احسان

ماں کر۔

لوہے کو لہجے آگ پر گرم کر کے اور پگھلا کر کن کن ضروری چیزوں میں اس کو استعمال کرتے ہیں اور دشمنوں سے اپنی حفاظت کے لئے کیسے ہتھیار اور آلات تیار کرتے ہیں اگر تفصیل سے ہم ان آلات و سامان جنگ کی فہرست بتائیں تو اس کے لئے کافی صفحات درکار ہوں۔

خدا نے فرمایا:-

وانزلنا الحديد فيه باس  
شديد و منافع للناس .

ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی  
قوت ہے اور لوگوں کے بہت سے فائدے ہیں  
لنحصنکم من باسکم

فہل انتم شاکرون

کہ وہ لڑائی میں تمہارا بچاؤ ہو سو تم کچھ

شکر کرتے ہو۔

اسی لوہے سے ہم کیسے کیسے اوزار و ہتھیار تیار کرتے ہیں جو ہماری کھیتی باڑی میں کام آتے ہیں۔ پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر تراش لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ پہاڑوں کو جگہ سے ہٹا کر دیتے ہیں اور اپنے لئے راہیں ہموار کرتے ہیں لکڑی چیرنے پھاڑنے کے آلات بھی لوہے سے تیار کرتے ہیں اس قسم کی ٹیکنکوں مفید اور ضروری چیزیں ہیں جو ہم لوہے سے بناتے ہیں یہ سب آگ کی بدولت ہے اگر آگ نہ ہو تو ہم ان مذکورہ بالا اشیاء سے نفع نہ اٹھا سکیں اور مختلف

دھاتوں سے بنے ہوئے سکے جن کے تبادلہ سے بے شمار فوائد ہم کو حاصل ہیں ان سے ہم قطعاً محروم ہو جائیں اپنی زینت و آرائش کے کتنے سامان سے ہم بالکل محروم ہوں اور یہ جواہرات وغیرہ سب ہمارے لئے بیکار ہو جائیں۔

آگ میں خدا نے روشنی کی ایسی صفت حکمت و ودیعت کی ہے کہ شب کی مسلسل تاریکی سے جب گھبراتے ہیں تو آگ جلا کر روشنی کر لیتے ہیں روشنی سے ہم کو ایک سکون ملتا ہے ہم اپنی مجلسوں اور محفلوں کو آگ کے مختلف بسپ روشن کر کے سجاتے ہیں آگ کی روشنی سے ہم تاریکی میں بہت سے خطرات سے محفوظ رہتے ہیں اور رات کی اندھیری میں بھی ہم روشنی کر کے اس طرح سے متعین ہوتے ہیں گویا آفتاب نکل رہا ہو پھر آگ میں خدا نے حرارت جیسی مفید صفت رکھی ہے کہ سردی سے حفاظت کرتے ہیں برف اور سرد ہواؤں کے نقصانات سے اپنے کو محفوظ رکھتے ہیں آگ روشن کر کے بڑے بڑے مہلک اور خون خوار جانوروں کا ہم مقابلہ کرتے ہیں لڑائیوں میں آگ سے بڑے بڑے کام لیتے ہیں اپنے قلعوں کی حفاظت بھی اسی سے کرتے ہیں خدا کی بلیغ حکمت پر نظر کرو کہ اس نے کتنے بے شمار فوائد اس میں رکھے ہیں اور ایسی مفید شے کو ہمارے حوالہ اور اختیار میں دیدیا۔ جب چاہیں اس کو روشن کر لیں۔ اور ضرورت پوری ہونے پر اس کو غائب کر دیں۔

## انسان کی تخلیقی نکاتیں

خدا نے فرمایا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سَلَالَةٍ مِنْ طِينٍ

اور بیشک ہم نے انسان کو ایک چمکدار مٹی سے

بنایا۔

قدرت کو جب منظور ہوا کہ وہ انسان کو پیدا فرمائے اور زمین پر بسے رہنے کا موقع دے اور پھر اس کو امتحان و آزمائش میں ڈالے تو خدا نے اس کی پیدائش اس طرح مقرر کی کہ ایک دوسرے سے سلسلہً بعد نسل پیدا ہوں اور انسان کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت۔ پھر ان میں باہم الفت و محبت کا رشتہ پیدا کیا ایک دوسرے کی محبت کے دواغی قلوب میں اس طرح مستور رکھے کہ ایک کو دوسرے کے بغیر مہر و قرار نہ ہو ان میں خواہشات کو پیدا کیا کہ کچا ان کا رہنا اور بسنا ممکن ہو اور بدن کے ایک مخصوص عضو کو اس طرح خلق کیا کہ وہ جنس لطیف کے رحم میں داخل ہو کر منی کے جوہر لطیف کو ودیعت کر دے جہاں انسان کی تخلیق تدریجی طور پر ہو یہ جوہر لطیف انسان کے تمام جسم سے حاصل ہو کر ایک خاص حرکت کے ساتھ عضو مخصوص کے ذریعہ ایک جسم کے باطن سے دوسرے جسم کے باطن میں پہنچ کر ایک خاص امتزاجی کیفیت کے بعد انسانی شکل اختیار کرتا ہے اور اس شکل کے اختیار کرنے میں کئی دور اور درجے طے کرنا ہوتے ہیں یعنی نطفہ سے خون بستہ اور خون بستہ سے گوشت کا ٹکڑا پھر ہڈیوں کا جسم پھر ان پر گوشت پوست پھر ان حصص جسم کو اعصاب و اتار عروق کے حکمت آمیز جال کے ذریعہ سے بندش کرنا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ مربوط کرنا پھر اعضاء کی شکل عطا کرنا پھر کان۔ آنکھیں۔ ناک۔ منہ و دیگر زندگی کی ضروری چیزوں کو ان میں بنانا پھر ان میں قوتیں عطا کرنا آنکھوں میں دیکھنے کی قوت عطا کرنا یہی ایک ایسی حیرت انگیز اور شایکار فطرت ہے کہ کما حقہ اس کی شرح کرنے سے ہم عاجز ہیں آنکھ کو سات طبقات سے مرکب کیا ہر طبقہ میں خاص صفت و ودیعت کی اس شکل مخصوص بنائی ان طبقات میں سے ایک طبقہ بھی اگر بیکار یا ضائع ہو جائے تو آنکھ سے نظر نہیں آ سکتا آنکھ کے امتزاف میں پلکوں پر نظر کیجئے جو آنکھ جیسی نازک چیز کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے ہیں ان پلکوں میں خدا نے کسی سرجی حرکت کی قدرت رکھی ہے۔ کہ ادنیٰ سی چیز کو آنکھ کی طرف آتا دیکھ کر فوراً وہ حرکت میں آ جاتے ہیں اور آنے والے خطرہ سے آنکھوں کو آگاہ کر کے اس کی پوری حفاظت کرتے ہیں اور ہوا میں اڑنے والے گرد و غبار سے آنکھوں کو محفوظ رکھتے ہیں گویا یہ پلک آنکھوں کے لئے بمنزلہ دروازہ کے ہیں

جو ضرورت پر مکمل جاتے ہیں اور ضرورت نہ ہو تو بند ہو کر آنکھ کی حفاظت کرتے ہیں۔

پھر پلکوں کی تخلیق سے اس آنکھوں کی حفاظت کے علاوہ آنکھوں اور چہرے کا حسن و زینت بھی قدرت کو منظور ہے اس لئے ان کے بالوں کو ایک انداز سے بڑا رکھا کہ زیادہ بڑے ہونے سے آنکھوں کو اذیت ہوتی اور اگر زیادہ چھوٹے ہوتے تو بھی آنکھوں کے لئے نقصان دہ ہوتے آنسوؤں کو قدرت نے نمکین بنایا کہ آنکھوں کا میل کچیل صاف ہو جائے پلکوں کے دونوں اطراف کو اس سے مائل اور جھکا ہوا بنایا کہ آنسوؤں کے ذریعہ آنکھوں کا میل گوشہ بنائے چشم سے بہہ کر باہر جاسکے آنکھوں پر دونوں بھروسہ حفاظت اور چہرے کی زینت کے لئے بنائی ہیں۔ انسان کے سوزوں بال جھال کی طرح ہوتے ہیں جو چہرے پر خوبصورت معلوم ہوتی ہیں سر اور داڑھی کے بالوں کو اس طرح بنایا کہ جو ایک خاص رفتار سے بڑھتے ہیں تاکہ ان میں کمی بیشی کر کے ہر شخص جس وضع قطع کو پسند کرتا ہے ان کو بنا سکے منہ اور زبان میں خدا نے کیسی کھمتیں اور قوتیں ودیعت کی ہیں منہ کے بند کرنے کے لئے بطور دروازہ دو ہونٹ بنائے کہ ضرورت پر کھولے جاسکیں اور بے ضرورت بند ہو کر منہ میں مضرت چیزیں کھا کر نقصان نہ پہنچاسکیں اس کے علاوہ دانتوں اور مسوزحوں کی حفاظت اور زینت بھی ان ہونٹوں سے حاصل ہوتی ہے اگر ہونٹ نہ ہوتے تو منہ بد نما بھی معلوم ہوتا اور غیر محفوظ بھی ان ہونٹوں سے بات کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے ان کی مختلف حرکات سے بعض حروف پیدا ہوتے ہیں اور انسان اپنے مافی الضمیر کو ان کی مدد سے ظاہر کرتا ہے ان ہونٹوں کی مدد سے کھانا کھانے میں بڑی مدد ملتی ہے لقمہ کو منہ کے اندر ادھر ادھر پہنچنے کا کام انھیں ہونٹوں سے لیا جاتا ہے تاکہ کھانا داڑھوں کے نیچے رو کر اچھی طرح چبایا جاسکے گویا اس طرح یہ ہضم میں بڑی مدد پہنچاتے ہیں۔

دانتوں کی بناوٹ (ساخت) کو دیکھو کہ قدرت نے ان کو تیس (۳۲) ٹکڑوں میں بنایا ہے سب کو ایک سالم ہڈی کے ٹکڑے کی شکل میں نہیں بنایا ورنہ منہ کے اندر اس سے بڑی اذیت ہوتی موجودہ شکل میں اگر دانت میں خرابی پیدا ہو تو باقی دانت سے کام لیا جاسکتا ہے ایک سالم ہڈی کا ٹکڑا ہونے کی صورت میں یہ ممکن نہ تھا دانتوں سے حسن و زینت کے علاوہ ہم کتنا کام لیتے ہیں اگر دانت نہ ہوتے تو کھانا کھانا دشوار ہوتا اور سخت قسم کی چیزوں کا کھانا ناممکن ہوتا پھر ان کی ساخت پر غور کرو کہ کس طرح سے ان میں دندانے بنائے اور جڑوں کو کس مضبوطی سے مضبوط کیا ہے کہ سخت سے سخت ہڈی کو ہم دانتوں کی مدد سے پیس ڈالتے ہیں اور اسی مصلحت سے اس کے چم کو بہت سخت رکھا کہ نرم ہونے کی صورت میں ان سے کام لینا ممکن نہ تھا یہ سب

اس مصلحت سے کہ کھانا جسم کے اندر ..... ایسی حالت میں جائے کہ جلد ہضم ہو کر بدن کا جزو بن جائے اور بدن میں تحلیل ہو کر انسان کو قوت بخشنے عطا کا قول ہے کہ کھانے کے ہضم کے مختلف درجات ہیں اور پہلا درجہ منہ ہے جس کو ہضم اول کہتے ہیں۔

دانتوں کے اطراف میں دونوں طرف ڈاڑھیں بنائیں تاکہ سخت چیز کے کاٹنے میں ان سے مدد لی جائے جڑوں کو مضبوط کیا یہ دانت سفید رنگ کے برابر ایک قطار میں آپ دار موتیوں کی طرح جڑے ہوئے منہ میں کیسے خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔

قدرت نے منہ کے اندر رطوبت کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے کہ کھانا چبانے کے وقت پیدا ہوتی ہے کھانے میں مل کر ہضم میں مدد دیتی ہے اگر کھانے کے علاوہ منہ میں بھری رہتی تو بات کرنے میں بڑی دشواری ہوتی اور منہ کا کھولنا مشکل ہوتا اور منہ کھولتے وقت رطوبت کا باہر آ جانا یقینی تھا اس لئے کھانے کے وقت ظاہر ہونا تاکہ وہ کھانے کے ہضم میں مدد دے اور بعد میں اس کا عجب ہونا یہ عین حکمت اور مصلحت ہے بعد میں بس اتنی رطوبت کار بنا ضروری ہے جس سے خلق تر رہے اور سوکھنے نہ پائے ورنہ پھر کلام کرنا دشوار ہو جائے حتیٰ کہ بیوست کہ غلبہ سے پھر سانس اور دم ٹھکنے لگے اور انسان ہلاک ہو جائے اس حکیم مطلق کے لطف و کرم کو دیکھو کہ اس نے انسان کو کھانا کھانے کے لئے لذت اور قوت و اکتہ زبان میں رکھی کہ وہ اپنے موافق و مناسب چیزوں کو استعمال کرے اور خراب و بد مزہ نامناسب اشیاء کو ترک کر دے اس لذت کی وجہ سے کھانا کھانے میں خاص مدد ملتی ہے اور جو کھانا مزے لے لے کر کھایا جائے وہ ہضم خوب ہوتا ہے کیونکہ اس کو طبیعت قبول کرتی ہے ورنہ بد مزہ کھانا جس کے کھانے سے کراہت ہو طبیعت اس سے مشتہر ہو کر قے کی شکل میں رو کر دیتی ہے اشیاء کے سرد و گرم مناسب و نامناسب ہونے کو انسان زبان کے ذائقہ سے محسوس کرتا ہے۔

الم نجعل له عینین

ولساناً وشفقتین۔

بھلا ہم نے نہیں دیں اس کو دو آنکھیں اور ایک

زبان اور دو ہونٹ۔

انسان کو قدرت نے دو کان عطا کئے ہیں کانوں میں خاص طرح کی رطوبت پیدا کی کہ وہ قوت سماعت کی حفاظت کرے اور موذی اور مرض رساں کیڑوں مکوڑوں سے کان کی حفاظت کرے اور ان کو ہلاک کر ڈالے کان پر پیل کی شکل کا دونوں طرف ایک ایک ہنگھاسا بنایا

کے آوازوں کو مجتمع کر کے کان کے سوراخ میں پہنچا دے ان ہاتھوں میں خدا نے ایسی تیز حس پیدا کی جو موڈی جانور یا دوسری نقصان دہ چیزوں کے قریب آنے کو فوراً محسوس کرے ان کانوں کو ٹیڑھا پیچیدار بنایا کہ آواز اچھی طرح سے بلند ہو کر اندر پہنچے اور موڈی چیز یکبارگی اندر نہ پہنچ سکے بلکہ ان پیچیدہ طویل راستوں میں چلنے سے اندر پہنچنے میں تاخیر ہو اور اس کو دفع کیا جا سکے اور سونے والا اس کی حرکت سے بیدار ہو جائے پھر ہوا کے اندر جانے سے مسموعات سن کر جن چیزوں کو معلوم کیا جاتا ہے کہے اور اک کرنے کی قوت بھی خدا نے اس میں رکھی ہے ان بیداروں کو دینی خوب جانتا ہے۔

ناک کو دو ٹکڑے کہ وسط چہرے پر کس خوبی سے اس کو بلند کیا ہے جس سے چہرے پر بڑی خوبصورتی اور خوشنمائی ہو گئی ہے اس میں دو ٹکڑے بنائے ہیں ان میں قوت حاسہ شامہ کو محفوظ کیا ہے تاکہ مطبوعات و مشروبات کی بوؤں کو محسوس کر سکے اور خوشبو سے راحت حاصل کر سکے اور بدبو سے اجتناب کر سکے۔

اسی ناک کے ذریعہ روح حیات (تازہ ہوا) کو سونگھ سکے جو قلب کی غذا ہے اور باطنی حرارت کو اس کی وجہ سے تازہ کیا جاسکے اور اس کو مناسب تازہ ہوا مل سکے۔

یہ نزر و انسان کے کتنے کام آتا ہے آواز کا باہر آنا اور زبان سے حروف کی ادائیگی میں زبان کا مختلف حرکتیں کرنا سانس کا آنا جانا ان تمام کاموں میں نزر و استعمال ہوتا ہے اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں بعض بہت تنگ اور بعض کشادہ بعض نرم اور بعض سخت بعض لائے اور بعض چھوٹے اور ان اختلافات ہی کے باعث آوازوں میں اختلافات پیدا ہوئے ہیں اسی لئے دو آواز بھی آپس میں بالکل نہیں ملتیں جس طرح کہ دو صورتیں بالکل مشابہ نہیں ہوتیں آواز کو سن کر بولنے والے کو اچھی طرح سے پہچان لیا جاتا ہے جس طرح شکل و صورت سے انسان کو شناخت کیا جاتا ہے یہ بھی خدا نے بڑی حکمت رکھی ہے اور یہ اختلافات روز اول ہی سے قدرت نے رکھے ہیں چنانچہ حضرت آدم اور حوا کو بنایا تو ان کی صورتوں میں بھی فرق رکھا اسی طرح ان کی اولاد میں یہ فرق نمایاں ہیں یہ اختلاف و فرق بڑی حکمتوں پر مبنی ہے اس کی وجہ سے ہم بہت سی دشواریوں سے نجات پاتے ہیں۔

قدرت نے انسان کو دو ہاتھ دیئے ہیں ان سے بے شمار فائدے ہیں ہاتھوں میں قدرت نے جلب منفعت اور دفع مضرت کی صلاحیت رکھی ہاتھوں کو اس طرح بنایا کہ اس میں چوڑی پھیلی اور پانچ انگلیاں اور انگلیوں میں پورے بنائے چار انگلیاں ایک سمت میں برابر اور

پانچواں آنگوٹھا دوسری طرف کو جو چاروں طرف انگلیوں کے حرکت کر سکے یہ خدا کی قدرت کا کمال ہے ساری دنیا کے لوگ جمع ہو کر سوچیں اور چاہیں کہ ہاتھ کو موجودہ شکل کے علاوہ کسی دوسری شکل پر بنایا جائے تو یہ ناممکن ہو گا اسی وضع اور ساخت کے ذریعہ انسان ہاتھوں سے پکڑنے اور لینے دینے کے تمام کام انجام دیتا ہے ہاتھ کو پھیلا کر ایک طباق بنالینا ہے چاہے تو اس کو مجتمع کر کے دفع شر کے لئے اس کو ایک آلہ کے طور پر استعمال کرے چاہے اس کو چلو کی شکل بنا کر پانی پینے کے لئے یہ آلہ کا کام لے چاہے تو چھپکے کا کام لے اور چاہے تو جھانڈ کا کام لے۔

ان انگلیوں کے پوروں پر ناخن بنائے جن سے انگلیوں کی زینت بھی ہے اور حفاظت بھی اور چیزوں کے اٹھانے میں مدد بھی اگر ناخن نہ ہوں تو ہم بہت سی باریک اور چھوٹی چیزوں کو اٹھا نہیں سکتے کھجلی آنے پر ان سے کھانے کا کام لیا جاتا ہے اب اس پر غور کرو کہ ناخن کتنی چھوٹی اور حقیر سی چیز معلوم ہوتے ہیں اس کے اغراض و فوائد پر نظر کرنے سے ان کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

اسی طرح اگر ناخن نہ ہوتے تو جسم میں خارش ہوتی تو انسان اس کو دور کرنے کے لئے کیا کرتا اس وقت اس کو اپنی بے چارگی کا حال معلوم ہوتا اور ناخنوں کی ضرورت کو سمجھتا پھر قدرت نے ناخنوں کو نہ تو بڑی کی طرح سخت بنایا اور نہ گوشت کی طرح نرم وہ بڑھتے بھی ہیں ٹوٹ جانے پر دوبارہ بھی نکل آتے ہیں زیادہ بڑھنے پر تراش دیئے جاتے ہیں سوتے اور جاگتے کھجلی آنے پر کھانے کی طرف از خود حرکت کرتے ہیں یہ قدرت نے ان میں صلاحیت رکھی ہے۔

قدرت نے انسان کو ران اور چٹلیاں دی ہیں ان کو کس طرح سے پھیلا یا ہے ان میں دو پاؤں بنائے کہ کھڑا ہو سکے چل سکے اور ضرورت پر دوڑنے کا کام بھی لے پاؤں میں بھی اس نے ناخن بنائے جس سے پاؤں کی زینت اور حفاظت یہ سب کچھ قدرت نے اس کے ناپاک قطرہ سے بنایا ہے جسم کی تمام ہڈیاں بھی قدرت نے اسی قطرہ سے تیار کیں جو جسم انسانی کے لئے بطور ستون ہیں۔ جس کے سہارے وہ قائم ہے ہڈیوں کی شکل و صورت دیکھو، کیسی مختلف میزھی، سیدھی، مستطیل، مدور، ٹھوس اور خول دار چوڑی، ہلکی، اور بھاری اور بڑی مختلف شکلیں ان میں پائی جاتی ہیں ان کے جوزوں کے اندر قدرت نے

ایک رقیق چیز چینی دار مادہ رکھا ہے جس سے اس کی حفاظت ہوتی ہے اس سے قوت بھی پہنچی ہے اور اس سے بے شمار فائدے ہیں۔

انسان اپنی گونا گوں ضرورتوں کی وجہ سے اپنے تمام جسم کا محتاج ہے اور اس سے مختلف طرح سے اپنے جسم کو حرکت دینا ہوتی ہے قدرت نے اس کی ضروریات کے لحاظ سے ہڈیوں کو علیحدہ علیحدہ بہت سے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ضرورت پر اس کے مطابق با آسانی جسم کو موڑا جاسکے اگر تمام جسم میں بجائے ٹکڑوں ہڈیوں کے ٹکڑوں کی ایک سالم ہڈی ہوتی تو پھر اس کو اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے جھکنے اور مرنے میں بڑی مشکل ہوتی ان ہڈیوں کو باہم ملانے کے لئے اور ان کے جوڑوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کرنے کیلئے اعصاب و اوتار کا رشتہ قائم کیا ایک ہڈی کو دوسری ہڈی سے جملانے کیلئے ان کے کناروں کو اس طرح بنایا ہے کہ ایک اگر مکعب ہے (نو کدار) تو دوسری ہڈی کا کنارہ مجوف (خول) تاکہ دونوں باہم اچھی طرح متصل ہو سکیں غرض کہ یہ تمام اتصال اور جسم کی ترکیب اس حکمت سے قدرت نے بنائی ہے کہ انسان ارادہ کرنے پر اپنی کسی حرکت سے اپنے جسم سے حسب فضاء کام لے سکے۔

انسان کے سر کو دیکھو یہ ۵۵ ہڈیوں سے مرکب ہے اور تمام ہڈیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں سب کی شکلیں جدا جدا ہیں پھر قدرت نے ان تمام مختلف اشکال کی ہڈیوں کو اس کی حکمت سے مرکب کیا ہے کہ مکمل کروئی شکل بن گئی ہے۔

چھ ہڈیاں کھوپڑی کے حصہ میں ہیں ۲۴ اوپر کے جڑے میں اور ۲ نیچے کے جڑے میں باقی دانت ہیں جنہیں قدرت نے جوڑا بنایا ہے تاکہ پسے کا کام دیں بعض تیز کانٹے اور توڑنے میں کام آئیں گردن کو قدرت نے سر کے لئے مرکز بنایا ہے اور اس میں سات گول خول (کھوکھلے) مہرے ہیں جو ایک دوسرے پر قائم ہیں ان میں جو کھستیاں خدا نے رکھی ہیں اگر ان کو بیان کیا جائے تو مضمون بہت زیادہ طویل ہو جائے۔

گردن کے زیرین حصہ کو پشت پر قائم کیا ہے اور اس طرح کہ چوبیس ۲۴ مہرے سلسلہ بہ سلسلہ سرین کی ہڈی تک پہنچتے ہیں سرین میں تین اور ہڈیاں ہیں اور پشت کی ہڈیوں کو نیچے کی طرف سے دم والی ہڈی سے جوڑا گیا ہے جس کو عصص کہتے ہیں جو خود بھی تین مختلف ہڈیوں سے مرکب ہے۔

پشت کی ہڈی کو سینے، شانے، ہاتھ، پیر، سرین، ران، ہڈیوں وغیرہ سے بڑی حکمت سے وابستہ کیا ہے بدن انسانی میں ۲۴۸ ہڈیاں ہیں اس میں وہ چھوٹی چھوٹی ہڈیاں مستثنیٰ ہیں جو مفاصل کے خلاف کو بھرنے کے لئے ہوتی ہیں۔

خدا کی قدرت اور اس کی کارگیری پر غور کرو کہ اس نے منی کے ناپاک قطرہ سے یہ



سب کچھ بنایا اس سے خدا کی عظمت اور کمال قدرت کا پتہ چلتا ہے اور جس ترکیب و نظام سے اس نے انسان کی تخلیق کی ہے اس کے خلاف کی بیشی کا کوئی امکان نہیں ورنہ انسان کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی اہل بصیرت کے لئے اس میں بڑی نصیحت و عبرت ہے۔

اب ذرا جسم کے اندر وہی نظام پر غور کرو ہڈیوں کو حسب ضرورت حرکت میں لانے کے لئے قدرت نے عضلات پیدا کئے ہیں یہ تعداد میں ۵۲۹ ہیں اس کی ترکیب گوشت پٹھے رباطات اور جھلی سے ہے یہ مختلف شکل و صورت کے ہیں اور چھوٹے بڑے چوڑے پتے حسب موقع اور حسب ضرورت بنائے گئے ہیں ۲۴ عضلات جو آنکھوں اور پلکوں کی مختلف حرکات کا کام دیتے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو آنکھ کا نظام فاسد ہو جائے اس طرح ہر عضو کے مناسب عضلات ہیں جو اس کی مناسبت سے چھوٹے بڑے ہیں۔

اب اعصاب پٹھے عروق رگیں اور وہ شرائین لیس اور ان کے پیدا ہونے کے مقامات اور ان کی تشریحات اس سے کہیں زیادہ حیرت ناک ہے پھر ان میں خدا نے جو جو صفات و خصوصیات و دیانت کی ہیں جن کو ہم اپنے خواص سے نہیں معلوم کر سکتے۔

اس کی تخلیقی صورت اور دیگر حیوانات سے امتیازی شرافت و اعزاز پر نظر کرو کہ خدا نے اس کو سیدھا بنایا کہ بیٹھنے میں بھی اس کی یہ بہتر صورت قائم ہے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے کاموں کو کرتا ہے اس کو دوسرے جانوروں کی طرح سے اونداھالنا نہیں بنایا اگر اس کو الٹا اور اونداھالنا بنایا جاتا تو پھر وہ اپنے کاموں کو آسانی سے انجام نہیں دے سکتا تھا۔

مجموعی حیثیت سے انسان پر نظر کرو اور اس کے ظاہری و باطنی نظام کو دیکھو تو قدرت کا کمال حکمت اور اس کی کبریائی کا حیرت ناک نمونہ ہے انسان کے اعضاء کو کامل بنایا کہ غذا کی ایک خاص مقدار کمانے سے اس کو قوت حاصل ہوتی ہے لیکن ان اعضاء کے لئے بھی قدرت نے ایک حد مقرر کر دی ہے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ غذا کی معمولی زیادتی سے اعضاء انسانی بھی معمولی سے زیادہ طویل عریض اور فرہ ہو جاتے تو پھر نقل و حرکت میں بڑی رکاوٹ ہوتی اور اس طرح سے وہ جسم معطل ہو جاتا اپنے کاموں کو انجام نہ دے سکتا یہ خدا کا بڑا احسان اور انعام ہے کہ اس نے انسان پر اپنی خاص رحمت سے اس کے لئے ہر چیز کو موزوں اور مناسب رکھا ورنہ مکان و لباس و غذا سب ہی چیزیں اس کے لئے دشواریاں پیدا ہوتیں۔ جب ہم ایک انسان میں فکر کرتے ہیں کہ ایک قطرہ سے اس نے انسان کو کس طرح بنایا اور اس میں کیسے کیسے فطرت کے شاہکار پوشیدہ ہیں تو پھر آسمان و زمین سورج چاند ستارے وغیرہ ہزاروں مخلوقات الہی میں قدرت

نے ان سب میں کیسی کیسی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ رکھی ہیں ان کی وضع و قطع ان کی مختلف شکل و صورت ان کا ایک دوسرے سے ممتاز ہونا مشارق و مغارب کا متفاوت ہونا یہ سب کچھ اس کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں اور یہ دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ آسمان وزمین کا ایک ذرہ بھی اس کی حکمت و مصلحت اور غامدہ سے خالی نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ذرہ میں خدا کی بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں جن کو ہم سمجھ نہیں سکتے

ہر درتے دفتریت معرفت کردگار

خدا نے اپنے اس قول میں ہمیں متنبہ کیا ہے۔

أَأَنْتُمْ أَشَدَّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بِنَاهَا  
رَفَعَ سَمُكَهَا فَسُوحَا۔

کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا اس نے اس کو بنایا اونچا کیا اس کو ابھارا پھر اس کو برابر کیا۔

اگر دنیا کے تمام انسان و جنات جمع ہو کر اپنی پوری قوت سے یہ چاہیں کہ نطفہ سے حیات یا قوت سامعہ یا باصرہ بخشدیں تو یہ ان کے لئے ناممکن ہے صرف یہ اسی کی قدرت ہے کہ اس نے کس طرح سے ان کو رحم مادر میں پرورش کیا اس کو شکل عطا کی اس کو خاص اور مناسب اندازہ کے ساتھ بنایا اس کو مناسب اور متشابہ اجزاء عطا فرمائے اور ایک جز کو دوسرے میں کس طرح منتقل فرمایا جسم میں ہڈیاں بنائیں اعضاء کی مناسب موزوں شکلیں بنائیں عروق اعصاب کو ترتیب دیا ان کے ظاہر و باطن میں حسن تدبیر سے غذا کے لئے راستے بنائے تاکہ ان کا بقا و قیام ممکن ہو اور جسم انسانی کے بقا تک اعضاء میں قوت باقی رہے جسم کے اندر کس طرح سے قلب و جگر، معدہ تلی، پیچیدہ و رحم مثلاً، آنتیں ان تمام چیزوں کو مخصوص مناسب شکل میں اپنے اپنے مقام پر کس طرح سے رکھا کہ ہر ایک اپنی جگہ پر اپنا کام جاری رکھے جو بدن انسانی کے قیام و بقا کا سبب ہے۔

معدہ کو غذا کے چکنے کے لئے مضبوط اور عمدہ قسم کے اعصاب بنایا تاکہ پختہ کرنے کا کام اس سے لیا جاتا ہے معدہ میں غذا کے ہضم اور چکنے میں سہولت کے پیش نظر غذا کو منہ میں ڈالنے کے ذریعہ باریک کر دیا تاکہ معدہ پر زیادہ بار نہ ہو جگر کو اس کام پر مامور کیا کہ غذا کے صالح عنصر سے خون تیار کرے اور ہر عضو کو اس سے غذا پہنچائے۔

تلی پتہ گردوں کو جگر کی خدمت کے لئے بنایا تلی کا کام یہ ہے کہ وہ سودا (خون کے

جملے ہوئے اجزاء) کو حاصل کرے مراد یہ ہے مضر اور کمی اجزاء کو علیحدہ کرے گردے مافی اجزاء کو حاصل کریں اور مثانہ میں جمع کریں گویا مثانہ کا کام یہ ہے کہ وہ گردوں سے مافی اجزاء کو اپنی طرف جذب کر کے پیشاب کی راہ باہر نکال دے عروق اور جگر خون کو جسم کے تمام حصوں میں پہنچانے میں مدد دیتے ہیں اور خون کا جوہر (خالص خون) جو گوشت کے جوہر سے زیادہ لطیف اور صالح ہوتا ہے اس جگر میں محفوظ رہتا ہے گویا یہ ایک بجائے برتن کے ہیں جن میں صالح جوہر کا ذخائر محفوظ ہے اور جب ضرورت ہو جسم کے حصوں میں تقسیم ہوتا رہتا ہے غذا کی بڑی حکمت ہے کہ اس نے اپنی قدرت کا ایسا نظام قائم کیا ہے جس کو کو کچھ کر حیرت ہوتی ہے اور اس کی تمام تفصیلات و غریبہات کو سمجھنا اور بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں جسم کی تخلیق اور اس میں بچہ کی پرورش اور ضرورت پر اس کو غذا کا پہنچنا یہ سب کچھ اس کے کمال و حکمت کی دلیل ہے پھر اولاد کی محبت کو ماں کے قلب میں پیدا کرنا جو بچہ کی پرورش کا سبب ہے یہ محبت ہی ہے جو ماں بچہ پر ہزار جان سے قربان ہوتی ہے تکلیف اٹھاتی ہے مگر بچہ کو آرام پہنچاتی ہے اگر قدرت قلب میں بچہ کی محبت پیدا نہ فرماتی تو ماں اتنی تکلیفیں برداشت نہ کرتی اور شدت تکلیف سے بچہ سے نفرت پیدا ہو جاتی جب بچہ کا جسم بڑا ہو جاتا ہے اعضاء قوی ہو جاتے ہیں بدن میں قوت اور طاقت آ جاتی ہے تو اب اس کو قدرت و دانت عطا کرتی ہے اور اب اس کی غذا اودھ کے بجائے دوسری اشیاء ہوتی ہیں کیونکہ اب وہ غذا بھی کھا سکتا ہے جس کے لئے وہ دانتوں سے کام لے اس طرح سے بچہ میں رفتہ رفتہ عقل و شعور کامل ہو۔

قدرت کی اس حکمت پر نظر کرو کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو محض جاہل ہوتا ہے نہ اس میں عقل ہوتی ہے نہ ہوش نہ اچھے برے کی تمیز بجز تدریجی طور پر قدرت یہ ساری قوتیں اس کو بخشی ہے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ بچہ میں ولادت کے وقت عقل و شعور ہوتا تو دنیا میں اس وجود ظاہری کے بعد وہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر سخت تعجب کرتا جن کو اس نے اس سے پہلے نہیں دیکھا اور پھر اپنی حالت پر نظر کرتا کس کس طرح سے اس کو کپڑوں میں کودوں میں جھولے میں اٹھایا جاتا ہے اور یقیناً وہ اپنے نرم و نازک جسم کے رکھنے کی وجہ سے اس کا محتاج ہے پھر وہ ہزاروں باتوں پر اعتراضات کرتا اور ممکن ہے وہ اپنے وجود سے ہی انکار کر دیتا کہ کیونکر وہ نو مینے رحم مادر میں رہ کر پرورش پاتا ہے۔ اور بچہ پر جو شفقت و پیارا تا ہے اس کی ان حرکات کی وجہ سے اس میں کمی

ہوتی اور لوگ اس کو زیادہ نہیں چاہتے پس حکمت کا تقاضہ یہی تھا کہ بچہ میں یہ چیزیں آہستہ آہستہ آئیں تاکہ وہ آہستہ آہستہ دنیا میں ہر چیز کو سمجھ سکے اور تدریجاً اس کو استعمال کرنا سکھے

قدرت نے ہر چیز کو کمال و حکمت سے پیدا فرمایا ہے اس کو خطا و ثواب میں تمیز دی اور جوں جوں بڑا ہوتا ہے اس میں ایسے دوائی پیدا فرماتا ہے جو حاصل و تولد کا سبب ہے اس کے چہرے پر بال نکلتے ہیں تاکہ بچوں اور عورتوں سے ممتاز ہو اس کو شباب کا حسن عطا ہوتا ہے جب بڑھا پا غالب ہوتا ہے تو چہرے پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔

لڑکی ہونے کی صورت میں قدرت اس کے چہرے کو بالوں سے صاف رکھتی ہے تاکہ اس کے چہرے کی نزاکت و حسن ظاہر ہو اور مردوں کے لئے یہ جاذب نظر ہو کہ بقائے نسل کا راز اس میں مضمر ہے۔

کیا یہ سب کچھ غلام اور کمال قدرت کا شاہکار یوں ہی بے سود اور بے غرض ہے اور کیا عقل اس کو ہاد کر رہی ہے کہ جس شے کو قدرت نے ان گونا گوں ترکیبوں اور حکمتوں سے تیار کیا ہو اس کو مہمل یوں ہی چھوڑا جاسکتا ہے ہرگز نہیں یقیناً کوئی اعلیٰ مقصد ہے جو اس کی تخلیق میں پوشیدہ ہے جس وقت بچہ رحم مادر میں ہوا اگر اس کو خون کی صالح غذا نہ پہنچے تو وہ خشک ہو کر ہلاک نہ ہو جائے گا جس طرح کہ نباتات پانی نہ ملنے سے سوکھ کر ہلاک ہو جاتی ہیں۔

اگر بچے کی تکمیل کے بعد عورت کو درد بے چین نہ کر دے جو بچے کے تولد کی دلیل ہے اور بچہ مکمل ہونے کے بعد اپنے وقت پر پیدا نہ ہو تو کیا بچہ رحم میں رہ جانے سے ماں اور بچہ دونوں ہلاک نہ ہو جائیں گے۔

پیدا ہونے کے بعد اگر مناسب غذا و دودھ اس کو نہ ملے تو کیا بچہ بھوک و پیاس کی شدت سے ہلاک نہ ہو جائے گا۔ اور اگر عادت پر اس کے دانت نہ نکلیں اور دودھ دوسری غذاؤں کو کھانے لگے تو غذا بغیر چبائے کھانے سے بد ہضمی کی شکایت پیدا نہ ہوگی اور کیوں کر وہ اس قسم کی چیزوں کو چبائے گا جبکہ منہ میں دانت نہ ہونگے اور اگر اس کے چہرے پر بال نہ ہوں تو وہ عورت اور بچوں ہی میں شمار کیا جائے گا ہیبت جلال اور وقار و ہد بہ جو انسان کے لئے بڑے بڑے کاموں میں جزو لائق ہیں کیونکر پیدا ہو سکیں گے یہ ساری چیزیں اور نعمتیں اس کو کس نے عطا کیں اس خدا نے ہی انسان کو یہ تمام نعمتیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہیں۔

اس امر میں فکر کرو کہ کیونکر انسان کو شہوت جماع پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کے آلہ حاصل پر نظر کرو کہ وہ کس طرح سے رحم میں نطفہ کو پہنچانے کا سبب ہے اور پھر وہ حرکت جو نطفہ کے خارج کرنے کی مقتضی ہوتی ہے اسی طرح اور دوسری حکمتوں پر نظر کرو اور انسان کے دوسرے اعضاء کو دیکھو اور ہر ہر عضو کے کاموں پر نظر کرو کہ قدرت نے ہر ہر عضو کو کس کس کام

اور غرض کے لئے کیا مناسب شکل و صورت میں بنایا ہے آنکھوں کو دیکھنے کے لئے ہاتھوں کو چھونے اور پکڑنے کے لئے پاؤں چلنے اور دوڑنے کے لئے معدہ کو کھانا ہضم کرنے کے لئے جگر کو ہضم کردہ کھانے سے چاروں اخلاط کو چھانٹنے اور حسب ضرورت تقسیم کرنے کے لئے منہ کو بات کرنے اور غذا داخل کرنے کے لئے جسم کے منافذ و مسافات کو فضلات خارج کرنے کے لئے غرض کہ جب تم انسان کے جسم میں ہر چیز پر اس طرح فکر کرو گے تو معلوم ہوگا کہ قدرت نے اپنے پورے کمال و حکمت کا آئینہ اس کو بنایا ہے۔

غذا کے معدے میں پہنچنے پر غور کرو کہ کس حکمت سے معدہ غذا کو پکاتا ہے پھر اس کے خالص اور صالح جزو کو جگر کے سپرد کر دیتا ہے باریک باریک عروق کے راستے سے جو جگر تک جاتی ہیں ان عروق کو اتنا باریک خاص حکمت سے بنایا گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ فاسد اور غلیظ مواد جگر تک نہ پہنچ سکے جو فساد کا باعث ہو۔

گویا یہ عروق چھلنی کے قانسقمام ہیں کہ ہضم کیے ہوئے کھانے کو چھان کر ضروری اور صالح و مناسب جزو جگر تک پہنچاتی ہیں جگر اس جزو کو خون میں تبدیل کر دیتا ہے خدا کی حکمت سے وہ غذا اب خون میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہاں سے وہ عروق و منافذ کی راہ تمام بدن میں پہنچتا ہے اور خالص جو ہر حاصل کرنے کے بعد جو فاضل اور روئی مادہ پہنچتا ہے وہ ان اعضاء کی غذا کے لئے بہم پہنچایا جاتا ہے جن کی غذا وہی مادہ ہے گویا کہ جگر ایک اعلیٰ قسم کا ظرف ہے جس میں جسم انسانی کے لئے ہر قسم کی غذا تیار رہتی ہے اور ادھر ادھر منتشر ہونے سے محفوظ رہتی ہے اور حسب ضرورت اعضاء کو پہنچائی جاتی ہے۔

کیا تم کو انسان کے تمام جسم میں ایک بھی چیز ایسی نظر پڑتی ہے جو فضول اور بے کار ہو اور اس کا مقصد اور اس سے غرض نہ ہو آنکھوں کو خدا نے اشیاء کے ادراک کرنے کے لئے بنایا ہے رنگوں میں تمیز کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اگر رنگ ہوتے اور آنکھیں نہ ہوتیں یا آنکھیں رنگوں کو ادراک نہ کرتیں تو ان مختلف رنگوں کے ہونے سے کیا فائدہ تھا جس طرح یہ روشنی جو آنکھوں کی روشنی کے علاوہ ہے آنکھوں کے لئے نہ ہوتی تو آنکھوں سے کیونکر فائدہ اٹھایا جاسکتا آنکھیں تو اسی وقت کام کرتی ہیں جبکہ روشنی موجود ہو معلوم ہوا کہ روشنی کا وجود اس لئے ہے کہ آنکھیں اس کی مدد سے دیکھنے کا کام لیں رنگوں کا وجود اس لئے ہے کہ آنکھیں ان کو دیکھ کر فائدہ اٹھائیں اور اشیاء میں تمیز کر سکیں۔

کان خدا نے اس لئے بنائے کہ ان کے ذریعہ آوازیں اگر آوازیں ہوتیں اور کان

میں ان کے سننے اور ادراک کرنے کی قوت نہ ہوتی تو پھر آوازوں کے وجود سے کیا منفعت اور غرض ہوتی یہی حال باقی تمام حواس کا ہے حواس اور محسوسات میں ایک ایسا لازمی رابطہ ہے جس کا وجود بغیر حواس کے بے سود اور بے فائدہ ہوتے اور روشنی اور ہوا کا بھی یہی حال ہے اگر روشنی کا وجود نہ ہوتا جن کی بدولت اشیاء دکھائی دیتی ہیں تو پھر حواس بصارت غیر مفید ہو جاتا اگر ہوا کا وجود نہ ہوتا جو کان میں آوازوں کو پہنچاتی ہے تو پھر کانوں کے ہونے سے کیا فائدہ پہنچتا۔

بہرے اور نابینہ کی مشکلات کا اندازہ کیجئے کہ اس کو ان دونوں نعمتوں کی محرومی کی وجہ سے کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جب وہ چلتا ہے اور قدم اٹھاتا ہے اس کو یہ نہیں معلوم کہ وہ اپنا قدم کس جگہ رکھ رہا ہے یا کسی مہلک اور خطرناک گڑھے میں اس کا پاؤں جا رہا ہے یا کسی نقصان دینے والے کیڑے یا جانور پر اپنا پیر رکھ رہا ہے نہ اس کو یہ معلوم کہ سامنے کیا ہے جس طرف وہ چل رہا ہے آگے اگر کوئی بڑی مصیبت آرہی ہے اس سے وہ قطعاً بے بہرہ ہے قدرت کی بہت سی نعمتوں سے وہ محروم ہے موجودات کے گونا گوں رنگ اس کے لئے بالکل بے کار ہیں۔ کالا گورا، سرخ، پیلا سب اس کے لئے برابر ہیں۔

اور جو قوت سماعت سے محروم ہے بہرہ ہے وہ تو غریب لذت کلام سے بھی ناواقف ہے آوازوں میں جو ایک لذت اور کشش ہوتی ہے اس سے وہ قطعاً محروم ہے وہ دیکش آواز اور بھدی اور بھوئی آواز میں کیا فرق کر سکتا ہے فرق تو جب کرے کہ آوازیں اس کے کان میں پہنچیں وہ تو ان کے تصور تک سے محروم ہے اگر کسی مجمع میں بیٹھا ہے یا کسی شخص سے مخاطب ہے اس کے لئے دونوں برابر ہیں وہ لوگوں میں موجود ہوتے ہوئے بھی غیر حاضر ہے زندہ ہوتے ہوئے اس کی حالت مردوں جیسی ہے۔

تیسرا وہ شخص جو قدرت کی نعمت عقل سے محروم ہے یعنی دیوانہ اور پاگل ہے اس کا درجہ تو جانوروں سے بدتر ہے جانور تو اتنے برے مفید اور غیر مفید میں فرق کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ غریب یہ بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ عقل سے ہی محروم ہے جس کے ذریعہ اشیاء میں باہم امتیاز کیا جاتا ہے اب تم قدرت کی بخشی ہوئی ان نعمتوں پر نظر کرو جو اعضاء کی شکل میں انسان کو عطا کی گئی ہیں اور ان قوتوں پر نظر کرو جو ان کے اندر قدرت کی طرف سے سامعہ، شامعہ، باصرہ، مدد کہ، ذائقہ وغیرہ عطا ہوئی ہیں جن کی بدولت انسان اپنی زندگی کی جملہ ضروریات کو فراہم کرتا ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو اس کام میں خلل آ جائے اؤ یہ اس کے لئے بڑا حادثہ ہوگا جو شخص ان میں سے ایک چیز سے بھی محروم کر دیا جائے تو گویا قدرت نے اس کو بڑی

آزمائش میں ذالذیہ اور خدا کی نعمت کی قدر و قیمت اس کو اس کے کھونے پر حاصل ہوئی اب وہ اس نعمت کی محرومی پر بغیر صبر کے اور کیا کر سکتا ہے بجز اس کے کہ اس محرومی کی وجہ سے جو جو مشکلات سامنے آئیں اس کو صبر و سکون سے برداشت کرے تاکہ آخرت میں خدا اس کو اجر عطا فرمائے اور اس کا نعم البدل بخشے خدا کی قدرت اور اس کی حکمت دیکھو کہ ہر حال میں اس کی رحمت بندوں پر ہے نعمت کے ملنے پر شکر کی صورت میں اور نعمت سے محرومی پر صبر کی صورت میں۔

انسان کے اعضاء پر نظر کرو بعض عضو فرو یعنی ایک ایک ہیں اور بعض زوج یعنی دو دو پھر ان اعضاء کے ان کاموں اور فائدہ داریوں پر نظر کرو جن پر یہ مامور اور متعین ہیں کہ کس کس حکمت اور مصلحت سے قدرت نے یہ اعضاء خلق کیئے ہیں ایک سر کو لیجئے کہ اپنے وجود میں تنہا ہے لیکن کتنے حواس اور قوتوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے اگر سر پر ذرا بھی کسی اور چیز کا اضافہ ہو جائے گا تو اس پر بار ہوگا۔ اگر سر بجائے ایک کے دو ہوتے تو ایک کے ہاتھ کرنے کی صورت میں دوسرا مہطل رہتا اگر دونوں مل کر ہاتھ کرتے تو پھر بھی ایک کا وجود بیکار ہوتا۔ اگر ایک سر ایک ہاتھ کرتا اور دوسرا دوسری جو پہلی سے مختلف ہوتی تو پھر مخالف کے لئے یہ سمجھنا اور فرق کرنا دشوار ہوتا کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی مراد ہے۔

مخالف ہاتھوں کے کہ قدرت نے دو ہاتھ دیئے ہیں کہ اگر ایک ہاتھ ہوتا تو پھر انسان کو کام کی انجام دہی میں بڑی دشواری ہوتی یقیناً وہ ہاتھوں کا ہونا ہی عین حکمت ہے جس کا ہاتھ بیکار ہو جاتا ہے اور ایک سے وہ اپنے کاموں کو کرتا ہے اس سے پوچھئے کہ اس کو کیسی تکلیف ہے اول تو وہ اتنا کام نہیں کر سکتا جو دونوں سالم و تندرست ہاتھوں والا کر سکتا ہے پھر جو تکلیف اور صعوبتیں ایک ہاتھ والا کرتا ہے دوسرے کو نہیں۔

اسی طرح دو پاؤں کے ہونے کی حکمت ظاہر ہے کہ اس سے کم ہونے کی صورت میں چلنا ممکن نہ تھا۔

آلات صوت کی حیثیت ترکیبی پر نور کرو حجرہ (خزروہ) کو دیکھو وہ بالکل ایک ٹکلی کی طرح ہے آوازوں کے باہر لانے کے لئے۔ زبان ہونٹ دانت حروف کو بنانے کا کام دیتے ہیں منہ میں اگر یہ چیزیں نہ ہوں پھر دیکھئے کہ بات کرنے میں اس پر کیا گزرتی ہے اور حجرہ آواز کے باہر لانے کے علاوہ ہوا کو جیسپھڑے تک پہنچانے کا کام بھی انجام دیتا ہے جس سے قلب کو راحت ملتی ہے اگر یہ نبض کا سلسلہ نہ ہو یا کچھ دیر کو روک دیا جائے تو قلب کو بڑی

تکلیف اور اذیت پہنچے گی زبان سے کھانے میں جو مدد ملتی ہے اور دانتوں سے کھانے چبانے اور پیسنے میں جو امداد ہوتی ہے اور ہونٹ سے کس طرح سے کھانے میں مدد ملتی ہے اور منہ کے لئے کس طرح وہ دونوں ہونٹ دروازہ کا کام انجام دیتے ہیں اس تمام بیان سے یہ بخوبی واضح ہو گیا کہ یہ تمام اعضاء انسانی بے شمار فوائد اور مصالح پر مبنی ہیں ان میں ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے تو کام میں خلل واقع ہو یہ سب قدرت کے خاص ائمہ اور تدبیر سے ہے۔

دماغ کو لیجئے اگر اس کو کھولیں تو اس میں ایک دوسرے کو لپٹنا ہوئے پاؤ گے تاکہ صد مات سے محفوظ رہے اس پر کھوپڑی کا ڈھکن چڑھا ہوا ہے جس پر بالوں کو حفاظت اور زینت کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ سردی اور گرمی کے اثر سے محفوظ رہے پس دیکھو قدرت نے دماغ کی حفاظت کے لئے کیا کیا سامان کیا ہے وہ خود جانتا ہے کہ دماغ ایک نازک ترین شے ہے اس لئے اس نے اس کو اچھی طرح محفوظ رکھا ہے کہ تمام حواس کے لئے اصل ہے بدون اس کے تمام حواس معطل ہیں۔

قلب کو دیکھو کہ سینہ کے بند صندوق میں کس طرح سے محفوظ ہے اس پر جھلی کا غلاف چڑھا ہوا ہے اس کو ہر چار طرف سے گوشت اور اعصاب سے مستحکم کیا ہے یہ اعضاء میں اشرف ہے اور بحیثیت بادشاہ کے ہے اس لئے اس کی حفاظت ایسی ہی ضروری تھی۔

حلق کو دیکھو قدرت نے اس میں دو منفذ (راستے بنائے ہیں) ایک آواز کے آنے کے لئے جس کو حلقوم کہتے ہیں اور جو پیچھے ٹھک پہنچتا ہے دوسرا نڈا کے جانے کے لئے جس کا تعلق معدہ سے ہے حلقوم پر ایک پردہ لگا ہے جو کھانے کو آنے سے روکتا ہے پھر پیچھے پڑے کو پیٹے کے قائم مقام بنایا کہ قلب کو ہوا پہنچا کر اس کو تازہ دم رکھے اور شدت گرمی اور جس سے قلب کے کام میں خلل نہ پڑے اور ہوائے طے سے قلب کی حرکت بند ہو کر انسان کی ہلاکت کا باعث نہ ہو اس لئے اس کے اندر کے حصہ خلا کو ہوا سے بھر رکھا ہے تاکہ برابر ہوا قلب کو ملتی رہے۔

پیشاب و پاخانہ کے راستوں پر نظر کرو کہ قدرت نے کس حکمت سے ان کے راستے بالیاں بنائی ہیں۔ کہ ضرورت پر کام دیتی ہے اور بلا ضرورت وہ جاری نہیں ہوتیں ورنہ انسان کی زندگی اس داغی جریانی سے اجڑ جاتی اور وہ کسی وقت بھی پاک و طاہر نہ رہ سکتا۔

فخذین۔ رانوں اور سر بین کو دیکھو کہ قدرت نے کس طرح ان پر گوشت بٹایا ہے کہ بیٹھنے میں انسان کو کوئی اذیت اور تکلیف نہیں ہوتی جیسے کہ گزرو اور دبلا پتلا انسان جس کے جسم پر



گوشت کم ہوتا ہے اور رانیں گوشت سے خالی ہوتی ہیں وہ اٹھنے میں بڑی تکلیف محسوس کرتا ہے کیونکہ گوشت کی نرم گدلی اس کے پیچھے نہیں ہوتی۔

انسان کے اعلیٰ قائل پر نظر کرو کہ اگر ہر وقت وہ مسخری ڈھیلا رہتا تو پھر رحم میں مٹی کے پہنچانے کی کیا شکل ہوتی اور اگر وہ ہر وقت قائم ہی رہتا تو کام کرنے میں چلنے پھرنے میں بڑی دشواری ہوتی اس لئے قدرت نے اس کو ایسا بنایا ہے کہ ضرورت کے وقت وہ قائم و سیدھا ہوتا ہے اور بلا ضرورت وہ نرم اور چھوٹا ہو کر کالعدم ہو جاتا ہے گویا کہ وہ موجود نہیں ہے اور اس میں کبھی شکوت پیدا نہیں ہوتی۔

مکان کے حصوں میں بیت الخلاء (پاخانہ) تمام حصوں سے زیادہ پردہ اور سکون کا مقام ہوتا ہے کیونکہ انسان وہاں جا کر فطری تقاضے حاجت کر کے اس اضطراب اور گھبراہٹ کو رفع کرتا ہے جو قضاے حاجت سے قبل اس کو لاحق تھی اور وہاں وہ برہنہ ہو کر مخفی بالطبع ہو کر بیٹھتا ہے قدرت کے کمال حسن تدبیر سے اس کا وہ مقام (مخرج براز) جسم میں انتہائی پوشیدہ جگہ پر بنایا پھر دونوں طرف پر گوشت رانوں سے اس کا اور بھی پردہ کر دیا گویا کہ وہ برہنہ ہوتے ہوئے بھی ایک حد تک ڈھکا ہوا ہے۔

بالوں اور ناخنوں کی پیدائش پر غور کرو جو بڑھتے رہتے ہیں ان کے تراشنے میں بڑی مصلحت ہے پھر ان بالوں اور ناخنوں کو بے حس بنایا کہ تراشنے میں انسان کو اذیت نہ ہو ورنہ دو صورتوں میں سے ایک لازمی ہے یا تو ان کو اذیت کے خوف سے یوں ہی اپنی حالت پر چھوڑا رہے دیتا اور حد سے زیادہ بڑھ جانے پر اس کی شکل و حیثیت جھسی بد نما ہو جاتی یا پھر ان کو تراشنا اور مناسب مقدار میں ان کو کرتا تو تراشنے کی اذیت کو محسوس کرتا۔

پھر بالوں کے اگنے کے مقامات پر غور کرو اگر آنکھ کے اندر بھی بال اگتے تو پھر انسان اس کی وجہ سے اندھا ہو جاتا کیونکہ آنکھ جیسی نازک و لطیف شے اس کو کیونکر برداشت ہوتی ظاہر ہے کہ انسان پر کھانے پینے کا لطف حرام ہو جاتا اسی طرح اگر ہاتھ کی پتیلی میں بال ہوا کرتے تو چھونے اور پکڑنے کی لذت سے انسان محروم ہو جاتا اور بہت سے کام کرنے میں وہ نافع ہوتے اسی طرح اگر بال اندرون فرج (شرمگاہ) میں ہوتے تو لذت جماع سے انسان محروم ہوتا پس ان باتوں سے خدا کی قدرت کا اندازہ کرو کہ اس نے کس طرح ہر چیز کو اپنے صحیح مقام پر رکھا ہے اور انسان کو لذت آرام کے مواقع دیے ہیں اور بے محل اشیاء کو نہیں رکھا انسان کا عیش و آرام مغض ہو جاتا۔

پھر اس پر غور کرو کہ قدیمیت نے انسان کے اندر کھانے پینے سونے اور جماع کرنے کی ضرورتوں کو پیدا فرمایا ہے اور اس کے اظہار کے کیسے دوائی محرکات بنائے۔  
 بھوک و پیاس کھانے پینے کی طلب کے محرکات ہیں اور کھانا پینا یقیناً انسان کی زندگی کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ہوا پانی۔

سونا اور نیند کا آنا یہ بھی انسان کے لئے طبعی طور پر ضروری ہے اس کے بغیر بدن انسانی کو راحت و آرام اور قوتوں میں از سر نو تازہ حیات نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ انسان کچھ دیر سونے نہیں تاکہ پھر تازہ دم ہو سکے۔

خواہش جماع کا ہونا جماع و صحبت کے لئے دوائی و محرکات سے ہے جو نسل و بقائے نسل کے لئے انتہائی ضروری ہے انسان کی طبیعت میں محرکات و دوائی کو ہونا از بس ضروری ہے اگر یہ محرکات نہ ہوں تو انسان بسا اوقات دوسرے مشاغل میں رہ کر ان ضروری چیزوں سے بے پرواہ اور غافل رہے اور اس طرح اس کی قوت جسمانی کمزور ہو کر ان میں سستی آ جائے اور پھر یہ ہلاکت کا باعث ہو۔

اس طرح اگر جماع محض حصول اولاد کی خاطر ہو تو نسل منقطع ہو جاتی کیونکہ بہت سے ایسے عوارض ہیں جنکی وجہ سے وہ اس طرف توجہ نہ کرتا اور یہ بے توجہی انقطاع نسل کا موجب ہوتی پس قدیمیت کی اس حکمت پر نظر کرو کہ اس نے انسانی طبیعت میں مقتضیات دوائی اس طرح دو بیت کئے ہیں کہ انسان جماع کے لئے مضطر ہوتا ہے اور پھر ان سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

بدن کی ترتیب و ترکیب کو دیکھو کہ بدن بمنزلہ دار الملک اور دار السلطنت کے ہے جس میں نوکر خدمتکار اپنے اپنے کام پر حاضر ہیں ایک کے سپرد ایک خدمت ہے تو دوسرا اس کی امداد کے لئے حاضر ہے گھر میں ذرا گندگی اور متعفن مادہ پیدا ہوا فوراً خادم نے اس کو باہر نکال کر بھینک دیا کہ مکان صاف ستھرا رہے یوں سمجھو کہ اس مثال میں بادشاہ تو وہ خالق ہے جس نے ان تمام اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور بدن انسانی بمنزلہ مکان کے ہے اور اعضاء ہاتھ پاؤں ناک کان آنکھ یہ سب بمنزلہ خدا کے ہیں اور عقل و حفظ و غضب و غیرہ یہ سب قوم کی جگہ ہیں کہ اگر نہ کورہ بالا میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو پھر نظام جسم نفل ہو جائے اور لینا دینا دیکھنا چلنا پھرنا حفاظت وغیرہ ان تمام کاموں میں حرج ہو جائے نہ راستہ کو پہچان سکے نہ علم سے فائدہ اٹھا سکے نہ نفع حاصل کر سکے نہ نقصان سے اپنے آپ کو بچا سکے نہ اپنی تحریر سے فائدہ اٹھا سکے نہ گزشتہ واقعات

سے عبرت حاصل کر سکے یہ تمام دشواریاں کسی ایک چیز کے نہ ہونے سے پیش آ سکتی ہیں پھر ان تمام نعمتوں پر نظر کرو جو خدا نے بے رحمی ہیں (اگر وہ سب معدوم ہو جائیں) تو پھر انسان کا وجود ہی معطل ہو جائے اس سے خدا کے فضل و احسان کا اندازہ کرو اور پھر اس کی حکمت عملی پر غور کرو، اے ہمارا ہنعمت، یہ یک فحادث قوت حافظہ یقیناً بری نعمت الہی ہے لیکن نسیان

(بھول) یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے اور بڑی حکمت اس میں پوشیدہ ہے اگر انسان میں بھول و چوک کا مادہ نہ ہوتا تو انسان ہر وقت رنج و غم میں مبتلا رہتا اور پھر اس کرب و الم سے اس کی جان پر بن جاتی وہ آفات و مصائب کو ہر وقت ذہن میں یاد رکھتے ہوئے دنیا کی تمام لذتوں سے محروم رہتا کہ اس حالت میں اس کے لئے کسی سے شمع حاصل کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ فرط رنج و غم سے اس کی قلبی کیفیت اتنی خراب رہتی کہ وہ اپنی زندگی تک سے بیزار ہو جاتا عالم سے فراموشی غفلت کی توقع حاسد سے بھول و نسیان کا امکان اور کسی بد خواہ کی طرف سے ادنیٰ سی غفلت ان میں سے کسی کی توقع کا امکان نہ ہوتا پس قدرت کی اس حکمت کو دیکھئے کہ اس نے حفظ و نسیان دو متضاد شے انسان میں جمع کر دی ہیں اور دونوں میں بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں پھر قدرت کی اس حکمت کی داد دیجئے کہ اس نے انسان میں بعض مخصوص وہ صفات دی ہیں جو دیگر حیوانات میں نہیں دیں مثلاً حیا کا مادہ قدرت نے انسان کو ودیعت کیا ہے اگر حیا و شرم انسان میں نہ ہو تو انسان گناہ کرنے سے کبھی نہ رکے ضروریات کو پورا نہ کرے مہمان کی خاطر ہدایت نہ کرے اچھے کام کرنے کی رغبت نہ ہو برے کام سے اجتناب نہ کرے کیونکہ بہت سے کام انسان لوگوں سے شرم و حیا کی وجہ سے کرتا ہے مانتوں کو واپس کرتا ہے والدین کے حقوق ادا کرتا ہے بے حیائی کے کاموں سے رکتا ہے یہ سب امور حیا و شرم ہی کے سبب سے انسان کرتا ہے پس ایک حیا کے ہونے کے فوائد اور اس کے نہ ہونے کے باعث اتنے نقصانات ہیں پس اسی پر دوسری نعمتوں کو قیاس کرو

قوت گویائی (نطق) پر نظر کرو جس کی بدولت انسان تمام جانوروں سے ممتاز ہے جس کی برکت سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے اور دوسرے کو سمجھا دیتا ہے اور دوسرے کے مافی الضمیر کو سمجھ لیتا ہے اگر قدرت نے یہ نعمت نہ بخشی ہوتی تو افہام و تفہیم کیونکر ممکن ہوتا۔

اسی طرح نعمت کتابت پر غور کرو جس کی بدولت آج ہزاروں برس خیر و شر کے حالات معلوم کر لیتے ہیں اور ہمارے حالات و واقعات آنے والوں کو صدیوں تک معلوم ہوتے رہیں گے اس کی برکت سے ہمارے علوم و آداب معاملات حساب و کتاب سب کتابوں میں محفوظ

ہے بھول جائیں تو کتابت کو دیکھ کر یاد کر لیں اگر کتابت کی نعمت قدرت سے ہم کو نہ ملتی تو ہم اپنے سے قبل کے زمانے کے حالات سے قطعاً ناواقف رہتے اور علوم و فنون سب ضائع ہو جاتے بلکہ خلاق و آداب اور فضائل سب ہی نعمتوں سے یکسر ہم محروم ہو جاتے اور معاملات میں بڑی دشواری پیدا ہو جاتی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کلام و کتابت یہ انسان کے لئے کبھی چیزیں ہیں یہ امور طبع میں سے نہیں ہیں اور اسلئے عربی ہندی، اردنی خطوط میں ہم بین اختلاف پاتے ہیں اور یہی حال کلام کا ہے کہ یہ ایک اصطلاحی چیز ہے اس میں بھی اختلاف کا ہونا یقینی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مقصد کتابت سے ملکہ کتابت ہے یعنی خدا کی بخشی ہوئی وہ قدرت جو اس نے انسان کو باتوں میں انگلیوں میں ہتھیلیوں میں بخشی ہے اور ذہن و فکر کو عطا ہوتی ہے اس میں کسب کا کوئی دخل نہیں۔

اسی طرح اگر زبان اور قوت لفظ اور اس میں ذہن و فکر کی ترکیب نہ ہوتی تو انسان ساری عمر کبھی نہیں بول سکتا تھا پس خدا کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے ایسی مفید اور کام کی چیزیں انسان کو عطا فرمائیں پھر قوت غضب پر نظر کر دو جو قدرت نے انسان میں ودیعت رکھی ہے جس کی وجہ سے موذی نقصان دہ اشیاء کو دلع کرتا ہے اور مادہ حسد کی وجہ سے جلب منفعت کرتا ہے مگر قدرت نے انسان کو ان دونوں قوتوں میں معتدل رہنے پر مامور فرما دیا ہے کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی اگر تجاوز کرے گا تو پھر شیطانی صفات یقیناً اس میں پیدا ہو جاتی ہیں اور شیطانی درجہ اور رتبہ اس کو حاصل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے خدا سے اس کو بعد ہوتا جاتا ہے اس لئے غضب کی حالت میں اس پر لازم ہے کہ دفع شر میں وہ بہت تدبیر سے کام لے اور حسد کے وقت وہ غیظ کو کام میں لائے کیونکہ حسد میں دوسروں کی نعمت کے زوال اور خود کو کامراں ہونے کی خواہش ہوتی ہے اور غیظ میں زوال نعمت دوسروں سے نہیں ہوتا محض حصول مشابہت اور مماثلت مقصود ہوتا ہے۔

قدرت نے کمال حکمت سے انسان کو بعض مفید چیزیں عطا کیں اور بعض چیزوں سے باز رکھا ہے۔

اس میں بھی انسان کی فلاح اور مصلحت ہے مثلاً انسان میں قدرت نے امید اور تمنا کا مادہ عطا کیا جس کی وجہ سے دنیا کی آبادی اور تاجرانہ کا سلسلہ قائم و دائم ہے اس کی بدولت کمزور اور غریب طبقہ کے لوگ طاقتور اور دولت مند طبقہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں بڑے بڑے با اختیار

لوگ دنیا کو آباد کرتے ہیں اور ان کی اس تعمیر کو کششوں سے کبڑہ طبقہ کے لوگوں کو ضمنا بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

انسان بہر حال تخلیقی طور پر کمزور پیدا ہوا ہے اور وہ گزری ہوئی قوم کے بنائے ہوئے مکانات اور تعمیراتی چیزوں کو نہیں دیکھتے تو نہ تو اس کے رہنے کے لئے کوئی مکان ہوتا اور نہ اس کے پاس ایسا آلہ اور سامان ہو جس کے ذریعہ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں از سر نو تعمیر کرے گویا یہ قوت الہ (آرزو) موجودہ لوگوں کے لئے عمل کا پیش خیمہ ہے کہ ان کو عملی دنیا میں سرگرمی پیدا ہوتی ہے آنے والوں کے لئے یہ لوگ ایسی بے شمار چیزیں چھوڑ جائیں گے جن سے وہ فائدہ اٹھائیں گے اور قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری اور ساری رہے گا یہ سب الہ (آرزو) کی برکتیں ہی۔

بعض چیزوں سے انسان کو مصلحت قدرت نے باز رکھا مثلاً اس کی عمر کی مدت اور اس کی موت کا علم۔

اگر انسان کو اپنی عمر معلوم ہوتی اور وہ عمر کم ہوتی تو پھر اس کو زندگی میں کوئی مزہ نہ آتا اور دنیا کے کاموں میں کوئی حصہ نہ لیتا حتیٰ کہ وہ جو نسل اور تعمیر میں وہ ذرا بھی جدوجہد نہ کرتا اور اگر مدت عمر دراز ہوتی اور اس کو معلوم ہوتا تو وہ خواہشات کا بندہ بن جاتا اور حدود سے تجاوز کرتا اور بڑی بڑی مہلکات میں گھس پڑتا اس لئے کہ عمر کی مدت اس کو معلوم ہوتی تو وہ اپنی مدت کا خیال بھی دل میں نہ لاتا اب کیونکہ قدرت نے اس کو اس سلسلہ میں قطعاً ناواقف رکھا ہے تاکہ ہمہ وقت اس کو موت کا کھٹکا لگا رہے اور خواہشات میں پڑنے سے خدا کا خوف اور پھر موت کا ڈر بھی پیدا ہوتا اور موت سے پہلے نیکیوں کے ذخیرہ کرنے کا خیال دل میں رہے۔

انسان جن جن چیزوں سے مشتعل ہوتا ہے ان پر نظر کرو قدرت نے ان میں کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں اور کیسی لذتیں اور ذائقے قدرت نے کھانوں میں پیدا کئے ہیں قسم قسم کے کھانے اور ان میں الگ الگ مزے طرح طرح کے پھل ان کے مختلف رنگ ان کی خوشبو کیسی بھی معلوم ہوتی ہے سوار یوں پر نظر کرو ان کے اقسام کو دیکھو ان سے کیا کیا آرام اور فائدے حاصل ہوتے ہیں قسم قسم کے پرندے اور ان کی بولیاں سنو ان کی دلکش آوازیں اور سریلے نغمے ان کو سن کر انسان مست ہوتا ہے سکھ اور نقد و پر نظر کرو کہ ان کے ذریعہ سے انسان اپنی ضروریات کو کیونکر پورا کرتا ہے جڑی بوٹیوں کو دیکھو انسان اپنی تندرستی اور قوت کے لئے ان سے کیا کیا فائدے حاصل کرتا ہے کھانے کے جانوروں پر غور کرو ان کے گوشت میں خدا نے

کیسی لذت بنائی ہے پھر ان جانوروں سے بھیتی باڑی میں کس طرح کام لیا جاتا ہے پھر بھولوں کو دیکھوان میں کیسی بھینی بھینی خوشبو آتی ہے ان سے کیسے کیسے تیل اور عطر نکالے جاتے ہیں پھر انسان اس کو جسم اور لباس پر لگا کر محفلوں اور مجلسوں میں شریک ہوتا ہے وضع وضع کے لباس اور کپڑوں کو دیکھو پھر موسم کے اعتبار سے ان لباسوں کی اقسام پر نظر کرو قدرت نے انسان کو عقل سمجھ عطا فرمائی اور ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع عطا کیا ہے قدرت کی کیسی کارگیری ہے کیسی کیسی عجائبات ان میں پوشیدہ ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، جلب، منفعت اور انتفاع کے سلسلہ میں قدرت نے انسان کو ضرورتوں کا حامل بنایا ایک انسان ایک چیز سے ایک فائدہ اٹھاتا ہے دوسرا اسی چیز سے دوسرا فائدہ اٹھاتا ہے اسی انتفاع کی بدولت ایک دولت مند ہے اور دوسرا فقیر، دولت مند اور محتاج میں امتیاز بھی اسی سے ہوتا ہے اور یہی دنیا کی آبادی و قیصر کا سبب ہے لوگوں کے انتفاع و جلب منفعت کے اختلاف کی مثال ایک کم سن بچے کی سی ہے کہ ہمارے اوقات وہ نادانی اور نا بھگی کی وجہ سے ایسی چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے۔

جو اس کو نقصان پہنچاتی ہیں اور ان چیزوں میں منہمک ہو جاتا ہے کہ اس سے غلچہ کرنا ایک مصیبت ہو جاتا ہے۔

دنیا کی چیزوں میں بے شمار حکمتیں اور لطائف ہیں ان کو شمار کرنا اور ایک ایک چیز کو تفصیل سے بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں اور نہ انسان ہر چیز کے وجود کی حقیقت و حکمت اور اس کی کنز کو پہنچ سکتا ہے۔

مخلوقات کی جملہ حکمتیں اور مصلحتیں اس حکیم مطلق کو ہی معلوم ہیں جس کی رحمت عام ہے اور جس کا علم وسیع اور ہر شے کو محیط ہے۔



## اس باب کا ترجمہ جات

قدرت نے انسان کو بڑا اشرف مرتبہ عطا کیا ہے جو دوسری مخلوقات کو نہیں دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم  
وحملناہم فی البر والبحر  
ورزقناہم من الطیبات وفضلناہم  
علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً  
اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے اور جنگل  
اور دریا میں سواری دی اور ستھری روزی دی، اور  
بڑا ہادیا بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی  
دے کر۔

یہ شرف و عزت انسان کو قوت اور اک اور عقل و شعور کی بدولت ملتا ہے جس سے  
دوسرے حیوانات محروم ہیں اور انسان اس عقل ہی کی بدولت ممتاز ہے اسی کی بدولت وہ ملا علی  
سے قریب تر ہے اسی کی برکت سے وہ کائنات و مصنوعات میں غور و فکر کر کے خالق کی معرفت  
و قدرت کو پہچانتا ہے خود اپنی ہستی اور وجود پر نظر کر کے خدا کی حکمت و قدرت کی معرفت  
حاصل کرتا ہے خدا نے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

وہی انفسکم افلا تبصرون  
موجود ہیں تم دیکھتے نہیں ہو۔

انسان جب وہ اپنے وجود اور اصل پر غور کرتا ہے اور نظام جسم پر غور و فکر کرتا ہے اور  
قدرت کی عطا کردہ حکمتوں اور قوتوں میں تدبیر کرتا ہے تو پھر وہ خدا کی عظمت و حکمت کا دل سے  
اعتراف کر لیتا ہے اس کی کمال تدبیر اور کمال حکمت کو تسلیم کرتا ہے اسی عقل کی بدولت وہ اچھے  
برے کھوئے کھرے، مفید و مضر میں تمیز کرتا ہے ہادی النظر میں اس عقل کے وجود کو نہ کسی جسم کی  
شکل میں محسوس کرتا ہے نہ اس کی ہوسو گھٹتا ہے نہ اس کا ذائقہ چکھتا ہے نہ اس کو متشکل دیکھتا ہے  
اس کے باوجود اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا اس کے فیضان و برکات سے منکر نہیں ہو سکتا  
وہ دیکھتا ہے کہ صرف عقل کی طاقت و قوت کی بدولت وہ ہزاروں مفیبات کو دیکھ لیتا ہے جہاں  
نہ آنکھوں کی رسائی ہے نہ کانوں کی پہنچ یہ خساری قوتیں جہاں عاجز ہیں وہاں عقل کی قوت

وطاقت اپنا کام کرتی ہے آسمان وزمین کے عجائبات ومنظران آنکھوں سے پوشیدہ ہیں مگر عقل کے سامنے بے نقاب ہیں قدرت کے وہ مظاہر جو ان حواس ظاہری سے مستور ہیں شعور و عقل کے نزدیک سب بے حجاب ہیں اب جتنا علم اس کعبلہ وہ اتنی ہی روشنی اس میں بڑھتی ہے اور پھر آسمان سے مادہ اور پرکی کائنات اور تحت ارضی میں معدنیات و مہنیات سب عقل کے سامنے روشن و ظاہر ہوتی جاتی ہیں۔

اپنے اعضاء و جوارہ پر جب انسان نظر کرتا ہے تو وہ ارادہ کے ساتھ ہی حرکت میں آ جاتے ہیں اور یہ حرکت اتنی سریلی ہوتی ہے کہ یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے کہ آیا ارادہ اور حرکت دونوں میں مقدم کون ہے اور موخر کون اگرچہ رہتا ارادہ مقدم ہوا کرتا ہے مگر قدرت نے جوارح کو انسان کی قوت ارادی کے ایسا تابع و مطیع کر دیا ہے کہ ارادہ کہ وجود میں آتے ہی جوارح اس کی فرمانبرداری کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

اس عقل و شعور اور ادراک کے باوجود انسان اپنی حقیقت کے سمجھنے سے کما حقہ قاصر ہے کبھی وہ اپنے لئے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں اس معاملہ میں قطعاً جاہل ہوں اس کے باوجود وہ بڑے بڑے دقائق و لحائف میں فرق کرتا ہے اور باریک باریک چیزوں کو سمجھتا ہے کبھی وہ اپنے متعلق ہمدانی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ ایسی باتیں کر گزرتا ہے کہ انجام کار وہ نام و پشیمان ہوتا ہے۔

کبھی کسی چیز کو یاد کرتا ہے لیکن بھول جاتا ہے کسی چیز کو بھلنا چاہتا ہے لیکن بھلا نہیں سکتا چاہتا ہے کہ اپنا وقت میٹھ و عشرت میں گزارے اور رنج و الم کو پاس نہ آنے دے لیکن اچانک ایسے حالات و اسباب ظاہر ہوتے ہیں کہ اس کی تمام خوشی رنج و الم سے بدل جاتی ہے کبھی کسی معاملہ میں وہ اپنے آپ کو ہوشیار اور ہر وقت متنبہ رکھنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سے غفلت میں ہو جاتا ہے ایک طرف اس کو ہمدانی کا دعویٰ ہے لیکن مشاہدات و تجربات سے اس کی جہالت و نادانی ظاہر ہوتی ہے اور کبھی وہ اپنے کو قطعاً کو رواندھا اور بے بہرہ تصور کرتا ہے لیکن بڑی بڑی تدبیریں اور حکمتیں اس سے صادر ہوتی ہیں جس سے اس کی قابلیت اور علم کا اندازہ ہوتا ہے پھر بھی وہ اپنی حقیقت سے ناواقف ہی ہے آواز کیونکر پیدا ہوتی ہے کس طرح نکلتی ہے کہاں تک پہنچتی ہے کلام کے حروف کیونکر مرتب ہو کر ایک بامعنی شکل اختیار کرتے ہیں اس کی نگاہ کہاں تک کام کرتی ہے کیونکر وہ اپنی آنکھ سے بصارت کا کام لیتا ہے یہ آنکھوں میں نور کس طرح سے اور کہاں سے آتا ہے اور کس طرح وہ اشیاء کو دیکھتا ہے اس کے قلب میں ارادہ



کیونکر پیدا ہوتا ہے وجود سے پہلے یہ کہاں تھا وغیرہ وغیرہ ان تمام چیزوں کے علم سے وہ قدرت کے کمال اور اس کی بالغ حکمت کو تسلیم کرتا ہے اگرچہ حقیقت علم سے ہونڈ بے بہرہ ہے۔

قدرت نے انسان میں خواہش پیدا کی جو اس کی طبیعت کے مناسب ہے اگر وہ خواہش نفس کے استعمال کرنے میں اپنے نور عقل سے کام لے تو وہ مہلکات سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتا ہے اور بلند مرتبہ تک پہنچ سکتا ہے اور اگر اس خواہش کو اعتراض نفس کے لئے استعمال کرے تو پھر نور معرفت سے اس کو کوئی حصہ نہیں مل سکتا ہے اور نہ ان امور کو وہ حاصل کر سکتا ہے جن کے حصول پر روزے قیامت بڑے اجر ملنے کا وعدہ ہے۔ ثواب و عذاب ان امور کے حصول و عدم حصول اور اس خواہش کے صحیح و نڈ استعمال پر موقوف ہے درحقیقت یہ خواہش جو قدرت کی طرف سے انسان کو عطا کی گئی ہے انسان کی عملی زندگی میں ایک مؤثر آلہ ہے انسان کے ذہن و دماغ میں قدرت نے جو فکر و تدبیر کی قوتیں رکھی ہیں وہ بھی اس خواہش کے بغیر بیکار ہیں حقیقتاً ان سب کا باہم ایک ایسا رابطہ ہے کہ ایک کے بغیر دوسری اور دوسری کے بدون پہلی قوت بیکار ہے اور انسان کو پورا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اس کی تمام قوتیں اعتدال سے کام میں لگی ہوں اور اشیاء کا حسن و قبح اور اخلاق کا اعلیٰ اور اعلیٰ ہونا اور زمانہ کے ساتھ ان کا مناسب ہونا یہ ساری چیزیں اس پہنچی ہیں۔

پس قدرت کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے انسان میں کیسی کیسی مفید اشیاء پیدا فرمائی ہیں۔ ظرف کی قدر و قیمت منظر و ف سے ہوتی ہے مکان کا رتبہ مکین سے ہی ہوتا ہے جب خدا نے انسان کے قلوب کو اپنی معرفت کا مکمل بنایا تو اس کا درجہ کتنا بلند ہو گیا۔

اور کیونکہ قدرت نے انسان کے لیے مربع و مرکز اس گھر کے سوا ایک دوسرا گھر تجویز کیا ہے جس کو دار آخرت کہتے ہیں اس گھر کا حال اور علم انسان سے قطعاً مخفی رکھا ہے اس کے علم کے لئے اس نے نور رسالت کو پیدا کیا اور اس نور کی پیدا کی ہوئی روشنی میں انسان پر دار آخرت کے احوال اور کوائف ظاہر ہوتے ہیں اس لئے اس نے انبیاء و رسل دنیا میں بھیجے جن کی دو حیثیتیں ہیں خدا کی فرمانبرداری کرنے والوں کے لئے وہ بشیر (بشارت خوشخبری دینے والے) ہیں اور اس کے نافرمان بندوں کے حق میں وہ نذیر (ڈرانے والے) ہیں ان انبیاء کی امداد و وحی کے ذریعہ سے فرمائی اور وحی کو بھیجے اور اس کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت ان میں پیدا کی۔

انبیاء نے انسانوں کو دنیا کے معاملہ میں مصالح و مہکتوں سے واقف کیا اور آخرت کے متعلق جو مصالح و مہکتیں ہیں ان سے بھی انسان کو آگاہ کیا یہ علم و معرفت جو انسان کو انبیاء

درسل کی معرفت اور ان کی رسالت و توسل سے حاصل ہوا محض نور عقل سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا تھا انبیاء کو خدا نے ایسے روشن دلائل اور واضح براہین لیکر بھیجا جن کی وجہ سے انسان کو بجز ایمان و اذعان کے چارہ کار نہیں وہ دلائل انبیاء کے ایک ایک حکم اور ایک ایک چیز پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں گویا خدا نے اس طرح سے انسان پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمادی اور اب اتمام نجات ہو چکا دین و دنیا کی دونوں راہیں اس نے دکھا دیں نجات و ہلاکت کے دونوں راستوں کو واضح کر دیا۔

قدرت نے انسان کو کیسا شرف عطا فرمایا اور اس کی نسل کو کیسی عزت بخشی کہ انسان کی نسل سے کیسے کیسے صاحب کمال صاحب فضیلت لوگ ہوئے جن کو قدرت کی طرف سے نبوت و رسالت جیسے عالی مناسب عطا ہوئے اور انوار و تجلیات عطا ہوئیں پس جو سعید ہے وہ ایمان لا کر خدا کی نعمتوں کا مظہر اور اس کے احسانات و انعامات کا مستحق ہوتا ہے اور جو شقی ہے وہ ان چیزوں کی تکذیب کر کے ابدی رنج و مصیبت کو خریدتا ہے اور محض دنیا کے حصول کی خاطر وہ اپنی آخرت کو برباد کرتا ہے۔

اس کے احسانات و انعامات کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا بلکہ سوتے میں عالم خواب میں کبھی عالم مثال میں ایسی ایسی چیزیں دکھاتا ہے جن سے اس کو ہدایت و رشد حاصل ہوتی ہے کبھی اس خواب کے ذریعہ اس کو کسی کام سے روکنا منظور ہوتا ہے تو اس کو دھمکا یا جاتا ہے کبھی کسی کام کی ترغیب و شوق دلانا ہوتا ہے بہر حال ایسے امور جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے وہ چاہتا ہے تو کسی ذریعہ سے کچھ علم اپنے کسی خاص بندے کو عطا فرماتا ہے اور یہ اس کی خاص رحمت ہوتی ہے۔ یہ شخص برحمتہ من یشاء۔

## پرندوں کی پیدائش کی حکمتیں

خدا نے فرمایا ہے:- الم تروا الی الطیر  
مسخرات فی جو السماء ما  
یمسکھن الا اللہ.

کیا تم ان پرندوں پر نظر نہیں کرتے  
جو آسمان پر رکے ہوئے ہیں بجز خدا کے واحد  
کے کوئی ان کو روک نہیں سکتا۔

خدا نے پرندوں کو پیدا کیا اور اپنی حکمت سے ان میں تمام ان چیزوں کو پیدا کیا جو ان  
کے اڑنے کے مناسب و موافق تھیں ان میں ٹھیک چیزوں کو نہیں پیدا کیا جو اڑنے کے منافی یا نخل  
تھیں جن جن چیزوں کی پرندوں کو ضرورت پڑتی وہ سب بنا کیں اور اسی طرح سے ان کا قوام  
بنایا ان کی غذا بنائی اور ہر عضو کے لئے غذا سے مناسب حصہ پہنچایا جو اس حصہ جسم کے غذا بنے  
عضو کے نرم و سخت اور خشک ہونے کی صورت میں غذا کے اجزاء سے ایسے مناسب اجزاء کو ان  
اعضاء کی غذا کے لئے پہنچاتا ہے جو نرم و خشک اور سخت اعضاء کے کام آسکیں۔

پرندوں کو خدا نے دو پاؤں دیے ہاتھ نہیں دیے، پاؤں اس لئے کہ وہ چلیں  
پھریں اور زمین سے فائدہ حاصل کر سکیں اڑنے میں ان سے مدد لیں پاؤں کو پیچھے سے کشادہ  
بنایا تاکہ زمین پر اچھی طرح سے قائم رہے پاؤں بھی اس کے نہایت ہلکے اور پُر حکمت بنائے  
انگلیوں کا کچھ حصہ رقیق و باریک جلد سے بنایا جو ناگوں کی جلد سے ذرا سخت ہے ناگوں کی جلد  
موسلی اور مضبوط بنائی تاکہ گرمی و سردی میں ان کو پروں کی ضرورت نہ ہو اور ناگوں کا پروں سے  
برہنہ ہونا یہ بڑی حکمت و مصلحت ہے کیونکہ پرندوں کو دانہ چگنے اور پانی پینے میں اور اس کی  
طلب میں چلنے میں ضرور ایسے مقامات آتے ہیں جہاں کچھ پانی اور گندگی ہو اب اگر اس کی  
ناگنیں پروں سے پر ہو تھیں تو پانی اور کچھ میں تسخیر کر بوجھل ہو جاتیں اور پرندے کے لئے بڑی  
دشواری ہوتی اس لئے قدرت نے اس کے جسم میں جہاں ضروری سمجھا وہاں بالوں اور پروں کو  
نہیں پیدا کیا تاکہ اس کے اڑنے چلنے پھرنے میں رکاوٹ نہ ہو پرندوں کو اس نے لا بے لا بے  
پاؤں والا نہیں بنایا ان کی گردنوں کو طویل بنایا تاکہ اپنی غذا حاصل کرنے اور دانہ چھنے میں مدد  
ملے اگر پاؤں لمبے اور گردن چھوٹی ہوتی تو اس کے لئے جنگلوں میں دانہ چگنا اور سمندروں  
دریاؤں سے پانی پینا مشکل ہوتا اور اس کو اپنے سینہ کو پانی پینے دانہ چگنے کے لئے جھکانا پڑتا کبھی

وہ اپنی چونچ کی لمبائی سے بھی مدد لیتا ہے تاکہ اس کو مزید آسانی ہو اگر گردن لانی ہو تو اور پاؤں چھوٹے ہوتے تو اس کی گردن اس کو ذی معلوم ہوتی اور پھر دانہ دھکا چکنے میں یہ آسانی نہ ہوتی خدا نے اس کے سینے کو گول اور اس طرح ہڈیوں سے اس کو ترتیب دیا ہے کہ وہ ہوا کو اڑانے میں آسانی سے پھاڑ سکتا ہے اور اسی طرح اس کے بازوؤں کے سروں کو مدور بنایا ہے کہ اس کو اڑنے میں مدد ملے پھر پرندوں کی انواع و اقسام کے لحاظ سے ان کے غذا حاصل کرنے کی رعایت سے ان کی چونچیں لمبی چیز سخت میزگی اور سیدھی بنائی ہیں تاکہ دانہ چکنے کے لئے توڑنے چرنے پھاڑنے میں کام دے سکیں بعض چونچوں کو تھرتھانے سے ایسا تیز اور سخت بنایا ہے کہ ان کے ذریعہ سخت سے سخت چیزوں کو توڑ سکیں اور گوشت کو نوچ کر وہ کھا سکیں بعض چونچیں چوڑی اور کنارے دار ہوتی ہیں کہ دانے کو اچھی طرح سے ان پر رکھا جاسکے بعض سیدھی ہوتی ہیں مگر حد اعتدال میں تاکہ وہ سبزی ترکاری پھل وغیرہ کھا سکیں بعض زیادہ لانی مگر ہڈی کی طرح سخت ہوتی ہیں مگر اندر کے حصے میں ملائم ہڈی کی طرح نرم ہوتی ہیں اور دانتوں کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔

پرندوں کے پروں کو خدا نے لانا پانس کی طرح سے گول اور ہلکا بنایا تاکہ اڑنے میں ان سے مدد ملی جاسکے اور نہایت مضبوطی سے بازوؤں میں لگے ہوتے ہیں کہ رات دن اڑنے سے بھی وہ خراب نہیں ہوتے کیونکہ اڑنے میں نہایت سریع حرکت کرنا پڑتی ہے اس لئے پروں کو نہایت مستحکم بنایا اور جسم کے لئے سردی اور گرمی سے حفاظت کا ذریعہ بھی بنایا پرندوں کے تمام جسم میں پروں کو پیدا فرمایا کہ سردی اور گرمی سے بدن کی حفاظت ہو اس سے ان کی ذہانت دھن بھی ہو ان پروں میں یہ صفت بھی رکھی کہ مسلسل بھینکنے سے وہ خراب نہ ہوں بلکہ ادنیٰ حرکت سے پانی ان پر سے جھاڑا جاسکے پروں میں سوراخ بھی رکھے کہ ان کی پرواز اور فضیلت کے خارج کرنے میں کام آئیں۔

پرندوں کی دم کو اس طرح بنایا کہ اڑنے میں ان سے مدد ملی جاسکے اور وائیں بائیں ایک ہی طرف کو پرندے ہوا کے زور سے نہ بہہ جائیں اگر دم نہ ہوتی تو وہ حسب غشا اور حسب ضرورت اڑنے میں اپنے لئے جہت متعین نہیں کر سکتے تھے گویا کہ یہ دم پروں میں بمزول پاؤں کے ہے جو کشتی میں ہوتے ہیں جن کی مدد سے کشتی کے چلانے میں آسانی ہوتی ہے پرندوں میں طبعی طور پر علیحدہ رہنے کی طبیعت پیدا فرمائی کہ ان سے ان کی حفاظت رہتی ہے اور کیونکہ پرندے بغیر چبائے غذا کو نگلتے ہیں اس لئے بعض چونچوں میں ایسی دھاریں بنائی ہیں کہ گوشت

وغیرہ قسم کی چیزوں کو انکی مدد سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں تاکہ ہضم میں سہولت ہو پھر ان کے پٹھوں میں ایسی حرارت پیدا کی کہ وہ سخت سے سخت غذا بھی گھا کر قابل ہضم بنا دیتی ہے اور چبانے اور روانہ ہونے کے دوسرے کام سے ان کو بے نیاز کر دیتی ہے اس کا اندازہ تم کو اس سے ہو سکتا ہے کہ پرندوں کے علاوہ ثابت انگور کسی کو کھلا دو تو یوں ہی سالم فضلاً کے ساتھ خارج ہوگا اور پرندوں کو کھلا دو تو وہ پس کر غذا میں ہضم ہو کر خارج ہوگا کیونکہ پرندوں کی پٹھوں میں جو حرارت ہے وہ دوسرے حیوانات میں نہیں پائی گئی پرندوں کی تخلیق کو خدا نے اس طرح بنایا کہ وہ انڈے دیتے ہیں بچے نہیں دیتے جس طرح دوسرے حیوانات تاکہ اڑنے کے کام میں حمل کے بوجھ سے خلل نہ پڑے ورنہ بچہ پیدا ہونے کی صورت میں جب بچہ حمل کی پوری تکمیل کر لیتا ہے تو حمل کی صورت میں ماں کے لئے اڑنا مشکل ہوتا ہے قدرت نے کیسی کیسی حکمتوں اور مصلحتوں سے ہر چیز کو مناسب بنایا ہے۔

کس نے پرندوں کو یہ سبق دیا کہ وہ انڈوں پر بیٹھیں ان کو ان سے گری پہنچائیں کس نے ان کو یہ تعلیم دی کہ دانے کو پہلے خود اپنے منہ میں رکھیں جب وہ نرم ہو جائے تو اپنے بچوں کو کھلائیں اور جب تک بچے غذا کے قابل نہ ہوں خالی ہوا سے ان کے پیٹ کو بھرتے رہیں دیکھو پرندے اپنے بچوں کی پرورش اور نگہداشت میں کیسی مصوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی طرح سے نہ تو پرندوں میں سمجھ و عقل ہوتی ہے اور نہ دورانہ نشی اور سو جھ بوجھ ہوتی ہے جو خدا نے انسان کو عطا کی ہے پرندے اپنے بچوں سے اس طرح توقعات اور امیدیں بھی نہیں رکھتے جو انسان اپنی اولاد سے سلسلہ نسل سے متعلق۔

ہر طرح کی امداد و اعانت کے حصول کی توقعات رکھتا ہے ان تمام عاقبت اندیشیوں اور دورانہ نشیوں سے پرندے یکسر خالی ذہن ہوتے ہیں تاہم اپنے بچوں کی پرورش اور حفاظت میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں یقیناً یہ قدرت کی طرف سے ان کے دلوں میں جڑ بہ محبت ودیعت ہوتا ہے۔

پھر اس بات پر غور کرو کہ مادہ کو اپنے حاملہ ہونے کا علم کیونکر ہوتا ہے جو انڈے کی شکل میں اس کے پیٹ میں ہوتا ہے اور انڈے دینے کے لئے اور اس کی حفاظت کے ضروری انتظام کرنے کے لئے وہ کس کس طرح سے نگلوں کو جمع کر کے نرم بستر تیار کرتی ہے جس پر وہ انڈے دے گی پھر بچہ پیدا ہونے تک انڈوں پر وہ بیٹھنے کی۔

کبوتر کو تم دیکھو وہ کس طرح سے انڈے کے اندر کی حالت کو معلوم کر لیتا ہے اور اگر

انڈہ کسی وجہ سے گندہ اور خراب ہو چکا ہو تو کبوتر کس طرح اس کے فاسد ہونے کو معلوم کر لیتا ہے اور اس پر بیٹھنا ترک کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس گندے انڈے کو اپنے گھونسلے سے باہر بھینک دیتا ہے۔ بچے کے انڈے سے نکل آنے کے بعد سب سے پہلی غذا کو جو کبوتر اپنے بچے کو دیتا ہے وہ صرف ہوا ہوتی ہے پھر ہضم شدہ غذا اور اس طرح رفتہ رفتہ جب وہ یہ محسوس کر لیتا ہے کہ اپنے بچے کے پوٹے میں دانے کو ہضم کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے تو پھر دانے سے غذا دیتا ہے اگر وہ ابتداء ہی سے اپنے بچے کو دانے کی غذا دے تو بچہ کمزور ہونے کے باعث اس کو ہضم نہیں کر سکتا اب یہ سمجھو اور عقل اس کبوتر میں کس نے پیدا کی جس نے بچے کی ہضم کی قوت کا اتنا صحیح اندازہ کر لیا یہ سب خدا نے اس کو عطا فرمائی اور جب بچہ انڈے سے باہر آ جاتا ہے تو کبوتر اس کو اپنے پہلو میں لئے بیٹھتا ہے تاکہ اس کو گرمی پہنچتی رہے ایسا نہ ہو کہ انڈے کی گرمی سے جدا ہو کر وہ بالکل سردی میں رہ کر ہلاک ہو جائے اس لئے اپنے پروں میں دبا کر گرمی پہنچاتا ہے۔

اور پھر تمام پرندے ایک ہی طرح سے بچوں کے پیدا کرنے میں نہیں ہیں بلکہ انکی بہت سی اقسام ہیں۔ اور ہر قسم کے لئے الگ الگ حکمتیں اور صلاحیتیں ہیں جو خدا نے ان میں رکھی ہیں مرنے کو دیکھئے اس میں خدا نے بچوں کو بڑھانے اور کھلانے کی صفت نہیں رکھی اس لئے مرنے کا بچہ انڈے سے باہر آتے ہی اپنی غذا خود حاصل کرتا ہے اور دانہ کا چٹھنے لگتا ہے۔

پھر نر اور مادہ دونوں پر نظر کرو کہ کس طرح بچوں کی پرورش میں کوشاں نظر آتے ہیں اور یکے بعد دیگرے بچوں کو اپنی آغوش میں رکھ کر گرمی پہنچاتے ہیں تاکہ ٹھنڈ سے ہلاک نہ ہو جائیں اور انڈے گندے نہ ہو جائیں گویا وہ اس گرمی پہنچانے کی ترکیب سے اچھی طرح واقف ہیں اور اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ اگر اس کے خلاف کیا تو یقیناً انڈے خراب ہو جائیں گے اور پھر بچے مر جائیں گے۔

انڈے کی تخلیق پر نظر کرو، اس کے معدے کو دیکھو وہ دو قسم اور رنگ کا ہوتا ہے ایک سفید رطوبت جو غذا کے لئے ہوتی ہے اور دوسری زرد رنگ کی رطوبت جو بچے کے جسم کی ساخت اور اس کی نشوونما کے لئے ہوتی ہے کچھ خدا نے کس حکمت سے اس انڈے میں بچے کے لئے غذا بھی پہلے سے بہیا کر دی ہے۔

پرندوں کے پوٹوں تک غذا کے جانے کے راستہ کو کیونکر تنگ بنایا گیا ہے اب اگر پرندہ ایک ایک دانہ کے چٹھنے میں دوسرے دانہ کے پوٹے میں چٹھنے تک کا اظہار کرے تو اول تو

اس کے لئے کافی وقت درکار ہوگا اور پھر پرندوں کو ہر وقت شکاری کا کھنکھانا لگا رہتا ہے اور وہ ذرا ذرا سی حرکت کے ہونے سے ہوشیار اور متنبہ رہتا ہے تو وہ اتنی مہلت کہاں سے پاسکتا ہے اس لیے خدا نے اس کے پونے کو اس طرح سے بنایا ہے گویا کہ وہ کھانے کو جمع رکھنے کا ایک تحصیل ہے یہاں وہ جلدی جلدی سے دانے چک کر جمع کر لیتا ہے اور پھر اطمینان سے ایک ایک دانہ کو اس تحصیل سے لے کر ہضم کے مقام پر پہنچاتا رہتا ہے اور پھر تمام پرندوں میں ایک ہی حکمت مشترک نہیں بلکہ وہ پرندے جو اپنے بچوں کو خود بڑھاتے ہیں ان کے لیے کھانا پونے سے نکالنا بہت آسان کر دیا گیا ہے۔

پرندوں کے پروں کی تخلیق پر اور ان کی بناوٹ پر نظر کرو کہ وہ کپڑے کے تاروں کی طرح ایک دوسرے سے باریک باریک تاروں سے مربوط ہوتے ہیں کچھ خشک اور قدرے سخت ہوتے ہیں جو اطراف سے حفاظت کرتے ہیں اور کچھ نرم جو باؤسے ٹوٹنے نہ پائیں وہ پر اندر سے خالی اور بہت ہلکے ہوتے ہیں ڈوروں کے تاروں کی طرح سے ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں کہ اگر پرند ان کو پھیلائے تو اس طرح سے نہیں پھلتے کہ ہوا ان میں داخل ہو کر پرندوں کو اڑنے سے باز رکھے ان پروں کے وسط میں ایک موٹا سخت اور خشک عمود سا ہوتا ہے جس پر چاروں طرف پیراگے ہوتے ہیں جس طرح بال ہوتے ہیں اور وہ عمود ان سب کو محفوظ اور مضبوط رکھتا ہے اگرچہ وہ عمود اندر سے خول ہوتا ہے تاکہ ہلکار ہے مگر اپنی صلاحیت کے باعث بہت مضبوط ہوتا ہے اور پروں کے وسط میں یہ عمود نہ ہو تو یہ پر ہوا کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ تیز ہوا میں پرندوں کا اڑنا بھی محال ہو جائے۔

لمبی ٹانگ والے پرندوں پر نظر کرو عام طور پر وہ صاف اور چمکیلے میدانوں میں یا پھر ایسے نشیبی مقامات پر اپنی غذا کی طلب میں رہتے ہیں جہاں پانی جمع رہتا ہے گویا وہ ادھر ادھر چلتے ہیں یہ غور کرتے ہیں کہ پانی کی تہہ میں کون سی چیز ان کے مقصد کی چل رہی ہے کہ آہستہ سے ایک دو قدم آگے بڑھا کر اس کو کھالیں اب اگر ان کی ٹانگیں چھوٹی ہوں تو پھر ان کا جسم اور سینہ پانی کی سطح پر بس ہو کر پانی میں حرکت پیدا کر دے گا اور اس طرح ان کا شکار آگاہ ہو کر بچ نکلتے ہیں کامیاب ہو جائے گا تو گویا ان کی ٹانگوں کا لمبا ہونا ان کے حق میں عین حکمت اور مصلحت ہے۔

چڑیوں کو دیکھو جو اپنے اپنے گھونسلوں سے کھانے کی طلب میں صبح کو نکلتی ہیں اور ادھر ادھر اڑ کر اپنے لئے غذا تلاش کرتی ہیں اور شام کو اپنے گھر گھونسلوں میں واپس آتی ہیں اور

اسی طرح سے خدا کی یہ سنت جاری ہے ان کی غذا ایک مقام پر اکٹھی نہیں مل جاتی جو ان کو اس کی طلب میں دور دور جانے کی ضرورت نہ ہو اور اگر ایک جگہ پر ان کو اپنی غذا اکٹھی مل جایا کرتی تو وہ حرم میں اتنا کھا جائیں کہ پھر ان کے لئے اڑنا محال ہو جائے اور پھر ہضم کرنا بھی دشوار ہو اور بعض جانوروں کو اگلنا اور تے کرنا بھی نہیں آتا جو زیادہ کھا جانے کی صورت میں ایک بڑا علاج ہے جس طرح پانی کے بعض جانور زیادہ کھا جانے پر تے کر کے اپنے معدہ کو ہلکا کر لیتے ہیں اس لئے چڑیوں کے اپنی غذا کی طلب میں جگہ جگہ اڑ کر جانے اور تھوڑا تھوڑا ہر جگہ سے کھانے ہی میں بڑی مصلحت و حکمت پوشیدہ ہے کہ اس طرح ان کا کھانا ہضم بھی ہو جاتا ہے اور اڑنے میں بوجھ بھی نہیں ہوتا۔

یہی حال انسان کا ہے کہ اگر فراغت سے بغیر سعی و کوشش کے اس کو کھانے کو مل جایا کرے تو وہ بھی بیمار پڑ جائے۔

اب ان پرندوں کو دیکھو جو صرف رات ہی کو نکلتے ہیں اور دن میں قطعاً نہیں اڑتے جیسے اُلو یا تیل چمکاؤ وغیرہ ان کی غذا اچھڑ پھٹے وغیرہ ہیں جو فضا میں اڑتے رہتے ہیں پس یہ غذا ان کو ہوا میں جو زمین سے زیادہ نزدیک ہے حاصل ہو جاتی ہے، یہ قدرت کی زیادہ حکمت ہے غالباً ان کی آنکھوں کی روشنی اور بصارت اس قابل نہیں کہ زمین سے اپنی غذا ادھر ادھر چل پھر کر حاصل کر سکیں اور یقیناً یہ جانور اس سے قاصر ہیں اس لئے کہ سورج کی روشنی میں یہ جانور باہر نہیں نکلتے جہاں یہ روشنی نہ ہو اور آفتاب غروب ہو جائے تو یہ باہر آتے ہیں پس قدرت نے ان کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنی غذا اس طرح ہوا سے حاصل کر لیں۔

چمکاؤ کو قدرت نے بے بال و پر بنایا ہے پس اسی حکمت سے اس کے قائم مقام دوسری چیزیں بنائی ہیں اس کا منہ بھی ہے اور دانت بھی اور زمین پر زندگی بسر کرنے والے دوسرے جانوروں کی طرح اس میں اور بھی تمام چیزیں مشترک ہیں طریقہ ولادت وغیرہ اور پھر اس کے باوجود اس کو اڑنے پر قادر کر دیا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ خدا بغیر بال پر کے بھی اڑانے پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ پرندوں کی نوع کے سوا دوسری نوع کو بھی وہ اڑنے کی قدرت دے سکتا ہے اس طرح خدا نے بعض پھل بھی اس طرح بنائی ہیں کہ وہ سطح سمندر پر کافی دور تک اڑ کر جاسکتی ہیں پھر پانی میں چلی جاتی ہیں۔

کیوتر اور کیوتری ان دونوں کی باہم تعاون پر غور کرو کہ ان دونوں کے سینے میں کس طرح ایک دوسرے کی قائم مقامی کرتے ہیں اگر ایک غذا کی تلاش میں جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ



انڈے پر بیٹھ کر انڈے کو گرمی پہنچاتا ہے اور اس طرح سے انڈے کو گرمی پہنچانے کا یہ سلسلہ منقطع نہیں ہونے پاتا اور پھر ان کی غیر حاضری زیادہ دیر تک کے لئے نہیں ہوتی ہر ایک کو انڈے پر بیٹھنے کی فکر رہتی ہے یہاں تک کہ اگر ان کو پانخانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کو روکے رہتے ہیں اور پھر دفعتاً قضائے حاجت کرتے ہیں اور وہ بھی اس وقت جب مجبور ہو جاتے ہیں۔

جب کبوتری انڈے سے حاملہ ہوتی ہے تو کبوتر اس کی کتنی حفاظت اور دیکھ بھال کرتا ہے کہ اس کو گھونسلہ سے باہر نہیں چھوڑتا اس ڈر سے کہ انڈا کسی ایسی جگہ نہ دیدے جہاں انڈہ ضائع ہو جائے انڈے سے بچ کے نکل آنے پر دونوں کس طرح ان کو بھراتے ہیں اور کیسے ان پر مہربان ہوتے ہیں اور جب بڑے ہو جاتے ہیں تو پھر کبوتر اور کبوتری ان کو مار کر اپنے سے علیحدہ کر دیتے ہیں تاکہ اب وہ اپنی غذا خود حاصل کریں۔

خدا نے ان کو اڑنے کی کتنی طاقت اور قدرت دی ہے کہ اگر کوئی پکڑنا چاہے تو وہ اس کے ہاتھ نہیں آتے تیزی سے اڑ جاتے ہیں پرندوں کے بچپن میں قوت، چونچ میں تیزی اور ناخنوں میں نوک خدا نے کیسی بنائی ہیں کہ پرندے ان سے چھری کا کام لیتے ہیں اور کبھی کبھی بچپن میں گوشت کو لڑکا کر اڑایا جاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔

پانی کے پرندوں کی غذا خدا نے پانی ہی میں بنائی ہے اور ان میں اڑنے کی قوت کے علاوہ پانی میں تیرنے اور غوطہ لگانے کی بھی قوت دی ہے کہ وہ پانی کی گہرائی میں جا کر اپنی غذا حاصل کر سکیں۔

غرض کہ خدا نے پرندوں کی جملہ انواع و اقسام میں ان کے حسب حال اور حسب ضرورت چیزیں عطا کی ہیں جو ان کی ضروریات زندگی کے حاصل کرنے میں مفید اور معاون ہیں اس سے تم خدا کی حکمت اور کمال قدرت کا اندازہ کرو۔

## چوپایوں کی پیدائش کی حکمتیں

خدا نے فرمایا ہے۔

والخیل والبغال والحمیر

لنرکبوا وزینة.

گھوڑے، خیر اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ تم ان

پر سوار ہو اور وہ تمہاری زینت کے لئے بھی ہیں۔

خدا نے چوپایوں کو انسان کے نفع کے لئے پیدا فرما کر انسان پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ایسے کام کے جانور پیدا فرمائے اور ان کی جسمانی تخلیق اس طرح فرمائی ہے کہ زیادہ نرم اور نہ زیادہ سخت کہ ہم ان سے بخوبی فائدہ اٹھا سکیں۔ ان کے گوشت پوست اور اعصاب و عروق نہایت مستحکم اور مضبوط بنائے ہیں کہ ہم ان کو سواری اور بار برداری کے کام میں لاسکیں ان کی کھال نہایت موٹی اور مضبوط بنائی کہ ان کا تمام بدن اس کھال میں محفوظ رہے اور ان کا گوشت اس کھال کی وجہ سے باہر کی زد سے محفوظ رہے ان جانوروں کو کان اور آنکھیں بھی دیں کہ انسان ان سے اپنی ضروریات کو کامل طور سے پورا کر سکے اس کے برخلاف اگر وہ جانور اندھے اور بہرے ہوتے تو کام کی انجام دہی میں بڑی رکاوٹ اور دشواری پیش آتی اور ان جانوروں میں عقل و ہوش بھی مصلحت زیادہ نہیں عطا کیا تاکہ انسان کے تابع اور فرمانبردار رہیں۔ ورنہ ہلی چلانے، بھاری بھاری بوجھ لادنے اور چکیوں میں استعمال کرنے کے جیسے سخت کاموں سے وہ گریز کرتے، اور قابو میں نہ آ سکتے تھے۔

قدرت خوب جانتی تھی انسان کو ان تمام کاموں کی ضرورت پڑے گی اور انسان کی طاقت سے یہ کام باہر ہیں اب اگر ایسے کاموں کے انجام دینے کا انسان کو مکلف گردانی تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک طرف تو اس پر ان کاموں کو پورا کرنا بارگراں ہوتا۔ دوسرے اس کی ساری قوت ان سخت سخت کاموں کے انجام دینے میں صرف ہو کر ختم ہو جاتی تو پھر علوم و اخلاق کی تحصیل، فرائض و عبادت کا حصول اور رہائش کی تکمیل جو انسان کی خصوصیات میں سے ہیں اور جن کی

بدولت انسان کو شرف و امتیاز کا اعلیٰ رتبہ دیا گیا ہے ان سے انسان قطعاً محروم رہ جاتا اور یہاں تک انسان عاجز ہو جاتا کہ وہ اپنے لئے معاش حاصل کرنے کے بہتر وسائل و وظائف اور معزز طریقے بھی استعمال نہ کر سکتا تھا۔ پس اس طرح خدا کا بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کے مناسب اور اس کی مصلحت کے پیش نظر اپنی عین حکمت و تدبیر سے جانوروں کی تخلیق ایسی بنائی کہ وہ ہر طرح سے انسان کے کام آسکیں، اور کسی طرح سے کام کرنے میں گریز نہ کریں۔

حیوانات اور جانوروں کی اقسام اور ان کی ضروریات کے مناسب ان میں صلاحیتوں اور قوتوں کے موجود ہونے پر غور کرو مثال کے طور پر انسان ہی کو لے لیجئے۔ قدرت نے انسان کو اس طرح تخلیق کیا ہے کہ وہ علوم و فنون کو حاصل کرے و دستکاری و صنعت میں کمال پیدا کرے اور اپنی مختلف ضروریات کے پیش نظر مجبور ہے کہ کپڑے کا بننا، مکانات کی تعمیر، بکڑی کا کام، اور فن و ہنر گری وغیرہ کو بھی انجام دے اس مصلحت و حکمت کے پیش نظر خدا نے انسان کو اس کے مناسب عقل و شعور اور دل و دماغ عطا کیا اعضاء کی ساخت میں بھی اس تناسب کو ملحوظ رکھا ہاتھوں کو اس طرح بنایا کہ اس میں انگلیاں اور پھیلی ہے کہ وہ اشیاء کو گرفت کر سکے و دستکاری اور دوسرے کاموں کی انجام دہی کے اوقات میں ان اوزاروں کو صحیح طرح سے گرفت میں لا کر ان کا استعمال کر سکے۔

ان جانوروں کی بناوٹ پر غور کرو جن کی خوراک قدرت نے گوشت بنایا ہے کہ ان جانوروں کو شکار کرنے اور اس کو پکڑنے کی پوری پوری صلاحیتیں اور قوتیں بخشیں ان کے ہاتھ پاؤں میں تیز قسم کے ناخن اور پنپے بنائے کہ موقع پر وہ شکار کو قابو میں لاسکیں پھر ان کو چیر پھاڑ کر کے ان کو اپنی خوراک بنا سکیں۔

ان جانوروں پر غور کرو جن کی خوراک قدرت نے نباتات بنائی ہیں کہ بعض جانوروں کے لیے چھ حصوں کو اس طرح بنایا ہے کہ سخت زمین پر جب وہ اپنی خوراک کی تلاش میں چلیں پھریں تو زمین کی خشونت اور اس کے سنگ ریزوں کی رگڑ سے اپنے کو محفوظ رکھ سکیں اور پھر جلی زمین ان کے جسم کو زخمی نہ کر سکے اسی طرح کسی کسی جانور کو گول گڑھے دار کھر عطا کیے کہ زمین پر اپنے قدم کو پوری طرح جما سکیں اور سواری اور بار برداری میں اپنے قدموں کو مضبوطی سے زمین پر قائم رکھ سکیں۔

گوشت خور جانوروں کی تخلیق پر غور کرو کہ ان کے دانت اور ڈاڑھیں کیسی تیز اور دھار دار بنائی ہیں اور ان کا منہ کیسا کشادہ رکھا ہے گویا قدرت نے ان کو ایک قسم کے

ہتھیلیا رطبا کیے ہیں جن سے وہ اپنے لیے فکار حاصل کر سکیں اس کے برخلاف اگر گھاس کھانے والے جانوروں میں چنے اور تیز دانت اور دھار دار ڈانڑھیں ہوتیں تو ان کے کس کام آتیں، قطعاً بے سود ہوتیں کیونکہ نہ تو ان کو فکار سے کوئی کام اور نہ گوشت کھانے کی ضرورت جو ان چیزوں سے مدد لیں اس طرح سے کہ اگر درندوں میں اس قسم کے پہلو اور کھال ہوتی جس کی ضرورت گھاس کھانے والے جانوروں کو پیش آتی ہے تو یہ ان کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہوتی اور وہ اپنے لئے فکار حاصل نہ کر سکتے جو ان کی غذا ہے گویا وہ ان ہتھیلیاؤں سے بھی محروم ہوتے جن کی ان کو فکار کرنے میں ضرورت ہو۔

پس اب اس پر غور کرو کہ قدرت نے ہر جانور کو اس کی ضروریات اور مصالح کے مناسب اعضاء، قوی اور جسمانی ساخت، عطا فرمائی ہے اب ان کے بچوں کی پیدائش کو دیکھو، مثلاً جو پایوں کے بچوں پر نظر کرو کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کے ساتھ ساتھ کس طرح سے چلتے پھرتے ہیں انسانوں کی اولاد کی طرح نہ ان کی پرورش کی ضرورت اور نہ اس طرح سے اٹھائے اٹھائے پھرنے کی حاجت اس لئے ان کی ماؤں میں وہ عقل و شعور بھی نہیں پیدا کیا جس کی ضرورت انسانوں کو اپنی اولاد کی تربیت کرنے میں ہوتی ہے اور نہ ان میں اس طرح کے ہاتھ اور ان میں انگلیاں بنائیں جن کی ضرورت انسان کو ہوتی ہے یہ سب اسلئے کہ ان جو پایوں کے بچوں میں مستقل خود چلنے پھرنے کی صلاحیت پیدا فرمادی کہ وہ اپنی ماؤں کے ساتھ ساتھ رہیں۔

پرندوں میں سرخی تیز و غیرہ کے بچوں کو دیکھو کہ انڈے سے نکلنے ہی وانہ چکنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جو بچے کمزور ہوتے ہیں اور خود ماں کے ساتھ ساتھ دانہ لٹکا نہیں کھا سکتے جیسے کبوتر کے بچے، ان کی ماؤں کو خدا نے ان پر ایسا شفیق اور مہربان کیا ہے کہ وہ خود ان کو بھراتی ہیں۔ اپنے منہ میں چبا کر بچوں کو کھلاتی ہیں اور ان کا یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے کہ وہ اپنی قوت پر خود چل پھر کر دانا چک سکیں خدا نے اس طرح ہر ایک میں یہ مادہ رحم و شفقت کم و بیش اپنی بلیغ حکمت سے عطا فرمایا ہے۔

جو پاؤں کے قوائم (ناگھوں) پر نظر کرو کہ چلنے پھرنے اور دوڑنے میں وہ کس طرح سے اپنے آگے پیچھے کے دو پاؤں کو زمین پر رکھتا ہے تاکہ زمین پر قائم رہ سکے، پانی کے جانور پانی پر چلنے میں اپنے جسم کے حصہ سے دھکی لیتے ہیں جو پاؤں والے زمین پر اپنے پاؤں سے کام لیتے ہیں دوناتوں والے چلنے میں جب ایک پاؤں کو اٹھاتے ہیں تو دوسرے پر اس طرح

سہارا دیتے ہیں کہ قائم رہ سکیں اور چار ٹانگوں والے جب دو دو پاؤں کو آگے پیچھے بڑھاتے ہیں تو اٹھاتے وقت دوسری دو ٹانگوں پر اس طرح سہارا کرتے ہیں کہ گرنے نہیں پاتے اور اس حکمت سے ٹانگوں کو اٹھاتے ہیں کہ آگے کی ایک طرف تو پیچھے کی دوسری طرف کی جواز کے مخالف جہت ہو، کیونکہ ایک ہی جہت کی آگے پیچھے کے بیک وقت پاؤں اٹھانے کی حالت میں وہ اپنا جسم سادھ نہیں سکتے جس طرح کہ چنگ ایک ہی طرف دو پاؤں پر قائم نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح اگر وہ دونوں ہاتھوں کو اٹھائیں، اور پھر دوسری دفعہ میں دونوں پاؤں اس طرح رفتار میں خرابی پیدا ہو کر وہ سواری اور بار برداری کی صحیح خدمت نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے خدا نے ان میں یہ حکمت اور سوجھ بوجھ دی ہے کہ جب آگے کا دائیں طرف کا پاؤں اٹھائیں تو پیچھے کا بائیں طرف کا تاکہ آگے پیچھے کی مخالف سمت کی ٹانگوں پر وزن سیدھا رہے اور چال میں نرمی اور سلامتی باقی رہے گدھے کو دیکھو کہ بار برداری اور چنگی میں کام آتا ہے برخلاف گھوڑے کے اس سے یہ کام کوئی نہیں لیتا اور اونٹ اگر سرکشی کرنے لگے تو چند لوگوں کے قابو میں بھی نہیں آتا اور جب وہ عاجزی اور سادے پن میں ہو تو ایک چھوٹے سے بچے کے ہاتھ میں مکمل دیدیتے وہ اس کے پیچھے چلتا ہے۔ اور سرکش ہیل اس وقت تک قابو میں نہیں آتا تا وقتیکہ اس کی گردن کو گرم لوہے سے نہ دانا جائے تب ہی اس سے کھیت جوتنے کا کام لیا جاسکتا ہے گھوڑے سواری کے کام آتے ہیں اور مہ ان جنگ میں ان پر اسلحہ بھی لا دکر لے جایا جاتا ہے بکریوں کے گھد کو ایک چھوٹا سا بچہ بھی چرانے کو لے جاتا ہے لیکن جب وہ گھد اس سے جدا ہو کر ادھر ادھر منتشر ہو جائیں تو پھر ان کا ٹپکا کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے یہی حال تمام جانوروں کا ہے کہ ان کو عقل و شعور اسی لئے ہوتا ہے خدا نے ان کے مناسب دیا ہے جو انسان کی خدمت کرنے میں مزاحم نہ ہو ورنہ یہ انسان کے قابو میں ہرگز نہ آ سکتے تھے خواہ انسان کتنا ہی ان کو تابع کرنے کے لیے جدوجہد کرتا۔

یہی حال درندوں کا ہے اگر ان میں عقل و شعور ہوتا تو یہ انسانوں پر برابر حملہ کرتے رہتے اور ان کو باز رکھنے کے لئے انسان کو بڑی مشقتیں اٹھانا ہوتیں خصوصاً اس صورت میں جب وہ بھوکے ہوتے اور غذا کی طلب میں پھرتے تو انسانوں کا ٹھکانا اور چلنا پھرنا تک بند کر دیتے اس لئے خدا نے ان کو باوجود قوت و طاقت زیادہ دینے کے عقل و شعور سے محروم رکھا اور انسانوں سے خائف رہنے کا جذبات ان میں پیدا فرما کر انسان پر بڑا احسان کیا۔

کستے کو دیکھو وہ بھی ایک قسم کا درندہ ہے انسان کا کیسا تابع دار ہو کر رہتا ہے کہ مالک

کے مکان کی حفاظت کرتا ہے ساری رات خود جاگتا ہے مگر مالک کی حراست میں جان دیتا ہے پھر اپنی گرجہ دار آواز سے ہر خطرہ پر مالک کو متنبہ بھی کر دیتا ہے کہ مالک ہوشیار ہو کر اپنی مدافعت کے لئے تیار رہے کتے میں مہر کا کیسا مادہ ہے کئی کئی وقت تک بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے مگر مالک سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا مالک اس پر کتنی ہی سختی کرے مارے پیٹے لیکن وہ اس پر بھی اس کو نہیں چھوڑتا یہ فضائل و عادات کتے میں خدا نے انسان کی منفعت کی خاطر پیدا فرمائے ہیں۔

کتا شکار میں کیسا کام آتا ہے اور شکار کو اپنے دانت اور ناخن سے قبضہ میں کر کے مالک کے لئے محفوظ کرتا ہے یہ سب کچھ انسان کی منفعت اور فائدہ کی غرض سے خدا نے بنائے ہیں۔

پھر ان چو پاؤں کی پیٹھ کو خدا نے کس طرح مسطح اور چار پاؤں پر مضبوط بنایا ہے تاکہ سواری اور بار برداری سے لپک نہ جائے اور قائم رہ سکیں جانوروں کے اندام نہانی (فرج) شرمگاہ) کو پیچھے کی طرف ظاہر اور کھلا ہوا بنایا تاکہ نر ان سے آسانی سے جنمتی کر سکے اگر انسانوں کی طرح بالطنی سطح میں ہوتی تو نر ان سے جنمتی نہ کر سکتا۔

کیونکہ نر مادہ سے ملتے وقت سامنے سے رو برد ہو کر نہیں آتا جس طرح مرد عورتوں سے ملتے ہیں پس یہاں بھی خدا کی حکمت و تدبیر پر غور کرو۔ ہاتھی کی شرمگاہ اگرچہ نیچے کے حصہ میں بنائی ہے مگر جنمتی کے وقت وہ اپنے اس حصہ کو باہر کی طرف لے آتا ہے کہ نر اس سے آسانی سے جنمتی کر سکے پس چونکہ خدا نے جانوروں میں اس مقام کو انسان کے خلاف بنایا ہے اسی اعتبار سے ان میں چند مخصوص صفتیں ایسی رکھی ہیں کہ وہ اس کام کو بخوبی انجام دے سکیں اور اس طرح تناسل کا سلسلہ جاری اور قائم رہتا ہے۔

پھر جانوروں کے جسم کو بالوں اور اون سے کس طرح ڈھانپا ہے کہ سردی اور گرمی سے ان کے جسم کی حفاظت رہے ان کے پاؤں کو کھروں اور ناخنوں پر بنایا کہ سخت زمینوں پر دور دور سفر کرنے میں برہنہ ہونے کی حالت میں زخمی نہ ہوں اور محفوظ رہیں اور بعض میں کھر کے قائم مقام پے تاجے ان کے پاؤں پر پہنا دیئے ہیں جو ان کے لئے چلنے میں وہی کام دیتے ہیں۔

جانوروں کو جب اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ نہ ان میں ذہن و دماغ ہے نہ ہاتھ اور انگلیاں جو کام میں مدد دیتی ہیں تو قدرت نے اس مشقت سے بھی ان کو نجات دیدی ہے اور ان کا لباس ان کے جسم کے ساتھ ہی نہ جدا ہونے والا پیدا کیا ہے نہ اتارنے کی ضرورت، نہ پہننے

کی مشقت اور نہ اس کے تبدیل کرنے کی زحمت برخلاف انسان کے کہ اس کو قدرت نے سمجھ اور عقل عطا کی ہے ہاتھ پاؤں اس طرح سے تخلیق کیئے ہیں جن سے تمام کام لیا جاسکے اس لئے اس کے مشاغل و مصروفیات بھی اسی قسم کے ہیں پھر اس میں خیر و شر کا ملکہ عطا کیا بلکہ شر کا میلان خیر کی نسبت زیادہ ہے اس میں اس قسم کے اسباب بنائے جن کی مدد سے وہ ہلاکت و تباہی سے اپنے کو محفوظ رکھ سکیں انسان میں ملکہ خیر کے ساتھ ملکہ شر کو اس مصلحت سے پیدا کیا گیا اور صرف ملکہ شر کو یا ملکہ خیر کو تنہا نہیں پیدا کیا کہ ملکہ شر کے خالص ہونے میں اگر اس کی اعانت و امداد کی جاتی تو وہ غرور و تکبر میں پھنس کر اپنے کو تباہ کر ڈالتا اور زمین پر فساد برپا کرنے میں سب سے آگے ہوتا اور اپنی عقل کی قوت سے جو سعادت و صلاح کے حصول کے لئے دی گئی ہے وہ شقاوت و بد بختی کے جملہ اسباب فراہم کر لیتا۔

انسان کو خدا نے تمام حیوانات میں اشرف و اکرم بنایا ہے اس پر طرح طرح سے احسانات کئے ہیں اس کو اختیار دیا گیا ہے، کہ کپڑوں میں سے جس کپڑے کو چاہے پسند کرے اور جس قسم کا کپڑا پسند کرے استعمال کرے اور جس کپڑے کو جب چاہے اتار ڈالے اور اس طرح وہ اپنے کو بہتر سے بہتر آراستہ و ہیراستہ کر سکتا ہے پھر مزید حسن و جمال کے لئے اور احباب کی مجلسوں میں درجہ قرب حاصل کرنے کے لئے قیمتی سے قیمتی فینسی سے فینسی کپڑے اور خوشبو اور عطر کا استعمال کرے یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کی زیبائش و آسائش کے کیسے کیسے سامان پیدا کیئے اور انسانوں کو ان چیزوں کے استعمال کی عقل و سمجھ عطا کی اور پھر اس کو اختیار بھی دیا برخلاف دوسرے جانوروں اور حیوانات کے کہ وہ ان نعمتوں سے محروم ہیں۔

خدا نے ان تمام جانوروں کو موت و ہلاکت سے اپنے کو بچانے کی ایسی عقل دی ہے کہ وہ اپنے کو جنگلوں اور جھاڑیوں میں کس طرح پوشیدہ رکھے رہتے ہیں، اور ذرا بھی خطرہ محسوس ہوا فوراً محفوظ اور پوشیدہ مقام پر جا چھپتے ہیں اور مرتے دم تک اپنے کو چھپائے رکھتے ہیں اور اگر یہ غلط ہے تو پھر یہ بڑے بڑے جٹ والے درندے اور چمندے اور ہزاروں قسم کے جنگلی

جانور کہاں ہیں تم تلاش کرو تو ایک بھی بمشکل نظر آئے گا اور ایسا ہے نہیں کہ وہ تعداد میں بہت تصوڑے ہیں اس لئے نظر نہیں پڑتے بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ تعداد میں انسانوں سے کہیں زائد ہیں تو اس کا یہ قول مبالغہ نہیں کیونکہ یہ بڑے بڑے لقمہ و قحط جنگل درندوں اور جانوروں، بچو گائے، گدھے، شجر، بکرے، اونٹ، سور، بھیڑیے اور ہزاروں قسم کے کیڑے مکوڑوں

حشرات الارض اور قسم قسم کے بے شمار پرندوں سے بھرے پڑے ہیں اور یہ تمام اقسام کے

جانوروں کو زندہ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے رہتے ہیں اور ان میں سے کسی کی نہ تو ہڈیاں نظر پڑتی ہیں اور نہ ان کے مردہ جیسے کہیں پڑے ملتے ہیں بلکہ قدرت نے ان کی طبیعت ایسی بنائی ہے کہ کسی مقام پر بھی ہوں اگر ان کو اپنی موت کا ذرا بھی شبہ ہو جائے تو وہ پوشیدہ مقامات میں چلے جاتے ہیں اور زندگی کے آخری لمحات وہاں پورے کرتے ہیں اب تم ان جانوروں کی اس عادت و طبیعت پر غور کرو کہ وہ اپنے مردہ جثوں کو دفن کرنے کے لئے وہ کبھی تدبیر کرتے ہیں اور قدرت نے ان کو یہی حکمت عطا دی ہے۔

ان چوپاؤں کی جیز آنکھوں پر غور کرو جو اپنی تیز نگاہ کے سامنے سے دور کی چیز کو دیکھ کر اپنے کو دیوار وغیرہ سے ٹکرانے اور گڑھوں میں گر کر ہلاک ہونے سے کس طرح محفوظ کرتے ہیں سامنے جب کوئی ایسی شے نظر آتی ہے جس میں ان کو خطرہ محسوس ہو تو اس طرف سے مڑ جاتے ہیں اور اپنے کو روک لیتے ہیں اگرچہ بہت سے ان خطرات اور عواقب سے بے خبر ہوتے ہیں جو ان کو پیش آنے والے ہیں اور جو ان ظاہری نگاہوں سے نہیں دیکھے جاسکتے کیا ان میں یہ دور بینی کی قوت خدا نے ان کی صلاح و سلامتی کے لئے نہیں پیدا فرمائی تاکہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔

ان کے منہ کی ساخت پر غور کرو نیچے کی طرف سے کس طرح کھلا ہوا ہوتا ہے تاکہ گھاس و چارہ بخوبی چرسکیں اگر انسانوں کی طرح سے ان کا منہ ہوتا تو وہ زمین میں سے کوئی چیز نہ کھا سکتے تھے پھر کھانے میں منہ کی مدد کے لئے ان کے ہونٹ بھی مخصوص انداز اور خاص صفت سے بنائے ہیں جو چیز قریب ہوتی وہ اس کو اٹھا لیتے ہیں اور کھانے کی چیز کو لے لیتے ہیں اور جو چیز کھانے کی نہیں ہوتی اس کو چھوڑ دیتے ہیں ان کے پانی پینے کے طریقہ پر نظر کرو کہ وہ کس طرح چوس چوس کر سکون سے پیتے ہیں ان کے منہ کے چاروں طرف خدا نے بالوں کو کس حکمت سے بنایا ہے پانی پینے میں پانی پر جو نیچے کوڑا کرکٹ بہہ کر آتا ہے منہ کے قریب کے بال اس کو علیحدہ کر دیتے ہیں اور مخصوص حرکت سے اس پانی کو صاف و ستھرا کرتے رہتے ہیں گویا اس طرح سے چھنا ہوا صاف پانی پینے میں آتا ہے اور گدلا اور خراب پانی ادھر ادھر ہو جاتا ہے۔

جانوروں اور چوپاؤں کی دم پر نظر کرو، اس کی حکمتوں اور فوائد پر غور کرو خدا نے اس کو بجائے پردے کے بنایا ہے جس کے ایک طرف بال ہوتے ہیں گویا وہ دم چوپائے کی شرمگاہ پر پردے کا کام دیتی ہے ان کی شرمگاہ اور زیریں حصہ پر کیونکہ عموماً گندگی اور غلاظت لگی رہتی ہے



اور اس گندگی کی وجہ سے کھیاں اور پھھر جمع رہتے ہیں اپنی دم کو ہلا کر ان مکھیوں اور پھھروں کو دفع کرنے میں مدد ملتی ہے ان کی دم ایک لامبی چھڑی یا سور پھل کی طرح ہوتی ہے کہ اس سے وہ مکھیوں اور پھھروں کو ہٹانے اور اڑانے کا کام لیتے ہیں منہ کی طرف کھیاں اور پھھر آتے ہیں تو اپنے سر کو ہلا کر ان کو دفع کرتے ہیں پھر خدا نے ان چو پایوں کے جسم میں مخصوص حرکت کی قوت رکھی ہے کہ اگر جسم کے کسی ایسے حصہ پر کھیاں بیٹھیں جو حصہ دم اور سر کی پہنچ اور حرکت سے دور ہو تو یہ چو پائے اپنے جسم کے اسی مخصوص حصہ کو بھی حرکت دے لیتے ہیں جن سے کھیاں اڑ جاتی ہیں یہ خدا کی بڑی عظیم حکمت ہے کہ جہاں ہاتھوں کی پہنچ نہیں وہاں اس حکمت سے کام لیتے ہیں۔

ان چو پایوں میں ایک اور صفت خدا نے رکھی ہے کہ جب ان کے جسم میں تنکان زیادہ محسوس ہوتی ہے تو اپنے دائیں اور بائیں حصہ کو حرکت دے کر کسی قدر تنکان کو دور کر لیتے ہیں ان کے ہاتھوں پر ان کا جسم سیدھا ہوتا ہے جس پر بوجھ ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے بدن سے نہ تو مکھیوں پھھروں کو دور کر سکتے ہیں اور نہ کھلی ٹکھا سکتے ہیں تو ان کی دم کی حرکت اور جسم کی حرکت میں قدرت نے راحت و منفعت پوشیدہ رکھی ہے اور پھر بہت سرعت سے اپنی دم کو حرکت دے لیتے ہیں تاکہ کھلی کی تکلیف زیادہ عرصہ ہو کر ان کی مزید افیت کا باعث نہ بنے۔

ان جانوروں میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ جب پانی یا کچڑ یا دلدل میں ہوتے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی تو وہ اپنی دم کو اٹھا لیتے ہیں کہ وہ پانی اور کچڑ میں ملوٹ نہ ہو۔

اور جب کسی ڈھلان سے اترنا ہوتا ہے اور اوپر بوجھ لدا ہوتا ہے جس کے گرنے کا ان کو خوف ہو تو وہ اپنے سر کو اور چہرہ کو اس طرح سے اوندھا کر لیتے ہیں کہ وہ محفوظ رہے اور دم سے اس طرح سے سہارا دیے دیتے ہیں کہ وہ سامان رکاوٹ ہے گرنے نہیں پاتا اور اگر گرنا بھی ہے تو ان کا چہرہ اور سر اس کی ضرب سے بچ رہا نہیں ہونے پاتا پس یہ ایسی حکمت و مصلحت ہے کہ سوائے خدا کے کسی کو نہیں معلوم اور اس نے ان جانوروں میں اس کا احساس پیدا کر دیا ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہاتھی کی سونٹھ کو دیکھو کہ وہ کس طرح سے ہاتھوں کے قائم مقام کام دیتی ہے گھاس اور چارہ کے اٹھانے میں اور منہ تک لے جانے میں اگر ایسا منہ ہوتا تو اس کے لئے بڑی دشواری ہو جاتی، اور زمین سے کسی چیز کو نہ اٹھا سکتا تھا کیونکہ اس کی گردن دوسرے جانوروں کی طرح

سے حرکت نہیں کر سکتی اسلئے قدرت نے اس کی سوئٹ میں یہ صفت پیدا فرما کر اس پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

پھر اس سوئٹ کو برتن کے قائم مقام بنا دیا ہے کہ وہ اس میں پانی بھر کر منہ میں لے جاتا ہے اس سوئٹ سے سانس بھی لیتا ہے گویا وہ ایک قسم کا آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ بوجھ اٹھا کر اپنی پیٹھ پر رکھتا ہے اور سوار ہونے والے بھی سوئٹ کی مدد سے اس پر سوار ہوتے ہیں۔

زرافہ (ایک لمبی گردن والا جانور جو افریقہ کے صحرا میں پایا جاتا ہے اور اونٹ کی طرح ہوتا ہے) اس کی خلقت پر نظر کرو اس کی بود و باش بلند بلند اور گھنے باغوں میں ہوتی ہے اس لئے قدرت نے اس کی گردن لانی بنائی کہ وہ بلند بلند درختوں سے اپنی غذا پھل حاصل کر سکے۔

لوٹری کو دیکھو، وہ اپنا مکان زمین کے اندر بناتی ہے اور دو راستے اس میں آنے جانے کے لئے بناتی ہے اور وہ راستے بہت تنگ بناتی ہے دو راستے اس حکمت سے کہ اگر ایک راستہ سے اس کو پکڑنے کی کوشش کی جائے تو وہ دوسرے راستہ سے بھاگ جاتی ہے اور اگر دونوں راستے سے کوئی اس کو پکڑنا چاہے تو وہ ان راستوں کو اپنے سر سے بند کر دیتی ہے اور اس کے نیچے کوئی نہ کوئی سوراخ ایسا رکھتی ہے جس سے ہو کر وہ اپنے گونجات دلانے میں کامیاب ہو جاتی ہے پس اس کی سمجھ کو دیکھو کہ خدا نے اس کو کیسی سمجھ عطا کی ہے جس سے وہ اپنی حفاظت کا سامان کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان جانوروں میں مختلف طبیعتیں اور مختلف حکمتیں اور صفتیں رکھی ہیں جو جانور انسان کے گوشت کھانے کے کام آتے ہیں ان میں قدرت نے عاجزی اور اعتقاد و اطاعت کا مادہ رکھا ہے کہ ہا آسانی انسان کے قابو میں آسکیں اور ان کی خوراک نباتات کو بنایا ہے جن جانوروں کو بار برداری کے لئے بنایا ہے ان کو طبیعت کا سیدھا سادھا بنایا ہے غیظ و غضب کا جذبہ برائے نام رکھا ہے اور ان کو ایسی شکل میں بنایا کہ بار برداری کے کام میں انھیں طرح آسکیں اور بعض جانور جن میں غضب و شر کا حربہ زیادہ ہے ان میں تنظیم و تعلیم کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھی تاکہ وہ لوگوں کے کام آسکیں اور شکار اور حفاظت کا کام دے سکیں اور اسی طرح ہاتھی ہے جو نہایت سمجھدار جانور ہے اور اس میں تعلیم و تادیب کی قبولیت کی خاص استعداد ہے جس سے بار برداری اور میدان جنگ میں خاص کام لیا جاتا ہے وہ جانور جن میں غضب و شرارت کا حربہ کسی قدر موجود ہے تو ان میں محبت و انس کا جو ہر بھی بہ نسبت

دوسرے جانوروں کے زیادہ ہے جو انسان کے بہت کام آتے ہیں جیسے بلی، پرندوں میں بھی ایسے پرندے ہیں جن سے انسانی فائدے متعلق ہیں اور پھر ان جانوروں میں محبت و الفت کا جز بہ بھی غیر معمولی پایا جاتا ہے مثلاً کبوتر ہے جو اپنے مقام کو کبھی نہیں بھولتا اور اس سے خبر رسانی اور پیغام رسانی کا کام بھی لیا جاسکتا ہے، ضرورت پڑنے پر یہ جانور بڑے کام کا ہے پھر یہ جانور کثیر النسل بھی ہے کھانے کے کام میں بھی آتا ہے۔

ایک جانور باز بھی ہے جس میں انفس کا مادہ بھی ہے لیکن اس میں اس کے خاف جذبہ غضب بھی ہے مگر کیونکہ شکار کے کام میں وہ لایا جاسکتا ہے اس لیے خدا نے اس میں تادیب کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کی ہے جس سے اس میں فرمانبرداری اور اطاعت کی خوب غالب ہوتی ہے، اور پھر وہ حسب ہدایت کام کرتا ہے اور شکار کے کام میں اچھی مدد دیتا ہے اور نامعلوم کتنی اور کون کونسی حکمتیں اور مصلحتیں قدرت نے جانوروں میں مخفی رکھی ہیں جن کو وہی خوب جانتا ہے۔



## شہد کی مکھی، چیونٹی، مکڑی، ریشم کا کیڑا اور مکھی

### وغیرہ کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمِمَّنْ دَابَّةٌ فِي الْأَرْضِ

وَلَا طَائِرٌ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ

مِمَّا لَكُمْ مَا فَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ

شَيْءٍ، ثُمَّ إِلَيْنَا رُجُوعُهُمْ يَحْشُرُونَ .

اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں .

اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں جو اپنے دونوں

پاروں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی ایسی قسم نہیں  
جو تھماری ہی طرح کے گروہ نہ ہوں ہم نے لوح  
محفوظ میں کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کو نہ نکھابو۔  
پس سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کیے  
جائیں گے۔

خدا کی چھوٹی سی مخلوق چیونٹی کو دیکھو قدرت نے ان کو اپنی غذا جمع رکھنے کی کیسی  
حکمت سکھائی اور اس کام میں ہا ہم ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح سے تعاون کرتی ہے اور  
اپنی اس ہا ہی کوششوں سے اپنے لیے اس وقت کے لئے جب وہ شدت گرمی اور شدت سردی  
سے باہر نہ نکل سکیں وہ سب مل کر اتنی غذا جمع کر لیتی ہیں کہ اطمینان و سکون سے اپنے سوراخوں  
میں بیٹھیں کھایا کریں یہ کیسی دور اندیشی ہے جو بہت سے انسانوں کو بھی نہیں سمجھتی جو طاقت  
اندیشی میں مشہور ہے۔

جب کوئی چیونٹی کسی چیز کو خود نہیں سنبھال سکتی تو دوسری چیونٹیاں اس کو جھوکے  
چلنے میں کس طرح سے اس سے تعاون کرتی ہیں جس طرح کوئی وزن ایک انسان کی طاقت  
سے زائد ہو تو دوسرے اس کو اٹھانے میں مدد کرتے ہیں۔

زمین میں اپنے اپنے رہنے کے مکانات کس تدبیر سے بناتی ہیں زمین کی مٹی کو کس  
طرح یکے بعد دیگرے باہر لا کر ڈالتی ہیں حتیٰ کہ رہنے کی جگہ صاف کر لیتی ہیں اور پھر مکان  
کے تیار ہو جانے کے بعد اپنی خوراک اکٹھا کرتی ہیں اور جو غلہ جمع کرتی ہیں اس کو اپنے دانتوں  
سے کتر کر رکھتی ہیں مبادا زمین کی نمی سے اس میں کد پھوٹ جائے یہ حکمت و دانش مندی اس  
چھوٹے سے کبڑے میں سوائے اس خدا کے کسی نے نہیں بخشی جو حکیم و قادر ہے اور جہنم و جہنم  
ہے۔

اگر وہ دانے پانی کی نمی سے تر ہو جائیں تو ان کو باہر نکال کر دھوپ اور ہوا میں خشک  
کرتی ہیں۔

اپنے مکانات فشی زمین میں کبھی نہیں بناتی کہ پانی اس میں جمع ہو کر ان کی ہلاکت کا  
سبب ہو گا بلکہ بلند حصہ زمین پر مکانات تعمیر کرتی ہیں۔  
اب تم شہد کی کبھی اور اس میں جو قدرت نے عجیب و غریب حکمت عطا کی ہے اس پر

غور کرو۔

ان شہد کی کھیلوں میں ایک سردار ہوتا ہے جس کے حکم و اشارے پر تمام کھیاں کام کرتی ہیں ان کھیلوں میں اگر کوئی دوسرا کس ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ سب مل کر اس کو مار ڈالتی ہیں تاکہ ان میں افتراق و انتشار نہ پیدا ہوا اور ایک ہی کی متابعت میں وہ سب باہم متحد و متفق رہیں۔

یہ کھیاں پھولوں سے کسی قسم کی رطوبت چوستی ہیں جو خدا کی قدرت سے ان کے منہ میں شہد میں تبدیل ہوتی ہے اس حکمت و تدبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس شہد میں اپنے بندوں کے لئے کس طرح مصالح و مفاد کو پیش نظر رکھا ہے یقیناً اس میں امراض کے لئے شفا ہے جیسا کہ خدا نے خود فرمایا ہے شہد میں غذا نیت اور دوسری منفعت بھی ہے جس طرح دودھ میں بیشمار فوائد بنی نوع انسان اور حیوانات کے لئے مضمحل ہیں۔

یہ کھیاں اپنے پاؤں میں موم لالا کر چمتا میں جمع کرتی ہیں کہ جس میں شہد محفوظ رہے شہد کی حفاظت کے لئے موم کے برتن سے زیادہ موزوں اور مناسب کوئی برتن نہیں ہو سکتا۔

اب اس پر غور و فکر کرو کہ ان کھیلوں کو یہ حکمت و سبق سوائے خدا کے کون دے سکتا ہے جس کی بناء پر انھوں نے شہد کو موم کے برتن میں ایک خاص مدت تک کے لئے محفوظ رکھا اور پھر بلند درختوں اور پہاڑوں پر اپنا گھر تیار کیا کہ لوگوں کی دسترس سے محفوظ رہے کھیاں رس لینے کے لئے دن میں نکلتی ہیں رات کو اپنے گھر میں بصیر الہی ہیں اور جب واپس آتی ہیں تو اپنی غذا ساتھ لے کر آتی ہیں۔

پھر ان کے مکان کی ترتیب و ساخت کو دیکھو کس حکمت سے اس میں ہشت پہلو سوراخ بناتی ہیں اور بول و براز کے لئے اپنے گھر میں علیحدہ سوراخ بناتی ہیں تاکہ شہد ان میں مل کر خراب نہ ہو یقیناً ان کا مکان جہد اس کی ساخت بڑی حکمت و تدبیر سے ہوتی ہے جس سے خدا کی حکمت بالذکا چلے جاتا ہے۔

کمزری کو دیکھو، خدا نے اس کے جسم میں ایک ایسی رطوبت پیدا کی ہے جس سے وہ اپنے رہنے کے مکان بناتی ہے اور اس سے اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے شکار بھینسلنے کا جال بھی تیار کرتی ہے قدرت نے عجیب و غریب حکمت رکھی ہے کہ اس غذا سے اس کے اندر ایسی رطوبت تیار ہوتی ہے جس کو وہ مکان بنانے اور شکار کے لئے جال تیار کرنے میں صرف کرتی ہے مکان اس طرح سے بناتی ہے کہ خود اس میں بالکل چھپ جاتی ہے یہ دونوں چیزیں نہایت رقیق تار کی طرح ہوتے ہیں جو اس رطوبت سے بنتے ہیں اور یہی رقیق و کمزور تار شکار

کے پاؤں کے چاروں طرف اس طرح سے آگے پیچھے بندش کر دیے جاتے ہیں کہ شکار جانے نہیں پاتا اور وہ اس میں پھنس کر بالکل بے دست پا ہو جاتا ہے اس کے تیار کردہ پھیلائے ہوئے جال میں جب کوئی شکار آتا ہے تو بہت پھرتی سے وہ اپنے گھر سے باہر آتی ہے اور اس کو چاروں طرف سے خوب جکڑ دیتی ہے اور پھر اس کو پوری احتیاط سے پکڑ کر اپنے گھر میں لے جاتی ہے بھوکے ہوتی ہے تو اس وقت اس سے اپنی غذا حاصل کرتی ہے ورنہ آئندہ کے لیے رکھ لیتی ہے دیکھو خدا نے اس کھڑکی کو کیسی سو جھو بھو عطا کی ہے اور اس کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں جب اتنی چھوٹی سی مخلوق میں اس نے ایسے اسباب و وسائل پیدا کیے ہیں اور ان کو استعمال کرنے کی تعلیم دی ہے تو پھر انسان کو اس نے کیسے کیسے وسائل و حکمتوں سے نوازا ہو گا یقیناً وہ بڑا حکیم و مدبر ہے۔

ریشم کے چھوٹے سے کیڑے کو دیکھو، اس کو دیکھ کر خدا کی قدرت نظر آتی ہے گویا اس کی زندگی انسانی مصالح و مفاد کی خاطر ہے یہ کیڑا اپنے جسم سے ریشم تیار کرتا ہے اور اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ ایک ختم کے برابر ایک شکل ہوتی ہے اور وہ گویا اٹھ ہوتا ہے جو کچھ دن میں گرمی پا کر ایک کیڑے کی شکل ہو جاتا ہے اور یہ ننھا سا کیڑا پتہ پر کس طرح رکھ دیا جاتا ہے پس یہ اس پتہ سے اپنی غذا حاصل کرتا رہتا ہے اور اسی طرح سے کچھ دن میں وہ ریشم کا ایک گولہ بنا شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ ریشم کا ایک گولہ تیار ہو جاتا ہے اور کیڑا ریشم کے ایک گولے کی نظر ہو جاتا ہے اس کی زندگی بس اتنی ہی ہوتی ہے۔

قدرت نے جب ایسی مفید جنس کو باقی رکھنا چاہا تو اس کے لئے ایسے ہی اسباب پیدا فرمائے جب یہ ریشم کا گولہ تیار ہو چکتا ہے تو وہاں ایک بہت چھوٹا سا پردار کیڑا پیدا ہو کر اڑ جاتا ہے اور ان میں نر و مادہ کی کوئی تمیز معلوم نہیں ہوتی۔ یہ شہد کی مکھی سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتا ہے اور یہ پردار چھوٹے سے کیڑے ایک دوسری پر تھوڑی دیر سواری کرتے ہیں جس سے ایک حاملہ ہو کر اسی وقت اٹھ اڑتا ہے جو اس ختم کی طرح ہوتا ہے، جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے پس یہ پردار کیڑے اڑ جاتے ہیں اور یہ اٹھ اسی مذکورہ بالا صورت کی طرح سے ریشم کے گولے میں بدیل ہو جاتا ہے۔

اب تم اس پر غور کرو کہ اس کیڑے کو خاص کر اس پتے سے غذا حاصل کرنے کی سمجھ اس نے دی پھر اپنے جسم کو اس طرح سے ریشم بنانے میں فنا ہونا کس نے سکھایا پھر آخر میں اس میں پروں کو کس نے پیدا کیا اور پھر اس کو اس شکل میں کس نے تبدیل کیا جس سے نسل باقی

رہنے کا سامان ہوا۔ اگر وہ اپنی اصل شکل میں رہتا تو پھر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا پھر جس ذات نے اس کیڑے میں اتنی سمجھ بوجھ عطا کی اس نے اس ریشم کے ذریعہ سے ایک کثیر دولت کے کمانے کی تعلیم دی اس سے قسم قسم کی اشیاء اور قیمتی کپڑے تیار کرنے کا سبق سکھایا اس عجیب و غریب حکمت اور خدا کی قدرت کو دیکھ کر جو اس ننھے سے کیڑے کی زندگی میں نظر آتی ہے خدا کی عظیم قدرت کا اندازہ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور نئی سزایں ہڈیوں پر کوشت پوست پیدا ہونے کا یقین اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ بیشک اس کی ذات اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب حکمتوں پر قادر ہے۔

اس کبھی کو دیکھو جس کو ہم نہایت ہی حقیر نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور یہ بظاہر اس کو بالکل غیر مفید سمجھتے ہیں یہ جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے پر اس وقت اس کے جسم پر ہوتے ہیں اور فوراً ہی اڑ کر وہ اپنی غذا حاصل کرتی ہے اور خطرہ ہونے پر انھیں پروں کے ذریعہ وہ اڑ کر اپنے کو بچا لیتی ہے، کبھی میں قدرت نے چھو پاؤں بنائے ہیں چار پر وہ قائم رہتی ہے اور دو فاضل رہتے ہیں جو ضرورت پر کام لیتی ہے مثلاً اگر کسی ایسی گاڑھی لیدار چیز پر بیٹھ جائے جس سے اس کے پر آلودہ ہو کر اڑنے کے قابل نہ رہیں تو اپنے ان دونوں پاؤں کی مدد سے اپنے پروں کو صاف کر لیتی ہے اور اس کی آنکھیں دوسرے ان کیڑوں کی طرح جو انسان کے پیش و آرام کو مکرر کرتے ہیں بغیر پلکوں کی ہوتی ہیں اور سر سے باہر نکلی ہوتی ہیں یہ کبھی اور اس قسم کے دوسرے چھوٹے چھوٹے کیڑے پھسر، پسو، جھنگے وغیرہ کو خدا نے بنی نوع انسان کے پیچھے اس طرح لگا دیا ہے کہ کسی وقت بھی آرام و چین نہیں لینے دیتے تاکہ دنیا کی عمارت اور بے ثباتی ان پر آشکارہ ہوں اور دنیا سے چھٹکارہ ملنے کی آرزو ان میں پیدا ہو کیونکہ یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے جو نہایت ہی بے حیثیت اور بے طاقت ہیں وہ باوجود بار بار اڑانے کے بھی انسان کے جسم پر آ بیٹھتے ہیں۔ گو یا وہ انسان کے جسم کو ایک بے حس و حرکت پتھر کی طرح سمجھتے ہیں تھوڑی دیر بیٹھے پھر ادھر ادھر کچھ حرکت کی اور اڑ گئے اور یہ اس لئے کہ شکار ای چیز کا کیا جاتا ہے جس کے زندہ ہونے کا علم ہو جائے اور اگر اس کا مردہ ہونا معلوم ہو تو پھر اس کو کوئی شکار نہیں کر سکتا جس طرح پتھر کہ ان کو کوئی بھی نشانہ نہیں بناتا۔

عقاب کو دیکھو جس وقت وہ کچھوے کو شکار کرتا ہے اور جب اس میں کوئی جگہ ایسی نہیں پاتا جس کو وہ اپنی غذا بنائے تو اس کو اپنے پنجوں میں دبا کر بہت اونچا لے جاتا ہے اور پھر اس کو پہاڑ پر یا پتھر کی چٹان پر چھوڑ دیتا ہے جس سے کچھوے کا جسم پاش پاش ہو جاتا ہے اور پھر

عقاب آ کر اس کو کھا لیتا ہے بتاؤ اس عقاب میں یہ عقل کس نے دی ہے۔

کڑے کو دیکھو، وہ ویسے بھی مکروہ ہے اس لئے اس کی طبیعت بھی کچھ اس طرح مخلوق ہے کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے کو دور ہی دور رکھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس کو علم غیب ہے کہ ذرا کسی نے اس کو پکڑنے کا قصد کیا اور وہ ازا پھر اس کو کسی سمجھے کہ بچوں کی حفاظت کے لئے اپنے گھونسلے کو نہایت محفوظ اور پوشیدہ مقام پر رکھتا ہے اور بہت کم جھنکی کرتا ہے سبادہ اس غفلت میں وہ پکڑا جائے مگر خدا انسان سے بہت خائف اور محتاط رہتا ہے برخلاف اس کے جو پاپوں اور دوسرے جانوروں سے اس کا معاملہ بالکل برعکس ہے ان کی پیٹھ پر سر پر سینکھ پر گردن پر آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کافی دیر تک بیٹھا رہتا ہے اونٹ کا خون اور چوپایوں کی لید میں بھی کچھ اپنی نذاذ صوف لیتا ہے جب کوئے کا پیٹ بھر جاتا ہے تو باقی بچے ہوئے کسی پوشیدہ مقام پر چھپا کے رکھ دیتا ہے جو دوسرے وقت اس کے کھانے کے کام آتا ہے بتاؤ یہ حکمت اور کچھ اس میں کس نے پیدا کی یقیناً اس خدائے قادر و حکیم نے ان جانوروں میں یہ حکمت اور تدبیر پیدا فرمائی اگرچہ عقل سے یہ محروم ہیں۔

جبل ایک مکروہ شکل کا پرندہ ہے اور وہ بھی اپنے کو دور ہی رکھتی ہے خدا نے اس کو اڑنے کی بڑی زبردست طاقت دی ہے وہ نہایت بلندی پر اڑتی رہتی ہے اس میں قوت چٹائی بہت تیز ہے کہ اتنی بلندی سے زمین پر اپنی خوراک کو دیکھ کر بہت تیزی سے نیچے آتی ہے اور اچانک اس چیز کو کسی بلند مقام پر جا کر رکھاتی ہے اس کے نیچے نہایت تیز اور مڑے ہوئے دھرتے ہیں کہ اتنی تیزی میں وہ زمین سے چیزوں کو اٹھا لے جانے میں مدد دیتے ہیں اور کبھی خطا نہیں کرتے۔

چھپکلی سے مشابہ ایک جانور ہے جس کو گرگٹ کہتے ہیں وہ ایک ہی جگہ پر بیٹھے رہنے کا عادی ہوتا ہے بہت کم چلتا پھرتا ہے خدا نے اس کی آنکھوں میں یہ صفت رکھی ہے کہ چاروں طرف حرکت کرتی ہے اور وہ ایک جگہ پر ہی بیٹھے بیٹھے اپنی خوراک حاصل کر لیتا ہے جھوٹے چھوٹے کیڑوں کو وہ شکار کر کے کھا جاتا ہے پھر اس میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس قسم کے رنگ دار درخت پر رہتا ہے اسی رنگ میں خود تبدیل ہو جاتا ہے جس سے بہت کم دکھائی دیتا ہے اور کھیاں وغیرہ اس کو نہیں دیکھ پاتی اور وہ بیٹھے ہی بیٹھے زبان نکالتا ہے اور بجلی کی طرح سرعت کے ساتھ ان کو چٹ کر جاتا ہے اور پھر درخت کی کسی ٹہنی پر اس طرح جم جاتا ہے گویا درخت کا ایک حصہ ہے۔



اس میں ایک خصوصیت اور بھی ہے کہ جب کوئی اس کو مارنا چاہے تو وہ اس کو ڈرانے کے لئے ایسے ایسے رنگ و روپ بدلتا ہے جس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔

تکون مزلی میں وہ ضرب المثل ہے اگر کوئی شخص بار بار مختلف رائے اور مختلف خیالات کا اظہار کرتا ہے تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔

کھبوں میں خاص قسم کی کھمی ہوتی ہے جو عام کھبوں سے قدرے مختلف ہوتی ہے جو ان کھبوں کو کھا جاتی ہے اور ان کو خوار کرنے کے لئے عجیب و غریب حکمت و تدبیر سے کام لیتی ہے جب کوئی کھمی اس کے قریب آ کر بیٹھتی ہے تو یہ بالکل بے حس و حرکت ہو جاتی ہے اور جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ کھمی اطمینان سے بیٹھی ہے تو یہ نہایت ہوشیاری سے اس کے اتنی قریب پہنچ جاتی ہے کہ ایک جست میں اس کو پکڑے اور پھر دفعتاً اس پر چبھتی ہے اور اس کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور جب کچھ دیر بعد وہ مردہ ہو کر بے حس و حرکت ہو جاتی ہے تو اس سے اپنی غذا حاصل کر لیتی ہے۔ اب اس کھمی کی یہ ہوشیاری اور اس کی حیلہ سازی کیا اس کی خود پیدا کردہ ہے یا اس حکیم مطلق نے اس کو اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے بخشی ہے۔

چمھر نخی سے مخلوق کو دیکھو قدرت نے اس کا جسم بھی کتنا چھوٹا بنایا ہے اس چھوٹے سے جسم ہونے کے باوجود اس کے ان پروں میں کوئی نقصان ہے جن سے وہ اڑتا ہے اور نہ ان پاؤں میں کوئی کوتاہی ہے جن پر وہ بیٹھتا ہے اور نہ چپائی میں کوئی کمی جس سے وہ اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے مناسب مقام کو منتخب کرتا ہے اس مختصر سے جسم میں اس کا وہ ہتھیار بھی ہوتا ہے جس کو جسم میں چھپا کر خون چپتا ہے اس کے چھوٹے سے بدن میں وہ ساری مشینری موجود ہے جو اس کی غذا ہضم کرتی ہے اور پھر فضلہ کو باہر نکالتی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ بغیر کھائے پیئے زندہ رہے اور کیا یہ ممکن ہے کہ ان کی خوراک ایک ہی جگہ پر اس کو ہمیشہ دستیاب ہو سکے اور کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ فضلا بغیر کسی مفقہ (سوراخ) کے اس کے جسم سے باہر آ سکے معلوم ہوا کہ سب کچھ اس کے اس ننھے سے جسم میں اس قادر و حکیم نے بنایا ہے اور اس کے مناسب اعضاء بنائے پھر اس کو اپنی غذا حاصل کرنے کی معرفت و حکمت عطا کی نفع و نقصان میں تمیز کرنے کی صلاحیت بخشی ہے اس سے خدا کی حکمت و کبریائی کا پتہ معلوم ہوتا ہے اور اس کی بلیغ قدرت و حکمت کا سبق ملتا ہے اگرچہ یہ چمھر جو بظاہر ایک حقیر اور نہایت ہی چھوٹا سا جسم رکھتا ہے اگر آسمان و زمین کی تمام مخلوقات فرشتے وغیرہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ قدرت نے اس کے اجزاء کو کس طرح سے تقسیم و ترتیب دیا ہے اور کیسے متعادل بنایا ہے تو یہ ساری مخلوقات بجز بحر

واکھار کے کچھ اظہار نہ کر سکیں گے۔ پھر اگر یہ سوچیں کہ اس مختصر جسم میں ساری قوتیں بھی بخشی ہیں جن سے وہ معلوم کر لیتا ہے کہ جلد اور گوشت کے مابین خون ہے جو میری غذا ہے اگر یہ علم پہلے سے نہ ہو تو وہ کبھی جسم پر بیٹھ کر خون چوسنے کی کوشش نہ کرتا اور پھر اس کی ہمت و جرأت کو دیکھو کہ کس طرح سے وہ اڑ کر اپنی مخصوص آواز سے پہلے آگاہ کر دیتا ہے اور پھر خود بھی ہوشیار رہتا ہے کہ ڈراما شہد ہوا اور وہ اڑا اور یہ بھی جانتا ہے کہ اڑ جانے میں اس کی نجات ہے اور سب وہ اڑ کر جاتا ہے تو پھر اس کو کوئی طاقت واپس نہیں لاسکتی جب ایک چمچ جیسی اونٹنی اور حقیر مخلوق میں خدا نے ایسی ایسی حکمتیں اور تہجیریں پیدا فرمائیں تو پھر اور دوسری ہزاروں لاکھوں ہتیار مخلوقات میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ کی ہوئی۔

## مچھلی کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ لَكُم

الْبَحْرَ لَتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا.

اسی خدا نے تم کو سمندر پر اختیار دیا کہ تم اس سے

تازہ تازہ گوشت کھاؤ۔

مچھلی کو دیکھو خدا نے سمندر کو درمہروں میں کیسی کیسی عجیب و غریب شکل و صورت کی مخلوقات بنائی ہے جس سے اس کی قدرت معلوم ہوتی ہے خدا نے جب ان کا ٹھکانا ہی پانی میں بنایا تو پھر اس مصلحت سے اس میں پاؤں اور ہچھڑے نہیں پیدا کیے کیونکہ وہ پانی میں غوطہ لگانے کے وقت سانس نہیں لیتے پاؤں کی جگہ ان میں بازو بنائے ہیں جو تیزی سے ان کی منشاء کے مطابق حرکت کرتے ہیں اور جس طرف وہ جانا چاہے جا سکیں ان کے جسم کو ایک ایسی جلد سے ڈھانپا ہے جس کے اجزاء بعض بعض میں گھسے ہوئے ہیں اور جو گوشت کی طرح نرم نہیں ہیں بلکہ سخت زرہ کی طرح ان کی پوری حفاظت کرتی ہے اور جن مچھلیوں میں اس طرح کے قلوب نہیں بنائے ان کے جسم پر ایک چھلکا سا پہنا دیا ہے جس کی جلد مضبوط اور دہلی تر ہے جو اس کے

لئے مکمل محافظہ ہے مچھلی میں آنکھ، کان، ناک یہ تمام چیزیں ہوتی ہیں جن کی مدد سے وہ خوراک حاصل کرتی ہے اور خطرہ ہونے پر اپنے کو بچاتی ہے پس دیکھو کہ سمندری گہرائی میں رہنے والی مخلوق کو کیسی مناسب اعضاء اور قوت بخشی ہے جو اس کے لئے طلب معاش اور دشمن سے نجات حاصل کرنے میں پوری طرح ان کی معاون ہیں۔

اور کیونکہ خدا کو معلوم ہے کہ بعض بعض کی غذا ہے اس لئے خدا نے اس کو کثیر الاولاد بنایا ہے اور نرمادہ کی خصوصیت بھی نہیں رکھی جس طرح بڑی مخلوقات میں مادہ ہی بچے انڈے دیتی ہے برخلاف مچھلی کے کہ ہر مچھلی انڈے دیتی ہے اور ہر مچھلی انڈوں کا ایک کچھ دیتی ہے جس سے بے شمار بچے پیدا ہوتے ہیں۔

بعض مچھلیاں نہروں میں پیدا ہوتی ہیں اور بغیر تولد کے لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوتی ہیں۔

بعض مچھلیاں اپنی ہیں جن کے دو ہاتھ اور دو پاؤں ہوتے ہیں ان میں تولد و تناسل نرمادہ کے ملنے سے ہوتی ہے۔

پکھوا اور گھڑیاں (گرچہ ایمان سے مشابہت رکھنے والے دوسرے جانور یہ انڈہ دیتے ہیں سورج کی گرمی سے انڈے ٹوٹ جاتا ہے اور اس انڈے سے ایک بچہ نکلتا ہے پانی میں ۱۰ روزہ رہ کر بننے کا کام اس میں ہوتا ہے ! لہذا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے

انڈوں میں جو ہی مچھلی انڈے دیتی ہیں روح ڈال دیتا ہے اور مکمل بچا اس میں موجود ہوتا ہے وہ اپنی تربیت میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا یہ خدا کی بڑی حکمت ہے کیونکہ خشکی کے جانوروں کی طرح سے سمندری جانوروں کو اپنے انڈے سینہ ان پر ایک مدت تک بیٹھے رہنا پھر بچوں کو بھڑانا اور تربیت دینا ناممکن ہے اس لئے خدا نے ان تمام باتوں سے مبرا اور بے نیاز رکھا ہے پھر خدا نے بہت کثیر تعداد میں ان کی پیدائش رکھی کیونکہ مچھلیاں آپس میں ایک دوسرے کو کھا جاتی ہیں اور پھر انسان کے لئے بھی یہ بہترین غذا ہے مچھلی کے سرعت حرکت کو دیکھو وہ اپنی کلم کتی پھرتی اور تیزی سے حرکت دیتی ہے اور پانی میں اس کی رفتار کو دیکھو کس اعتدال اور میاندہی سے کشمی کی طرح سے پانی میں تیرتی ہیں اپنے پاؤں اور پروں سے کس طرح پانی کو ادھر ادھر بناتی ہوتی آگے بڑھتی ہیں۔ اس کے جسم میں ہڈیاں بالکل اس کے اعضاء جسم کے مشابہ ہوتی ہیں اندر سے کھوکھلی اور نہایت ہلکی اور پارک ہوتی ہیں کہ تیرنے کے کام کے لئے ایسا ہی مناسب تھا اگر کوئی ہڈی کہیں سے ٹوٹ جاتی ہے تو وہ کس طرح سے گوشت کی مدد سے پھر جڑ جاتی ہے دانت اگرچہ تعداد میں کافی ہوتے ہیں مگر ایک دوسرے سے قریب ہونے کی وجہ سے ایک ہی جزو

معلوم ہوتے ہیں اور غذا کے چبانے میں سب مل کر ایک دوسرے کی اس طرح اعانت کرتے ہیں کہ پھر چبانے کی مزید ضرورت نہیں ہوتی۔

گھونگے، سمندر میں خدا نے کچھ بہت ہی کمزور اور ناتواں جانور بھی بنائے ہیں جو حرکت تک اچھی طرح نہیں کر سکتے جیسے گھونگے اور پٹنگی کا کیڑا مگر خدا نے ان کی حفاظت کا یہ انتظام کیا کہ ان کو ایک محفوظ اور مضبوط قلعہ میں بند کر دیا جو پتھر جیسا سخت ہے اور وہی اس کا مکان اور جائے سکونت ہے اور اس کا اندرونی حصہ جو جسم سے ملحق رہتا ہے اس کو نرم بنایا کہ جسم کو ضرب نہ پہنچے۔

گھونگوں کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں جو کھلے ہوئے مقامات میں رہتے ہیں جہاں وہ اپنی خود بھی حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے خدا نے ان کو پہاڑوں اور پتھروں کی چٹانوں میں محفوظ رکھا ہے اور وہیں پہاڑوں سے رتنے والی رطوبت ان کی غذا ہوتی ہے۔

بعض اسی خوبصورت اور ستارے کی مانند درختاں ہوتے ہیں وہ اپنے منہ کو اپنے گھر سے باہر نکال لیتے ہیں اور ادھر ادھر کچھ کھاتے پیتے ہیں اور جوں ہی کوئی خطرہ پیدا ہوا دفعتاً اپنا منہ اندر کر لیتے ہیں اور اس سوراخ پر ایسے سخت قسم کی کوئی آڑ لگا کر اس کو بند کر دیتے ہیں کہ باہر سے کوئی اس کے اندر نہیں جاسکتا اور اس طرح وہ اس میں چاروں طرف بند ہو جاتا ہے خدا کی قدرت کو دیکھو کہ کس طرح ان کا گھر بنایا اور ان کو گھر میں محفوظ ہو جانے کی کیسی حکمت سکھائی مختصر یہ کہ خدا نے کسی کو محروم نہیں رکھا سب کو اس کی مناسب اور مفید چیزیں عطا کی ہیں وہ اپنی تمام مخلوقات کی پوری حفاظت کرتا ہے خواہ وہ مخلوقات پہاڑوں میں رہتی ہو یا ٹیلوں پر یا سمندر کی گہرائی میں۔

رنگین مچھلیاں، مچھلیاں بھی طرح طرح کی ہیں بعض وہ ہیں جو سمندر کی گہرائی سے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو قریب کے کناروں پر خشکی سے غذا حاصل کرتی ہیں ان میں قسم قسم کے رنگین نقوش ہوتے ہیں اور یہ رنگ رنگ کے نقش و نگار بھی قدرت ان کے فضلہ غذا سے تیار کرتی ہے جس طرح گھاس کھانے والے جانوروں میں ان کے فضلہ غذا سے صاف و شفاف بیٹھا دودھ تیار ہوتا ہے۔

یہ رنگین مچھلیاں جب کسی ایسی چیز کے اثر کو محفوظ کرتی ہیں جس سے ان کے رنگ میں کوئی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ معا اپنے پیٹ سے خاص قسم کے ماوے کو نکال کر اس

مقام کو صاف کر دیتی ہیں اور پھر پانی کے اندر جا کر اس میں دوسری تبدیلی کر دیتی ہیں اس قسم کی ہزاروں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جن کو بجز خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔

پردار پھیلیاں، بعض مچھلیاں پردار ہوتی ہیں اور ادھر ادھر حرکت کرنے میں چمکا دڑ کی طرح اڑتی ہیں اور دیکھنے میں خشکی کے پرندے کی طرح معلوم ہوتی ہیں اس طرح وہ اپنے پروں سے اڑنے کا کام لیتی ہیں۔

کچھ مچھلیاں ایسی ہوتی ہیں جو بہت چھوٹی اور کمزور ہوتی ہیں اور نہروں نالوں میں بیٹھتی ہوتی ہیں ان میں قدرت نے ایک خصوصیت ایسی رکھی ہے جو ان کی حفاظت کرتی ہے ذرا کسی نے اس کو پکڑا تو ہاتھ اور جسم کو سن کر دیتی ہے اس لئے اس کو کوئی پکڑتا نہیں۔

غرض کہ مخلوقات الہی کی عجیب و غریب حکمتوں اور لطافتوں کو کوئی لکھنے بیٹھنے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں مگر ان کو پورا نہیں کر سکتا یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ صرف بطور مشتے جزو وارے ہے گویا خدا کی بے شمار حکمتوں کی طرف ایک اشارہ کیا ہے جو غافل ہیں وہ اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردہ کو ہٹا کر اس کی حکمتوں کا نظارہ کریں۔

برگ درختان ہنر و نظر ہو شمار

ہر درختے دفتر بست معرفت کردگار

## نباتات کی حکمتوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

امس خلق السموات والارض  
وانزل لکم من السماء ماء  
فانبثقنا به حدائق ذات سجة ما  
کان لکم ان تنبتوا شجرها الا  
مع اللہ بل ہم قوم يعدلون،

وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو بنایا تمہارے  
لئے آسمان سے پانی برسا یا اس پانی سے پر رونق  
بالغ اکائے تم سے یہ ممکن نہ تھا کہ تم ان پانگوں  
کے درختوں کو اکا سکواب بناؤ کہ وہ ذات بہتر  
ہے یا کوئی دوسرا معبود ہے جو اس کی عبادت میں  
شریک ہے، یہ مشرکین پھر بھی نہیں مانتے بلکہ خدا  
کو دوسروں کے مقابل ٹھہراتے ہیں۔

سردي جند بھجن بوستان  
در ہوائے قامت دلجوے تو

زمین پر نباتات کو دیکھو کیسی سرسبز و شاداب اور خوشنما معلوم ہوتی ہے اس میں  
انسانوں اور دوسرے حیوانات کے لئے کتنے بے شمار فائدے اور اغراض پوشیدہ ہیں۔ پھر ان  
کی حفاظت کا سامان اس طرح کیا ہے کہ حج اور خشکی کو اس کے اصل قرار دیا۔ اور اس کے اندر  
یہ ساری نباتات اس طرح سے محفوظ رکھدی کہ انسانی عقل حیرت میں نہیں اس نباتات میں  
غلے بھی ہیں اور پھل پھول بھی، اور ترکاریاں بھی جو انسان کے کام آتی ہیں، گھاس اور چارہ بھی  
ہے جو جانوروں کی خوراک کا سامان ہے اس میں جلانے کی اور عمارتوں میں کام آنے والی لکڑی  
بھی شامل ہے۔ اسی سے وہ لکڑی بھی حاصل ہوتی ہے جو جہاز اور کشتیوں کے بنانے میں کام  
آتی ہے اور کہاں تک اس کے فائدوں اور بے شمار حکمتوں کو بتایا جائے اس نباتات کا ایک ایک  
حصہ پھل اور پھول شامیں اور پتے حتیٰ کہ اس کی جڑیں تک کام میں لائی جاتی ہیں بے شک خدا

نے کوئی چیز بے کار نہیں بنائی اس نباتات سے عصارے جو شاندارے گوشت اور طرح طرح کے عروق تیار کیے جاتے ہیں۔

اگر یہ پھل زمین پر ایک جگہ اکٹھے ہو جایا کریں اور اس طرح درختوں پر شاخوں پر بیلوں پر نہ آتے تو انسان کتنے بے شمار فائدوں سے محروم ہو جاتا اور زندگی کی کتنی ضروریات کی فراہمی میں رکاوٹ ہوتی نہ اس کو جلانے کے لئے ایندھن میسر آتا نہ عمارتوں کے لئے لکڑی دستیاب ہوتی نہ جانوروں کے لئے چارہ ملتا اور نہ دوا دارو وغیرہ وغیرہ ضرورتوں کے لئے دوسری چیزیں حاصل ہوتیں جو موجودہ شکل میں حاصل ہوتی ہیں۔

اس کی قدرت کو دیکھو کہ ایک دانہ زمین میں ڈالو سو دانے حاصل کر لو اور اس سے بھی زائد اس کی برکت ہے حکمت ہے اپنی ضرورتوں میں کام لو ضرورت سے بچ جائے تو آئندہ پیش آنیوالی ضرورتوں کے لئے ذخیرہ کر لو اس کی مثال بالکل ایک بادشاہ کی سی ہے جو کسی مقام کو آباد کرنے کے ارادے سے وہاں کے باشندوں کو کچھ بیج بونے کے لئے دے دے اور کہدے کہ ان کو بو اور اس سے جو کاشت ہو اس کو اپنی خوراک دو مگر ضروریات میں صرف کرو پس اسی طرح سے خدا نے اپنے بندوں پر انعام فرمایا ہے اور زمین اور ملکوں کو ہمارا ان پر احسان عظیم کیا یہ درخت اور نباتات بڑھتے ہیں اور پھل پھول لاتے ہیں پھر بوئے جاتے ہیں یہ سلسلہ جاری و ساری ہے اور یہی اس کی بقاء و دام کا ضامن ہے اگر اس طرح نہ ہوتا تو یہ نعمت بس ایک مرتبہ کے بعد تمام ہو جاتی اور جاری نہ رہ سکتی اس میں قدرت کی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

ان دانوں کی پیدائش اور اس کی صورت کو دیکھو کہ کس حسن و خوبی سے ایک قدرتی ظرف میں ترتیب دیدیتے ہیں گویا کہ دانوں سے قرینہ سے بھری ہوئی ایک جھلی ہے جو اپنی زبان حال سے صنایع کی قدرت کی گواہی دے رہی ہے یہ دانوں سے بھری ہوئی جھلی اپنے دانوں کو اس وقت تک محفوظ رکھتی ہے کہ وہ پختہ ہو کر استعمال کے قابل ہو جائیں ٹھیک اس جھلی (مشیم) بچہ دانی کی طرح جو بچہ کی تکمیل ہونے تک پوری حفاظت کرتی ہے۔

یہ دانے ایک خاص قسم کے چھلکے میں بند ہوتے ہیں جن کے سروں پر نیڑوں کی طرح سے تیز اور سخت چھلکے ہوتے ہیں گویا وہ پرندوں سے اپنے اندر کے خزانے کی حفاظت کر رہے ہیں پس خدا کی قدرت اور حکمت کو دیکھو کہ اس نے نباتات کے اس تیار ذخیروں کو پرندوں کی دسترس سے کس طرح محفوظ کر دیا ہے اگرچہ یہ غلہ پرندوں کی غذا ہے تاہم انسان کی ضرورت پہلے درجہ پر ہے۔

نباتات بھی انسان و حیوان کی طرح اپنے لئے غذا کے محتاج ہیں لیکن قدرت نے نباتات میں انتقال مکانی کی قوت نہیں بخشی جو اپنے لئے روزی تلاش کریں اس لئے قدرت نے ان کی جڑوں کو زمین کی گہرائی میں مرکوز کر دیا ہے تاکہ وہ مٹی اور پانی ہر وقت حاصل کر سکیں اور اس طرح یہ جڑیں زمین سے تری حاصل کر کے شاخوں، ٹہنیوں، پھل پھول اور پتوں تک پہنچا دیں گویا زمین ان کے لئے ایک پرورش کرنے والی مہربان ماں کی جگہ ہے اور ان کی جڑیں ان کے لئے منہ کے قائم مقام ہیں کہ گویا زمین سے رطوبت چوس کر اپنے سارے جسم کو قوت پہنچاتی ہیں جس طرح ایک بچہ ماں کی چھاتی سے دودھ پی کر قوت حاصل کرتا ہے۔

تم نے غیموں کو نصب ہوتے دیکھا ہوگا اس کی طٹائی اور رسیاں جو چاروں طرف اس کو سادھے ہوئے رہتی ہیں کہ کسی ایک طرف کو جھکنے نہ پائے اور پورا خیمہ سیدھا اور درست رہے اسی طرح نباتات کا حال ہے کہ اس کی جڑیں زمین میں چاروں طرف اس طرح سے پھیلی ہوئی ہیں کہ اس کو گرنے اور کسی طرف جھکنے سے روکے رہیں اگر ایسا نہ ہو تو بڑے بڑے اور اونچے درخت کس طرح سے اپنے کو قائم رکھ سکتے ہیں بالخصوص جب طوفانی ہوائیں چلتی ہوں یہ اس خالق کی بڑی حکمت ہے کہ اس نے اس طرح سے انتظام قائم کیا ہے اور پھر اس قدرتی نظام کو دیکھ کر انسان اپنے اعمال میں اس کی پیروی کرتا ہے اور اپنے بگڑے ہوئے کاموں کو بٹالیتا ہے۔

سروری جہند بھگن بوستان

درہوائے قاست دلجوئی تو

کسی درخت کے ایک پتہ کو لو اور اس پر غور کرو اس میں ہار یک اور موئی نہیں دکھائی دیں گی کچھ طول میں کچھ عرض میں بھی ہوئی اور ان عروق کا کیسا جال ایک پتہ میں بچھا ہوا ہے انسان میں یہ طاقت کہاں کہ وہ اس طرح سے کام انجام دے سکے ایک ہی پتہ کے نقش و نگار میں طویل عرصہ کی ضرورت ہوگی پھر بھی نقل ہوگی جو اصل سے مطابقت نہ ہوگی یہ قدرت کا کام ہے اس کے ایک اشارے پر کروڑوں پتوں پر پھولوں پر گل کاریاں نظر آتی ہیں اور نہ کسی قلم کی ضرورت اور نہ کسی دوسرے آلہ کی ضرورت اور پھر اس کثرت کے ساتھ پہاڑ جنگل میدان کوئی جگہ باقی نہیں جہاں پھول پتوں پر یہ گل کاریاں نہ ہوں اور یہ خالی نقش و نگار محض حسن خوبصورتی نہیں بلکہ پتہ کی پرورش میں بڑا کام انجام دیتے ہیں ان رنگوں کے ذریعہ یہ پتے میں رطوبت اور مادہ کو پہنچانے میں مدد دیتے ہیں ٹھیک اسی طرح کہ ایک انسان اور حیوان کے جسم میں رگوں



اور نسوں کا ایک جال بچھا ہوتا ہے اور وہ ہر ہر عضو کو غذا پہنچانے کا کام کرتا ہے۔  
پتہ میں جو موٹی نیس ہوتی ہیں وہ پتہ کو سادھے رہتی ہیں تاکہ وہ اپنے کو قائم رکھ سکے  
ورنہ نرم اور ہلکا ہونے کے باعث وہ اپنے کو قائم نہیں رکھ سکتا اور ہوا کے تیز جھونکے اس کو پاش  
پاش کر دیں گے۔

اب گھٹلی اور اس کی حکمت پر غور کرو پھل کے درمیان اس کو محفوظ کیا ہے اگر کسی  
آفت ارضی اور سادی سے بچر ضائع ہو جائیں تو یہ گھٹلی ان کا قائم مقام ہو اور پھر سے درختوں  
کے لگانے اور پیدا کرنے کا سامان مہیا کر دے۔ یقیناً یہ اس نظریہ سے نہایت قیمتی اور قابل  
حفاظت چیز ہے کہ اس کے ذخیروں کو محفوظ کر لیا جائے یہ گھٹلی اگرچہ خود سخت جسم رکھتی ہے مگر نرم  
پھلوں میں بھی کسی طرح سے چسپاں اور ملی ہوئی ہوتی ہے اگر اس طرح نہ ہوتی تو پھر پھلوں کے  
پتہ ہونے سے قبل ہی اس میں خرابی پیدا ہو کر پھل کو بھی ضائع کر دیتی بعض گھٹلیاں کھانے کے  
کام میں بھی آتی ہیں ان سے تیل بھی کشید کیئے جاتے ہیں اور کھانوں میں اور دیگر اشیاء کے  
استعمال میں لایا جاتا ہے گھٹلی کے اوپر کس طرح سے ایک ہلکا سا ورق چڑھا ہوتا ہے اور کس  
حکمت سے وہ اس میں محفوظ ہوتی ہے اور اس میں کیسی کیسی لذت اور فائدے مضمر ہیں۔ یقیناً  
قدرت کی بڑی صنائی کا پتہ چلتا ہے۔

اس گھٹلی میں جو خاصیتیں اور اثرات قدرت نے دوایت فرمائے ہیں جس طرح مٹی  
کے ناپاک قطرہ میں انسانی تخلیق کے راز کو پوشیدہ کر دیا ہے یہ سب راز اور حکمتوں کا جاننے والا  
وہی خدا ہے جس نے ان کو بنایا ہے۔

اس گھٹلی پر ایک سخت قسم کا غلاف چڑھا کر قدرت نے کتنی عظیم حکمت کا پتہ دیا کہ  
کہیں اگر گر جائے تو اس غلاف کی وجہ سے گھٹلی خراب نہیں ہوتی اگر اس کو ذخیرہ کیا جائے تو بھی  
جلد فاسد نہیں ہوتی بلکہ اس غلاف کی وجہ سے کچھ دن محفوظ رہتی ہے گویا وہ غلاف ایک صندوق یا  
بکس ہے جس کے اندر ایک قیمتی جوہر محفوظ ہے۔

ایک گھٹلی کو جب زمین میں رکھیں اور پانی دیں تو اس میں سے نیس نکلتی ہیں ٹہنی نکلتی  
ہے اور جوں جوں اس میں بالیدگی ہوتی ہے نیچے سے نیس اور جڑیں زمین کے اندر مرکوز ہو جاتی  
ہیں جس سے یہ درخت مضبوطی سے اپنے منے پر قائم رہتا ہے اور انھیں جڑوں کے واسطے سے  
درخت اپنی غذا حاصل کرتا ہے اس طرح سے زمین کے نیچے رطوبت اوپر کی شاخوں، ٹہنیوں،  
پھلوں، پھولوں، پتوں تک پہنچتی ہے اور نہایت انصاف سے یہ تقسیم ہوتی ہے گویا قدرت اپنی

حکمت و انداز سے جس کو جس قدر پانی اور رطوبت درکار ہوتی ہے اتنا ہی اس کو پہنچاتی ہے اور پھر ہر ایک کو اس کے مناسب غذا کی پہنچتی ہے اسی رطوبت سے پھولوں میں رنگ، خوشبو، پھلوں میں ذائقہ لذت یہ سب کچھ قدرت کے نظام سے مکمل ہوتا ہے۔

پھلوں کے آنے سے پہلے قدرت چوں کو پیدا کرتی ہے نازک پھل اپنی حفاظت کے لئے ان چوں کے محتاج ہیں تاکہ تند ہواؤں کے جھوکوں اور سورج کی تمازت سے ان کی حفاظت ہو اور پھل ضائع نہ ہو جائے سردی اور گرمی کی شدت کے اثر سے پھلوں کی حفاظت ان چوں سے کی جاتی ہے اور پھر سردی گرمی، ہوا، دھوپ یہ سب چیزیں چوں سے چمن چمن کر پھلوں تک پہنچتی ہیں اور پھلوں کے پختہ ہونے میں مدد دیتی ہیں پھل کو اپنی پختگی کے لئے ان تمام چیزوں کی ضرورت ہے اور یہی چیزیں پھلوں کو سز نے گھٹے اور خراب ہونے سے روکتی ہیں دیکھو خدا نے درختوں پھلوں اور پھولوں کو کس بہتر طریقہ سے مرتب کیا ہے ان کے مختلف رنگ اور گونا گوں شکل و صورت اور طرح طرح کے ذائقہ اور ان کی قسم قسم کی بھینی بھینی خوشبوئیں پھر کوئی بڑا ہے اور کوئی درمیانی کوئی سرخ ہے تو کوئی پیلا کوئی سفید ہے تو کوئی سبز کوئی رنگ میں شدید ہے تو کوئی ہلکا، اور کوئی درمیانی نہ زیادہ تیز اور نہ زیادہ ہلکا اسی تناسب سے ان کے مختلف ذائقے کوئی میٹھا ہے کوئی ترش کوئی سینا ہے تو کوئی تلخ ان کی خوشبو بھی کیسی بھینی بھینی اور اچھی ہوتی ہے اور ہر پھول اور پھل کی خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ان کی تمام تفصیلات ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ جس کو پڑھ کر ایک صاحب عقل و بصیرت کے ایمان میں روشنی اور خدا کی قدرت کا یقین پیدا ہوتا ہے ان چیزوں کو دیکھ کر قلب میں کیسی مسرت اور خوشی محسوس ہوتی ہے ان کی تازگی اور طراوت کو دیکھ کر روح کو خوشی حاصل ہوتی ہے ان کے باطن میں جو اثرات و فوائد پوشیدہ ہیں ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا ان میں ایسی قوتیں ہیں جن سے زندگی کو بڑی غذا اور قوت پہنچتی ہے کھانے میں اس کی لذت و خوشبو سے عجب انبساط مسرت ہوتی ہے ان کی مٹھلی یا جج محفوظ ہیں خشک ہونے پر ان سے پھر کاشت حاصل کی جاسکتی ہے کیسے کیسے فوائد اور ذائقے قدرت نے ان پھلوں میں رکھے ہیں۔

خدا نے فرمایا۔

وَشَجَرۃٌ تَخْرُجُ مِنْ

ہُوْرَسِیْنَا تَنْبُت بِالذَّهْنِ وَصَبِغٍ

لأکلین .

اس پانی سے ہم نے زیتون کا درخت پیدا کیا جو  
طور سینا ( پہاڑ کا نام ) میں بکثرت پایا جاتا ہے جو  
اگتا ہے تیل لیے ہوئے اور کھانے والوں کے  
لئے سالن لئے ہوئے۔

خدا نے پتھر اور پانی کے درمیان سے صاف لذیذ اور نہایت کارآمد زیتون کا تیل  
پیدا کیا جس طرح اس نے اپنی قدرت سے گوبر اور خون اور گندی چیزوں کے درمیان سفید  
شیریں اور سفید دودھ پیدا فرمایا اور شہد کی مکھیوں سے خالص شہد، جس کے رنگ مختلف ہوتے  
ہیں جس میں لذت و فرحت کے علاوہ بہت سے امراض سے شفا بھی ہے۔

زمین کی گہرائی سے جڑوں، نسوں اور شاخوں کے ذریعہ درخت کی اونچی اور بلند  
شاخوں تک پانی کا پہنچنا کیسا حیرت انگیز کرشمہ قدرت ہے اس طرح خدا کے پہنچانے میں  
ایک خاص یہ بھی ملحوظ ہے کہ بیج میں وہی جزو پنچیس جو اس کے مناسب ہیں، اور پھل میں وہ  
جو اس کے مناسب ہو شاخوں نہیںوں میں وہ جو اس کے وجود اور قیام کے مناسب ہو۔

کھجوروں پر نظر کیجئے، ابتدا میں وہ نہایت کمزور اور ضعیف حالت میں ہوتی ہے کس  
عجیب حکمت سے اس کو اس طرح مرتب کیا ہے کہ ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہونے سے محفوظ  
ہیں ان پر ایک خلاف کا پردہ چڑھا دیا کہ اس کی حفاظت ہو اور جب وہ پختہ اور کامل ہو تو پھر وہ  
خلاف تدبیرگی طور پر شق ہو کر پھل ظاہر ہو جائے اور اس طرح کہ ہوا اور سورج کی گرمی، سردی کا  
مختل ہو سکے یہی نظام قدرت اور عجیب حکمت تمام درختوں اور ان کے پھلوں پھولوں میں کار  
فرما ہے۔

اتار کے پھل پر غور کیجئے کس عجیب حکمت سے اس کے اندر دانوں کے اندر ترتیب  
دیا ہے دانوں کو علیحدہ علیحدہ کس طرح سے خانوں میں تقسیم کیا ہے پھر ان پر ہلکے ہلکے پردے  
حفاظت کے لئے ہیں ایک مونے اور نرم گودے میں وہ دانے جڑے ہیں نیچے سے مونہا اور اوپر  
سے باریک خلاف میں محفوظ کر دیا گیا ہے تاکہ وہ ایک مقام پر مرتب رہ کر پرورش پاسکیں اور کسی  
ضرب کے پڑنے سے وہ منتشر ہو کر خراب نہ ہوں دیکھو یہ سب کچھ بندوں کے نفع کی خاطر خدا  
نے انتظامات کیے ہیں اس میں خدا بھی ہے اور دوا بھی اور پھر ذخیرہ کے رکھنے کی صلاحیت  
و قابلیت بھی تاکہ بے موسم ضرورت پڑنے پر کام آسکیں جس زمانہ میں درخت پر پھل نہیں

آتے گویا اس طرح ان کی حفاظت کا سامان کر دیا انار کی اس شاخ کو دیکھو جس میں انار لگا ہوتا ہے جب تک انار پختہ ہو کر کھانے کے قابل نہیں ہوتا اس وقت تک یہ شاخ انار کو روکے رہتی ہے۔ اس نباتات کو دیکھو جو زمین کی سطح پر پھیلتی ہیں جیسے بیلین ان کی شاخیں نرم اور کمزور ہوتی ہیں ان کو ہر وقت تری کی ضرورت ہے وہ پھلوں کو اٹھانے کی تحمل نہیں ہوتی قدرت نے ان کو اس طرح بنایا ہے کہ یہ زمین پر ہی پھیلتی ہیں درندہ پھلوں کے زمانہ میں بڑی مشکل ہوتی اور پھر یہ پھل ایسے موسم میں آتے ہیں جب طبیعت ان کو خواہش مند ہوتی ہے اگر یہ ٹھنڈے پھل سردی کے زمانہ میں آتے تو ایک طرف تو طبیعت اس سے متضرر ہوتی اور ایسے وقت اس کے کھانے سے نقصان ہوتا۔

بکجور میں نرمادہ پیدا کیسے اس لئے وہ تاؤ فیکہ یہ دونوں موجود نہ ہوں پھل نہیں دیتے یہ خدا کی قدرت ہے کہ انسان و حیوان کی طرح سے اس درخت میں نرمادہ کو ٹھوٹا رکھا تاکہ اس سے قدرت مزید آشکارہ ہو ان نباتات میں جزی بوٹیاں بھی شامل ہیں اور وہ کیسے کیسے عظیم منافع و فوائد اپنے اندر پوشیدہ کیسے ہوئے ہیں۔

ان کے خواص و اثرات پر نظر کرنے سے خدا کی قدرت معلوم ہوتی ہے ظاہر میں وہ جنگل کی گھاس معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ انسانی امراض کے دور کرنے کے لئے بیش بہا دواؤں کا خزانہ ہے اگر کوئی دوا بدن کے تمام فضلات کو نکالنے کے کام آتی ہے تو دوسری صفراء کے دفع کرنے کے لئے تیسری رپاج خارج کرنے کے لئے اور چوتھی طبیعت کے سکون اور ٹھہرانے کے لئے کوئی مسہل ہے تو کوئی قابض کوئی تے لانے کے لئے استعمال کی جاتی ہے تو کوئی تسکین طبیعت کے کام میں آتی ہے دیکھو قدرت نے کیسے کیسے راز پوشیدہ کیسے ہیں اور یہ سب انسانی فائدے کے لئے ہیں۔

فلسفی سر حقیقت نخواستہ کشود  
گشت راز دگر آں راز کے انشائی کرد

## دلوں میں خدا کی عظمت پیدا کرنے کا بیان خدا تعالیٰ نے فرمایا،

تسبح له السموات السبع  
والارض ومن فيهن وان من شيء  
الا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون  
تسبيحهم انه كان حليما غفورا،  
ساتوں آسمانوں اور زمین اور ان میں کی تمام  
چیزیں اس کی پاکی بیان کرتی ہیں، اور کوئی چیز  
ایسی نہیں جو زبان حال یا قائل سے اس کی پاکی  
نہ بیان کرتی ہو، لیکن تم ان کی پاکی بیان کرنے کو  
نہیں سمجھتے ہو وہ بڑا حکیم اور بڑا غفور ہے۔

دوسری جگہ فرمایا،

تكاد السموات يتفطرن من  
فوقهن والملائكة يسبحون بحمد  
ربهم ويستغفرون لمن في  
الارض،

کچھ عجب نہیں کہ آسمان اپنے اوپر پھٹ پڑیں  
اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور  
اہل زمین کے لئے معافی مانگتے ہیں۔

خدا نے فرمایا

ويسبح الرعد بحمده والملائكة  
من خيفته،

رعد (فرشتہ) اس کی تعریف کے ساتھ اس کی  
پاکی بیان کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اس

کے خوف سے پاکی بیان کرتے ہیں۔

اوپر جو کچھ عجائبات قدرت میں حکمتوں اور کاریگریوں کا مذکور ہوا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس خالق کائنات کی رفعت و قدرت اور اس کی عظمت و ہیبت کس درجہ ارفع و اعلیٰ ہے اگر تم اپنی ذات میں غور کرو اس میں اس کی بڑی قدرت و حکمت پاؤ گے۔ پھر اپنے مستقر یعنی زمین پر نظر کرو کبھی کبھی نعمتیں و حکمتیں نظر آئیں گی بلند پہاڑ اور اونچے ٹیلے وسیع میدان اور پتے دریا اور بہتا سمندر ان دریاؤں، نہروں، سمندر میں جو عجائبات ہیں زمین پر نباتات، شجر و حجر پر غور کرو چوپایوں جانوروں اور پرندوں کو دیکھو اہل بصیرت کے لئے کیا کچھ درس و نصیحت ہے۔ یہ ساری چیزیں ان کی حکمتیں ان کے فوائد کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ یہ ایسی وسیع زمین اور اس پر بسنے والی تمام مخلوقات آسمان کی وسعت کے مقابلے میں ایسی ہے گویا ایک چھلہ زمین پر ڈال دیا جائے اس سے آسمان اور اس کے ستاروں کی وسعت و طول و عرض کا اندازہ کرو، آفتاب جو آسمانی سیاروں میں سے ایک روشن و تابناک سیارہ ہے۔ سیاحین کی جماعت نے آسمانی سیاروں کی بابت سفر کئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ آفتاب زمین سے ایک سو ساٹھ حصہ بڑا ہے اور بعض دوسرے سیارے زمین سے سو سو حصے زائد ہیں۔ اب تم دیکھو کہ یہ آفتاب و ماہتاب اور دوسرے بے شمار سیارے جو آسمان پر بکھرے ہوئے ہیں۔ اور تمام آسمان ان سے بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ ان سیاروں میں سے بعض کی وسعت ہم نے بتا دی اب کم و بیش لاکھوں سیارے آسمان کی وسعت میں موجود ہیں ان سے آسمان کی وسعت لمبا کی چوڑائی کا اندازہ کرو اور پھر یہ ایسے وسیع سیارے تمہاری آنکھ کے چھوٹے سے ڈھیلے میں سماتے ہیں تو اس سے ان کی دوری اور بعد مسافت کا اندازہ کرو۔ اسی طرح ان کی حرکت کو تم محسوس نہیں کر سکتے اور اسی طرح آسمان کی حرکت ہے جس کو ہم نہیں محسوس کرتے ہیں اور یہاں تک لاعلمی ہے کہ ہم میں سے اکثر تو اس سے قطعاً غافل اور بے خبر ہیں ان چیزوں کی عظمت اور بڑائی پر نظر کر کے اب تم خداے قدوس کی قرآنی قسموں کو سنو۔

اس نے فرمایا:-

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ

قسم ہے برجوں والے آسمان کی

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ وَمَا أَدْرَاكَ

مَا الطَّارِقِ النِّجْمِ الثَّاقِبِ.

قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے۔ وہ ایک روشن ستارہ ہے۔

فلا أقسم بمواقع النجوم وإنه  
لنقسم لو تعلمون عظیم .

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے۔

اسی طرح تم عالم علوی اور اس کے بسنے والے فرشتے وغیرہ پر نظر کرو، جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت اسماعیل فرشتے کی بابت ذکر کیا، اسماعیل کو آپ دیکھیں گے تو آپ کو تعجب ہوگا عرش ان کی پشت پر ہے، اور ان کے دونوں پاؤں زمین کی تہ میں ہیں اور اس سے زیادہ رفعت و عظمت خدا کے اس فرمان سے سمجھو اس نے فرمایا،

وسع كروسيه السموات والارض  
اس کی کرسی نے سب آسمان و زمین کو اپنے اندر  
لے رکھا ہے۔

اس کی وسعت سے اس مخلوق کی عظمت و وسعت کا اندازہ کرو اور اس ذات کو سمجھو جس نے ایسی ایسی عظیم المرتبہ اور عظیم الشان اور وسیع و ارفع مخلوقات بنائی ہے اور کیسی کیسی حکمتیں و تدبیریں اور کیا کیا فائدے اور منفعتیں ان کے وجود میں رکھی ہیں۔ پھر ایسا عظیم الشان آسمان اور اس پر ایسے ایسے وسیع و عظیم بے شمار سیارے اور بسنے والی مخلوق اور یہ آسمان سب کو اپنے میں لئے ہوئے ہیں۔ اور بغیر کسی ستون اور ٹھکانہ بندش کے آج تک استحکام اور پائیداری سے قائم ہے۔ پس جو ان اشیاء پر نظر کرے گا۔ اور ملکوت السموات والارض میں غور و فکر سے کام کرے گا۔

اس کے خالق کی عظمت و رفعت اس کے دل میں پیدا ہوگی اور جوں جوں اس کی کائنات و صنعت میں تدبر کرے گا اس کی معرفت زیادہ ہوگی پس لوگوں میں یہ معرفت و نور متفاوت ہیں اور اسی اعتبار سے ان کو نور ہدایت و نور عقل بخشا گیا ہے پس حقیقی وسیلہ اور اس کی

معرفت تک پہنچانے کا ذریعہ اس کی کتاب عزیز کی تلاوت اور اس میں تدبر و تفکر ہے اس کی حقیقی معرفت کا یہی دروازہ ہے۔

اب تم سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ قرآن اترا اس میں غور و فکر کرنے اور اس پر عمل کرنے سے انتہائی مقام تک پہنچے خالق کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا امور آخرت کا یقین حاصل ہوا معراج کمال تک اس حد تک رسائی ہوئی کہ کمان کے دونوں چلوں سے بھی زیادہ اپنے رب سے قریب ہو گئے۔

دُنْیٰ فُتْدِلٰی، فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔

پس ایسے علم و معرفت کی کیا شان ہوگی کہ خدا کی طرف سے جس کے حاصل کرنے کے لئے دعا کا حکم کیا جائے اور ایسے نور معرفت و ہدایت سے نوازا اس سے بڑھ کر خالق کا اور کیا احسان ہوگا کہ ہم تمام انسانوں کو اس کی اتباع و اطاعت کی توفیق بخشی جس راستے پر چل کر ہم خدا کے دوستوں میں شمار ہوئے سچ ہے،

خلاف پیہر کے راہ گزید  
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید  
زمین ز کفہ فردماند از من باقی ست ہضاعت  
خن آخر شد و خن باقی است

اللہم وفقنا لما تحب و ترضی و ما توفیقی الا باللہ  
علیہ توکلنت والیہ اذیب۔



قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي

## حقیقت روح انسانی

اجوبۃ الغزالی فی المسائل الاخریہ وحل

مسائل عامۃ مصنفہ امام محمد غزالی

رحمۃ اللہ علیہ معہ حواشی جدیدہ جناب

فخر پنجاب مفتی شاہ دین صاحب

دام فیضہ بہ اضافہ عبارت و فصل اخیر

بماہ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ





سب تعریف اللہ کو ہے جی عقل کا بھٹنے والا اور حواس اور خیال سے جو اشیاء غائب اور لطیف ہیں ان کے اور اک کا ہمارے لئے راستہ بنانے والا اور اس دل کے وسیلہ سے جو عالم ملکوت میں جولان کرتا ہے علوم عامہ اور مشکلہ کے استنباط کے طریقہ کا بتانے والا ہے اور ہم اس سے عقل اور قلب کے نور کی زیادتی اور نفس امارہ کے اکھیرنے پر مدد مانگتے ہیں اور یہ بھی مانگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقلعوں اور موعودوں کے گروہ سے کرے اور اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع اور محبت کی برکت سے امورات دنیاوی کی طرف میلان کرنے سے محفوظ رکھے کہ وہی حافظ اور مددگار ہے۔ ما بعد مسکین مفتی شاہ دین ابن حضرت شیخ محمد الدین صاحب چک مظلا نوی پر گزنگو در ضلع جالندھر غنی اللہ تعالیٰ عنہ وعن آثارہما و سائر المسلمین حضرات سالکین طریقت کی خدمت میں عرض ہے کہ اتفاقاً ایک رسالہ موسوم بحمل مسائل

عقل کا لفظ مشترک ہے تھا تو امور کے جاننے یعنی مفت علمی کو جس کا محل قلب ہے عقل کہتے ہیں اور لطیف روہانی یعنی روح انسانی پر بھی عقل کا اطلاق کرتے ہیں ایسا ہی قلب بھی مشترک لفظ ہے قلب جسمانی کو بھی قلب کہتے ہیں جو ایک گوشت کا ٹکڑا کا دؤم سینے کی بائیں جانب منبع قوت جسمانی یعنی روح حیوانی کا ہے اور لطیف روہانی یعنی نفس ناظرہ پر بھی قلب کا اطلاق آتا ہے جس کو قلب جسمانی سے تعلق ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ رہ۔

عقل امارہ روح یعنی نفس ناظرہ ہی کو کہتے ہیں لیکن خاص اس حالت میں کہ جب متصف باخلاق و میر اور شہوات کے طامع ہو جائے اور جس وقت نفس ناظرہ کو معرض شہوات سے اضطراب زائل اور حکم الہی کے ماتحت حصول الطینان ہو نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور جب اضطراب اس کا بالکل زائل ہو لیکن نفس شہوانیہ یعنی نفس امارہ کے مدافع ہو نفس لوازمہ بولتے ہیں غرض یہ کہ روح ہی کو بالفاظ حالات مذکورہ نفس مطمئنہ اور لوازمہ اور امارہ کہا کرتے ہیں۔ مفتی شاہ دین۔

فائدہ مصنفہ حضرت رئیس العلماء حجت الاسلام محمد ابو حامد امام غزالی صاحب کا بیان روح و دیگر مسائل مشککہ میں اس ناکارہ خلأقی کے ہاتھ لگا جب وہ دیکھا گیا تو ایسے مسائل اس میں نظر آئے کہ کسی عالم نے وہ بیان نہیں فرمائے اور نہ کسی فاضل کے زیر قلم آئے چونکہ وہ رسالہ عربی زبان میں تھا اور عام لوگوں کا فہم اس کے سمجھنے سے قاصر اس لئے بظہر افادہ عام اس عاجز نے اس کو اردو زبان میں ترجمہ کیا اور اکثر حواشی جدیدہ سے اس کے مضامین کی توضیح بھی کر دی اور بعد تتبع کتب احادیث کے ہر حدیث کے مخرج کا حوالہ حاشیہ پر لکھ دیا اور اس کا نام حقیقت روح انسانی رکھا اب امید حضرات ناظرین سے یہی ہے کہ جب اس رسالہ سے فائدہ اٹھائیں اس مسکین کو دعائے خاتمہ بالخیر سے یا دفرمائیں بھی بزرگوں کی خدمت میں عرض ہے کامل دعائے خیر سے عاجز کو یادشاد کریں من اللہ التوفیق وعلیہ التوکل۔

بعد تقسیم و تمہید کے فرمایا ابو حامد محمد امام غزالی ابن محمد الغزالی نے کہ سائلوں نے مجھ سے چند سوال جو اہلوں کے لائق اور نااہلوں سے بچائے گئے تھے دریافت کیے جب میں نے ان میں ہدایت کے آثار اور سمجھ کی علامات دیکھیں تو ان کی التماس کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگی کہ وہ بندوں کا جمع کرنے والا اور نیک طریقہ کا ہدایت کرنے والا اور بندوں پر مہربان ہے پس سائلوں نے سوال کیا کہ کیا معنی ہیں، آیت فاذا مسوتہم وشفخت فیہ من روحی فلقو الہ ساجدین ۱۰۸ کسے میں نے جواب دیا کہ کل جبروح کے قابل ہو اس میں تاثیر کرنے کو تسویہ کہتے ہیں وہ محل صفائی اور اعتدال کے ساتھ آدم کے حق میں مٹی اور اس کی اولاد کے حق میں نطفہ ہے کیونکہ محض خشک چیز آگ کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ مٹی اور پتھر اور نہ محض رطب یعنی تر چیز آگ کو قبول کرتی ہے جیسا کہ پانی بلکہ آگ تو مرکب کے ساتھ متعلق ہوتی ہے نہ ہر مرکب سے جیسا کہ کچڑا اس میں آگ شعلہ نہیں پکڑتی بلکہ اس کو ترکیب خاص چاہیے اور وہ خاص ترکیب یہ ہے کہ کثیف مٹی کو پیدائش کے کئی طوروں میں بدلہ جائے یہاں تک کہ وہ مٹی لطیف روئدگی یعنی انگوری بن جائے تب اس میں آگ شعلہ پکڑے ایسا ہی اللہ تعالیٰ مٹی کو ایک کے پیچھے کئی طوروں میں بدلتا ہے یہاں تک کہ وہ روئدگی بنتی ہے پھر اس کو آدمی کھاتا ہے پھر وہ خون بنی ہے پھر قوت مغیرہ مرکبہ کے ہر حیوان میں رکھی گئی ہے اس خون میں سے خالص خون کو جو اعتدال سے بہت قریب ہوتا ہے چھانٹ لیتی ہے جب وہ خالص خون

الپھر جب لٹیک بنا چکوں وہ جو ہر نکوں اس میں ایک اپنی روح تو گر پڑو اس کے آگے جہدہ میں۔

نطفہ بن جاتا ہے اس کو عورت کا رحم قبول کرتا ہے اس میں جب منی عورت کی ملتی ہے تو اعتدال زیادہ بڑھ جاتا ہے پھر عورت کا رحم یعنی پچہ دان اس کو اپنی حرارت سے پکاتا ہے تب اس میں مناسبت زیادہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ صفائی اور اعتدال میں باہمی نسبت اجزاء کی نہایت کو پہنچتی ہے پھر وہ روح کو قبول کرنے اور اس کے تھامنے کے قابل ہو جاتا ہے جیسا کہ روغن بی ہوئی تھی شعلہ کے قبول کرنے اور اس کے تھامنے کی مستعد ہوتی ہے اور نطفہ اعتدال اور صفائی کے برابر ہونے کے وقت روح کے تھامنے اور اس کی تدبیر اور تصرف کا مستعد ہوتا ہے پھر اس میں اللہ تعالیٰ جو او کی طرف سے فیضان روح کا ہوتا ہے کہ وہ ہر مستحق کو بقدر استحقاق اور ہر مستعد کو بقدر لیاقت بغیر انکار اور بخل کے فیض بخشے والا ہے پس تسبیہ سے یہی افعال مراد ہیں کہ اصل نطفہ کو کئی طوروں میں بدل کر صفائی اور اعتدال کی خاص صفت میں پہنچاتے ہیں پھر ان سانکوں نے نفع کے معنی دریافت کئے ہیں نے جواب دیا کہ نفع سے روح س کے نور کا نطفہ کی تھی میں روشن ہونا مراد ہے نفع کے لئے صورت ہے اور ایک نتیجہ صورت تو یہ ہے کہ چھوٹنے والے کے اندر سے اس چیز کی طرف جس کو چھوٹ رہا ہے ہوا کا ٹکنا مثلاً جو گڑی آگ کے قابل ہے جل اٹھے نفع جل اٹھنے کا سبب ہے اور یہ نفع یعنی چھوٹنے کی صورت جو سبب ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہے اور مسبب یعنی نتیجہ محال نہیں اور کبھی سبب سے مجازاً وہ فعل مراد ہوتا ہے جو سبب سے حاصل ہوتا ہے اگرچہ وہ فعل جس کو دوسرے معنی میں استعمال کیا ہے ان کی صورت پر نہ ہو جیسا کہ قول تعالیٰ غضب اللہ علیہم اور قول تعالیٰ فانقمنا منہم صورت غضب کی غصہ والے میں ایک قسم کا تغیر ہے جس سے ایذا حاصل ہوتی ہے اس کا نتیجہ مفضوب علیہ کو یعنی اس چیز کو جس پر غصہ کیا گیا ہے ایذا دینا یا ہلاک کرنا ہے سو غضب سے نتیجہ علم طلب کے رو سے فقائے صالح کے کھانے کے بعد جب بہتر سامعین گزرجاتی ہیں تو منی پیدا ہوتی ہے۔ مفتی شاہ دین

یہاں خاص صفت سے وہ صفت مراد ہے جس سے نطفہ فیضان روح کے قابل ہوتا ہے۔

☆ (روح کے لفظ کا اطلاق کئی معنوں پر آتا ہے روح انسانی یعنی نفس ناطقہ، روح حیوانی روح نفسانی۔ روح نباتی قرآن شریف وحی فرشتہ عظیم الخلق، حضرت عیسیٰ و حضرت جبرائیل وغیرہ یہاں معنی اول یعنی نفس ناطقہ مراد ہے اور اس رسالہ میں یہی مقصود بالبحث ہے یعنی روح انسانی بمعنی نفس ناطقہ ہی کی بحث یہاں مقصود ہے کیونکہ یہی ادراک کنندہ ہے اور ای کی اصلاح سے قرب و جوار رب العالمین کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ مفتی شاہ دین مسلم رب

غضب مراد ہے اور انتقام سے نتیجہ انتقام ایسا ہی یہاں لطف سے نتیجہ لطف مراد ہے اگرچہ لطف یعنی پھونکنے کی صورت پر نہ ہو پھر مجھ سے سوال کیا کہ نطفہ کی بتی میں جو روح کا نور روشن ہوا ہے اس کا سبب کیا ہے میں نے جواب دیا کہ وہ تو ایک فاعل میں صفت ہے اور ایک قائل میں پس جو فاعل میں صفت ہے اس سے خدا کی بخشش مراد ہے جو شمع وجود ہے اس سے ہر قائل کو وجود عطا ہوتا ہے اس صفت کو قدرت سے تعبیر کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ سورج کی روشنی حجام کے دور ہونے کے وقت ان چیزوں پر جو روشنی کے قائل ہیں پڑتی ہے پس جو چیزیں روشنی کے قائل ہیں وہ نگدار چیزیں ہیں ہوائیں ہے کہ جس کا کپارنگ ہی نہیں قائل کی صفت سے استواء اور اعتدال مراد ہے جو صفائی سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سسویقہ قائل کی صفت کی مثال لو ہے کے صیقل جیسی ہے کہ جب آئینہ کو زنگار ڈھانپ لیتا ہے تو صورت کو قبول نہیں کرتا اگرچہ صورت اس کے مقابل ہی ہو جبکہ صیقل کرنے اس کو صیقل کر دیا تو جیسے اس میں صفائی حاصل ہوتی ہے ویسی ہی صورت دکھائی دیتی ہے ایسے ہی جب نطفہ میں استواء اور اعتدال حاصل ہو جاتا ہے تو خالق کی طرف سے اس میں روح پیدا ہو جاتی ہے اور خالق میں کچھ تغیر نہیں ہوتا بلکہ روح اب پیدا ہوئی نہ کہ آگے کیونکہ محل کو اب اعتدال حاصل ہوا آگے نہیں تھا جیسا کہ آئینہ مقابل میں صورت والے کا عکس وہاں پڑتا ہے اور صورت والے میں کچھ تغیر نہیں ہوتا اور صیقل کرنے سے پہلے جو یہ عکس نہ تھا تو یہاں اس کا سبب نہیں کہ صورت کو آئینہ میں منقش ہونے کی استعداد نہ تھی بلکہ آئینہ ہی صاف نہ تھا کہ عکس قبول کرتا پھر مجھ سے سوال کیا کہ فیض کیا چیز ہے میں نے جواب دیا کہ فیض سے جیسا کہ فیضان پانی کا برتن سے ہاتھ پر ہوتا ہے ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ پانی کا فیضان تو یہ ہے کہ پانی کے اجزاء برتن سے الگ ہو کر ہاتھ کے ساتھ متصل ہوئے بلکہ وہ فیضان نور آفتاب کے مشابہ ہے جو دیوار پر پڑتا ہے بعضوں نے اس میں بھی غلطی کھائی ہے جو کہتے ہیں کہ سورج سے شعاع الگ ہو کر دیوار پر پڑ کر پھیل جاتی ہے سو یہ ان کی بھول ہے بلکہ سورج کے نور سے دیوار پر ایسی شے پیدا ہوتی ہے کہ وہ نور کے ساتھ نورانیت میں مشابہ ہوتی ہے اگرچہ اس سے ضعیف ہی ہو جیسا کہ صورت والے کا عکس جو آئینہ میں پڑتا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ صورت والے کے اجزاء اس سے الگ ہو کر آئینہ کے ساتھ متصل ہوں بلکہ یہ معنی ہے کہ صورت والے کی صورت سے ایک ایسی صورت جو اس کے مشابہ ہوتی ہے آئینہ میں پیدا ہو جاتی ہے اصل صورت میں نہ تو اتصال ہوتا ہے نہ انفصال محض سبب ہی ایسا ہے جو چیزیں وجود کے قائل ہیں بخشش ایسی ان میں انوار وجود کے

پیدا ہونے کا سبب ہے جس کو فیض کہتے ہیں۔

## فصل

پھر سائلوں نے سوال کیا کہ آپ نے تسویہ اور تلخ کا تو ذکر کیا اب روح کی حقیقت بھی بیان فرمائیے کہ کیا ہے آیا اس کا بدن میں حلوں ہے جیسا کہ پانی کا برتن میں یا عرض کا جوہر میں یا یہ جو ہر بذات خود موجود ہے اگر یہ جوہر ہے تو ذی مکان ہے یا لامکان اگر ذی مکان ہے تو روح کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں بعض مشائخ چنانچہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے تبعین نے اس میں کلام ہی نہیں کیا اور یہ کہا ہے کہ ہم موجود کے سوا اور زیادہ کچھ تعبیر نہیں کرتے کیونکہ اس میں کلام کرنے کا حکم نہیں اس لئے کہ علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کلام نہیں کیا۔ معترض اس میں کہہ سکتا ہے کہ حضرت ﷺ کے السروح من الامر ہے کہ سوا بیان فرمانے سے یہ نہیں لازم آتا کہ اس میں کلام کرنی منع ہو یا اس کی حقیقت تمام اولیاء کرام پر نہ کھلے یا صاحبان لیاقت اور فہم و فراست پر اس کی حقیقت بیان نہ فرمائی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے السروح من الامر ہے کے سوا اور کچھ بیان نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کو اس کی حقیقت کے سمجھنے کی استعداد نہ تھی اس لئے علیہ السلام نے ماہیت روح کی ان پر بیان نہ فرمائی علاوہ برین روح کا لفظ مشرک تھا جیسا کہ اول حاشیہ میں بیان ہوا اس لئے ہو سکتا ہے کہ اگر قریش مکہ سے انصاف بن حارث نے یہودیوں کے کہنے کے موافق روح کا جو سوال کیا اس کی فرض یہ ہو کر آنحضرت کو عاجز کریں اس میں طور کے جب حضرت علیہ السلام روح کے ایک معنی مثلاً حقیقت روح انسانی بیان فرماتے تو وہ کہتا ہے یہ تو ہماری مراد نہیں پھر دوسرے معنی بیان فرماتے پھر یہی کہتا کہ یہ ہماری مراد نہیں اس لئے آنحضرت ﷺ کو ایسا جواب مجمل دینے اور قسـل السروح من الامر بھی کا حکم ہوا تاکہ وہ آگے سوال نہ کرنے پائے بعض نے یوں لکھا ہے کہ تین سوالوں میں سے دو کا جواب دینا یعنی قصہ ذو القرنین اور اصحاب کہف کا بیان فرمانا اور ایک کا جواب یعنی حقیقت روح کا بیان نہ کرنا بھی نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے نبوت کی علامت انھوں نے بھی تھی کیونکہ بیان قصہ ذو القرنین اور اصحاب کہف کے سوا حقیقت روح کی ان کی کتابوں میں مذکور نہ تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے بھی انصاف بن حارث کے جواب میں حقیقت روح کی بیان نہ فرمائی بہر حال آنحضرت ﷺ کو اس کے جواب میں سے قل الروح من امر ربی کا اشارہ ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ روح کی حقیقت صاحبان لیاقت پر بیان کرنی ممنوع ہو۔۔۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔۔۔





اپنے آپ اور اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور مقولات کا اور اک کرتی ہے اور عرض میں یہ صفتیں نہیں ہوتیں اور وہ جسم بھی نہیں کیونکہ جسم تو تقسیم کو قبول کرتا ہے اور روح منقسم نہیں ہوتی اگر منقسم ہو تو چاہئے کہ ایک جزو سے مثلاً زید کا اس کو علم حاصل ہو اور دوسری جزو سے اس کا جہل جیسے لازم آتا ہے کہ روح ایک ہی حالت میں ایک شے کی عالم بھی ہوتی اور جاہل بھی اور ایک شے کا علم اور جاہل ایک شخص میں محال ہے دو شخصوں میں محال نہیں کیونکہ ضدوں کا تناقض محل واحد میں ہوتا ہے پیدائی اور سیائی آنکھ کی ایک جزو میں تو تناقض ہیں دو جزوں میں تناقض نہیں اس سے معلوم ہوا کہ روح ایک چیز غیر منقسم ہے سب عقلاء کے نزدیک جزء لا تجزئ ہے یعنی ایک چیز بقیہ حاشیہ گزشتہ صلی ..... جو اوصاف جسم سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم سے یا یوں کہیں روح موصوف ہے ان اوصاف سے اور جو متصف ہوا ان اوصاف سے وہ جسم ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روح بھی جسم ہے اور قاضی باقلانی اور نظام معزلی کا یہ عقیدہ ہے کہ روح جسم لطیف بدن میں سرایت کیئے ہوئے ہے تغیر اور تبدل کے قابل نہیں اور وقت قطع ہونے کسی عضو کے جزو روحانی منقطع نہیں ہوتی بلکہ جزو متصل کی طرف جذب اور متقبض ہو جاتی ہے اور بڑا فرقہ اشاعرہ کا یوں قائل ہے کہ جسم مرکب ہے اجزاء بتجزئ سے اور روح عبارت و جودان اجزائے تجزئ سے ہے جن کو اجزاء اصلی کہتے ہیں اور ابن راوندی کا قول ہے کہ روح جزو لا تجزئ ہے قلب میں اور بعض متکلمین کا یہ قول ہے روح عرض ہے یعنی حیات کا نام ہے جس کے سبب یعنی ہے اور امام رازی بھی اسی کا قائل ہے کہ روح عرض ہے عوارض بدن سے اور بعض کا یہ قول ہے کہ روح خداوند کریم کے اجزاء میں سے ایک جز ہے اور بعض صوفیہ کا یہ قول ہے کہ روح کوئی صفت جسم کی نہیں بلکہ ذات باری کی صفت ہے کیونکہ خداوند کریم نے قل الروح من امر ربی فرمایا ہے اور امر کلام اس کی ہے پس روح کلام الہی یعنی احیاء کا نام ہوا بعض کا یہ قول ہے کہ روح خیم طیب باعث حیات ہے جیسا کہ نفس ہوا گرم بحث حرکات و شہوات ہے لیکن ان تمام اقوال کا ضعف و بطلان تقدیر یکہ روح سے مراد ان کی نفس : عقل یعنی روح انسانی ہوا باب فہم و فراست پر غفلت نہیں کیونکہ بعض کا روح حیوانی کو جو بقول بعض جسمانی قوت ہے جس کی اصلاح سے صرف صحت بدن کی حاصل ہوتی ہے روح انسانی کہنا یا بعض روح انسانی کا حلول بدن میں پانی میں نمک کی طرح لینا جو خواص جسم سے ہے یا ہوا یا پانی ہی کا نام رکھنا جو ایک جسم غیر مد رک ہے یا ایک جسم مرکب عناصر اربع سے لینا یا چھ امور سے مرکب لینا یا خون کا نام جو جسم غیر مد رک ہے روح انسانی رکھنا یا اخلاط اربع یا مزاج کا نام رکھنا جو ایک مرکب شے ہے یا روح نفسانی یا نباتی وغیرہ کو جو اقسام امراض ہیں روح انسانی کہنا یا روح انسانی کو جسم لطیف ..... بقیہ حاشیہ کندہ صلی پر ملاحظہ فرمائیں۔

ہے جو تقسیم کو قبول نہیں کرتی کیونکہ اس کو جزو بھی نہ کہنا چاہیے اس لئے کہ جزو تو کل کی نسبت ہوتا ہے یہاں تو کل ہی نہیں جزو کہاں ہوگا مگر اس اعتبار سے جزو بول سکتے ہیں جس اعتبار سے ایک کو دس کا جزو کہتے ہیں کیونکہ اگر تمام موجودات یا تمام اشیاء جن سے انسانوں کا قوام ہی اعتبار کی جاویں ازاں جملہ ایک روح بھی ہوگی جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ روح ایک غیر منقسم شے ہے لب و دو حال سے خالی نہیں یا تو ذی مکان ہوگی یا لامکان اس کا ذی مکان ہونا تو باطل ہے کیونکہ جو چیز ذی مکان ہوتی ہے تقسیم قبول کرتی ہے اور جزو لا تجزئ (یعنی ایسا جزو کہ ذی مکان تو ہو اور بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) بدن میں بے تغیر و تبدل مراعات کیئے ہوئے لینا یا جسم مرکب اجزاء لا تجزئ سے لینا یا روح انسانی حلقہ یعنی عرض کا نام رکھنا یا قلب میں ایک جزو لا تجزئ کا نام رکھنا یا یہ کہنا کہ روح نسیم طیب ہے روح انسانی کی حقیقت اور ماہیت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے بھلا جبکہ روح انسانی بذرک ہے اور اوراک شان جو ہر سے ہے تو عرض کیونکر ہوگی اور جب اس کے مرکب ہونے سے ایک ہی حالت میں اس کا ایک شے کی عالم اور جاہل ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے تو جسم کیونکر ہوگی یا عوارض جسمیت اس کے لئے کیونکر ثابت ہو سکتے متکلمین نے جو دلائل روح کی جسمیت پر پیش کئے ہیں یعنی وفات اور امساک اور اخراج اور رجوع میں کہتا ہوں کہ ان اوصاف میں سے کوئی بھی منفیت روح کے جسمیت کی متضمنی نہیں کیونکہ وفات روح کے بدن سے رفع تعلق کا نام ہے نہ کہ روح کا معدوم کر دینا اس لیے کہ روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا معدوم ہونا ہی باطل ہے جیسا مقرر ہے ہاویل اس کا بیان آئے گا ایسا ہی امساک سے مراد روح کا تعلق بدن سے نہ ہونے دینا اور ارسال سے مراد بعدا امساک کے اس کا تعلق کر دینا اور رجوع الی ہڈ سے روح کا تصرف فی البدن سے باز رہنا اور خدا کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے اور اخراج عبارت ہے نفس ناطقہ کا تعلق بدن سے موقوف کروینے سے پس قرآن شریف میں روح کے ان اوصاف کے بیان ہونے سے روح کی جسمیت کا ثابت کرنا پائے اعتبار سے ساقط ہے علاوہ بریں ہم یہ بھی تو جہہ بیان کر سکتے ہیں کہ وفات کے وقت روح حیوانی بدن سے نکالی جاتی ہے جس کے نکلنے سے نفس ناطقہ یعنی روح انسانی کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ نفس ناطقہ کا تصرف بدن میں ہوا پس روح حیوانی کے ہے جو ایک بخار لطیف حرارت قلب جسمانی سے نفع پا کر بذریعہ شریانوں کے تمام اعضاء بدن میں پھیلتا ہے اور حیات تمام اعضاء کو دیتا ہے اس بخار لطیف یعنی روح حیوانی کا باطن میں حرکت کرنا اور بدن میں ساری ہونا ایسا ہے جیسا ایک چراغ مثلاً اطراف گھر میں پیراجادے اور اس سے گھر کے چاروں طرف روشنی پھیل جادے گویا یہ بخار لطیف منسلک چراغ کے ہے اور حیات بمنزلہ روشنی کے اس بخار لطیف کے ذریعہ سے نفس ناطقہ کا تعلق بدن کے ساتھ تدبیر اور تصرف کا جو تھا وفات کے وقت جاتا رہا اور اس کے اخراج، جہہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تجزیہ و تقسیم قبول نہ کرے) دلائل عقلیہ اور ہندیہ سے باطل ہے ان دلائل میں سے آسان دلیل یہ ہے کہ اگر اس کو دو چیزوں کے درمیان رکھا جائے تو ضروری ہے کہ وہ دونوں چیزیں اطراف مخالف سے اس کو مس کریں گی جب اس کی مخالف طرفیں نکلیں تو ہو سکتا ہے ایک طرف سے ایک شے کا علم ہو اور دوسری طرف سے اسی شکل کا جہل پس ایک ہی حالت میں ایک شے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... اور ارساں اور اساس سے روح انسانی کے تعلق کا ہونا یا نہ ہونا وجود میں آیا پس مجازاً ان اوصاف کو جو حقیقت روح حیوانی کے اوصاف ہیں روح انسانی کی مفت ذالہ با گیا جیسا کہ کسی بادشاہ کا کسی ملک پر تصرف ہو اور اس بادشاہ کا نائب و لشکر اس ملک میں رہتا ہو کوئی تعلیم بادشاہ کے نائب و لشکر کو نقل کر دے یا وہاں سے نکال دے تو اس موقع پر ہم یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں بادشاہ مارا گیا یا فلاں ملک سے نکالا گیا یا فلاں ملک اس سے چھین لیا گیا جس سے ہماری یہ مراد ہوتی ہے کہ اس ملک میں اس کو تدبیر اور تصرف کا اختیار نہ رہا اور اشاعرہ کے عقیدے اور ابن راوندی کے قول کا بطلان معروضات سابقہ سے ظاہر ہی ہے کیونکہ روح کوئی جسم مرکب اجزاء لا تجزئی سے یا خود جز لا تجزئی جزو قلب جسمانی کی نہیں بلکہ وہ کسی محل میں سرایت کرنے یا کسی عضو کے جز پڑنے یا خود جسم ہونے سے پاک ہے علاوہ بریں جزو لا تجزئی کا بطلان دلائل ہندیہ سے ثابت ہے اس لئے کہ ۳ شکل مقالہ اول القیود سے یہ بات ثابت ہے کہ مثلث قائم الزاویہ کے زاویہ قائمہ کے وتر کا مربع اس کے دو ضلعوں کے مربع کے مساوی ہوتا ہے پس جس صورت میں ہم نے ایک مثلث قائم الزاویہ جس کے دو ضلع مساوی ہوں مثلاً ایک ایک ضلع دس ۱۰ اور ۱۰ جزو کا فرض کریں تو بحکم نقل مذکور وتر اس کا دوسو ۲۰۰ کا جذر نکلتا چاہیے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ دوسو کا جذر صحیح نہیں نکل سکتا مثلاً اگر چودہ ۱۴ کو وتر کہیں یہ بھی درست نہیں کیونکہ یہ تو ایک سو چھیانوے ۹۶ کا جذر ہے اور اگر چندرہ کہیں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا مربع دو سو پچیس ۲۲۵ ہیں پس دوسو ۲۰۰ کا جذر چودہ ۱۴ جزو کا کثر جزو کے نکلے گا جس سے اس جزو لا تجزئی مفروضہ کا تجزیہ اور انقسام ثابت ہوا اگر کوئی یہ کہے کہ متکلمین نے نفی جز لا تجزئی کے دلائل کی تضعیف اور اثبات جز لا تجزئی کا دلائل تو یہ سے کیا ہے تاکہ اثبات ہیولی و صورت سے جو مودی قدم عالم نفی حشر اجساد کی طرف ہے نہات ہو جائے میں کہتا ہوں کہ اثبات جز لا تجزئی کے دلائل بھی چنداں قوی نہیں اسی لئے امام رازی سے اس میں توقف کیا ہے علاوہ بریں اثبات ہیولی و صورت مودی قدم عالم نفی حشر اجساد کی طرف نہیں ہو سکتا اس لئے کہ فلسفی ہیولی کے قدیم بالذات ہونے کے تو قائل ہی نہیں البتہ قدیم بالزمان لیتے ہیں اور ہر حادث زمانی کو مسبوق بالماورہ کہتے ہیں لیکن کوئی دلیل قوی انہوں نے اس پر بیان نہیں کی چنانچہ ماہرین فن معقول پر یہ امر پوشیدہ نہیں پس جب قدم ثابت نہیں تو ان کا اثبات مودی قدم عالم نفی حشر اجساد کی طرف کیونکر ہوگا۔ ————— بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴ دلائل میں۔

کی عالم اور جاہل ہوئی اور یہ باطل ہے اور جزو لائتجزی کیونکہ باطل نہ ہوا اگر ایک شے بسیط کو اجزاء لائتجزی سے مسطح فرض کیا جائے تو اس کی وہ طرف جس کو ہم دیکھ رہے ہیں اس طرف کی مخالف ہوگی جس کو ہم نہیں دیکھتے کیونکہ ایک شے ایک ہی حالت میں دکھائی دے اور نہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ ..... اور اگر بالفرض یہی تسلیم کیا جائے کہ بیوی و صورت کا اثبات سودی قدم عالم فنی حشر اجساد ہے اس لئے جسم کا مرکب ہونا جو اہر فرد یا اجزاء مقداریہ سے لیا جائے تب بھی ہم کہتے ہیں کہ کوئی ضرورت ہے کہ روح انسانی کو خواہ مخواہ مرکب اجزاء لائتجزی سے کہا جائے حالانکہ اس کا مرکب ہونا ظاہر بطلان ہے اور جو کہتا ہے کہ روح خدا تعالیٰ کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اس کے قول کا بطلان ظاہر ہی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ مرکب اجزاء سے نہیں ہے کہ ایک جز یعنی روح اس سے الگ ہو کر بدن انسان سے متعلق ہو گئی ہو تعالیٰ عن ذالک علواً کبیراً اور بعض صوفیہ کے اس عقیدہ کا بطلان بھی کہ روح صفت جسم کی نہیں بلکہ ذات باری کی صفت ہے اور باب عقل پر غلطی نہیں کیونکہ یہ امر تو ممکن بلکہ واقع ہے کہ یہ کو ایک چیز کا علم ہوتا ہے اور عمر کو اس کا جھل پس اگر روح ہر رک صفت ذات باری کی ہوتی تو نفس جمل کا صفت باری تعالیٰ میں لازم آتا وغیرہ ذالک من المفسد علاوہ بریں خدا تعالیٰ کا قل الروح من امر ربی بلطف من ارشاد کرنا صاف اس امر پر وال ہے کہ روح عالم امر میں سے ہے یعنی اس عالم میں سے ہے جس کا اندازہ اور مقدار نہیں فرسک روح انسانی جس کو امور اخروی اور حقائق عقلی کا اور اک اور جس کی اصلاح سے قرب رب العالمین حاصل ہوتا ہے اور جو محتاط اور معاتب ہے جس کو عقل و قلب معنی لطیفہ ربانی اور نفس ناقہ حقیقت انسانی بھی کہتے ہیں جس کا تذکیہ سورج بلاج ہے جیسا خدا فرماتا ہے ونفس و ما سواھا فالھما فجبورھا ونقوھا قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا

ترجمہ: اور قسم ہے جی کی اور جیسا اس کو ٹھیک بتایا پھر اس کو سمجھ دی وضاحت کی اور سچ میں چلنے کی مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنو اور نامراد ہو جس نے اس کو خاک میں ڈالیا۔

نقد وہ روح حیوانی ہے کیونکہ روح حیوانی کو امور اخروی اور حقائق عقلی کا اور اک حاصل نہیں ورنہ تمام حیوانوں کا دائرہ امور اخروی حقائق عقلی ہونا لازم آئے گا جو صراحۃً باطل ہے اور نہ وہ قوت انسانی یا نباتی یا کسی نور عرض کا نام ہے کیونکہ عرض ہر رک نہیں ہوتی اور روح انسانی ہر رک ہے اور نہ وہ جزو لائتجزی یا کوئی مرکب چیز اجزاء سے ہے بلکہ وہ جو ہر منتظم بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن و حافظ ترکیب بدن ہے مکان اور جہت سے پاک نہ بدن میں داخل نہ خارج نہ متصل نہ منفصل حکماء مشائخ اور شراعتین کا یہی عقیدہ ہے اور اہل تحقیق مثلاً ابو زیہ دیلمی و امام راغب اور امام غزالی وغیرہ اہل سنت والجماعت کا یہی قول ہے اور معمر معزلی اور ایک فرقہ امامیہ اسی کا قائل ہے اور مختلفین صوفیہ کرام کا یہی عقیدہ ہے اور کمال اقرام و صوفیہ کا مشاہدہ بھی اسی کی طرف متنبی ہوتا ہے مفتی شاہ دین سلسلہ پر۔

دکھائی دے نہیں ہوتی اور جب سورج اس کی ایک طرف کے مقابل ہوگا تو وہی طرف روشن ہو گی دوسری طرف نہیں ہوگی پس جب اس کے لئے دو طرفیں نکلیں تو جزو الہی بظری نہ رہی۔

## فصل

پھر مجھ سے سوال کیا کہ اس جو ہر کی کیا حقیقت ہے اور اس کا بدن کے ساتھ کس طرح پر تعلق ہے آیا وہ بدن میں داخل ہے یا خارج متصل ہے یا منفصل میں نے جواب دیا کہ روح نہ تو بدن میں داخل ہے نہ خارج نہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ مفصل کیونکہ یہ صفتیں جسم میں ہوتی ہیں اور روح جسم نہیں پس دونوں ضدوں سے الگ ہوئی جیسا کہ پھر نہ تو عالم ہے نہ جاہل کیونکہ علم اور جاہل کے لئے حیات چاہیے جب حیات ہی نہیں علم اور جاہل بھی نہیں پھر مجھ سے سوال کیا کہ روح کسی جہت میں ہے یا نہیں میں نے جواب دیا کہ روح مخلوق میں حلول کرنے اور جسموں کے ساتھ متصل ہونے اور جہتوں کے ساتھ تعلق ہونے سے پاک ہے کیونکہ یہ سب باتیں اجسام اور اعراض کی صفتیں ہیں وہ جسم اور عرض نہیں وہ تو ان عوارض سے پاک ہے پھر مجھ سے سوال کیا کہ رسول مقبول ﷺ کو حقیقت روح کے بتلانے اور اس بھید کے ظاہر کرنے کا کیوں اذن نہ ہوا میں نے جواب دیا کہ لوگوں کے فہم اس کو سمجھ نہیں سکتے کیونکہ لوگ دو قسم پر ہیں ایک عام اور ایک خاص جس میں عام ہونے کی صفتیں غالب ہیں وہ ان باتوں کو اللہ جل شانہ ہی کے حق میں تصدیق نہیں کرتا روح انسانی کے حق میں کیا تصدیق کرے گا اس لئے فرقہ کرامیہ اور حنابلہ ان باتوں کا منکر ہے سو جس میں عامیت زیادہ ہوتی ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتا اور اللہ جل شانہ کو جسم ٹھہراتا ہے کیونکہ کسی موجود کو سوائے ذی جسم اور مشار الیہ یعنی ذی اشارہ ہونے کے نہیں ادراک کرتا بعضوں نے ان عالموں سے کچھ ترقی کی جسم کی نفی کی اور عوارض جسمیہ کی نفی نہ کر سکے اور جہت کو جو عوارض جسمیہ سے ہے باری تعالیٰ کے لئے ثابت کیا بعضوں نے ان سے ترقی کی انھوں نے خدا تعالیٰ کو لافانی جہت یعنی لامکان ثابت کیا وہ اشعریہ اور معتزلہ ہیں پھر مجھ سے سوال کیا کہ ایسے لوگوں کو جو کچھ ترقی یا ب ہوئے روح کے بھید بتلانا کیوں جائز نہیں ہے میں نے جواب دیا کہ وہ لوگ اس صفات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر میں مشترک ہونے کو محال جانتے ہیں اگر تو ان سے یہ ذکر کرے تجھے کافر ٹھہرائیں اور تجھے یہ کہیں گے کہ جو صفت اللہ تعالیٰ کی خاص تھی وہ اپنے نفس کے لئے ثابت کرتا ہے تو تو اپنے نفس کی

خدا کی کا دعویٰ کرتا ہے پھر اس نے سوال کیا کہ انھوں نے اس صفت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر میں مشترک ہونے کو کیوں محال جانا میں نے جواب دیا کہ وہ لوگ جیسا کہ وہ ذی مکان کا ایک مکان میں جمع ہونا محال جانتے ہیں ویسا ہی وہ شے کا لا مکان میں جمع ہونا محال سمجھتے ہیں کیونکہ یہ سبب فرق نہ ہونے کے دو جسموں کا ایک مکان میں جمع ہونا محال ہے ویسا ہی اگر لا مکان میں دو چیزیں جمع ہوویں ان میں بھی کچھ فرق نہیں رہے گا اس لئے کہتے ہیں کہ ویسا یہاں ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتیں اور دو ہم شکلوں کو باہم ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں پھر مجھ سے سوال کیا کہ یہ تو اشکال قوی ہے اس کا جواب کیا ہے میں نے جواب دیا کہ اس بات میں انھوں نے غلطی کھائی جبکہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ اشیا میں فرق تین امروں کے ساتھ ہوتا ہے ایک تو مکان کے ساتھ جیسا کہ دو مکانوں میں دو جسم اور دوسرے زمانہ کے ساتھ جیسا کہ دو زمانوں میں دو سیاہیاں ایک جہر میں ہوں تیسرے ماہیت اور حقیقت کے ساتھ جیسا کہ عوارض مختلف ایک محل میں مثلاً رنگ اور ذائقہ اور بو اور برودت اور رطوبت ایک جسم میں ہوں کیونکہ ان کے لئے محل ہی ایک ہے اور زمانہ بھی ایک لیکن ایک دوسرے سے ماہیت میں مختلف ہیں پس فرق ذائقہ کا رنگت سے ماہیت کی جہت سے ہو گا نہ کہ مکان اور زمانہ کے ساتھ اور فرق علم کا قدرت اور ارادہ سے اگرچہ سب ایک ہی شے میں ہوں جب کہ ان میں مکان اور زمانہ کی جہت سے اختلاف نہیں ماہیت کی رو سے ہوتا ہے پس جبکہ ایک مکان میں عوارض مختلف ماہیت کا ہونا جائز ہو تو اشیا مختلف ماہیت کا لا مکان ہونا بطریق اولیٰ جائز ہوا۔

## فصل

پھر مجھ سے سوال کیا کہ یہاں تو اول سے بھی ایک اور اشکال بڑھ کر ہے اور ایک اور دلیل اس کے محال ہونے پر اظہر ہے وہ اشکال یہ ہے کہ اس میں روح کو اللہ تعالیٰ سے تشبیہ ہوئی اور روح میں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات کو ثابت کیا میں نے جواب دیا کہ یہ کہاں ہو سکتا ہے کیونکہ ہم انسان کو حی اور عالم اور سمیع اور بصیر اور قادر اور مرید اور مکلف کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی ہے حالانکہ اس میں تشبیہ نہیں کیونکہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے نہیں ہیں اس طرح خیر اور مکان اور جہت سے پاک ہونا اخص صفات میں سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے تو صفت قیومیت کی ہے یعنی وہ بذات خود موجود ہے اور اس کے ماسوا

سب اس کے سبب موجود ہیں بلکہ اشیاء کے لئے تو بذاتہ خود عدم ہے وجود تو ان کے لئے عاریتاً غیر کی جہت سے ہے اللہ تعالیٰ کے لئے وجود صفت ذاتی ہے عاریتاً نہیں ہے اور یہ صفت یعنی قیومیت اللہ تعالیٰ کے غیر میں نہیں پائی جاتی پھر مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے معنی تسویہ اور ترفع کے تو ذکر کیے نسبت کے معنی نہ بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں روح کو اپنی طرف نسبت کیا اور من روحی کیوں فرمایا اگر نسبت کے یہ معنی ہیں کہ وجود روح کا خدا سے ہے تو سب چیزوں کا وجود خدا تعالیٰ ہی سے ہے حالانکہ بشر کی نسبت مٹی کی طرف کی اور فرمایا انسی خالق بشر اھن طین یعنی میں بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں پھر فرمایا کہ فساد اسویقہ و تفسخت فیہ من روحیہ اور اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ روح خدا تعالیٰ کی جزء ہے جس کا بدن پر فیضان کیا جیسا کہ کئی سائنس پر مال کا فیضان کرتا ہے پھر کہتا ہے کہ افضت علیہ من ماسی یعنی میں نے سائل پر اپنے مال کا فیضان کیا تو اس میں ذات اللہ تعالیٰ کے لئے اجزاء ثابت ہوئی حالانکہ پہلے آپ نے اس کو باطل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ افاضہ کے معنی جدا ہونے جز کے نہیں ہیں پس اس کے کیا معنی ہوئے میں نے جواب دیا کہ اگر یہ بات آفتاب بولے اور کہے افضت علی الارض من فوری یعنی میں نے زمین پر اپنے نور کا فیضان کیا تو یہ بات سچ ہوگی اور یہاں نسبت کے معنی یہ ہونگے کہ جو درخشنی زمین کو حاصل ہے وہ کسی نہ کسی وجہ سے آفتاب کے نور کی جنس میں سے ہے اگرچہ نسبت اس کے بہت ہی ضعیف ہے اور یہ تو نے معلوم کر لیا ہے کہ روح جہت اور مکان سے پاک ہے اور تمام اشیاء کے علم اور اطلاع کی اس کو قوت ہے اور یہ مناسبات شے جسمانی میں نہیں ہوتیں پس انھیں مناسبات کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف نسبت کیا اور من روحی فرمایا پھر مجھ سے سوال کیا کہ قل الروح من امر ربی کے کیا معنی ہوئے اور عالم امر اور عالم خلق سے کیا مراد ہے میں نے جواب دیا کہ جس شے کی مساحت اور اندازہ ہو سکے وہ عالم اجسام اور عالم عوارض میں سے ہے اس کو عالم خلق سے کہتے ہیں اور یہاں خلق کے معنی تقدیر اور اندازہ کے ہیں ایجاد اور پیدا کرنے کے نہیں جیسا کہ بولتے ہیں خلق النسنی ای قدرہ یعنی چیز کا اندازہ کیا اور شاعر نے کہا ہے شعر ولانت تقری ما خلقت وبعض قوم یخلق ثم یغری اور جس چیز کا اندازہ اور مقدار نہ ہو اس کو امر ربی کہتے ہیں اور اس کو امر ربانی کہنا انھیں مناسبات مذکورہ کی جہت سے ہے اور جو چیزیں اس جنس سے ہیں خواہ ارواح بشری ہوں یا ارواح ملائکہ ان کو عالم امر سے کہتے ہیں پس عالم امر سے وہ موجودات مراد ہیں جو حس اور خیال اور جہات

اور مکان اور جسم سے خارج ہیں اور بسبب نہ ہونے مقدار کے مساحت اور اندازہ میں داخل نہیں ہیں۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ اس سے تو روح کے قدیم ہونے کا دوہم پڑتا ہے میں نے جواب دیا کہ اس بات کا ایک فرق کو دوہم ہوا ہے وہ ان کی جہالت ہے بلکہ روح کو غیر مخلوق اس اعتبار سے کہیں گے کہ اس کا مقدار نہیں کیونکہ وہ منقسم اور ذی اجزاء اور ذی مکان نہیں ہے اور اگر مخلوق بمعنی حادث لیں تو روح مخلوق ہے قدیم نہیں ہے اس کے حدوث کی دلیل طویل ہے اور اس کے مقدمات بہت ہیں حق تو یہ ہے کہ جب نطفہ میں روح کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہوئی تو روح پیدا ہوئی جیسا کہ آئینہ میں صیقل کرنے کے وقت صورت پیدا ہوتی ہے مختصر دلیل یوں ہے کہ ارواح بشری اگر بدنوں سے اول موجود ہوتیں یا تو بہت ہوتیں یا ایک بدنوں سے اول ان کی کثرت اور وحدت تو باطل ہے بدنوں سے اول ان کا وجود بھی باطل ہو وحدت تو یوں باطل ہے کہ بدنوں سے متعلق ہونے کے بعد یا تو ان کی وحدت باقی رہتا تو محال ہے کیونکہ ہمیں امکان اس بات کا کہ زید ایک شے کو جانتا ہو اور عمرو نہ جانتا ہو سراسر احاطہ معلوم ہے اگر جو ہر اور اک کرنے والا یعنی روح ان میں ایک ہوتی تو دو ضدوں کا جمع ہونا اس میں محال ہوتا جیسا کہ زید میں محال ہے اور اسی طرح بعد تعلق کے بہت ہو جانا بھی باطل ہے کیونکہ جس ایک کا مقدار نہ ہو اس کا دو اور منقسم ہونا محال ہے اور مقدار والی شے کا دو ہو جانا اور منقسم ہونا محال نہیں جیسا کہ جسم کے ایک ہی جسم بسبب اس کے کہ مقدار رکھتا ہے منقسم ہوتا ہے اور اس کے لئے اجزاء نکلتے ہیں اور جس چیز کے لئے اجزاء اور مقدار نہیں وہ منقسم ہونے کو کس طرح قبول کرے گی اور بدنوں سے اول ارواح کی کثرت یوں باطل ہے کہ یا تو وہ ایک دوسرے کے ہم مثل ہوگی یا مختلف ہم مثل اور مختلف ہونا تو محال ہے کثرت بھی محال ہوئی ہم مثل ہونا یوں محال ہے کہ دوہم شکلوں کا اصل میں وجود ہی محال ہے اس لئے ایک جسم میں دو سیاہیوں کا اور ایک مکان میں دو جسموں کا پایا جانا محال ہے کیونکہ وہ ہونا تقاریر کو چاہتا ہے اور یہاں تقاریر ہی نہیں اور دو سیاہیوں کا دو جسم میں پایا جانا ممکن ہے کیونکہ زمانہ خاص میں جسم کے ساتھ متصل ہونا ایک سیاہی کی صفت ہوگی دوسری کی نہیں ہوگی سو مطلقاً دوہم شکلوں کا وجود ہی نہیں بلکہ اگر ہوگا تو کسی کی نسبت کر کے ہوگا جیسا کہ کہیں کہ زید اور عمرو دونوں انسانیت اور جسمانیت میں ہم مثل ہیں دو ات اور کوئے کی سیاہی دونوں سیاہ ہونے میں ہم مثل ہیں بدنوں سے اول ان کا مختلف ہونا یوں محال



ہے کہ مختلف ہونا دو قسم پر ہے ایک تو نوع اور ماہیت کے اختلاف کی جہت سے ہوتا ہے جیسا کہ پانی اور آگ اور سیاہی اور سپیدی اور علم و جہل کا اختلاف ہے دوسری قسم کا اختلاف عوارض کے ساتھ ہوتا ہے جو ماہیت میں داخل نہیں ہوتے جیسا کہ پانی سرد اور گرم کا اختلاف ہے اب ارواح بشری میں بسبب ماہیت کے اختلاف ہونا تو محال ہے کیونکہ ارواح بشری ایک ہی نوع ہیں اور ماہیت اور حقیقت میں متفق ہیں عوارض کے ساتھ بھی اختلاف محال ہے کیونکہ ایک ماہیت جب جسموں کے ساتھ متعلق ہو اور ان کی طرف کسی طرح منسوب ہو تب عوارض کے ساتھ مختلف ہوتی ہے اس لئے کہ جسم کے اجزاء میں اختلاف ضروری ہے اگرچہ آسمان ہی کی

ایرواح بشری کے ایک ہی نوع ہونے کی یہ وجہ ہے کہ نفس باطنہ یعنی جو ہر مجرد روح بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن مختص بنوع انسان ہے کما مر اور انسان تو نوع سافل یعنی تمام انواع سے نیچے کی نوع ہے اور جو چیز نوع سافل کے ساتھ مختص ہو ماہیت جنسی نہیں ہو سکتی ورنہ نوع سافل کے ساتھ امر مختص کا غیر مختص ہونا لازم آئے گا یہی وجہ ہے کہ مطلق کو حیوان مطلق میں انسان کے لئے فصل قریب اور ممتاز جمیع افعال سے لیتے ہیں کیونکہ مراد مطلق سے مبداء مطلق یعنی نفس باطنہ ہے جو مختص ہ انسان ہے پس اس کا جمیع افعال سے بیزر اور ایک ہی نوع ہونا اعظم من النفس ہے یہی مذہب ارسطو اور ابو علی کا ہے بعض حکماء اس کے خلاف پر ہیں اور ابو البرکات اور امام رازی متکلمین میں سے روح کے ماہیت جنسی ہونے کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کے قول جس کو مسلم نے بروایت ابو ہریرہ بیان کیا ہے کہ البناس معادن کمعادن الفضلۃ والذہب خیارعہم فی الجاہلیہ خیارعہم فی الاسلام اذا فسخوا والارواح جنود مجندہ فما تعارف منها ابتلعہ وماتناکر منها اختلف۔

ترجمہ: لوگ کانہیں ہیں چاندی اور سونے کی کانوں کی طرح بہتر ان کے زمانہ جاہلیت میں بہتر ان کے زمانہ اسلام میں ہیں جبکہ کچھ دین کی ان کو مائل ہوا اور دین جماعت جنت میں پس ان میں سے جس کا جس روح کے ساتھ باہمی تعارف ہو اس کی اس کے ساتھ الفت ہوگی اور جس کو روح سے باہمی نفرت ہوئی اس سے اس کا اختلاف ہوگا۔

کچھ عوام کے لئے دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا اخیر حدیث میں ارواح کو بصیغہ جمع لانا اور اسی طرح ابتداء حدیث میں ارواح کو معدن سونے اور چاندی کے ساتھ جو مختلف بالحقیقت ہیں تشبیہ دینا روح کی ماہیت جنسی ہونے کا مقتضی ہے میں کہتا ہوں ارواح کو آنحضرت ﷺ کا بصیغہ جمع لانا ماروح کی ماہیت جنسی ہونے کو مقتضی نہیں کیونکہ جمع کے واسطے اختلاف افراد کا تشخص اور صنف میں کثافت کرتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ صیغہ جمع کا اپنے نیچے جنس۔ بقیر حاشیہ آئندہ صفحہ پر

نسبت اختلاف قریب اور بعید ہونے کا ہو لیکن جب ایک مابیت جسموں کے ساتھ ابھی متعلق ہی نہ ہو اختلاف اس کا محال ہوگا اس مسئلہ کی تحقیق زیادہ تقریر کی محتاج ہے لیکن اس قدر بیان اس تحقیق پر آگاہ کرنے کے لئے ہے۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ روحوں کا حال بدنوں سے الگ ہونے کے بعد کیا ہوگا حالانکہ ان کو جسموں کے ساتھ تعلق نہیں پھر کیونکر روح میں کثرت اور اختلاف ہوا۔ میں نے جواب دیا کہ روحوں نے بدنوں کے ساتھ متعلق ہونے کی جہت سے مختلف صفتیں حاصل کی ہیں جیسا کہ علم اور جہل صفائی اور کدورت خوش خلقی اور بد خلقی ان مختلف صفتوں کی جہت سے مختلف ہی باقی رہیں جن سے ان کی کثرت بھی جاتی ہے بدنوں سے تعلق بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... فصل سے مرکبہ انواع کو ہی مستلزم ہو جس سے مطلق روح کا مابیت جنسی ہونا ثابت ہو ایسا ہی سونے چاندی کی معدن کی ساتھ تشبیہ اس وجہ سے کہ معدن طرف زروسم اور لوگ طرف علوم ہیں صرف اس امر میں ہے کہ جیسا زروسم کی معدنوں میں مختلف استعدادیں ہیں مثلاً معدن زرعہ استعداد کھتی ہے ایسی استعداد معدن ضمیم میں نہیں اسی طرح لوگ مختلف استعدادیں رکھتے ہیں بعض اعلیٰ حسب مراتب معدنوں کے قابل فیضان الہی کے ہیں اور بعض نہیں اور حدیث میں زروسم کے ساتھ جو مابیت میں مختلف ہیں تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ زروسم کی معدنوں کے ساتھ دی گئی ہے جو مابیت میں متحد اور استعدادوں میں مختلف ہیں غرضیکہ اس تشبیہ سے یہ امر متفق ہوتا ہے کہ لوگوں میں مختلف استعدادیں ہیں کوئی اس میں فیضان الہی کے قابل ہے اور کوئی نہیں اور بعض شریف ہیں بعض نہیں مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو شریف ہوں زمانہ اسلام میں شریف تب ہی گئے جائیں گے جب دین میں ان کو کچھ حاصل ہو چنانچہ خیبار رحم فی السجاء لہم خیار ہم فی الاسلام اذا فسقوا کا جملہ اس پر دال ہے پس اس تشبیہ سے روح انسانی یعنی نفس باطن کے جو ایک جوہر بسیط بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن اور مدبر امور اخروی و حقائق عقلی ہے مابیت جیسی ہونے پر استدلال پکڑنا یا مطلق لفظ روح کا روح انسانی وغیرہ میں اشتراک لفظی نہ لینا بلکہ اشتراک معنوی جو بالکل درست تصور نہیں اس تشبیہ سے ثابت کر کے اس کی جنسیت کا قائل ہونا محض خیال باطل ہے کمالیگی اور الارواح جنود مجتہدہ الحدیث سے صاحب لمعات کا اجسام سے جو شتر ارواح کے موجود ہونے پر استدلال پکڑنا بھی ضعیف ہے کیونکہ الارواح جنود مجتہدہ کے ساتھ قبل الاجسام کی توقید نہیں ایسا ہی تعارف مقید بقید قبل الاجسام نہیں اور بغیر اس قید کے بڑھانے کے معنی حدیث کے بن سکتے ہیں کمالیگی پس ظاہر ہے کہ خواہ مخواہ اس قید کو بڑھا کر ارواح کا قبل اجسام ہونا ثابت کرنا حالانکہ دلیل تحقیقی اس کے خلاف پر قائم ہے کما مرصع سے خالی نہیں۔ مفتی شاد دین۔

کے اول یہ بات نہیں تھی کیونکہ ان کے مختلف ہونے کا کوئی سبب نہ تھا۔ فصل پھر مجھ سے سوال کیا کہ رسول مقبول ﷺ کے قول **اَلخَلْقُ اللّٰهُ اَدَمُ عَلٰی صُوْرَتِهٖ** اور ایک روایت میں علی **صُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ** کے کیا معنی ہوئے میں نے جواب دیا کہ صورت ایک اہم مشترک ہے کبھی تو شکلوں کی ترتیب اور بعض شکلوں کو بعض سے ملانے یا اختلاف ترکیب پر بولتے ہیں یہ قسم تو صورت محسوسہ ہے اور کبھی ترتیب معنی پر بھی بولتے ہیں جو محسوسہ نہیں اور معانی کے لئے بھی ترتیب اور ترکیب اور باہمی نسبت ہوتی ہے جیسا کہ بولتے ہیں کہ مسئلہ کی صورت ایسی ہے اور واقع کی صورت ایسی اور علم جسمانی کی صورت ایسی ہے اور علم عقلی کی صورت ایسی سو اس حدیث نبوی میں صورت سے صورت معنوی مراد ہے اس میں روح کے ان مناسبات مذکورہ کی طرف اشارہ ہے جن کا خدا کی ذات اور صفات اور افعال کی طرف رجوع اور مآل ہے کیونکہ روح کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بذات خود نہ تو عرض ہے نہ جوہر متعین اور نہ جسم نہ اس کا کسی جہت اور مکان میں حلول ہے اور نہ وہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل نہ وہ عالم کے جسموں اور بدنوں میں داخل ہے نہ خارج سو یہ سب کی سب ذات الہی کی صفات ہیں اور روح کی صفتیں یہ ہیں کہ حسی اور عالم اور قادر اور مرید اور سمیع اور بصیر اور حکم ہے اللہ تعالیٰ میں بھی ایسی ہی صفتیں ہیں اور روح کے افعال یہ ہیں کہ ابتداء فعل انسان میں ارادہ ہوتا ہے جس کا اول اثر دل پر ظاہر ہوتا ہے پھر روح حیوانی کے وسیلہ سے وہ ایک بخار لطیف ہے دل کے درمیان سرایت کر کے دماغ کو پہنچاتا ہے پھر وہاں سے پٹھوں کی طرف جاتا ہے جو دماغ سے خارج ہیں پھر پٹھوں سے اوتار اور باطاط کی طرف جاتا ہے جو عضلات سے متعلق ہیں پھر اس سے اوتار کھینچے جاتے ہیں تو اس سے انگلیاں حرکت کرتی ہیں اور انگلیوں سے مثلاً قلم کو حرکت ہوتی ہے اور قلم سے سیاہی کو ہوتی ہے تو سیاہی سے کاغذ پر جس صورت کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ صورت ویسی ہی لکھی جاتی ہے جیسا کہ خزانہ خیال میں متصور تھی کیونکہ جب تک مکتوب کی صورت اول خیال میں متصور نہ ہو

**اَلخَلْقُ اللّٰهُ اَدَمُ عَلٰی صُوْرَتِهٖ** اللہ عیث، کہ بخاری و مسلم نے بروایت ابو ہریرہ بیان کیا کہ یہاں صورت سے مراد صفت ہے پس معنی حدیث کی یہ ہوئے کہ پیدا کیا اللہ نے آدم کو اپنی صفت پر یعنی عالم حکم بصیر اور اضافت تشریف کی بھی یہاں ہو سکتی ہے جیسا کہ بیت اللہ نافذ اللہ میں اور صاحب مجمع البحار وغیرہ کا ایک یہ احتمال بیان کرنا کہ (صورت اسے صورت آدم) علی صورت الرحمن کی روایت کے سنائی ہے کمال بخفی لیکن بعضوں نے کہا ہے کہ خلق آدم علی صُوْرَةِ الرَّحْمٰنِ کی روایت محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔ مفتی شاہ ودین۔

کاغذ پر اس کا لکھنا ممکن نہیں اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کے پیدا کرنے کی کیفیت میں غور کیا کہ نباتات اور حیوانات کو آسمان اور ستاروں کی حرکت کے ذریعہ سے پیدا کیا اور آسمان اور ستاروں کو فرشتوں نے حرکت دلائی تو جان لے گا کہ انسان کا تصرف عالم اصغر یعنی بدن میں ایسا ہے جیسا خالق کا تصرف عالم اکبر میں اور معلوم کر لے گا کہ انسان کا دل باعتبار اس کے تصرف کے بمنزلہ عرش کے ہے اور دماغ بمنزلہ کرسی کے اور حواس بمنزلہ ملائکہ کے جو بالطبع اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں یعنی جن کی جلی عادت خدا کی اطاعت ہے اور امر کے خلاف کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور پٹھے اور اعضاء انسان کے بمنزلہ آسمانوں کے ہے اور اس کی انگلیوں کی طاقت بمنزلہ طبیعت کے ہے جو جسموں میں گڑی ہوئی اور جچی ہوئی ہے اور سیاہی بمنزلہ عناصر کے ہے کہ جمع اور ترکیب و تفریق کے قبول کرنے کے لئے اصل ہیں اور انسان کے خیال کا خزانہ بمنزلہ لوح محفوظ کے ہے اب جو کوئی ان مناسبات کی حقیقت پر مطلع ہو گا تو وہ معنی حدیث نبوی ﷺ خلق آدم الخ جان لے گا پھر مجھ سے سوال کیا کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه کے کیا معنی ہیں میں نے جواب دیا کہ چیزیں مناسب مثالوں کے ساتھ احدیث من عرف نفسه فقد عرف ربه کو ابن حجر نے موضوع لکھا ہے معانی نے لکھا ہے کہ یہ مرفوع معلوم نہیں ہوتی مگر بنی بن معاذ رازی کا قول ہے ٹوٹی نے لکھا ہے کہ اس کا ثبوت حضرت سے نہیں اور اس کے معنی تو ثابت ہیں پس بعضوں نے یوں معنی بیان کیے ہیں کہ من عرف نفسه بالجهل فقد عرف ربه بالعلم ومن عرف نفسه بالفناء فقد عرف ربه بالبقاء ومن عرف نفسه بالضعف فقد عرف ربه بالقوة۔

جس نے اپنے نفس کو پہچانا ساتھ جہل کے البتہ اس نے پہچانا اپنے رب کو ساتھ علم کے اور جس نے پہچانا اپنے نفس کو ساتھ فنا کے البتہ اس نے پہچانا اپنے رب کو ساتھ بقا کے اور جس نے پہچانا اپنے نفس کو ساتھ عجز اور ضعف کے البتہ اس نے پہچانا اپنے رب کو ساتھ قدرت اور قوت کے۔ اور کہا ہے کہ یہ معنی مستحب ہیں قولہ تعالیٰ ومن ير غيب عن صلة ابراهيم

الامن سببه نفسه

ترجمہ: اور کون پسند نہ رکھے دین ابراہیم کا مگر جو بے وقوف ہو اپنے جی سے۔

سے اور امام غزالیؒ کے معنی مراد ی ناظرین رسالہ پر غماز بھی ہیں مفتی شاہ دین محمد دہلوی، مفسر نفس کا لفظ لغت عربی میں کئی معنوں میں مشترک ہے چنانچہ چشم اور ذات، بقیہ حاشیاء تکدہ ص ۶ پر۔۔



ہیں اور ظاہر کا امر آسان ہے کیونکہ اس کی تاویل ہو سکتی ہے اور دلیل قاطع ظاہر کے سبب چھوڑی نہیں جاتی بلکہ ظاہر کی تاویل کی جائیگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں آیات مشخصی کی تاویل کی جاتی ہے چنانچہ قولہ سلم خلق اللہ الارواح قبل الاجساد بالفی عام کی یوں تاویل ہے کہ ارواح سے ارواح ملائکہ مراد ہے اور اجساد سے اجسام عالم جیسا کہ عرش کرسی آسمان ستارے آگ ہوا پانی مٹی اور جبکہ آدمیوں کے جسم سب کے سب زمین کے جسم کی نسبت چھوٹے ہیں اور زمین کا جسم بہ نسبت آفتاب کے بہت چھوٹا ہے اور آفتاب ایسا چھوٹا ہے کہ اس کو اپنے آسمان سے کچھ نسبت نہیں ایسا ہی آسمان کو اپنے اوپر کے آسمان سے اور اس کو اپنے اوپر کے آسمان سے مٹی ہذا القیاس کچھ نسبت نہیں ہے پھر ان پر کرسی ہے جس میں سب آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں اور کرسی بہ نسبت عرش کے چھوٹی ہے اگر اس میں تو سوچے گا تو آدمیوں کے اجسام کو حقیر جائزہ مطلق فقط اجساد سے جو حدیث میں وارد ہے آدمیوں کے اجسام نہیں سمجھے گا ایسا ہی حال ارواح بشری کا ارواح ملائکہ کی بہ نسبت ہے اگر تجھ پر ارواح ملائکہ کی معرفت کا دروازہ کھلے تو دیکھ لے کہ ارواح بشری مثل ایک چراغ کی ہیں کہ نار عظیم سے فیضیاب ہو اور نار عظیم اور نار ارواح ملائکہ میں سے روح اخیر ہے اور ارواح ملائکہ با ترتیب ہیں اور ہر ایک اپنے مرتبہ میں منفرد ہے ایسا کہ ایک مرتبہ میں دو روح ملکی جمع نہیں ہوتیں بخلاف ارواح بشری کے کہ کثرت سے ہیں اور انواع اور مرتبہ میں باہم متحد ہیں اور

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ . . . وہ لائق عدم کی قابلیت نہیں رکھتی اور جوئی لائق عدم کے

قابل نہ ہو لائق عدم اس پر محال ہے اور لائق عدم کی قابلیت ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اگر روح لائق عدم کے قابل ہو تو بر وقت موجود ہونے کے موجود بالفعل معدوم بالقوہ ہوگی پس اس صورت میں مبداء فعلیہ وجود اور ہوگا اور مبداء عدم اور نہیں تو کل باقی ممکن الفساد اور کل ممکن الفساد باقی ہو جائیگا جو مبرا حقا حقا باطل ہے پس جب ہر دو مبداء باہم مغائر نکلے تو روح کی ترکیب لازم آئی اور روح کا مرکب ہونا تو باطل ہے ورنہ اس کا ایک ہی حالت میں ایک ہی شے کا عالم اور جاہل ہونا لازم آتا ہے پس اس کا معدوم ہونا بھی باطل ہوا کیونکہ بطلان لازم مستلزم ہے بطلان ملزوم کو پس ثابت ہوا کہ ارواح بشری ابدی ہیں اور قولہ علیہ السلام کا جس کو مصنف تفسیر عزیزی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ (انکم خلقتم لالابد وانکم منتقلون من دار الی دار دار۔) (انہی اس کا مرید ہے مفتی شاہد دین سلمہ دہ۔)

جی تحقیق تم پیدا کئے گئے ہو بھنگی کے (البیہ تم) انتقال کرتے ہو ایک دار سے طرف ایک دار کے۔

ملا لکھیں ہر ایک ان کا نوع الگ الگ ہے اسی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کی کلام میں "وَمِمَّا مَلَأَ بِهِ مَقَامَهُ مَعْلُومٌ وَالْغَالِغُونَ وَالْمُتَلَحِّنُونَ وَالْمُتَلَحِّنُونَ الْمُسْحُونَ" (زبور دوم میں جو ہے اس کو ایک لکھنا ہے مبین اور ہم جو ہیں ہم میں مہمان ہائے عالم اور ہم جو ہیں ہم میں پاک ہونے والے) اور رسول مقبول ﷺ کی

ایمان لکھ ہر ایک ان کا نوع الگ الگ ہے ارواح ملا لکھ بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے خاص اجسام میں متصرف ہیں بخلاف روح انسانی کے کہ بواسطہ روح حیوانی کے مدبر بدن ہے جس سے اس کا ارواح ملا لکھ سے امتیاز اور علیحدہ نوع ہونا ثابت ہوتا ہے ایسا ہی نباتات اور معدنیات اور دیگر حیوانات کی ارواح سے روح انسانیت کی ماہیت میں مغائر ہے کیونکہ انسانی روح یعنی نفس باطن ہے کوادراک حقائق عقلی کا ہے اور ارواح انسانی ہی کی اصلاح اور غیر اصلاح سے استحقاق ثواب اور عقاب کا ثابت ہے اور اس کا تعلق بواسطہ روح حیوانی کے ہے کما مر اور یہ باتیں دیگر ارواح میں پائی نہیں جاتیں اور یہ امر ظاہر ہی ہے کہ اختلاف لوازم مستلزم اختلاف مژدات کو ہوتا ہے پس روح انسانی کے لوازم کے اختلاف سے اس کا دیگر اشیاء کی ارواح سے ماہیت میں مغائر ہونا اظہر من الشمس ہے اگر کوئی یہ کہے کہ نباتات نوع روح نباتی یعنی قوت نباتی کے سوا کوئی روح مدبر نہیں رکھتے ایسا ہی پتھر وغیرہ بالکل ذی روح نہیں پس معدنیات وغیرہ کی کوئی ارواح ہیں جن سے روح انسانی کا یہ سبب اختلاف لوازم کے مغائر اور مختلف بالمابہوت ہونے کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑی سو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں حد تو اثر کو پہنچ گیا ہے۔ کہ درختوں اور پتھروں وغیرہ نے بیجوں کے ساتھ کلام اور ان کے حکموں کی فرمانبرداری کی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی روح اور شعور رکھتے ہیں چنانچہ آواز کرنا اور رونا ستون خاں کا سبب مفارقت آنحضرت ﷺ کے اور بعد شفقت رسول مقبول ﷺ کے اس کا خاموش ہونا ایسا ہی کوہ حرا کا جب کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تشریف رکھتے تھے بطور زلزلہ کے ہلنا اور بعد فرمانے آنحضرت ﷺ کے کہ ٹھہرا رہ اس واسطے کہ تیری پشت پر اور کوئی نہیں مگر پیغمبر اور صدیق اور کئی شہید اس کا ٹھہر جاتا کہ اس کے ذی روح اور ذاتی شعور ہونے پر صاف دال ہے اور قول تعالیٰ کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ (ترجمہ: ہر ایک نے جان رکھی اپنی طرح کی بندگی اور یاد) اور قول تعالیٰ وان من شئ من الا تسبیح بحمده ولكن لا تلقون تسبیحهم (ترجمہ: اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبان اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا) سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ہر شے میں روح ہے اب جب نباتات اور معدنیات وغیرہ میں بھی روح ثابت ہوئی اور ارواح ..... بقیہ حاشیہء مکہء مطبعہ پر۔

کلام میں الراکع منهم لایسجدون والقائم لایرکع وانہ مامن احد الا اولہ مقام معلوم (ترجمہ رکوع کرنے والا ان سے سجدہ نہیں کرتا اور کھڑا ہونے والا رکوع نہیں کرتا) میں سے کوئی نہیں ہر اس کے لئے عام معنی ہے، پس اب ارواح اور اجسام مطلقہ سے جو حدیث نبوی میں ہے ارواح ملائکہ اور اجسام عالم ہی سمجھے جائیں گے اور قولہ ﷺ انا اول الانبیاء خلقنا و آخرهم بعثنا کی یہ تاویل ہے کہ یہاں خلق کے معنی تقدیر کے ہیں ایجاد کے نہیں کیونکہ حضرات اپنی والدہ سے پیدا ہونے کے اول موجود اور مخلوق نہ تھے لیکن فوائد اور کمالات تقدیر میں سابق تھے اور وجود میں لاحق یہ قول کہ اول الفکر آخر العمل بولتے ہیں اس کے یہی معنی ہیں

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ۔ مکی کا بھی ثبوت شرع میں وارد ہے اور ان کی عبادت کا طرز بھی احادیث میں مذکور ہے چنانچہ طبرانی نے بروایت جابر روایت کیا ہے کہ کوئی ان میں سے رکوع کرنے والا ہے اور کوئی سجدہ کرنے والا اور کوئی کھڑا ہے اور کوئی بیٹھا اسی طرح بعض ملائکہ سے خدمات متعلقہ کی اکثر احادیث میں تصریح بھی آئی ہے پس روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا یہ سبب اختلاف لوازم کے تغاثر نوعی ان تمام ارواح سے ثابت ہوگا کیونکہ درختوں اور پتھروں کے ساتھ جو زمین متعلق ہیں وہ مانند ارواح ملائکہ کی بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے خاص اجسام میں متصرف ہیں ممکن دنیا میں تعلق ان کا دائمی طور پر نہیں نفس قدسیہ کی قوت سے اپنے اپنے اجسام سے جب ان کا کبھی تعلق ہو جاتا ہے اس وقت ان اجسام سے افعال شعور اور ارادہ کے صادر ہو جاتے ہیں ورنہ یہیں اسی سبب سے ان کو غیر ذی روح بولدیتے ہیں کیونکہ ہمیشہ ان سے افعال شعور صادر نہیں ہوتے ہاں آخرت میں تعلق ان ارواح کا اپنے اجسام کے ساتھ دائمی طور پر ہوگا اسی سبب سے وہ اجسام کو ایسی دیں گے چنانچہ شاخیں اور پھل بہشت کے بہشتیوں کی آواز کا جواب اور ان کی اطاعت کریں گے بخلاف روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کے کہ دنیا میں بلا قوت نفس قدسیہ اس کا تعلق دائمی طور پر ہے اور بواسطہ روح حیوانی وغیرہ کے بدن کے ساتھ تعلق ہوتا اسی کے لوازمات میں سے ہے اور اختلاف لوازم صاف دلیل طروحات کے اختلاف کی ہے غرض کہ ارواح ملائکہ وغیرہ جو بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے اجسام میں مدبر اور متصرف پڑتی ہیں وہ الگ انواع ہیں اور روح انسانی یعنی جو ہر مددک مجرد بواسطہ روح حیوانی وغیرہ کے بدن الگ نوع واحد ہے اور ماہیت میں ان کے مغائر اور صفات میں ان سے ممتاز ہے ایسا ہی جنات کی ارواح سے جو خاص اپنی وقائی و ناری اجسام میں مدبر و متصرف ہیں یہ سبب اختلاف لوازم کے نفس ناطقہ کا تغاثر ثابت ہے اور اسی طرح دیگر حیوانات کی ارواح سے جو امور اخروی و دھاتی عقلی کا ادراک نہیں کر سکتیں روح انسان کا مغائر ہونا ظاہر ہے۔ مغنی شاہ دین سلسلہ ہے۔



اس کا بیان یوں ہے کہ مہندس یعنی مستری گھر کا اندازہ کرنے والا پہلے اپنے ذہن میں پورے گھر کی تصویر کا خیال باندھتا ہے سو پورا گھر مہندس کے ذہن میں اندازہ کرنے کے دو سے تو سب سے پہلے اور وجود میں سب سے آخر ہوتا ہے کیونکہ اول ایٹموں کا لگانا اور دیواروں کی بنانا اور اس کی ترکیب پر سب ایک کمال کا وسیلہ ہے وہ گھر ہے جس کے واسطے اسباب کا تقدیم ہے جب کہ تو نے یہ معلوم کر لیا پس جان لے کہ خلقت کے بنانے سے یہ مقصود ہے کہ وہ بارگاہ الہی سے قرب حاصل کرے سو یہ قرب بدون سمجھائے نبیوں کے نہیں ہو سکتا تھا اس لئے ایجاد سے مقصود نبوت ظہری نبوت کا اصل مقصود نہیں بلکہ نہایت اور کمال مقصود ہے نبوت کا کمال ہو جب عادت الہی بتدریج ہوتا ہے جیسا کہ گھر کی عمارت بتدریج کمال کو پہنچتی ہے نبوت کی تمہید پہلے حضرت آدم سے ہوئی پھر یوحنا رہی یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کمال کو پہنچ گئی سو نبوت سے غایت اور کمال مقصود تھا اور پہلی تمہیدیں کمال نبوت کے لئے وسیلہ تھیں جیسا کہ بنیاد کا رکھنا اور دیواروں کا بنانا گھر کے کمال کا وسیلہ ہے رسول مقبول ﷺ کے خاتم النبیین ہونے میں یہی راز ہے کیونکہ کمال پر زیادتی بھی ایک طرح کا نقصان ہے مثلاً نیچے کی کمال شکل یہ ہے کہ ایک جھٹیلی اس پر بانجھ

انگلیاں ہوں اب جیسا کہ چار انگلیوں کا ہونا ناقص ہے ویسے ہی چھ انگلیوں کا ہونا ناقص ہے کیونکہ چھٹی انگلی جو کفایت پر زرا ہے اگرچہ صورت میں زیادتی ہے لیکن حقیقت میں نقص ہے حدیث نبوی میں اسی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت فرماتے ہیں قولہ ﷺ مثل السبوة مثل دار معمرودة لم یبق فیہا الا موضع لبنۃ فکنت انا تلک اللبنۃ (ترجمہ: نبوت کی مثال ایسی ہے جیسا کہ گھر بنایا ہوا نہ باقی رہی اس میں مگر ایک اینٹ کی جگہ سو وہ اینٹ میں ہوں یہی الفاظ ہیں یا ان الفاظ کے یہ معنی ہیں جب کہ تو نے یہ معلوم کر لیا کہ حضرت کا خاتم النبیین ہونا ضروری ہے جس کا خلاف متصور نہیں کیونکہ نبوت حضرت ہی سے نہایت اور کمال کو پہنچتی اور شے کی غایت تقدیر میں اول اور وجود میں آخر ہوتی ہے پس رسول مقبول ﷺ تقدیر میں اول اور وجود خارجی میں آخر ہوئے اور قولہ کنت نبیا وادم بین الماء والطين سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کیا اس لئے کہ حضرت آدم کی خلقت کے تمام ہونے سے اول ہی تقدیر میں نبی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ اس کی اولاد میں سے عمدہ شخص چھانٹ لے اور بتدریج یہاں تک چھانٹے کہ کمان معافی کو پہنچ کر محمد ﷺ کی روح پاک اور مقدس کو قبول کرے اور یہ حقیقت کبھی نہیں جاتی جب تک یہ نہ سمجھا جاوے کہ مثلاً گھر کے لئے دو

وجود ہوتے ہیں ایک تو مستری کے ذہن و دماغ میں اس کا وجود ہوتا ہے ایسا کہ وہ اس کو دیکھ ہی رہا ہے اور ایک وجود ذہن سے خارج یعنی ظاہر میں ہوتا ہے اور وجود ذہنی وجود خارجی ظاہر کے لئے سبب ہوتا ہے اور ضرور داول ہی ہوتا ہے ایسا ہی جان لے کہ اللہ تعالیٰ پہلے اشیاء کی تقدیر کرتا ہے پھر ان اشیاء کو اس تقدیر کے موافق پیدا کرتا ہے اور تقدیر تو لوح محفوظ میں نقش ہوتی ہے جیسا کہ مہندس یعنی مستری کی تقدیر مخفی یا کاغذ پر نقش ہوئی ہے جو مگر قلم کا لکھنا انتظامی کے ساتھ کاغذ پر موجود ہوتا ہے وہ گھر کے وجود حقیقی کے لئے سبب ہوتا ہے اب جیسا کہ یہ صورت مستری کی مخفی پر پہلے قلم کے وسیلہ سے نقش ہوتی ہے اور قلم مستری کے علم کے موافق چلتی ہے بلکہ علم ہی اس کو چلاتا ہے ایسا ہی امور الہیہ کی صورتوں کی تقدیر لوح محفوظ میں پہلے نقش ہوتی ہے اور لوح محفوظ پر قلم سے نقش ہوتا ہے اور قلم اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق چلتی ہے لوح سے وہ شے موجود مراد ہے جو صورت کے نقش کو قبول کرے اور قلم سے وہ موجود مراد ہے جس سے لوح پر صورتوں کا فیضان ہو اب قلم کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ لوح میں معلومات کی صورت نقش کرے اور لوح کی حقیقت یہ ظہری ہے کہ ان صورتوں کا نقش قبول کرے سو قلم اور لوح کی شرط سے یہ نہیں ہے کہ وہ دونوں کمزری اور فی کی ہوں بلکہ جسم ہونا بھی انکی شرط میں سے نہیں پس قلم اور لوح کی ماہیت اور حقیقت میں جسمیت داخل نہیں بلکہ قلم اور لوح کی حقیقت وہی ہے جو ہم نے ذکر کی اور جو اس پر زائد ہے وہ صورت ہے حقیقت نہیں اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لوح اور قلم اس کے ہاتھ اور انگلیوں کے لائق ہو ہاتھ اور انگلیں اس کی ذات اور الوہیت کے موافق ہوں جسمیت کی حقیقت سے پاک ہو بلکہ یہ تمام روحانی جواہر ہیں بعض ان میں معطلم ہیں جیسا کہ لوح اور بعض ان میں معطلم جیسا کہ قلم چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الذی علم بالقلم اب جبکہ تو نے وجود کی دونوں قسمیں معلوم کر لیں جان لے کہ حضرت محمد ﷺ آدم علیہ السلام سے پشتہ باعتبار وجود داول کے نبی تھے نہ باعتبار دوسرے وجود کے جو حقیقی اور یحییٰ ہے یہ روح کے معنوں میں آخر کلام ہے فصل حضرت ﷺ فرماتے ہیں،

من مات فقد قامت قیامتہ، لفظ قیامت سے قیامت مطلقہ مراد نہیں ہے بلکہ قیامت خاصہ مراد ہے جس کو ہم نے احیاء علوم الدین کی کتاب صبر کے ابتدا میں تفصیلاً بیان کر دیا ہے اور قیامت مطلقہ وہ ہے جو سب کو شامل ہوگی اور وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وقت مقرر ہے جو خلقت پر کسی بعید کی جہت سے مخفی ہے اسی بعید کو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے اگرچہ سب وقت برابر ہیں لیکن اے جس نے علم سکھایا قلم سے۔

بعض وقتوں کے ساتھ وجود کی بعض قسموں کے مختص ہونے کو عقل جائز رکھتی ہیں متکلمین کے مذہب کے رو سے خدا کے ارادہ پر موقوف ہے جیسا کہ بعض وقتوں میں عالم کا پیدا کرنا خدا کے ارادہ پر موقوف ہے حالانکہ قدرت اور ذات کی نسبت تمام وقت برابر ہیں فلسفیوں کے مذہب کے موجب بھی قیامت مطلقہ کا محال ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ فلسفی متفق ہیں کہ حادث چیزوں کے مبادی آسمانوں کی حرکتیں اور ان کے دورے مختلفہ ہیں اسی واسطے علوی اور سفلی چیزوں کے حکم اور حال مختلف ہوتے ہیں یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر دورے اور گردش کے ساتھ اس کا پہچلا اور پہلا دور اہم مثل ہے اور دورے کا ہم مثل ہونا ان کے مذہب کے رو سے ضعیف ہے بلکہ جائز ہے کہ ایک دور ایسا پیدا ہو کہ اس کی نظیر نہ اول ہوئی لہذا اس کے بعد ہوا اس لیے کبھی بعض دوروں میں جانور ایسی عجیب شکلوں کے پیدا ہوتے ہیں کہ کبھی ویسے ہوئے ہی نہیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ دورے آسمانی تو باہم مناسب ہوں اور شکلیں جو ان کی تربیت سے حاصل ہیں مختلف ہوں مثلاً پانی میں جو ہم نے ایک پتھر پھینکا تو اس پانی میں ایک شکل مستدیر پیدا ہوگی اگر ہم ویسا ہی ایک اور پتھر پہلی حرکت کے منقطع ہونے کے اول ہی پھینکیں تو یہ لازم نہیں آتا کہ پانی کی شکل دوسری حرکت کے بعد اول حرکت کی مثل ہی ہو کیونکہ پہلا پتھر تو ٹھہرے ہوئے پانی میں پڑا اور دوسرا پتھر متحرک پانی میں سو جو دوسرے پتھر نے متحرک پانی میں شکل پیدا کی ہے یہ اس شکل کے برخلاف ہوگی جو ٹھہرے ہوئے پانی میں پیدا ہوئی تھی یہاں باوجود مساوات اسباب کے شکلیں مختلف ہو گئیں کیونکہ پہلی کا پہچلی کے ساتھ کچھ اثر مل گیا اس لئے محال نہیں ہے کہ ایک دور معین ایک ایسی طرح کے وجود اور ابداع کا مقتضی ہو جو پہلی طرح کے مخالف ہو یہ بھی محال نہیں ہے کہ اس کا وجود بدلتی ہو جو اس کی نظیر سابق میں نہ گزری ہو اور یہ بھی محال نہیں ہے کہ اس کا حکم باقی رہے اور دور پہلا جو منسوخ ہو چکا ہے اس کی مثل اس کو لاحق نہ ہو سو اس قسم کا وجود جو ابداع یعنی بلاسبق نظیر سے حاصل ہوا ہے اپنی جنس میں باقی رہے اگرچہ اس کے احوال خاص بدلتے رہیں سو قیامت کی میعاد یہی شکل ہوگی جو پہلی شکلوں کی رو سے عجیب و غریب ہے اور کبھی تمام روحوں کے جمع ہونے کا سبب کلی ہے جو اس کا حکم سب روحوں پر عام ہو گا اب قیامت کا آنا ایسے وقت کے ساتھ مخصوص ہوا جس کی پہچان تو فی بشری سے نہیں ہو سکتی اور نہ انبیاء سے ہو سکتی ہے کیونکہ انبیاء کو بھی کشف بقدر استعداد ہوتا ہے جبکہ قیامت کے محال ہونے پر کوئی دلیل کلامی اور فلسفی قائم نہیں اور شریعت میں اس کا صراحتاً ثبوت ہے تو اب اس پر یقین کرنا واجب ہے اور شک کرنا نہیں چاہیے فصل جو شخص کہتا ہے کہ تو ام روح کا بغیر بدن

کے نہیں ہوتا وہ اگر قبر میں جسم کے ساتھ روح کے تعلق اور پھر روح اور جسم میں مفارقت اور قیامت میں پھر تعلق ہونے کا انکار کرے تو اس کا انکار باطل ہے کیونکہ روح کا قوام بغیر بدن کے مشکل نہیں ہے بلکہ بدن کے ساتھ تعلق اس کا مشکل ہے کہ بدن سے کیونکر متعلق ہوگی حالانکہ روح کا بدن میں حلول نہیں جیسا کہ عوارض کا جو ہر میں اس لئے کہ وہ عرض نہیں ہے بلکہ وہ تو جو ہر بذات خود (یعنی بلا قیام بالغیر) موجود ہے اور اپنی ذات اور صفات سے اپنے خالق اور اس کی صفات کو پہچانتی ہے اور وہ اس پہچاننے میں کسی حواس کی طرف محتاج نہیں ہے کیونکہ جن چیزوں کو اس نے پہچانا ہے وہ محسوس نہیں۔ انسان تعلق بدن کی حالت میں قادر ہے کہ اپنے نفس کو تمام محسوس چیزوں سے غافل کرے یہاں تک کہ آسان اور زمین سے بھی سو اس حالت میں اپنی ذات اور اس کے حدوث اور خالق کی طرف اس کے محتاج ہو نیکو جانتا ہے حالانکہ کسی محسوس چیز کا اس کو شعور نہیں ہوتا سو بغیر شعور و محسوسات کے اس نے اپنی ذات کو پہچانا چنانچہ ابتداء تصوف میں صوفی کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اس حالت میں پہنچاتا ہے کہ اس کے ذہن میں تمام ماسوائے اللہ غائب ہو جاتا ہے بلکہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو جاتا ہے اور اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شے محسوس اور معقول کا شعور نہیں ہوتا ہے اور اس شعور کا بھی شعور نہیں ہوتا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہوتا ہے کیونکہ شعور کے شعور میں بھی خدا سے غفلت لاحق ہوتی ہے پس جو حق کی معرفت کے لئے مجرد ہو بدن اور قالب کی طرف کیوں محتاج ہوگا اور جسم سے کیوں نہ بذات خود مستغنی ہوگا جو اس کا مرکب ہے اور محسوسات کو دیکھنا ہے جس نے روح کی حقیقت اور اس کا بذات خود قوام معلوم کر لیا اس کو روح کا جسم سے الگ ہونا مشکل معلوم نہیں ہوگا بلکہ روح کا جسم سے اتصال مشکل معلوم ہوگا یہاں تک کہ جان لے کہ اتصال کے یہی معنی ہیں کہ جسم میں تاثیر اور تصرف اور حرکت روح سے ہی ہے جیسا کہ انگلیوں کی حرکت ارادہ کے حرکت دینے سے معلوم کر لیتا ہے حالانکہ اس کو یقین ہے کہ ارادہ ارواح کا تعلق بدن کے ساتھ پانچ قسم پر ہے ایک تعقل جنہن کی حالت میں یعنی حکم مادر میں بعد چار ماہ کے غطفہ میں جب اعتدال اور صفائی کمال درجہ کی حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ روح کو اس سے متعلق کرتا ہے دوسرا تعلق حکم مادر سے خروج کے بعد کہ پہلے کی بہ نسبت اس وقت تعلق روح کے زیادہ آثار ظاہر ہوتے ہیں تیسرا تعلق حالت خواب میں کہ سن وچہ تعلق اور سن وچہ مفارقت ہوتی ہے چوتھا تعلق عالم برزخ میں کیونکہ اس عالم میں اگرچہ مفارقت ہوتی ہے مگر مفارقت کلی نہیں ہوتی کہ بالکل بدن کی طرف اس کو انکسار ہی نہ ہو پانچواں تعلق بروز قیامت کو کمال وچہ پر ہوگا۔ مفتی شاہ ودین سلہ رہ۔

انگلیوں میں نہیں ہے لیکن جسم اس کا مسخر ہے سو اس تسخیر کا پیدا ہونا اور رجوع کرنا جائز ہے اور عقل ان میں سے کسی کو محال نہیں جانتی جائز ہے اس کے رجوع اور زوال کے لئے اسباب ملکی اور فلکی اور نفسی ہوں جس کو قوت بشری احاطہ نہیں کر سکتی سو ایسی وجہ پر شریعت میں روح کا جسم سے الگ ہونا اور پھر نمود کرنا جو وارد ہوا ہے اس کی تصدیق واجب ہے فصل میزان الہیہ ایمان واجب ہے کیونکہ جب نفس کا قوام بذات خود اور اس کا جسم سے مستغنی ہونا ثابت ہوا پس وہ نفس اشیاء کے کشف حقائق کی بذات خود استعداد رکھتا ہے اور موت کے بعد اس کا حجاب کھل جائیگا اور حقائق اشیاء اس کو معلوم ہو جائیں گی اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فکشفنا عنک عطاءک فبصرک الیوم حدیث ۲ جن چیزوں کا اس کو کشف ہوگا وہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے قرب اور بعد میں اس کے اعمال کی تاثیریں اور ان کے آثاروں کی مقادیر ہوں گی اگرچہ ان آثار میں بعض تاثیریں بہ نسبت بعض کے زیادہ ہوں اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایک ایسا سبب پیدا کر دے کہ جس سے خلقت ایک لحظہ میں قرب اور بعد میں اپنے عملوں کی تاثیر کے مقدار معلوم کر لے سو میزان کی تعریف یہ ظہری کہ وہ ایک شے ہے جس سے زیادتی اور نقصان کا فرق معلوم ہو اور عالم محسوس میں اس کے لئے مثالیں مختلف ہیں ایک تو ان میں سے ظاہر میں ترازو مشہور ہے جس سے اشیاء مثلیہ وزن کرتے ہیں اور ایک اسطرلاب ۳ ہے آسمان کی حرکت اور وقت معلوم کرنے کے لئے اور ایک ان میں سے سطر ہے جس سے خطوں کی مقدار معلوم ہوتی

۱۔ خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ میزان حقیقی کو ہر روز قیامت ترازو مشہور کی صورت پر مشتمل کرے اور اعمال الناس کو یا اعمال حس و سہ کو مجسم کر کے اس میں وزن کر دکھائے یا میزان حقیقی کو کسی اور شکل حسی یا خیالی پر ظاہر فرمائے جس سے ہر ایک نفس کو اپنے اعمال کی تاثیریں اور ان کے آثاروں کا اندازہ معلوم ہو جائے پس جب شرع میں اس کا ثبوت ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ ولنضع الموازن القسط لیوم الغیمة فلا تضلکم نفس شیئاً بلین اس پر مراعہ ڈال ہے اور عقل کی رو سے امکان اس کا ظاہر ہے اس لئے تصدیق میزان کی واجب ہے۔ مفتی شاہد دین سلسلہ ۲

۲۔ اب کھولہ یا ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ اب تیری نگاہ آج کھڑ ہے۔

۳۔ اسطرلاب کے ذریعہ سے آفتاب و دیگر ستاروں کا ارتفاع اور مرجع و شفق کی ساعات اور طالع وقت اور طالع سال گزشتہ سے طالع سال مستقبل کا معلوم کرنا اور تعدیل النہار و طلوع وغروب و صبح وغیرہ امور کی معرفت حاصل کی جاتی ہے۔ مفتی شاہد دین سلسلہ ۲۔

پس دیکھیں گے ہم ترازو میں انصاف کی بھر غلظت ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ۔

ہے اور ایک ان میں سے علم موسیقی ہے جس سے آوازوں کی حرکات کے مقدار معلوم ہوتے ہیں سو اللہ تعالیٰ جو خلقت کے لئے میزان حقیقی متشکل کرے گا اسکو اختیار ہے چاہے ان میزانوں میں سے کسی کی صورت پر متشکل کرے یا اور کسی صورت پر اور میزان کی حقیقت اور ماہیت ان تمام میزانوں میں موجود ہے وہ حقیقت یہ ہے کہ جس سے زیادتی اور نقصان معلوم ہوا اور اس کی صورت شکل کے وقت حس میں اور تمثیل کے وقت خیال میں موجود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے خواہ میزان حقیقی کو شکل حس پر بناوے یا تمثیل خیالی پر اس کی قدرت بڑی ہے ان سب پر ایمان واجب ہے فصل حساب کی تصدیق واجب ہے کیونکہ حساب سے مراد مختلف مقداروں کا جمع کرنا اور انکی حدود نہایت معلوم کرنی ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے واسطے مختلف عمل نفع دینے والے اور ضرر رو دینے والے رحمت خدا سے قریب کرنے والے اور بعید کرنے والے نہ ہوں اور ان کا مجموعہ بعد تفصیل معلوم نہیں ہوتا جب تک اس کے مختلف افراد کا حصر نہ کیا جاوے جب مقررقات کا جمع اور حصر کیا گیا وہی حساب ہے یہ تو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ مختلف اعمال اور انکے آثار کی حدود نہایت ایک لحظہ میں ظاہر کروے کیونکہ وہ بہت جلد حساب کر لیا ہے فصل شفاعت یا شفاعت پر ایمان واجب ہے شفاعت سے ایک نور مراد ہے

اشرح میں شفاعت کا ثبوت قولہ تعالیٰ **يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّفَاعَةِ** الامن ان له السر حُسن ورضی لہ قولاً۔ دیگر آیات واحادیث کثیرہ سے ہوتا ہے جس کی پانچ قسمیں ہیں اول تعمیل حساب کے لئے شفاعت عامہ جو خاص آنحضرت ﷺ فرمائیں گے دوسری بعض لوگوں کو بغیر حساب جنت میں داخل کرنا یہ بھی آنحضرت ﷺ کے حق میں وارد ہے تیسرے مومنین سے اس قوم کے لئے جو مستوجب دخول ناریں آنحضرت ﷺ اور جیکو خدا تعالیٰ چاہے دخول ناریں سے بچانے کی شفاعت فرمائیں گے چوتھے گنہگار مومنوں کے لئے دوزخ سے نکلوانے کی شفاعت جو آنحضرت ﷺ اور ملائکہ و دیگر مومنین کریں گے جیسا کہ اکثر احادیث میں وارد ہے پانچویں بہشتیوں کی ترقی درجات کیلئے شفاعت ہوگی اور جبکہ کفار کی نسبت بہ سبب دہم ایمان کے نہ تو بارگاہ الہی کے ساتھ مضبوط ہے اور نہ جو ہر ثبوت کے ساتھ پس نور بارگاہ الہی سے ان پر نہ بلا واسطہ چمکے گا اور نہ بلا واسطہ جو ہر ثبوت اس لئے روز قیامت عذاب سے ان کو رہائی نہیں ہوگی اور نہ ان کے حق میں کسی کی شفاعت مقبول ہوگی چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **يَوْمَ لَا يَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ** اور فرماتا ہے **مَالِ الظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ بَطَاحٍ**۔ مفتی شاہدین سلمہ رب۔

اس دن کام نہ آئے گی شفاعت مگر جس کو حکم دیا رہن نے اور پند کی انکی بات سے بھر کام نہ آئے گی انکی سفارش کرنے والوں کی۔ صحیح کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ کوئی سفارش جس کی بات مانی جائے۔

جو بارگاہ الہی سے جو ہر نبوت پر چمکے گا پھر جو ہر نبوت سے ان جواہر پر چمکے گا جن کی جو ہر نبوت کے ساتھ مناسبت مضبوط ہوگی بسبب زیادتی محبت یا بسبب زیادتی ادائے سنت یا بسبب کثرت ذکر کے جو ورود کے ساتھ ہو اس کی مثال نور آفتاب جیسی ہے کہ جب وہ نور پانی پر پڑے تو اس سے دیوار کی ایک خاص جگہ پر عکس پڑتا ہے تمام دیوار پر نہیں پڑتا عکس پڑنے کے لئے وہ جگہ خاص اس واسطے ہوئی کہ پانی میں اور اس جگہ میں وضع کے رو سے ایک طرح کی مناسبت ہے وہ مناسبت دیوار کے باقی اجزا میں نہیں ہے اور دیوار کی جگہ انکاس کے لئے خاص وہ ہوگی کہ جب اس جگہ خاص سے ایک خط اس پانی کی جگہ تک کھینچا جائے جس جگہ پر نور آفتاب کی طرف خط کھینچنے سے پیدا ہوا ہے اس طرح پر کہ نہ تو اس سے بڑا ہو اور نہ اس سے چھوٹا یہ بات تو ایک جگہ خاص میں ہی ہوگی اب جیسا کہ مناسبات وضعی انکاس نور کے مختص ہونے کو چاہتی ہیں ایسا ہی مناسبات معنویہ عقلیہ جواہر معنویہ میں انکاس نور کے اختصاص کی مقتضی ہیں جس شخص پر توحید غالب ہوگی اس کی مناسبت تو بارگاہ الہی کے ساتھ مضبوط ہوگی اس پر نور بارگاہ الہی سے بلا واسطہ چمکے گا اور جس شخص پر رسول مقبول ﷺ کے سنن اور اقدار اور اس کے اتباع کی محبت غالب ہوگی اور ملاحظہ وحدانیت میں اس کا قدم مضبوط نہیں ہوا اس شخص کی محبت تو واسطہ ہی کے ساتھ مضبوط ہوئی سو نور کے خاص کرنے میں وسیلہ کا محتاج ہوگا جیسا کہ دیوار آفتاب سے محبوب ہے پانی کے واسطہ کی محتاج ہے جو آفتاب کے سامنے ہے ایسا ہی دنیا میں شفاعت ہوتی ہے مثلاً ایک وزیر جو بادشاہ کے نزدیک معتبر اور اس کی عنایت کے ساتھ مخصوص ہے پس بادشاہ جو اس وزیر کے بعض دوستوں کے گناہ معاف کرتا ہے تو یہ معاف کرنا کچھ بادشاہ اور وزیر کے دوستوں میں مناسبت کی جہت سے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ دوست وزیر کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور وزیر بادشاہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے پس بادشاہ کی عنایت ان پر وزیر کے ذریعہ سے ہوئی نہ ان کی جہت سے اگر وزیر کا واسطہ نہ ہوتا تو بادشاہ کی عنایت ان پر نہ ہوتی کیونکہ بادشاہ وزیر کے دوستوں اور ان کے اختصاص کو اسی سبب سے چانتا ہے کہ وزیر ان کی تعریف اور ان کی سعافی میں اظہار رغبت کرتا ہے تو تعریف میں اس کے تخطی اور اظہار رغبت کو مجازاً شفاعت کہتے ہیں کیونکہ درحقیقت شفعی تو بادشاہ کے نزدیک اس کا رتبہ ہے الفاظ تو اظہار غرض کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو تعریف سے مستغنی ہے اگر بادشاہ ان کا اختصاص وزیر کے درجہ کے ساتھ چانتا تو شفاعت میں بولنے والے کی اس کو کچھ حاجت نہ ہوتی اور سعافی شفاعت بلا واسطہ کے ساتھ ہوتی اللہ تعالیٰ تو اختصاص کو چانتا ہے اگر خیوں کو شفاعت میں ان کے

کلمات کے تلفظ کا جو خدا تعالیٰ کو معلوم ہیں اذن بھی دے گا تو ان کے الفاظ شفیعوں جیسے ہو گئے اگر اللہ تعالیٰ شفاعت کی حقیقت کو ایسی مثال کے ساتھ جو حس اور خیال میں آسکے متشکل کرنا چاہے گا تو وہ تمثیل الفاظ کے ساتھ ہوگی جو شفاعت میں مستعمل ہیں اور احادیث میں جو وارد ہے کہ جو چیزیں رسول مقبول ﷺ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ رسول مقبول ﷺ درود کا بھیجنا یا ان کی قبر مقدس کی زیارت کرنی یا مؤذن کا جواب دینا یا اذان کے پیچھے حضرت کعبہ لحد مانگنی اور سوائے اس کے ان سب چیزوں سے آدمی شفاعت کا مستحق ہوتا ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ شفاعت میں نور کا انعکاس بطریق مناسبت ہوگا کیونکہ یہ سب چیزیں مذکورہ رسول مقبول ﷺ کے ساتھ علاقہ محبت اور مناسبت کو مضبوط کرتی ہیں۔ فصل پل صراط پر ایمان لانا برحق ہے یہ جو

ا فرمایا حضرت ﷺ نے من سئل علی محمد قال اللهم انزلہ المقعد المقرب عندک یوم القیمة وجبت له شفاعتی (۱) احمد بروایت روایع اور فرمایا من زار قبری وجبت له شفاعتی (ابن ابی الدنیا) (۲) بروایت ابن عمر بن عبد ربیع اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے من قال حین یسمع النداء اللهم رب هذه الدعوة النامة والصلوة القائمة محمدًا والوسيلة والفضيلة وابعثنه مقاماً محموداً الذی وعدت تخلت له شفاعتی یوم القیمة (۳)۔ بخاری بروایت جابر بن عبد اللہ۔ مفتی شاہ دین سمرہ۔

پہل صراط کا ثبوت قرآن شریف کی اس آیت سے ہوتا ہے تو تعالیٰ فساھدو بسم الی صراط السجیم وقفوا ہم انھم مسئولون یعنی پھر چلاؤ ان کو راہ پر دو رخ کے اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے اور اکثر معتزلہ کے اس خدشے کا جواب کہ عبور اس پر ممکن نہیں اور اگر ممکن ہے تو مومنین کیلئے مذاب ہے یہ ہے کہ اس پہل کا ممکن ہونا اور اس پر گزر جانا کچھ دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ جو واجب تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ پانی پر چلاتا ہے اور پرندوں کو ہوا میں اڑاتا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ ایسا پہل بنائے اور آدمی کو اس پر چلا دے اور مومنین کے لئے اس پر عبور کھل کر دے پس جب عقل کے رو سے امکان ثابت ہے اور شریعت میں سر احضار ثبوت ہے اس لئے اس کی تصدیق واجب ہے۔ مفتی شاہ دین سمرہ۔

(۱) من نے درود بھیجا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو مقام مقرب میں فرادیکھنے روزے کی تمت واجب ہوگئی اس کے لئے میری شفاعت (۲) من نے زیارت کی میری قبر کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (۳) من نے کہا جب جلاں کو اسے خداوند پاک اس دعا کے حامل اور نماز حاضر کے لئے بھیجے گا تو میں اور فضیلت اور امتحان کو مقام محمود پر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے حلال ہوئی راستے اس کے شفاعت میری یعنی میری شفاعت کا ثبوت ہو گیا۔



کہا جاتا ہے کہ پل صراط ہار کی میں ہال کی مانند ہے یہ تو اس کی وصف میں ظلم ہے بلکہ وہ تو ہال سے بھی باریک ہے اس میں اور ہال میں کچھ مناسبت ہی نہیں جیسا کہ ہار کی میں خط ہندی کو جو سایہ اور دھوپ کے مابین ہوتا ہے نہ سایہ میں اس کا شمار ہے نہ دھوپ میں ہال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں پل صراط کی ہار کی بھی خط ہندی کی مثل ہے جس کا کچھ عرض نہیں کیونکہ وہ صراط مستقیم کی مثال پر ہے جو ہار کی میں خط ہندی کی مثل ہے اور صراط مستقیم اخلاق متقاوہ کے وسط حقیقی سے مراد ہے جیسا کہ فضول خرچی اور بخل میں وسط حقیقی سقادت ہے تہور یعنی افراط قوت غضبی اور جہن یعنی بڑی شجاعت اسراف اور تنگی خرچ میں وسعت حقیقی میانہ روی ہے حکمران اور عایت درجہ کی ذلت میں تواضع شہوت اور خود میں عفت کیونکہ ان صفتوں کی دو طرفیں ہیں ایک زیادتی دوسری کمی وہ دونوں ہی مذموم ہیں افراط اور تفریط کے مابین وسط وہ دونوں طرفوں کی نہایت دوری ہے اور وہ وسط میانہ روی ہے نہ زیادتی کی طرف میں ہے اور نہ نقصان کی طرف میں جیسا کہ خط فاصل دھوپ اور سایہ کے مابین ہوتا ہے نہ سایہ میں سجے نہ دھوپ میں سے اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ انسان کا کمال فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہونے میں ہے اور فرشتے تو ان اوصاف متقاوہ سے بالکل الگ ہیں اور انسان کو ان اوصاف متقاوہ سے بالکل الگ ہونے کی طاقت نہیں اس واسطے وصف کا مکلف ہوا وہ وسط انفکاک یعنی الگ ہونے کے مشابہ ہے اگرچہ حقیقت میں الگ ہونا نہیں جیسا کہ نم گرم پانی نہ گرم ہے نہ سرد اور عود کا رنگ نہ سیاہ ہے نہ سفید سو بخل اور فضول خرچی انسان کی صفاتیں ہیں میانہ روی دونوں صفتوں میں سخی ہے نہ تو وہ بخیل ہے نہ فضول خرچ اور صراط مستقیم دونوں طرفوں کے مابین خلق میں وسط کا نام ہے جو کسی طرف بالکل نہیں وہ جال سے زیادہ باریک ہے اور جو چیز دونوں طرفوں سے نہایت دوری کو چاہے اس کو وسط پر ہی ہونا چاہیے مثلاً ایک لوہے کا حلقہ آگ میں تپایا ہوا ہے ایک چوٹی اس میں گرے جو بالطبع حرارت سے بھاگتی ہے اب وہ چوٹی مرکز پر ہی ٹھہرے گی کیونکہ محیط

اشجاعت اعتدال غضب کا نام ہے اس طرح ہر کہ انسان ان کاموں کو اختیار کرے جو شریعت کے رد سے مفید اور نیک ہیں اور غضب افراط کا نام تہور ہے وہ یہ ہے کہ انسان بے موقع جرات کرے اور غضب کی تفریط یعنی کمی کو جہن کہتے ہیں وہ بچاؤرتا ہے۔

عفت اعتدال شہوت کو کہتے ہیں اس طور پر کہ جن چیزوں کا شریعت میں قانون ہے ان چیزوں پر نفس ابھرے شہوت کی زیادتی کو لغو کہتے ہیں وہ لذات نامشرعہ اور گناہوں کا اختیار کرنا ہے شہوت کی کمی کو قنود کہتے ہیں یہ لذات مشرعہ اور طبعیات مرغوبہ سے نفس کو انقباض ہو۔

گرم یعنی حلقہ گرم سے غایت دوری پر وسط مرکز ہی ہے وہ مرکز ایک نقطہ ہے جس کا کچھ عرض نہیں پس صراط مستقیم طرفیں کا وسط ہوا جس کا کچھ عرض نہیں اور وہاں سے زیادہ باریک ہے اس واسطے اس پر ٹھہرنا قدرت بشری سے خارج ہے پس ہر شخص کو آگ پر وارد ہونا بقدر میل ضروری ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان منکم الا وادھیا اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل کیونکہ دو عورتوں کی محبت میں عدل اور وجہ متوسط پر ایسا ٹھہرنا کہ دونوں عورتوں میں سے کسی کی طرف میلان زیادہ نہ ہو کسی طرح ہو سکتا ہے جب کہ تو نے یہ بات سمجھ لی تو جان لے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے قیامت میں صراط مستقیم کو خط بندی کی طرح جس کا کچھ عرض نہیں مشکل کر دیا تو ہر انسان سے اس صراط پر استقامت کا مطالبہ ہوگا پس جس شخص نے دنیا میں صراط مستقیم پر استقامت کی اور افراط تفریط یعنی زیادتی اور کمی کی دونوں جانبوں میں سے کسی جانب میں میلان نہ کیا وہ اس میں صراط پر برابر گزر جائیگا اور کسی طرف کو نہ جھکے گا اس شخص کی عادت دنیا میں میلان سے بچنے کی تھی تو یہ اس کی وصف طبیعت بن گئی اور عادت پانچویں طبیعت ہوتی ہے سو مل صراط پر برابر گزر جائیگا اور ثبوت مل صراط قطعی حق ہے جیسا کہ شریعت میں وارد ہوا ہے فصل تو نے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور دن آخرت پر ایمان لائیکہ دلیل پوچھی سو نہ پہچاننے والے کے لئے تو اس میں کلام طویل بہادر پہچاننے والے کے لئے مختصر ہے کیونکہ جب تو نے معلوم کر لیا کہ تو حادثہ یعنی نو پیدا ہے اور یہ بھی معلوم کر لیا کہ جو حادثہ ہے پیدا کرنے والے سے مستغنی نہیں ہوتا اس سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دلیل تجھ کو حاصل ہو گئی اور یہ دو معرفتیں بہت

لا اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر

ع اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کا شوق کثرت سے پھر بھی نہ ہوا گے۔

سو تو حادثہ اسی طرح کل افراد عالم کے حادثہ ہیں کیونکہ عالم متغیر ہے اور کل متغیر حادثہ ہوتا ہے جب حادثہ یعنی نو پیدا ہوا تو حادثہ کہ نیا الی کا محتاج ہوا اور حادثہ کرنے والا خود حادثہ نہیں ہوگا بلکہ واجب الوجود ہوگا کیونکہ اگر حادثہ ہو تو وہ بھی کسی پیدا کرنے والے کا محتاج ہوگا اور وہ دوسرا تیسرے کا یہاں تک کہ یہ تسلسل بے نہایت ہو جاوے اور جو تسلسل ہوتی ہے اس کا حاصل ہونا محال ہے اگر حاصل ہو تو خلاف مفروض لازم آتا ہے جو باطل ہے کیونکہ اگر بے نہایت حاصل ہو تو وہ معروض للحد ہوگا اور ہر حد کا بل تصعیف ہے جس سے معروض للحد۔۔۔ بقیہ حاشیہ عمدہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

قریب الفہم ہیں ایک تو یہ کہ تو حادث ہے اور دوسرا یہ کہ حادث خود پیدا نہیں ہوتا اور جبکہ تو نے اپنے نفس کو پہچانا کہ تو ایسا جو ہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور غیر محسوس چیزوں کی پہچان تیرا خاصہ ہے اور بدن تیری ذات کے لئے قوام نہیں اور بدن کا معدوم اور منہدم ہونا تجھ کو معدوم نہیں کرے گا اب تو نے یوم آخر یعنی قیامت کو دلیل کے ساتھ معلوم کر لیا کیونکہ کلام مذکورہ سے یہی ثابت ہوا کہ تیرے لئے دو یوم ہیں ایک یوم حاضر ہے جس میں تو جسم کے ساتھ مشغول ہے اور ایک یوم آخر ہے جس میں تو اس جسم سے الگ ہوگا اس لئے کہ جب تیرا قوام جسم کے ساتھ نہیں ہے اور تو نے موت کے ساتھ اس جسم کی مفارقت کی سو یوم آخر ہو گیا اور جب معلوم کر لیا کہ تو نے جسم کی مفارقت سے محسوس چیزوں کی مفارقت کی اب تو یا خدا تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ منعم رہیگا جو حیرتی ذات کا خاصہ ہے اور بمقتضیٰ طبع اصلی کے تیری لذتوں کا مستحبا ہے بشرطیکہ طبیعت کو شہوات کی طرف میلان نہ ہو اور یا اللہ تعالیٰ سے جو باطنیہ طبع اصلی کے تیری خواہشوں کا مستحبا ہے حجاب کے ساتھ معذب رہیگا جو مابین تیرے اور حیرتی مراد کے حائل ہوگا اور تجھے معلوم ہے کہ معرفت کے اسباب ذکر و فکر اور غیر اللہ سے اعراض کرنا ہے اور جو مرض خدا تعالیٰ کی معرفت سے مانع ہے اس کا سبب شہواتیں اور دنیا کی حرص ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اپنے عام بندوں کو کشف کے واسطے معرفت نہ دے جیسا کہ اپنے خاص بندوں کو دی ہے اور یہ بھی تجھ کو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یعنی اپنے خاص بندوں کو کشف کے ذریعہ سے معرفت دی اب تجھ کو رسولوں کی معرفت دلیل کے ساتھ حاصل ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معرفت الفاظ اور عبارتوں کے ساتھ ہوتی ہے جو الفاظ اور عبارتیں ان...

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ۔ ہوگا اور برعکس قابل تصعیف ہے جس سے معروض للعدو کا قابل تصعیف ہونا ظاہر ہے پس جب اس کی تصعیف ہوگی تو اس کا دو چند اس سے زائد ہوگا اور زائد کی زیادتی بعد انتہا کم کے نکلا کرتی ہے جب بے نہایت مسلسل مفروض کم ہو تو بیشی ہو واجب منتہی ہوا تو بے نہایت نہ ہو حالانکہ اس کو بے نہایت لیا تھا پس ضرور ہوا کہ عالم کا پیدا کرنے والا ممکن الوجود اور حادث نہیں ہوگا بلکہ واجب الوجود ہوگا وہی خدا تعالیٰ کی ذات ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے۔ مفتی شاہ دین مسلمہ رحمہ اللہ

انبیاء علیہم السلام کے باب میں فرقہ براہمہ کا خلاف ہے کیونکہ یہ فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ انبیاء کے پیچھے میں عقل کا کچھ فائدہ نہیں ہم کہتے ہیں کہ عقل سے وہ کام معلوم نہیں ہوتے جو آخرت میں موجب نجات ہیں اور نہ مستقل طور پر اعمال نیک و بد پر ثواب و عذاب کی بقیہ حاشیہ مذکورہ بالا صفحہ

کو وحی کے وسیلہ سے سنائی جاتی ہیں خواہ سوتے ہو خواہ جاگتے اب اس سے تجھ کو خدا کی کتاب پر ایمان حاصل ہو گیا اور جب تو نے اس بات کو معلوم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال دو قسم پر ختم ہیں ایک وہ افعال ہیں جن کو بلا واسطہ کیا اور ایک وہ جن کو واسطے سے کیا اور اس کے واسطہ کے مراتب مختلف ہیں واسطہ قریبہ تو مقربین ہیں جن کو ملائکہ کہتے ہیں اور ملائکہ کی معرفت دلیل کے رو سے نہیں ہو سکتی اور اس میں کلام طویل ہے اور رسولوں کا صدق جو تو نے دلیل کے ساتھ بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ تفصیل عقل معلوم کر سکتی ہے اسی طرح کبھی بعض افعال کے نیک ہونے اور کبھی بد ہونے کو عقل بلا واسطہ انبیاء کے معلوم نہیں کر سکتی اس لئے ہماری بہبودی و نبوی نجات اخروی کے حاصل کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا جن کو خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ کسی دیگر انسان کے صرف کشف کے ذریعہ سے معرفت دی اور تصدیق نبوت کے لئے معجزات عطا فرمائے مفید ہونا اظہر من الشمس ہے جب مفید ہونا ظاہر ہے اور معجزات سے ان کی تصدیق ثابت ہے پس نجات اخروی کے حاصل کرنے کے لئے ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ ابوالحسن مفتی شاہد بن سدرہ۔

فلسفیوں کا عقیدہ ملائکہ کے بارہ میں بالکل باطل اور خلاف شرع ہے کیونکہ اول تو وہ جو اہر بخرہ یعنی عقول عشرہ کو دس میں منحصر کرتے ہیں دوسرا مادیات کے ساتھ ان کا تعلق ایجاد کا لیتے ہیں باری تعالیٰ سے عقل اول کا صدور بلا ایجاد بلکہ اول اور عقل ثانی کے لئے اس کو موجد ٹھہراتے ہیں اور عقل ثانی کو فلک ثانی اور عقل ثالث کا موجد کہتے ہیں علیٰ ہذا القیاس دس عقلیں ثابت کرتے ہیں عقل عاشرہ کو جس کو عقل فعال بھی کہتے ہیں ماتحت فلک قمر کے لیے موجد لیتے ہیں جس پر بہت سے دلائل ردی انھوں نے بیان کیے ہیں کمالیہ خفی اور ابن حزم نے ملائکہ کو ارواح بلا اجسام لیا ہے اور متکلمین نے نورانی اجسام کہا ہے صحیح قول یہی ہے کہ ملائکہ اجسام نورانی ہیں اصل خلقت ان کی بنی آدم کی صورت پر نہیں کیونکہ آدم کی صورت تمام مخلوقات کی صورت سے نرانی اور بہت اچھی صورت ہے چنانچہ قول تعالیٰ (۱) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِیْ أَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ . اس پر شاہد ہے آیت کلام اللہ سے ملائکہ کی شکل اسلی پروں والی ثابت ہوتی ہے چنانچہ قول تعالیٰ (۲) جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِیْ أَجْوَہٍ مُّشْنٰی وَ ثَلٰثَ وَرَبْعَ . اس پر دال ہے ہاں خدا تعالیٰ نے ان کو شکل بد لئے اور متشکل بشکل انسان وغیرہ ہونے کی قدرت دی ہوئی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حیوانات کو مختلف نباتات کے ویت اور وضع کے بدلنے کی طاقت دی ہوئی ہے کہ کھڑے ہونے کے وقت جو وضع ہوتی ہے مثلاً بیٹھنے سے متغیر ہو جاتی ہے اور ملائکہ کی مثل خدا تعالیٰ نے جنات کو بھی شکل بد لئے کی طاقت دی ہوئی ہے لیکن جن وشیاطین کے اجسام جبکہ اجزائے ماری و ہوائی کا خلاصہ ہیں اور ان میں شہوت و غضب بھی ہے اس لئے ان میں احتیاج کمانے پینے اور جماع کی متعلق ہے بخلاف بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

معلوم کر لیا ان کی خبر ہی ملائکہ کے صدق کے لئے کافی ہے اس پر اکتفا کر کیونکہ یہ بھی ایمان کے درجوں میں سے ایک درجہ ہے ارفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین آمنوا العلم درجات - فصل لذتیں محسوسہ جن کا جنت میں ملنے کا وعدہ ہے جیسا کہ حوریں اور کھانے پینے اور پہننے سو گھننے کی چیزیں سواں کی تصدیق واجب ہے کیونکہ یہ سب ممکن ہیں اور ان کے ممکن ہونے کا ثبوت وجہ پر اعتقاد کرنا چاہیے یا تو وہ لذتیں حسی ہوں گی یا خیالی یا عقلی حسی لذتیں تو ظاہری ہیں جیسے اس عالم میں ہو سکتی ہیں ویسے ہی اس عالم میں کیونکہ اس عالم میں ان لذتوں کا ہونا جسم کی طرف روح کے رو کرنے کے بعد ہوگا اور روح کے رو ہونے کے امکان پر دلیل کا قائم ہونا ان سب لذات حسی کے امکان کو ثابت کرتا ہے اور بعض لذتیں جو عظیم الشان اور نہایت درجہ کی مرغوب الطبع نہیں جیسا کہ دودھ اور ربشی کپڑے اور کیلہ کے درخت جن کا شرہ بہ برتہ ہو اس کی مانع نہیں ہیں کیونکہ یہ لذتیں ان لوگوں کیلئے ہوں گی جن کو حاجت اور رغبت ان میں زیادہ ہوگی اور بہشت میں جس چیز کو جس کا جی چاہے سو ہے اور ان کو وہ لوگ چاہیں گے جن میں نئی خواہش پیدا ہوگی اور جو لوگ ان کو نہیں چاہتے اور ان سے لذت نہیں پاتے ان میں نئی خواہش پیدا کی جاوے گی کیونکہ لذتیں شہوتوں کے موافق ہوتی ہیں جیسا کہ جماع کی صورت بدون شہوت کے لذت کو نہیں چاہتی بلکہ نفرت کو چاہتی ہے اللہ تعالیٰ نے خواہشوں کو پیدا کیا اور لذتوں کو ان کے موافق بنایا خدا کے ویدار کی لذت کی تصدیق وہی کرتے ہیں جن کو خدا چاہے تمام نہیں کرتے اگرچہ ظاہرین تمام اقرار کرتے ہیں کیونکہ جب ان میں معرفت نہیں ہے تو شوق بھی نہیں پس اور اک لذت بھی نہیں لیکن قیامت میں اللہ تعالیٰ ان کے شوق اور محبت اور معرفت کو بڑھا دیگا یہاں تک کہ دیدارِ الہی کی لذت ان کو بڑی معلوم ہوگی اور لذتوں خیالی کا بھی ممکن ہونا محض نہیں ہے جیسا کہ خواب میں مگر اتنا فرق ہے کہ خواب کی لذت جلدی منقطع ہو جانے کے سبب حقیر

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ ۔۔۔ فرشتوں کے کہ وہ گناہوں سے معصوم اور کھانے پینے و جماع کی حاجت سے پاک ہیں ان کو روحانیت اور ملائکہ اور ارواح اور ملکوت سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں اور فرشتہ کو فارسی میں سروش اور ہندی میں دیوہ بولتے ہیں ۔۔۔ مفتی شاہ دین سکر رہے

(۱) البتہ ہم نے پیدا کیا انسان کو بہت اچھی صورت میں۔ (۲) جس نے ٹھہرائے فرشتے پیغام لانے والے جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار۔ ..... اے بلند کرتا ہے اللہ درجے ان لوگوں کے جو ایمان لائے جس تم میں سے اور ان لوگوں کے جو دھڑے گئے ہیں ظلم۔

یعنی خدا تعالیٰ باوجودیکہ جسم اور عوارض جسمی یعنی صورت محسی اور مقیدار اور جہات و تقدیرات محسوسہ

ہے اگر ہمیشہ رہتی تو لذات حسی اور خیالی میں کچھ فرق نہ ہوتا کیونکہ انسان کا لذت یاب ہونا ان صورتوں میں ہوتا ہے جو خیال اور حس میں نقش پذیر ہوتی ہیں نہ ان کے وجود خارجی سے اگر وہ صورتیں خارج میں پائی جاویں اور حس میں نقش پذیر نہ ہوں تو لذت نہیں ہوتی اور اگر وہ صورت جس کا حس میں نقش ہوا ہے باقی رہے اور خارج میں پائی جاوے تو لذت ہمیشہ رہتی ہے اور قوت خیالیہ کو اس عالم میں صورتوں کے اختراع یعنی نو ایجاد کرنے کی قدرت ہے مگر اس کی صورتیں نو ایجاد کی ہوئیں خیال میں ہی ہوتی ہیں جو حس ظاہری سے محسوس نہیں ہوتیں اور قوت باصرہ میں منقش ہوتی ہیں اس لئے اگر بہت عمدہ صورت کا قوت خیالیہ ایجاد کرے اور وہ ہم کرے کہ میرے مشاہدہ اور حضور میں ہے تو اس صورت کی لذت بڑی نہیں ہوتی کیونکہ وہ صورت آنکھوں سے دیکھی نہیں گئی جیسا کہ خواب میں ہوتا ہے اور قوت خیالیہ کو جیسا کہ خیال میں صورت کے نقش کرنے کی قوت ویسا ہی ہے اگر قوت باصرہ میں اس کے نقش کرنے کی قوت ہوتی تو اس صورت کی لذت بڑھ جاتی اور وہ صورت خیالیہ بمنزلہ صورت خارجی کے ہو جاتی اور دنیا و آخرت میں صورت کے منقش ہونے میں تو کچھ فرق نہیں ہوگا مگر اتنا ہی فرق ہوگا کہ آخرت میں قوت باصرہ میں صورت کے نقش ہونے کی کمال قدرت ہوگی سو جس چیز کو دل چاہے گا وہ چیز اس کے خیال میں حاضر ہو جائیگی پس اس کا چاہنا تو اس کے خیال میں آنے کا سبب اور اس کا خیال میں آنا اس کے دیکھ لینے کا سبب ہوگا یعنی قوت باصرہ میں نقش ہو جائے گی اور جس چیز کی اس کو رغبت ہوگی جب اس کا خیال کرے گا وہ چیز اسی وقت اس طرح موجود ہوگی

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ اور اطراف سے پاک ہے یہ یعنی بیہولی و صورت یا جواہر فردہ یا مقدار یہ دار آخرت میں آنکھوں سے دکھائی دے گا جیسا کہ لفظ قطعی سے ثابت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وجہہ یومئذ ناظرۃ الی رہباننا ظرۃ (۱) لیکن یہ نرالی قسم کی رویت بصری ہوگی اس دیدار کا امکان عقل کے رو سے بھی ظاہر ہے کیونکہ یکنا ایک قسم کا علم اور کشف ہے کما انکشاف میں اس سے کامل اور واضح تر ہے پس جبکہ یہ درست ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم متعلق ہے حالانکہ وہ کسی جہت میں نہیں اور جیسا کہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلی کو دیکھتا ہے اور ان کے مقابل نہیں پس یہ بھی درست ہوا کہ خلق اس کو دیکھے اور مقابلہ نہ ہو اور جس طرح اس کا جاننا بدون کیفیت اور صورت کے ہو سکتا ہے اسی طرح اس کا دیدار بھی بے کیفیت و صورت جسم ہونے کے ممکن ہے فرض کہ عقل کے ارادہ سے دیدار الہی کا امکان ثابت اور شریعت میں اس کا صراحتاً ثبوت ہے اس لئے اس کی تصدیق واجب ہے۔

مشق شاہ دین سلمہ پنہ -- (۱) اس دن ہمارے ہیں اپنے رب کی طرف دیکھتے۔

کہ اس کو دیکھئے گا رسول مقبول ﷺ کے قول میں اسی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرمایا ہے ان فسی الجنة سوقا یباع فیہ الصور یعنی بازار سے یہاں لطف الہی مراد ہے جو اس قدرت کا بیع ہے جس سے ارادہ کے موافق صورتوں کا اختراع و ایجاد اور قوت باصرہ میں ان کا نقش ہو گا اور وہ نقش ارادہ کے دوام تک یعنی جب تک خدا چاہے باقی رہے گا ایسا منقش نہیں ہو گا جو بے اختیار دور ہو سکے جیسا کہ دنیا میں بے اختیار خواب میں زوال ہو جاتا ہے اور یہ قدرت جس کی اوپر تشریح ہو چکی ہے بہت وسیع اور کامل ہے بہ نسبت اس قدرت کے جو خارج حس میں ایجاد کرنے پر ہے کیونکہ خارج حس میں جو موجود ہوتا ہے وہ دو مکانون میں پایا نہیں جاتا اور جب ایک شے کے سننے میں مشغول یا ایک شے کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے تو غیر سے محجوب ہو جاتا ہے اور یہاں تو بڑی ہی وسعت ہے کہ جس میں کسی طرح کی تنگی اور کسی طرح کی روک نہیں یہاں تک کہ اگر اس نے ایک شے کے دیکھنے کا ارادہ کیا مثلاً ہزار شخص کا ہزار مکان میں ایک ہی حالت میں دیکھنا چاہا تو وہ ان سب کو مختلف مکانون میں موافق ارادہ کے مشاہدہ کر لے گا اور موجود خارجی کا دیکھنا ایک ہی مکان میں ہوتا ہے اور امر آخرت کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اس میں بہت وسعت اور پوری پوری خواہشیں ہونگی اور وہ خواہشوں کے بہت موافق ہو گا اور اس کا صرف حس میں موجود اور خارج میں نہ پایا جانا کچھ اس کے مرتبہ کو نہیں گھناتا کیونکہ اس کے وجود سے مقصود لذت ہے اور لذت وجود حسی سے ہوتی ہے جب اس کا وجود حسی ہو گا تو اس کی لذت پوری پوری پائی جائے گی اور باقی یعنی خارجی وجود تو فضلہ ہے جس کی کچھ حاجت نہیں اور اس وجود خارجی کا اس لئے اعتبار ہوتا ہے کہ وہ مقصود کے حاصل کرنے کے لئے ایک طریق ہے اور اس کا مقصد کے لئے ایک طریق ہونا اس دنیا میں ہی ہے جو بہت تنگ اور قاصر ہے اور عالم آخرت میں مقصد کے حاصل کرنے کے لئے طریق کی وسعت ہے کچھ یہی طریقہ مقرر نہیں ہے اور تیسری وجہ یعنی لذت عقلی کا ممکن ہونا بھی کچھ عقلی نہیں کیونکہ ضرور ہے کہ یہ محسوسات لذات عقلی کی مثالیں ہوں جو محسوس نہیں ہیں اس لئے کہ عقلی چیزیں مختلف قسموں پر منقسم ہوتی ہیں جیسا کہ حسی چیزیں پس حسیات ان کی مثالیں نمبر ہیں اور حسی چیزوں میں سے ہر ایک اس لذت عقلی کی مثال بنے گی جس کا رتبہ اس کے برابر ہو گا مثلاً

۱۔ حنت میں ایک بازار ہے جس میں صورتیں دی جائیں گی۔ ترمذی نے بروایت علیؓ یہی مضمون بیان کیا ہے بانکہ زیادت الفاظ اس کے یہ ہیں (ان فسی الجنة لسوقا ما فہیہا شری ولا بیع الا الصور من الرجال والنساء الحدیث۔ مفتی شاہ دین سہروردی۔)

کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ سہری اور پانی جاری اور خوش شکل نہریں دودھ اور شہد اور شراب کی بھری ہوئیں اور درخت جواہر اور یا قوت اور موتوں کے ساتھ مرین اور گل سونے اور چاندی سے بنائے ہوئے اور دیواریں جواہر سے مرصع خادم ایک جیسے اس کے آگے خدمت کے لیے کھڑے ہیں اب اگر تعبیر کرنے والا اس کی تعبیر کرے گا تو لذت اور خوشی ہی کے ساتھ کرے گا اور ان سب کو ایک ہی نوع پر قیاس نہیں کرے گا بلکہ ہر ایک کو لذت کی علیحدہ علیحدہ قسم پر محمول کرے گا بعضوں سے تو لذت علم اور کشف معلومات اور بعضوں سے لذت ملک اور حکومت اور بعضوں سے مقبور اور ذلیل ہونا دشمنوں کا اور بعضوں سے دوستوں کی ملاقات مراد لے گا اگرچہ ان سب کا نام لذت اور سرور رکھا ہے لیکن یہ تمام مرتبوں اور لذتوں میں مختلف ہیں ہر ایک کا مذاق علیحدہ علیحدہ ہے لذت عقلی کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے اگرچہ وہ لذتیں عقلی نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل پر ان کا خیال گزرا اور ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے لئے یہ تمام لذتیں ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو بقدر استعداد ملے پس جو شخص تقلید میں مشغول اور صورتوں ہی میں مدہوش ہے اور حقائق کا رستہ اس کو نہیں کھلا اس کے لئے صورتیں ہی مشکل کی جائیں گی اور عارف لوگ جو عالم صورت اور لذات حسی کے حقائق دیکھ رہے ہیں ان کے لیے عقلی سرور اور لذات کے لطائف کھولے جائیں گے جو ان کے مراتب اور خواہشوں کے لائق ہوں کیونکہ بہشت کی تعریف یہی ہے کہ اس میں جس کا جو دل چاہے موجود ہے جبکہ خواہشیں مختلف ہوئیں تو عطیات اور لذات کا مختلف ہونا بعید نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وسیع ہے اور قوت بشری قوت ربانی کے عجائبات کے احاطہ کرنے سے قاصر ہے اور رحمت الہی نے نبوت کے وسیلہ سے خلق کو اسی قدر سمجھا دیا ہے جس قدر سمجھ سکتی تھیں اب جو سمجھا اس کی تصدیق واجب ہے اور جو امور بخشش الہی کے لائق ہیں خواہ سمجھ میں آئیں یا نہ ان سب کا اقرار واجب ہے اور ان کا ادراک نہیں ہو سکتا مگر فسی متعدّد صدفی عند ملوک مقتدر یعنی پچی بیشک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے۔

## فصل

اگر تو کہے کہ یہ لذتیں حسی اور خیالی ہیں جن کا جنت میں وعدہ ہے حسی اور خیالی تو توں کے ساتھ ہی ادراک میں آئیں گی اور یہ تو جسمانی قوتیں ہیں جسم میں ہی پیدا ہوتی ہیں ایسا ہی



قبر کا عذاب اور جہنم کا عذاب جسمانی قوتوں کے ساتھ ہی ادراک اور سمجھ میں آئے گا جبکہ روح جسم سے الگ ہوگی اور جسم کے اجزاء تحلیل ہو جائیں گے اور قوی حسیہ اور خیالیہ دور ہو جائیں گی پھر کیونکہ زکوٰۃ نہ دینے والے کے لئے منجانبِ سانپ متشکل ہوگا اور کافر پر قبر میں نناویں عذاب سانپ کس طرح مسلط ہونگے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کیونکہ یہ دونوں صورتیں خیالی ہونگی یا حسی ہونگی جس اور خیال دونوں موت کے ساتھ ہی باطل ہو گئے ہیں ان کا ثبوت کس طرح ہوا اب جان کر اس امر کا منکر وہ ہے جو حشر اجداد کا منکر ہے اور روح کا عود کرنا جسم کی طرف محال جانتا ہے حالانکہ اس کے محال ہونے پر کوئی تحقیقی دلیل قائم نہیں ہوئی بلکہ بعید نہیں ہے کہ بعضے جسم اسی لئے بنائے گئے ہوں کہ نفسِ ح موت کے بعد ان میں حلول یعنی ان سے متعلق ہو اور یہ بات کچھ محال نہیں نہ تو قبر میں اور نہ قیامت میں اور جو معتقدین نے اس کے محال ہونے پر دلائل بیان کیے ہیں وہ دلائل تحقیق نہیں ہیں اور شرع شریف میں تو اس کا ثبوت ہے پس اس کی اے خارجی اور اکثر معتزلہ اور بعض مرہبہ عذابِ قبر کے منکر ہیں اس خیال سے کہ مردہ میں جب ادراک نہیں تعذیب و محصم اس کی محال ہے لیکن یہ خیال ان کا پاس ہے کیونکہ جب ارواح کے لئے فنا نہیں چنانچہ قول آنحضرت ﷺ کا خلقتم لہلابد اس پر مال ہے پس موت سے رفع تعلق کے بعد قبر میں دوبارہ اس کا تعلق من وجہ ہو جاتا ہے جو موجب ادراک ہو امر ممکن ہے جس سے تعذیب و محصم کا امکان ظاہر ہے اور جب دلائل شرعی بھی صراحتاً اس پر مال ہیں اس لئے اس کی تصدیق واجب اور ان کا انکار محض جہالت ہے۔ مفتی شاہ دین سلفیہ۔

۲ بخاری بروایت ابو ہریرہؓ ہائیک زیادۃ ثمرات خرت۔

۳ نناویں اثر و حاک کے کافر پر قبر میں مسلط ہونے کی حدیث داری نے بروایت ابی سعید بیان کی ہے اور ترمذی کی روایت میں نناویں جگہ متر کا نہ آیا ہے مفتی شاہ دین سلفیہ۔

۴ نفس کا تعلق موت کے بعد بعض نئے اجسام کے ساتھ شرع میں ثابت ہے چنانچہ ارواح شہداء کا ہنر پرندہ کہ شکم میں ہونا یعنی اس جانور کے شکم سے متعلق ہونا جو جنت کی نہروں میں پھنکے گا اور عرش کے نیچے قندیلوں میں جگہ پکڑے گا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے مسلم بروایت ابن مسعود بیان کیا ہے اور اس سے نتائج باطل جس کے وجود قائل ہیں کہ دنیا میں ایک روح ایک جسم غصری سے جو متعلق ہو اور اس روح سے اس جسم غصری کا نشو و نما ہو بعد رفع ہونے اس تعلق کے دوسرے جسم غصری سے جو پہلے جسم سے مغایر ہوتا ہے متعلق ہو جاتی ہے اور اس کا نشو و نما کرتی ہے لازم نہیں آتا کیونکہ شرع میں ارواح شہداء کا جن جانوروں سے تعلق ثابت ہوا وہ جانور اجسام غصری، بی حیاتیہ، مدہ مسلطہ، پلاغفرائیں۔۔

تصدیق واجب ہے اور فلاسفہ کے نزدیک جو اس کے محال ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی اس کا ثبوت یہ ہے کہ فلاسفہ کے افضل متاخرین یعنی بوعلی سینا نے اپنی کتاب نجات اور شفا میں جسم کی طرف اعادہ روح کا (نہ) محال ہونا ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ بعید نہیں ہے کہ بعض اجسام ہادی اس لئے بنائے گئے ہوں کہ نفس موت کے بعد ان میں حلول کرے اور اس نے اسی کی ایک حکایت اپنے بڑے سے یوں بیان کی ہے کہ اس عدم استحالة کے قائل بعض اہل علم میں جو

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ۔۔۔ سے نہیں ہیں اور نہ ان جانوروں کو ان روحوں سے نشوونما ہوتا ہے بلکہ ارواح شہداء کی صرف ان سے متعلق ہو کر لذتیں حاصل کرتی ہیں بغیر تکلف اور محنت کے جیسا کہ گھوڑے کا سوار حالت سواری میں لذت حاصل کرتا ہے حالانکہ مرکب یعنی گھوڑے کی روح جو اس کے بدن میں مقرب ہے اور سوار کی روح اور باقی رہا ارواح شہداء کے لئے یہ خصوصیت سواس کی وجہ یہ ہے کہ ارواح شہداء نے جبکہ خدا کی راہ میں جان نثاری کی جو وہ جب جدائی بدن کے ہوئی اس لئے یہ بدن ان کو بدلے اس بدن کے ملا کیونکہ جزاء موافق عمل کے ہوا کرتی ہے اور اسی تلمذ و غیرہ کے حصول کی جہت سے انکو زندہ کہا جاتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ مَلِ أَعْيَاءٌ (نجم) کیونکہ مرنا وہی وجب مفارقت بدن اور مائع کسب جدید و ترقی مراتب ارواح و حصول تلمذ کا ہوتا ہے اور ان کی ارواح کو ایک جسم سے تعلق ہو کر تلمذ حاصل ہے اس لئے ان کو ایک قسم کی حیوة ثابت ہوئی اور یہ حیوة مثل دنیاوی حیات کے نہیں کیونکہ اجسام متعلقہ سے نہیں ان کو علاقہ تدبیر و تصرف کا نہیں ایسے ہی مٹانے کو جو بلا تدبیر اور تصرف کے ہو بوعلی نے محال نہیں گنا اور قارہاں سے اسی کی حکایت کی ہے چنانچہ طوسی نے شرح اشارات میں لکھا ہے: شمس انہما لا یسجوزان تکون معطلة من الادراك وکانت مما لا یدرک لا بالات جسمانیة فذہب بعضهم الا انها تتعلق باجسام اخری ولا یحلوا ما ان لا تصیر صورة لها وبذا ما ذکره الشیخ و مال الیہ او تصیر فتکون نفوسا لہا وهذا القول بالنساک الذی سیطله الشیخ اما المذہب الاول فقد اشار الیہ فی کتاب السہداء والسماد و ذکر ان بعض اهل العلم من لا یجوز ان یقولوا فیہ یرید القارہا ہی قال قولاً و ہوات ہولاء و اذا فارغوا البدن (نجم) اور جس تنازع کا بوعلی نے استحالة بیان کیا ہے اس سے جسم اصلی کی طرف نفس مفارقت کا اعادہ محال ہونا ثابت نہیں ہوتا باقی رہا حکماء کا وقت کو عوارض شخصہ معتبرہ فی الوجود سے لیکر اعادہ بعد دم بعینہ کے استحالة سے حشر اجساد کا استحالة ثابت کرنا سو بنائے قاسد علی القاسد ہے، بہر حال یہ حد وسطیہ بلکہ اندر مائیں

یہودہ کو نہیں اس سے معلوم ہوا کہ بونلی کو اس قاعدہ میں شک ہے اور اس کے محال ہونے پر کوئی سبقہ۔ کمالا خلیٰ فریضیکہ ارواح کا اپنے ابدان منارقدہ کے ساتھ دوبارہ تعلق ہو جانا محال نہیں بلکہ امر ممکن ہے اور شریعت میں قبر اور قیامت میں دوبارہ تعلق ہونے کا سر اصل ثابت بھی ہے اس لئے اس کی تصدیق واجب ہے اسی طرح دنیا میں اپنے اجسام کے ساتھ بعض ارواح کا دوبارہ تعلق ہو جانا امر ممکن ہے چنانچہ بعض مردے باسرا لکی زندہ ہوئے یا حسب مذہب جمہور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد پنجونہوں کے اجسام کی شکل نکال کر حضرت آدم علیہ السلام کو جو دکھائی گئی اور ان کو الست برکم کہا گیا جس کے جواب میں انھوں نے یٰٰلیٰ کہا جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے واذا حل

ربک من بنی آدم من ظهورهم ذریبتهم واشھدھم علی انفسھم الست برکم قالوا بلی شھدنا (☆ ۳)۔ پس ایک تو اس وقت ارواح کا تعلق اپنے اپنے اجسام سے ہوا پھر دوبارہ جب وہی اجسام بسبیل نقطہ نسل بعد نسل اپنے اپنے وقت مقررہ پر ظہور میں آتے گئے ارواح کا ان سے تعلق ہوتا گیا اور یہاں مذہب جمہور کی اس لئے قید لگائی گئی کہ بعض محققین اس کے خلاف پر ہیں چنانچہ دغشتری اور شیخ ابو منصور اور فہار ج وغیرہ قولہ تعالیٰ واذا حذر ربک من بنی آدم ظہورھم الا یہ کو باب تمثیل سے لیتے ہیں اور معنی اس کے یوں کرتے ہیں اولاد آدم کو اپنے باپوں کی پشت سے پیدا کیا اور ان کے واسطے لہلہ اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر قائم کیوں اور ان کو عقل جو ہدایت اور گمراہی میں تمیز کرنے والی ہے پس گویا کہ ان کو اپنے نفس پر گواہ بنایا گیا اور ان کو الست برکم کہا گیا اور گویا کہ انھوں نے اس کے جواب میں یٰٰلیٰ انت ربنا کہا اور انکی جہت یہ ہے کہ من بنی آدم ظہورھم خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے نہ کہ من ظہر آدم اور دوسرے یہ کہ سوال و جواب تو ہم کو یاد ہی نہیں پھر اس کے جہت ہونے کی کیا صورت جس کا جواب بعض مفسرین کی کلام سے یہ نکلتا ہے کہ خبر صادق کا اس امر کو یاد دلانا خود اپنی یاد کے قائم مقام ہے جس سے اس کا جہت ہونا ظاہر ہے لیکن یہ جواب تکلف سے خالی نہیں۔ کمالا خلیٰ۔ مفتی ضاء الدین ص ۲۰۰۔

(☆ ۱) پھر تحقیق کہ وہ نفوس نہیں جائز کے معطل ہوں اور اک سے اور تجھے وہ کہ نہیں اور اک کرتے تھے مگر آلات جسمانیہ کے ساتھ پس بعض اس طرف گئے ہیں کہ وہ متعلق دوسرے اجسام سے ہو جاتے ہیں اور نہیں خالی اس حال سے کہ یا تو ان کی صورت نہ ہوگی اور اس کا شیخ نے ذکر کر دیا اس کی طرف میان یا صورت کے ہو جائینگے پس ان اجسام کے نفوس نہیں گئے یہی قول تاج کا جن کو شیخ باطل کرے گا لیکن مذہب اول کی طرف کتاب مبدا اور معاد میں اشارہ کیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ بعض اہل علم نے جو اپنی کلام میں یہودہ کو جس میں گمان کرتا ہوں کہ شیخ کی مراد فار علی ہے کہا ہے ایک قول اور وہ یہ ہے کہ یہ نفوس جس وقت اپنے بدن سے الگ ہوئے۔ (☆ ۲) اور دیکھو جو کئی مارا چلوے اللہ کی راہ میں کہ مردے ہیں نہ جگہ و زندہ ہیں۔

(☆ ۳) اور جس وقت میرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی اولاد اور اقرار کر دیا ان سے ان کی جان پر کہا میں نہیں ہوں رب تمہارا بولے البتہ ہم قائل ہیں۔

دلیل اس کے نزدیک قائم نہیں ہوئی اگر یہ محال ہوتا تو اس کے قائل کو یوں نہ کہتا کہ وہ بے ہودہ گو یا درنگو نہیں کیونکہ امر محال کے قائل ہونے سے اور کونسا جھوٹ بڑھ کر ہے بعض اوقات قائل یوں کہتا ہے کہ پہلی نے اس کا ذکر بطور تفسیر کے کیا ہے کیونکہ کتاب انفس میں جو اس نے مسئلہ تنازع کا بیان کیا ہے اس میں نفس کے تنازع ابدان کا استعمال ثابت کیا ہے اور یہ بعینہ حشر اجساد و ابطال کی دلیل ہے سو ہم یوں کہتے ہیں کہ تنازع کے محال ہونے میں دلیل بیان کی ہے وہ دلیل تحقیقی نہیں ہے کیونکہ اس نے تنازع کے محال ہونے میں یہ بیان کیا ہے کہ اگر روح کا اعادہ جسم کی طرف ہو تو اس کا اس جسم کی طرف اعادہ ہوگا جو قبول کی استعداد رکھتا ہے اور جو قبول کی استعداد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح کا افاضہ اس کی طرف ہو گیا اس لئے کہ جسم مستعد بذاتہ صورت کے قبول کرنے کا مستحق ہے اور اس کا مستحق ہونا روح کے فیضان کو چاہتا ہے اور نفس مفارقت بھی اس کے ساتھ متعلق ہوا اب ایک بدن کے لئے دو نفس ہوئے اور یہ محال ہے اور اس دلیل مذکورہ کو حشر اجساد کے معلوم ہونے میں استعمال کر سکتے ہیں یہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجسام کی استعدادیں مختلف ہوں ایک جسم میں ایسی استعداد ہو جو نفس مفارقت کے مناسب ہو جو اول موجود تھا یہاں تک کہ وہ جسم اس نفس کے ہی تدبیر کے ساتھ مختص ہو اور نئے نفس کے فیضان کا محتاج نہ ہو کیونکہ مثلاً اگر ایک حالت میں رحوں یعنی بچہ دانوں میں دو نطفہ قبول نفس کے مستعد ہوں تو واجب الصور یعنی جناب الہی سے ان کی طرف دونوں کا فیضان ہوگا اور ان دونوں نطفوں میں سے ہر ایک ایک نفس کے ساتھ خاص ہوگا اور اس کا مختص ہونا اس میں نفس کے حلول ہونے کی جہت سے نہیں ہے اس لئے کہ نفس کا جسم میں عوارض کی طرح حلول ہی نہیں ہوتا بلکہ دونوں مستعد جسموں میں سے ایک جسم کا ایک نفس کے ساتھ مختص ہونا اس مناسبت کے سبب سے ہے جو ان کے مابین اوصاف کی جہت سے ہے ایسا ہی دوسرے جسم کا دوسرے نفس کے ساتھ مختص ہونا پس جبکہ دو نفس متناسب ہیں میں یہ اختصاص ہو سکتا ہے تو نفس مفارقت میں جو اول سے موجود تھا اور نئے نفس میں کیونکر نہیں ہو سکتا سو جب ایک جسم مستحق کو نفس مفارقت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی تو وہ جسم واجب الصور یعنی خدا تعالیٰ سے نئے نفس کے فیضان کا محتاج نہیں ہوگا جب وہ محتاج نہ ہو تو اس پر نئے نفس کا فیضان بھی نہیں ہوگا اس کلام کے لئے زیادہ تقریر ہے میں اس میں غرض نہیں کرتا کیونکہ مقصود اس بات کا بیان کرنا ہے کہ جو شخص حشر اجساد کا انکار کرتا ہے اس کے لئے کوئی دلیل نہیں جب اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہوئی تو موت کے بعد قبر اور قیامت میں اور اکات حسیہ اور خیالیہ کا ہونا سمجھا گیا۔ اگر کوئی یہ کہے

کہ ہم میت کو دیکھتے ہیں اس کو نہ کچھ حس ہوتی ہے نہ حرکت ہم کہتے ہیں کہ مکتہ والے کو بھی ہم ایسا ہی دیکھتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اور اک ایسی چھوٹی جزو کے ساتھ قائم ہو کر وہ جز غیر متجری ہونے کے قریب ہو اور میت کے دیکھنے والا اس کو نہ دیکھے اس میت میں حرکت کے دیکھے جانے کا کچھ اعتبار نہیں۔

## فصل

احد یت شریف میں جو آیا ہے کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کے دفتر میں منتقل ہونگی اور مظلوم کی برائیاں ظالم کے دفتر میں سوا بعض اوقات جو شخص جو ہر نبوت کے اسرار احادیث کو نہیں سمجھتا وہ اس کو محال جانتا ہے اور کہتا ہے کہ نیکیاں اور برائیاں اعمال اور حرکات میں اور اعمال و حرکات تو گذر چکے اور دور ہو گئے پھر معدوم کا انتقال کیونکر ہو گا بلکہ اگر اعمال اور حرکات باقی بھی رہیں تو وہ عوارض ہیں پھر عوارض کا انتقال کیسے ہو گا ہم کہتے ہیں کہ ظلم کے سبب نیکیوں اور بدیوں کا منتقل ہونا ظلم کرنے کے وقت دنیا میں ہی ہوتا ہے لیکن اس کا انکشاف قیامت کو ہو گا پس اپنی طاعت کو دوسرے کے دفتر میں اور دوسرے کی بدیوں کو اپنے دفتر میں دیکھے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَمَن الْمَلِكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ آخرت میں اس طرح کے ہونے کی خبر دی مالا نکتہ دنیا میں بھی تو ایسا ہی کچھ اسکا آخرت میں تجد نہیں ہو گا لیکن سب خلقت کو اس کا انکشاف قیامت میں ہی ہو گا اور جس چیز کو انسان نہیں جانتا وہ چیز اس کے لئے موجود نہیں ہوتی اگرچہ وہ چیز واقع میں موجود ہو جب اس کو جان لیتا ہے تو اس وقت اس کے لئے موجود ہو جاتی ہے پس گویا اس کے حق میں موجود ہوئی اور اس حالت میں اس کے بننے ہونے کا اعتقاد کرتا ہے چنانچہ تجد وجود کا وہم کرتا ہے پس جو شخص کہتا ہے کہ معدوم کس طرح

بخاری نے بیعت ابو ہریرہ قریب قریب اس کے ایک حدیث بیان کی ہے اس میں دفتر کا ذکر نہیں مضمون حدیث بخاری کا یہ ہے کہ اگر ظالم کے اعمال صالح ہونگے بقدر ظلم کے اس کے عمل لیکر مظلوم کے دیئے جائیں گے اور اگر عمل صالح نہ ہوئے مظالم کے گناہ اس سے اٹھا کر ظالم پر رکھے جائیں گے اس میں اعمال صالح یا گناہوں کے دیئے جانے سے ان آثاروں کے انتقال مجازی مراد ہے اس قسم کی احادیث میں بعض اہل حدیث کا قول تعالیٰ الامر و الامر و الامر آخری آیت کے ساتھ خدشہ کرنا یا اس قسم کے انتقال کو محال سمجھنا محض جہالت ہے مفتی شاہ دین سدر ہے۔

انتقال کرے گا اس تقریر سے اس کا قول ساقط ہو گیا اور یہ بھی جواب ہے کہ طاعت کے منتقل ہونے سے اس کے ثواب کا انتقال مراد ہے نہ خود طاعت کا منتقل ہونا لیکن جبکہ طاعت سے مقصود ثواب ہوتا ہے اس کے مقصود کو نقل کرنے کو نقل طاعت کے ساتھ تعبیر کیا گیا اور یہ بات مجاز اور استعارہ میں شائع ہے اگر یہ کہا جائے کہ طاعت کا ثواب یا تو عرض ہوگا یا جو ہر اگر عرض ہے تو اس کے انتقال میں اشکال باقی ہے اگر جو ہر ہے تو وہ جو ہر کیا ہے کہتا ہوں کے ثواب طاعت سے اثر طاعت مراد ہے کہ دل کو نورانی کرتا ہے اور گناہ سے اس کی تاثیر مراد ہے کہ دل کو سخت اور سیاہ کرتی ہے انوار طاعت سے تو بندہ قبول معرفت اور مشاہدہ حضرت ربوبیت کا مستعد ہوتا ہے اور سخت اور سیاہ ولی میں مشاہدہ جمال الہی سے دوری اور حجاب کا مستعد ہوتا ہے سو طاعات دل کے نور اور صفائی کے وسیلہ سے لذت مشاہدہ کو پیدا کرتی ہیں اور گناہ دل کی غلٹ اور سختی کی جہت سے حجاب کو پیدا کرتے ہیں اب نیکیوں اور بدیوں کے اثرات میں تعاقب اور تضاد ظہر اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الحسنات یذہبن السيئات اور رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں اتبع السيئة الحسنة تمحها و اتبع الحسنة السيئة اور تکلفیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں چنانچہ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں ان الرجل یشاب علی کل شیء حتی الشوكة تصیب رجله مع اور رسول مقبول ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کفارات لا ہلھا یعنی تکلیفیں موجب کفارہ ہیں تکلیف زدوں کے لیے سو ظالم ظلم کے سبب مشاہدہ کا درجہ بعد طے کرنے منازل سلوک کے حاصل ہوتا ہے جن سے میں اول منزل تو پہ ہے دوسری تزکیہ و تصفیہ نفس صفات ذمیرہ کے دور کرنے اور صفات حمیدہ کے حاصل کرنے سے اللہ تعالیٰ دوام ذکر لسانی قلبی و روحی مسمیٰ یعنی ناسوتی و ملکوتی و جبروتی و لا ہوتی ان منازل کے طے کر نیے بعد سالک کو مشاہدہ حضرت ربوبیت کا ہوتا ہے الصمیم ارزقا اور آنحضرت ﷺ نے احسان یعنی اخلاص کے بیان میں جو فرمایا ہے کہ ان تعبد اللہ کان تک تراد فان لم تکن تراد فانہ یراک چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اس میں حالت دل کو صوفی مشاہدہ کہتے ہیں دوسری حالت کو حضور قلبی سے ماخذ کرتے ہیں۔ مفتی شاہ ودین سلمہ رہ۔

حالیہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو۔

سیدی کے چچے بچی کرکاس کو مراد سے ترمذی ہانک زیادت و راول و اخر مع تحقیق آدمی بدلا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ کانٹے پر بھی جو اسے پاؤں کو گتے ترمذی نے بروایت عائشہ یہی مضمون بیان کیا ہے الفاظ اس کے یہ ہیں قالت قال رسول اللہ ﷺ تصیب المؤمن شوکتہ فما فوقھا الارفعہ اللہ بہا و بہہ رخص بہا خطیئۃ۔ مفتی شاہ ودین سلمہ رہ۔

خواہش نفسانی کا اجماع کرتا ہے اس سے اس کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے اور طاعت کی جہت سے جو اس کے دل میں اثر نور کا تھا دور ہو جاتا ہے پس گویا کہ اس کی طاعت ہی چھینی گئی اور مظلوم تکلیف پاتا ہے اور خواہش نفسانی اس کی دور ہو جاتی ہے اس سبب سے اس کا دل ابروٹن ہو جاتا ہے اور سیاہی اور سختی دل کی جو اس کو نفسانی خواہشوں کے اجماع سے حاصل تھی دور ہو جاتی ہے اب گویا کہ نور خالم کے دل سے مظلوم کے دل کی طرف منتقل ہوا اور سیاہی نے مظلوم کے دل سے خالم کے دل کی طرف انتقال کیا فیکوئوں اور بدیوں کے انتقال سے یہی مراد ہے اگر کہا جاوے کہ یہ تو انتقال حقیقی نہیں بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ خالم کے دل سے نور باطل ہو گیا اور مظلوم کے دل میں ایک نئی تاریکی پیدا ہو گئی یہ انتقال حقیقی نہیں ہم کہتے ہیں کہ نقل فعل بھی اس قسم پر بھی بطور مجاز اور استعارہ کے بولا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے **انتقل الظل من موضع الى موضع** یعنی سایہ نے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف انتقال کیا اور یہ بھی بولا جاتا ہے **انتقل نور الشمس والسراج من الارض الى الحائط ومن الحائط الى الارض** یعنی آفتاب اور چراغ کی روشنی زمین سے دیوار کی طرف اور دیوار سے زمین کی طرف منتقل ہوئی اور (مثلاً) جب حرارت موسم گرما میں زمین پر غالب ہوتی ہے تو طبیعی یوں بولتا ہے **انھز مت البرودة الى باطنها** اور انھزام انتقال ہی کو کہتے ہیں اور جیسا کہ بولتے ہیں **نقلت ولايت القضاء والخلافة من فلان الى فلان** یعنی قضا اور خلافت کی ولایت فلان نے سے فلان نے کی طرف منتقل ہوئی ان سب قسموں کو نقل ہی کہتے ہیں پس نقل حقیقی تو یہ ہے کہ جو چیز محل ثانی میں حاصل ہوئی ہے یہی بعینہ وہی چیز ہو جو محل اول سے نکلی ہے اگر وہ چیز اس کے ہم مثل ہو اور بعینہ وہ نہ ہو تو اس قسم کو مجازاً نقل کہتے ہیں نقل طاعت سے بھی اس قسم کی نقل مراد ہے اور نقل طاعت میں اتنی ہی بات ہے کہ طاعت سے کنایہ ثواب مراد ہے جیسا کہ سبب سے کنایہ مسبب مراد ہوتا ہے اور ایک

ایسا دل سے مراد لطیفہ قلب یعنی روح ہے نہ کہ مضاف بخوبی کیونکہ یہی یا گناہ کے کرنے سے قلب لطیف روح میں پایا نہیں ہوتا بلکہ لطیفہ قلب ہوتا ہے اور عرف اہل شرع میں حقیقتاً قلب اس کو کہتے ہیں اس کا تعلق قلب جسمانی سے جس کو باعتبار نفق کے قلب کہا جاتا ہے ایسا ہے جیسا کہ قوت چنانی کا تعلق چشم ظاہری سے جن لوگوں کو علم شریعت یعنی علم تکلیفات شرعیہ علم طریقت یعنی معرفت معاملات قلوب علم حقیقت یعنی دریافت مکاشفات ادرام حاصل ہے وہ قلب حقیقی کی حقیقت اور نیکی اور گناہ سے اس کے مصفا اور مکد ہونے کو خوب پہچانتے ہیں، مفتی شاہد بن سلیمان۔

وصف کا ایک محل میں ثابت ہونا اور اس وصف کے محل کا دوسرے محل میں باطل ہونے کا نام نقل رکھا گیا یہ سب بول چال میں مشہور ہے اگر اس میں شرع وارد نہ ہوتی تو بھی اس کے معنی دلیل کے ساتھ معلوم ہیں جب کہ شرع میں بھی اس کا ثبوت ہو گیا پھر کیونکر نہ ثابت ہو فصل خواب میں حق بھانڈے تعانی کے دیدار کا تو نے مول کیا جس میں لوگ مختلف ہو رہے ہیں پس جان لے کہ جب اس مسئلہ کی حقیقت کا انکشاف ہو جاوے تو کچھ خلاف اس میں متصور نہیں ہوتا حق تو یہ ہے کہ ہم بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خواب میں دیکھا جاتا ہے جیسا کہ بولتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب میں دیدار ہوتا ہے اب خواب میں رسول ﷺ کے دیدار کے کیا معنی سمجھے جائیں شاید جس عالم کی طبیعت عام لوگوں کی طبیعت سے قریب ہے وہ یہ سمجھے کہ جس شخص نے رسول مقبول ﷺ کو خواب میں دیکھا اس نے حضرت کا جسم مبارک ہی دیکھا جو مدینہ منورہ کے روضہ مقدس میں رکھا گیا ہے کہ قبر کو شوق کر کے حضرت ایک مکان کی طرف تشریف لائے سو ایسے عالم سے بڑھ کر جاہل کونسا ہوگا کیونکہ کبھی خواب میں ایک شئی ایک رات میں ایک یہ حالت میں ہزار جگہ دیکھی جاتی ہے پھر کب ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ایک ہی حالت میں ہزار جگہ میں مختلف صورتوں کے ساتھ یعنی بوڑھا اور جوان اور دراز قد اور کوتاہ قد ممد رست اور بیمار ہو اور ان تمام صورتوں میں دیکھا جائے جس شخص کی حماقت اس حد تک پہنچ گئی وہ تو عقل سے خارج ہے اور مخاطب ہونے کے لائق نہیں اب شاید وہ یہ کہے کہ جو شخص حضرت ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہے وہ آپ کی مثال کو دیکھتا ہے جسم مبارک کو نہیں دیکھتا اب وہ یا تو مثال جسم علیہ السلام کی کہے گا یا مثال روح کی جو صورت اور شکل سے پاک ہے اگر مثال جسم کے کہے جو گوشت اور ہڈی اور خون ہے ہم کہتے ہیں جسم تو بذات خود محسوس ہے اس کے تشکیل کی خواب میں آنحضرت ﷺ کے دیدار کی کیفیت من رانی فی مقام فقدرانی فان الشیطان لا یتشکل فی صورتی کے معنی میں بعض علما کا اختلاف نووی وغیرہ نے لکھا ہے کلام فقدرانی کے یہ معنی لیتے ہیں کہ رویاہ صمیمہ یعنی خواب اس کی صحیح ہے اضافات اسلام یعنی خوابہائے شور و یدہ و تسویات شیطان سے نہیں بعضوں نے یہ کہا ہے کہ فقدرانی یعنی فقدر اور کنی اور اراک کے لئے قرب مسافت اور جس کو دیکھا جائے اس کا مزید بین بابا بن زمین ہونا شرط نہیں بلکہ موجود ہونا شرط ہے اور جسم آنحضرت ﷺ کا تو موجود ہی ہے پس اس کی رویت خواب میں ہوتی ہے اور بعضوں نے کہا ہے صورت مخصوصہ پر اگر ہوئی تو رویا حقیقت ہے ورنہ رویا و بیل اور بعضوں نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا خواب میں دیدار خواہ صورت مخصوصہ پر ہو یا غیر مخصوصہ پر آنحضرت ﷺ کی رویت حقیقت ہی ہے کیونکہ وہ صورت آنحضرت ﷺ کی روح مقدس کی مثال ہے صحیح قول یہی ہے کمالا غنی۔ مفتی شاہ دین سید رہ



کیا حاجت پھر جس نے موت کے بعد رسول مقبول ﷺ کے جسم مبارک کی مثال کو دیکھا اور روح کو نہ دیکھا اس نے تو نبی علیہ السلام کو نہ دیکھا بلکہ جسم کو دیکھا جو نبی علیہ السلام کی حرکت دینے کے ساتھ متحرک تھا کیونکہ نبی روح سے مراد ہے نہ کہ ہڈیوں اور گوشت سے پس کیونکہ جسم کی مثال دیکھنے سے رسول مقبول ﷺ کے دیکھنے والا ہوگا بلکہ حق تو یہی ہے کہ وہ رسول مقبول ﷺ کے روح مقدس کی مثال ہے جو کل نبوت ہے اور جو اس نے شکل دیکھی ہے وہ حقیقت میں روح کی مثال ہے وہ حضرت نبی علیہ السلام کی روح اور اس کا جو ہر ہے جسم نہیں ہے اگر کہا جاوے کہ حضرت علیہ السلام کے اس قول کے کیا معنی ہوئے جو حضرت ﷺ فرماتے ہیں حسن رآنی فی المنام فقد رآنی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ﷺ کی اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ جو اس نے دیکھا مثال ہے کہ معرفت حق کے لئے اور دیکھنے والے میں واسطہ ہوگئی پس اب جیسا کہ جو ہر نبوت یعنی روح مقدس حضرت کی جو بعد مفارقت حضرت کے باقی ہے اور شکل اور صورت سے پاک ہے لیکن مثال مطابق ال کے واسطہ سے امت کو واسطہ اپنے اور بندہ کے درمیان خبر کے فیضان اور ایصال حق کے لئے پیدا کرے سو یہ واسطہ پیدا کرنا تو موجود ہے اس کے امکان کا کس طرح انکار ہوا اگر کہا جاوے کہ اس مجازی اطلاق کا رسول مقبول ﷺ کے حق میں تو اذن مع ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کے حق میں تو وہی اطلاقات جائز ہیں جن کا اذن ہو ہم کہتے ہیں کہ اس کے اطلاق کا بھی اذن وارد ہو گیا ہے قال رسول اللہ ﷺ رآیت ربی فی احسن صورة یہ قول حضرت کا ان اخبار میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات صورت میں وارد ہیں قوله خلق اللہ آدم علی صورۃ اور اسی طرح اس سے صورت ذات کی مراد نہیں ہے کیونکہ ذات کے لئے تو صورت ہی نہیں مگر باعتبار اس تجلی کے جو مثال کے ساتھ ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب کبھی کی صورت اور دیگر صورتوں میں ظاہر ہوئے یہاں تک کہ رسول مقبول ﷺ نے حضرت جبرائیل کو کئی بار دیکھا حالانکہ صورت حقیقی میں دو دفعہ ہی دیکھا اور جبرائیل کا روح دیکھنے کی صورت میں مثل ہونا اس اعتبار سے نہیں ہے کہ حاجت نہیں لے مثال مطابق کے کہنے ہیں مثال کا ذب یعنی غیر مطابق سے احتراز ہو گیا کیونکہ مثال کا ذب نفس الامر میں نبی علیہ السلام کی مثال نہیں پس اس مثال کے دیکھنے پر جزئہ کورہ مرتب نہیں ہوتی۔

اس اذن ہر دو حدیث دلیل ہے جو مول مژری یعنی نور علیہ السلام حسن رآنی فی المنام فقد رآنی۔  
 مع حضرت جبرائیل علیہ السلام کے وہ کبھی کی صورت میں متمثل ہو کر آنے کی حدیث بخاری و مسلم نے بیان کی ہے بروایت اسامہ بن زید۔

کیونکہ عقل ایسی شے ہے کہ کوئی اور شے حقیقت میں اس کے ہم مثل نہیں ہے اور ہم کو جائز ہے کہ عقل کی مثال آفتاب بیان کریں اس واسطے کہ عقل اور آفتاب میں ایک امر کی مناسبت ہے وہ یہ ہے کہ نور آفتاب سے محسوسات کا انکشاف ہو جاتا ہے جیسا کہ نور عقل سے معقولات کا سو اسی قدر مناسبت مثال کے لئے کافی ہے بلکہ سلطان کی مثال خمس ہے اور وزیر کی مثال قمر سلطان اپنی صورت اور معنی میں آفتاب کے مماثل نہیں اور نہ وزیر چاند کے ہم مثل ہے مگر یہ بات ہے کہ سلطان کو سب پر غلبہ ہوتا ہے اور سب کو اس کا اثر پہنچتا ہے اسی قدر میں آفتاب کو اس سے مناسبت ہے اور چاند اثر نور کے فیضان کے لئے آفتاب اور زمین کے درمیان واسطہ ہے جیسا کہ نور عدل کے فیضان کے لئے وزیر بادشاہ اور رعیت کے درمیان واسطہ ہوتا ہے یہ مثال ہوئی نہ کہ مثل اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اللہ نور السنوات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجة الزجاجۃ کأنہا کوکب دری یوقد من شجرة مبرکة زیتونة لاشرقیة ولا غربیة یکاد یتقہا یضیی، ولولم تمسسه نار نور علی نور۔ مع اب خدا تعالیٰ کے نور اور شبیہ اور طاق درخت اور روغن میں کوئی مماثلت یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ انزل من السماء ماء فسالات اودية بتدرها فاحتمل السیل زبداً رابیاً الی اخرہ مع اس آیت میں قرآن شریف کی تمثیل بیان کی توصیف قدیم ہے جس کی کوئی مثل نہیں پھر پانی اس کی کیوں مثل ہو گیا اور اکثر خواہین حضرت علیہ السلام کو دکھائی گئیں جیسا کہ دودھ اور حلیہ بنی نذر کو دیکھا اور محسوسات کے انکشاف کو علم حسی سے تعبیر کیا کرتے ہیں اکثر شعور کا اطلاق بھی اسی پر آتا ہے اسی لئے اس کو مشاع کہا جاتا ہے مفتی شاہ دین سلہ رہ

مع عقل صفت علمی کو بھی کہتے ہیں کما مر اور ایک قوت کو بھی کہتے ہیں جو قلب حقیقی انسان میں بہتر نور کے ہے جس کے باعث علوم نظری کے قبول کرنے اور فحیہ صناعات فکر کے سوچنے کی اس کو استعداد ہوتی ہے اس کی مثال نور آفتاب کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کیونکہ نور عقل معقولات کے اور اک کا ذریعہ ہے جیسا کہ نور آفتاب محسوسات کے انکشاف کا وسیلہ ہے۔ مفتی شاہ دین سلہ رہ

مع ترجمہ اللہ روشنی چتا ستاروں کی اور زمین کی کہاوت اسکی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں چراغ ہے دوسرا ایک شیشہ میں شیشہ جیسے ایک تارہ ہے چکنا چل جلتا ہے اس میں ایک درخت برکت کے ہے وہ زحجہ ہے۔ سورج نکلنے کی طرف نڈو بننے کی طرف نکلتا ہو اس کا تیل کے سلک اٹھے ابھی نلگی ہو اس کو اس روشنی پر روشنی۔

مع تارا آسمان سے پانی پھر بے نالے اپنے اپنے موافق پھر اوپر لایا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا۔

فرمایا کہ دودھ اسلام ہے اور حیل قرآن شریف اور بہت مثالیں ہیں جن کا کچھ شمار نہیں اب دودھ اور اسلام میں کچھ مماثلت نہیں اور نہ حیل اور قرآن شریف میں لیکن ان کے درمیان مناسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ حیل یعنی دسی کے ساتھ تو نجات دیاوی کے لئے چنگل مارا جاتا ہے اور قرآن شریف کے ساتھ نجات آخرت کے لئے اور دودھ غذا ہے جس سے ظاہری زندگانی ہے اور اسلام وہ غذا ہے جس سے حیات باطنی ہے یہ تمام مثالیں ہیں مثلیں نہیں بلکہ ان چیزوں کے لئے تو کوئی مثال ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی بھی کوئی مثل نہیں لیکن اس کے لئے مثال ہیں جو بہت مناسبات عقلیہ کے اللہ تعالیٰ کی صفات سے خبر دیتی ہیں کیونکہ جس وقت ہم مرید کو سمجھائیں گے کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو کس طرح پیدا کرتا ہے اور کس طرح ان کو جانتا ہے اور کس طرح ان کی تدبیر کرتا ہے اور کس طرح کلام کرتا ہے اور کس طرح کام بذات قائم ہوتی ہے ان سب کی مثال انسان کے ساتھ ہی بیان کریں گے اگر انسان اپنے نفس میں ان صفات کو نہ سمجھتا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی ان کی مثال اس کی سمجھ میں نہ آتی مثال اللہ تعالیٰ کے حق میں حق ہے اور مثل باطل اگر کہا جاوے کہ اس تحقیق سے تو اللہ تعالیٰ کا دیدار خواب میں ثابت نہیں ہوتا بلکہ رسول مقبول ﷺ کا بھی خواب میں نہ دیکھا جانا ثابت ہوا کیونکہ جو دیکھا گیا ہے وہ تو مثال ہے اس کا عین نہیں پس رسول ﷺ کے قول من را نی فی المنام فقد رانی میں ایک طرح کا مجاز ہوا معنی اس کے یہ ٹھہرے کہ جس نے میری مثال کو دیکھا گو یا اس نے مجھ کو دیکھا اور جو اس نے مثال سے سنا گو یا اس نے مجھ سے سنا ہم کہتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے رایت اللہ فی المنام اس کی یہی مراد ہوتی ہے اور یہ مراد نہیں ہوتی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا جبکہ اس بات پر اتفاق ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور نبی ﷺ کی ذات نہیں دیکھی جاتی اور ان مثالوں کا دیکھا جانا جائز ہے جن کو سونے والا خدا تعالیٰ کی ذات اور نبی ﷺ کی ذات اعتقاد کرتا ہے اب اسکا انکار کیونکر ہو سکے باوجودیکہ خوابوں میں اس کا وجود ہے جس شخص نے اس مثال کو خود نہ دیکھا ہوگا اس کو ان لوگوں سے خبر متواتر ہی پہنچی ہوگی جنہوں نے ان مثالوں کو دیکھا ہے اور مثال معتقدہ کبھی تو جی ہوتی ہے اور کبھی جھوٹی اور جی مثال کو تو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے اور نبی علیہ السلام کے مابین بعض امور کے معلوم کرنے کے لئے واسطہ بنا دیا ہے اور بخاری نے بروایت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کے خواب میں دودھ کے دیکھنے کی حدیث بیان کی ہے مگر اس میں تعبیر دودھ کی علم کے ساتھ ہی علم اور دودھ میں بھی چنے یہی مناسبت ہے کہ دودھ غذا اسی حیات ظاہری ہے اور علم غذا ہے حیات قلوب۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایسا ہی اس روح کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مثال ایک شکل ہوتی ہے جو اس کے لئے رنگت اور صورت ہوتی ہے اگرچہ جو ہر نبوت یعنی روح شکل اور صورت اور رنگت سے منزہ ہے۔ اب ایسا ہی ذات باری تعالیٰ شکل اور صورت سے پاک ہے لیکن بندہ کو جو اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو مثال محسوسہ کے واسطے سے ہوتی ہے وہ مثال محسوسہ خواہ قسم نور سے ہو یا اس کے سوا کوئی اور قسم صورتوں جیلہ میں سے ہو جو اس جمال حقیقی مقبول کی شکل بن سکتی ہو جس کی کچھ صورت اور رنگت نہیں سو یہ مثال صادق معرفت کے لئے واسطہ ہو اب جو دیکھنے والا کہے کہ میں نے خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اس کے یہ معنی نہیں کہ میں نے خدا تعالیٰ کی ذات اور روح اور جسم کو دیکھا بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اس کی مثال دیکھی اگر کہا جاوے کہ نبی علیہ السلام کے لئے تو مثال ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو کوئی مثل نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تو مثل اور مثال میں فرق نہ سمجھنے کی بات ہے مثل تو وہ ہے کہ تمام صفتوں میں مساوی ہو اور مثال میں تمام صفات میں مساوات جبرئیل کی ذات وحیدہ کلہی کی ذات کے ساتھ متعجب ہو گئی بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ رسول مقبول ﷺ کو وہ صورت ایک مثال ظاہر ہوئی جو جبرئیل کی طرف سے پیغام الہی کو عطا کرتی تھی ایسا ہی تو اللہ تعالیٰ فتمثل لہا بشیرا سو یا (یعنی پھر بن آیا جبرئیل ع مریم کے آگے آدمی پورا) پس جبکہ یہ متمثل ہونا جبرئیل کی ذات میں

ذات باری کی شکل و صورت سے پاک ہے کیونکہ شکل و صورت خواص اجسام سے ہے جو بواسطہ کیاات و کیفیات و احاطہ حدود و نہایات کے حاصل ہوتی ہے اور باری تعالیٰ تو جسمیت سے مبرا ہے اس لئے کہ جسم مرکب ہوتا ہے اجزاء سے اور ہر مرکب وجود میں محتاج ہوتا ہے اپنے اجزاء کی طرف اور خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے اور احتیاج منافی وجود کے ہے جسم جسمیت سے پاک ہوا تو خواص جسمیت یعنی شکل و صورت سے بھی پاک ہو پس جواب میں دیدار باری تعالیٰ کا کسی صورت میں ہونا جیسا کہ نور و غیرہ سور جیلہ میں اس کو تجلی مثالی پر حاصل کیا جائے گا کیونکہ تجلی حقیقی پر اس کا محمول کرنا محال ضروری ہے۔ مفتی شاہ دین سلیمان

ع حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت بی بی مریم کے پاس آدمی کی شکل میں آنا اس وجہ سے تھا کہ حضرت بی بی مریم کو کام کے سنے میں ان سے استہو مریم کے معنی لغت عبرانی میں خادم کے ہیں کیونکہ آپ کی والدہ نے ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے نذر کیا تھا اس لئے ان کا نام مریم ہوا جبرئیل کے لفظی معنی عبد اللہ کے ہیں کیونکہ جبر معنی بندہ ہے اختیار اور ایل بمعنی اللہ ہے چنانچہ تفسیر ابن جریر و ابن ابی حاتم میں ابن عباسؓ و مکرّم و مقرر سے مروی ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس بھی کہتے ہیں چنانچہ ایک حدیث صحیحہ میں آنحضرت ﷺ سے روایت ہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین واصلو آذی السلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

استحالة اور انقلاب نہ ہوا بلکہ جبرئیل اپنی صفت اور حقیقت پر ہی رہے اگرچہ نئی علیہ السلام کو جبرئیل کی صورت میں ظاہر ہوئے ایسا ہی یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال نہیں خواہ بیداری میں ہو خواہ خواب میں اطلاق صورت کا جائز ہونا خبر کی جہت سے ثابت ہوا اور سلف سے بھی باری تعالیٰ پر صورت کا اطلاق ثابت ہوتا ہے اس میں بہت سے اخبار اور آثار محقول ہیں اگر اخبار و آثار سلف سے اس کا بولنا ثابت نہ ہوتا تب بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ جو لفظ اللہ تعالیٰ کے حق میں صادق ہو اور سننے والے کے نزدیک خطا کا وہم نہ ڈالے بلا تعزیم اور منع اس کا باری تعالیٰ پر بولنا جائز ہے اور دیدار الہی کے لفظ سے بھی بسبب کثرت استعمال زبانوں کے نزدیک دیدار ذات کا وہم نہیں پڑتا اگر ایسا شخص فرض کیا جاوے جو اس کے نزدیک اس قول سے حق کے برخلاف وہم پڑے تو اس کے ساتھ یہ قول بولنا لائق ہی نہیں بلکہ اس کے لیے اس کے معنی کی تفسیر کی جائے گی جیسا کہ ہم کو جائز نہیں ہے کہ ہم بولیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں اور اس کو ملنا چاہتے ہیں کیونکہ ان اطلاقات سے کئی لوگوں کو خیالات فاسدہ سمجھ میں آئے ہیں اور اکثر لوگ ان اطلاقات سے وہی معنی سمجھتے ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں اور ان کو کچھ خیال فاسد نہیں ہوتا سو ان اطلاقات میں مخاطب کے حال کی رعایت کی جائے گی جہاں بہم نہ ہو وہاں بغیر کشف اور تفسیر کے بولنا جائز ہے اور جہاں بہم ہو وہاں تفصیل اور کشف ضروری ہے فی الجملہ اس بات پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں دیکھی جاتی اور جو دیکھی جاتی ہے اس کی مثال ہے اور اس بات میں اختلاف ٹھہرا کہ بولنا لفظ دیدار کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز ہے یا نہیں اب جو شخص گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں مثال کا ہونا محال ہے سو یہ گمان اس کا خطا ہے بلکہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے لئے مثال بیان کرتے ہیں اور اس کی ذات کو شخص سے پاک اور منزہ جانتے ہیں نہ کہ مثال سے فصل جبکہ روح کی حقیقت سے واقف ہو گیا تو ثواب و عذاب قبر بھی جان سکتا ہے روح جب بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو قوت و ہمیہ بھی بدن سے چلی جاتی ہے اور بدن کے جنازات میں سے کوئی چیز روح کے ساتھ نہیں رہتی اور یہ تجھ کو معلوم ہو چکا ہے تو ام روح کا بغیر بدن کے بھی ممکن ہے ہر شخص کو اپنے مرنے اور دنیا سے جانے کا علم رہتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ خود ہے مرا اور اپنا ہی بدن دفن ہوا جس طرح کہ زندگی میں جانتا تھا قبر میں وہ اپنے اعمال نیک و بد کی جزاء پائے گا ہر ایک کے لئے اعمال کے لحاظ سے قبر یا تو بارگاہ ہے یا گڑھا بمصدق حدیث نبوی کریم ﷺ کہ القبر امار و ضمة من ریاض الجنة او حفرة من حفر

السنار اگر وہ نیک بخت ہے تو فراغِ بالی و نیک حالت یعنی ایسے باغوں میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اور ایسے سرسبز چمنوں میں جس میں غلمان و حوریں ہیں اور پاکیزہ پانی کے پیالے وغیرہ موجود ہیں جس طرح وہ اعتقاد رکھتا تھا اپنے کو پاتا ہے یہی ثوابِ قبر ہے اور اگر نہیں تو ان تکالیف میں جو عذاب کے طور سے اس کو پہنچتی رہتی ہیں جن کی خبر بخبر صادق نے دی ہے رہتا ہے اسی کو عذابِ قبر کہتے ہیں قبر فی الحقیقت اسی حالت و صورت کا نام ہے اس میں ثواب ہے یا عذاب اور پھر زندہ ہونا قیامت میں جس کو دوسری پیدائش سے تعبیر کرتے ہیں نفس کا اس صورت سے نکل پڑنا ہے جیسا کہ بچہ بچہ دان سے نکل پڑتا ہے۔ قول تعالیٰ قل یحییٰہا الذی انشأہا اول مرة وہو بکل خلق علیم۔ قول تعالیٰ الذی جعل لکم من الشجر الا خضر ناراً فاذا انتم منه تو قدون اس پیدائش کی روشن دلیل و مثال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب واللہ الحمد والمنا والصلوة علی نبیہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

۱۔ قبر چمن ہے جنت کے چمنوں سے۔ یا گڑھا ہے آگ کے گڑھوں سے۔

۲۔ کہہ تو اسے نہیں سمجھا کہ اس کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے اسے پیدا کیا وہ ہر ایک کے حال سے واقف ہے۔

۳۔ یعنی ہیز جہاں سے آگ نکلا جس سے تم بیکھتے ہو۔

بسم الله الرحمن الرحيم

## تذکرہ

امام حجت الاسلام زین الدین ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۰ھ میں بمقام طوس میں پیدا ہوئے وطن شریف آپ کا غزالہ ہے طوس کے دیہات میں سے تحصیل علوم آپ نے ابو حامد اسفرائی اور ابو محمد جوینی کے ابتدائے میں آپ طوس میں رہے پھر بغرض تکمیل علوم بمقام نیشاپور امام الحرمین ابو المعالی کے پاس تشریف لے گئے اصول و فروع مذہب امام شافعیؒ کے آپ ماہر تھے آپ کی تصنیفات کا مجموعہ چار سو جلدیں ہیں احیاء العلوم آپ نے ایک ہزار پچیس دن میں تالیف کی حل مسائل غامضہ کی تصنیف بعد احیاء العلوم کے ثابت ہوتی ہے تفسیر یا قوت التاویل آپ کی چالیس جلدوں میں ہے کیمیائے سعادت اور ہیبط اور وسیط اور وجیز اور خلاصہ اور مستحفی اور تہافتہ الخلاسف اور محکم النظر اور معیار العلم اور مقاصد اور مضمون بہ علی غیر ہبلہ اور جواہر القرآن اور المقصد الاسنی فی شرح اسماء الحسنیٰ اور مشکوٰۃ الانوار وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات میں سے ہیں کتاب فحول جب آپ تصنیف کر کے اپنے استاد امام الحرمین کی خدمت میں لے گئے تو انھوں نے فرمایا تم نے مجھ کو زندہ ہی دفن کر دیا یعنی تمہاری تصنیفات کے سامنے میری تصنیفات کی قدر جاتی رہی جب نظام الملک امیر بغداد کی طرف سے مدرسہ نظامیہ بغداد کا منصب درس و تدریس آپ کے تفویض ہوا وہاں عرصہ تک آپ نے درس دیا آپ کا درس ایسا مقبول عام ہوا کہ جب مدرسے سے مکان کو آتے تو پانسو فقیہ دبنے بائیں بس و پیش آپ کے گرد ہوتے پھر آپ نے زہد اختیار کیا اور درس وغیرہ کو ترک کر کے قصد حج استوار کیا حج بیت اللہ سے کامیاب ہو کر ملک شام میں مراجعت فرمائی ایک عرصہ تک وہاں ریاضتیں کیں بعد ازاں بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے وہاں سے مصر میں گئے کچھ مدت اسکندریہ میں رہے پھر جانب شام معاودت کی کچھ عرصہ کے بعد اپنے وطن مالوف طوس میں تشریف لے گئے اور آخر عمر تک اسی جگہ قیام فرمایا ایک عرصہ اور ایک خانقاہ بنوا کر اپنے اوقات کو تعلیم و دیگر امور خیر میں تقسیم کیا یہاں تک کہ دوشنبہ کے روز چودھویں جمادی الثانی ۵۵۰ھ میں ۵۵ برس کی عمر میں رہ کر ای علیین ہوئے۔

ادخله اللہ فی جنة النعیم .





# میزان عمل

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی

## تصنیف

مترجمہ

ملک نصر اللہ خان صاحب عزیز بی اے ایڈیٹر اخبار مدینہ

بجنور سابق اسٹنٹ ایڈیٹر رسالہ صوفی

## دیباچہ

سعادت کی تلاش و جستجو میں ہر زمانہ کے لوگ سرگرداں رہے ہیں اور یہ وہ چیز ہے جو علم اور عمل کے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی ان کی حقیقت اور اندازہ معلوم کرنے کے لئے علمائے سلف و خلف نے اپنی تمام تر توجہ صرف کر دی ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ہم علم اور عمل میں تمیز کرنے اور پہچان کے لئے ایک معیار مقرر کریں اور کھرے اور کھولے کی شناخت کے لئے ایک کسوٹی معین کریں چنانچہ ہم نے مناسب سمجھا کہ اس بارے میں کامل غور و خوض سے کام لے کر بتادیں کہ سعادت کے حصول میں سبل انگاری اور شکا سئل سے کام لینا حماقت ہے اور اس کے لئے علم و عمل کا اجتماع لازمی ہے۔

اس سے بہر اندوز ہونے کا طریق معین کریں اور بتائیں کہ عمل سعید کیا ہے اور اس کا رستہ کیا ہے ان تمام امور کی توضیح کے لئے ہم دلائل و براہین پیش کریں گے محض تقلیدی رنگ نہ نظر نہ ہوگا۔ یہ درست ہے کہ اس طرح تحریر طویل ہو جائے گی لیکن کیا کریں اس کے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ ہم کوشش کریں گے کہ علم کے اصول و قوانین کی حدود سے تجاوز نہ کریں، واللہ المستعان

حیری رحمت سے الٹی پائیں یہ دمک قبول

بھول کچھ میں نے پہنے ہیں ان کے دامن کچھ لئے غالی

## فصل

### سعادت کی طلب میں سہل انگاری حماقت ہے

سعادت اخروی سے ہماری مراد ہے وہ بقاء جو غیر فانی ہے۔ وہ شراب نشا ط جس میں درد غم نہ ہو وہ مسرت جس کو غم کی تلخی منقطع نہ کرے، اور ایسی عزت ابدی جو قلت سے آشنا نہ ہو۔ وہ بے فکری و استغناء جس میں احتیاج کو کبھی دخل نہ ہو اور وہ کمال جسے زوال نہ ہو، ساتھ ہی ہر وہ چیز جس کی تمنا کی جاسکتی ہے، ہر وہ شے جس کے لئے دل تڑپ سکتا ہے، حاصل اور موجود ہوں، ہاں اور یہ چیزیں ابد الابد کیلئے ہوں اور زمانے کی تیز تلواریں ان کا رشتہ منقطع نہ کر سکے، فرض کرو کہ تمام دنیا اناج سے اپنی پڑی ہے پھر ایک پرندہ ہے جو ہزار سال کے بعد ایک دانہ اس میں سے چبک لیتا ہے تو یقین سمجھو کہ ایک روز وہ اناج ختم ہو جائے گا لیکن سعادت اخروی کا وہ گنج بے پایاں ہے جو کبھی نٹ نہیں سکتا اس قسم کی نعمت عظمیٰ کی ترغیب و تحریس دلانے کی ہم کو کوئی ضرورت نہیں۔

جب کہ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ تمام عقل مند اور سمجھ دار لوگ اس سے بدرجہا کمتر اور ادنیٰ چیزوں کے حصول کے لئے ہزاروں قسم کے مصائب و تکالیف خوشی سے برداشت کر لیتے ہیں اور دنیا کی نعمتیں تیاگ دیتے ہیں رنج و مصائب ہزار بی شمار ہوں آخر ختم ہو جاتی ہیں اور دنیا کی لذتیں لاکھ بے حساب ہوں آخر گزر جاتی ہیں ہمارے نزدیک تو عقلمند وہی شخص ہے جسے آئندہ کی یقینی اور بہتر نعمت کیلئے موجودہ اور ادنیٰ شے کو چھوڑنا آسان ہو۔ چنانچہ جو لوگ صنعت اور تجارتی کاروبار سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس زرین اصول کے خوب کار بند ہیں۔ علم فن کی تلاش میں لوگ غریب الوطن، فقر و فاقہ، ذلت اور برتر از وہم و قیاس مصائب خند و پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں اور ان کے قلب اور سکون خاطر کی ذمہ دار صرف یہ بات ہوتی ہے کہ زمانہ مستقبل میں وہ گوہر گراں ہاتھ لگ جائیگا جو زمانہ حال کی تمام تکالیف و شدائد کا بہترین عوض اور موجودہ رنج و ملال کا بہترین اجر ہوگا۔ دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو زور و مال کا طالب نہ ہو اور اسے کہا جائے کہ تمہیں ایک ماہ کے بعد اکسیر اعظم دیدی جائیگی بشرطیکہ تم گھر

سے سونا خرچ کرو اور ایک ماہ تک انتظار کرو تو وہ اس پر عمل نہ کرے اگر کوئی شخص اس قسم کی آئندہ نعمتوں کی امید میں تھوڑی سی بھوک برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تو اسے کوئی شخص عقلمند تصور نہیں کر سکتا اور شاید اس قسم کے شخص کا وجود بھی عقلاء کا حکم رکھتا ہے۔ حالانکہ دنیا فانی ہے موت گھات میں اور سونا آخرت میں کام نہیں دیتا اور ممکن ہے کہ وہ مہینے کے اندر یا بعد جان جان آفرین کے سپرد کر دے غور کرو کہ یہ شخص اکثر کی طمع میں بیدریغ مال و زر خرچ کرنے کے لیے تیار ہے اور ہر طرح کی مصیبت اٹھانے کے لئے آمادہ۔ پھر عقلمند لوگ اس عمر ناپائیدار میں جس کی حد سو سال ہے اپنی خواہشات نفسانی اور دنیاوی لذتوں کی حد بندی کرنے میں کیسے کوتاہی کر سکتے ہیں جبکہ اس عمل کا حوض عیش سرمدی اور آرام جاوداں کی صورت میں ملنے والا ہے

عرفی اگر یہ گریہ مرشدے وصال

صد سال سے تو اس بہ تمنا گریہ مستن

اور جو ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ سعادت کی شاہراہ کا مزین ہونے سے گریز کرتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہیں قیامت پر پورا یقین ہی نہیں ورنہ عقل ناقص کا بھی تقاضا ہے کہ سعادت کے حصول کے لئے کمر بستہ ہو جانا چاہئے چہ جائے کہ وہ لوگ اس کا انکار کریں جو عقل کامل سے بہرہ مند ہیں۔

## فصل

## قیامت کے متعلق عدم یقین بھی حماقت ہے

ہماری رائے ہے کہ قیامت کے متعلق ایمان میں کوتاہی کرنا بھی بیوقوفی پر دل ہے کیونکہ اگر غفلت و خود فراموشی غالب نہ ہو تو سعادت کے رستوں سے بے پرواہی بھی نہ ہو آخرت کے باب میں لوگوں کے چار گروہ ہیں۔

اول وہ گروہ جن کا اعتقاد ہے کہ حشر و نشر اور جنت و دوزخ بعینہ اسی طرح ہیں جس طرح شریعتوں نے ہمیں بتایا ہے اور ان میں سب سے زیادہ رطب الطمان اور فصیح قرآن ہے ان کے نزدیک لذتیں اور محسوسات تمام اسی طرح پر ہونگی جیسے دنیا میں مہاشرت کھانا، پینا، ہونگھنا چھوٹا، پہننا اور دیکھنا ہے۔ اور ان کو اعتراف ہے کہ ان لذتوں پر مستزاد اور قسم قسم کی لذات دوسرہ ہونگی۔ لیکن ان لذتوں کی کیفیت اور صنف حیطہ بیان سے باہر ہے یہ وہ جنت نگاہ اور فردوس گوش ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں اور کان نے سنی نہیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا تصور سا سکتا ہے۔ یہ غیر منقطع ہے اور ابد الابد تک رہے گی یہ علم محل کی بدولت ہی حاصل کی جاسکتی ہے اس گروہ میں تمام مسلمان اور یہود و نصاریٰ کا اکثر حصہ داخل ہے۔

دوسرا فرقہ جس میں مسلمانوں فلاسفہ کا وہ طبقہ جو البتہ کھلاتا ہے داخل ہے کہتا ہے وہ ایک قسم کی لذت ہے جو انسانی قلب کے تصور میں نہیں آسکتی اس کا نام لذت عقلی ہے اور حسیات تو خارجی طور پر ان کی موجودگی کے وہ منکر ہیں ہاں جیسے نیند میں ہوتا ہے خیالی طور پر ان کا وجود ہو سکتا ہے لیکن نیند کے حالات بیداری کیساتھ نازل ہو جاتے ہیں اور یہ ہمیشہ رہیں گے ان کا گمان ہے کہ یہ باتیں ان لوگوں کے لئے ہوتی ہیں جو محسوسات کے ساتھ شغف رکھتے ہیں اور جن کے دل اس جانب بہت مائل ہیں وہ ان کو لذات عقلیہ کی طرف منسوب نہیں کرتے بہر حال اگر آخرت کی کیفیت صرف اسی قدر ہو تو بھی اس کی طلب میں کوتاہی مناسب نہیں وجہ یہ ہے کہ لذت بھی وہی چیز دیتی ہے جس کے ذوق سے انسان کا دل چھوٹے کھانے یا دیکھنے کے ذریعہ متاثر ہو چکا ہو۔

خارجی امور حصول اثر کا موجب ہیں لذت ایک داخلی اثر ہے جو خارجی اشیاء کی

موجودگی سے پیدا ہوتا ہے جب بغیر خارجی امور کے وجود کے تاثرات حاصل ہو سکتے ہیں جیسے حالت نوم میں تو ان کی موجودگی میں اثرات کے حصول کے متعلق تو کوئی شک و شبہ کو گنجائش نہ رہتی۔

تیسرا طبقہ: یہ لوگ خیال اور حقیقت کے طریق سے لذت حسیہ کے انکار کی طرف گئے ہیں ان کا خیال ہے کہ تخیل آلات جسمانی کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے موت بدن اور روح میں جدائی ڈال دیتی ہے اور بدن ہی تخیل اور تمام احساسات کا آلہ ہے جب ایک دفع روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو دوبارہ واپس نہیں ہوتی چنانچہ صرف آلام و لذات باقی رہتی ہیں یہ حسی نہیں بلکہ بزرگتر ہیں انسان اس عالم میں طبعی لذات عقلیہ کی جانب مائل ہے اور اس سے زیادہ آلام عقلیہ سے نفوذ یکنی وجہ ہے کہ حصول معاش میں لذت اور بے عزتی کو ناپسند کرتا ہے سزا کے وقت علیحدگی کو دوست رکھتا ہے مہاشرت اور خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے وقت اسے پردہ داری محبوب ہے اور گزشتہ رنج و آلام اور مصائب کی یاد اسے تکلیف دیتی ہے چنانچہ ہم نے بار بار دیکھا ہے کہ شطرنج کھیلنے والے دو ایک روز تک شطرنج کے شوق میں کھانا پینا بھول جاتے ہیں کیونکہ کھیل کی لذت عقلی کھانے کی لذت حسی پر غالب آ جاتی ہے لذت عقلی کے مقابلہ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ میدان جنگ میں بسا اوقات اکیلا آدمی دشمنوں کے جم غفیر پر چل پڑتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے اس حرکت کے پیچھے یہی خیال کارفرما ہے کہ لوگ اس کی شجاعت و جوا نمردی کی تعریف کریں گے اور یہی خیال اسے زندگی کو خیر باد کہہ دینے پر ابھارتا ہے ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیا کی حیات ان لذات کے مقابلہ میں جو دار آخرت میں ہوگی کوئی نسبت نہیں رکھتی ممکن ہے ان کی نسبت ان کے ساتھ وہی ہو جو نفیس و لذیذ طعام کی خوشبو کو اس کے ذائقے سے اور محبوب کے دیدار کو وصال یار سے ہے بلکہ اس سے بھی دور تر کی کوئی نسبت ہو ان کا گمان ہے کہ جب عوام کے فیضان سے یہ ہاتھیں بلند تر ہیں تو مثال کے طور پر ان کے سامنے انہیں لذات کا بیان کیا جاتا ہے جن سے وہ آشنا ہیں جیسے ایک لڑکا ہو اور اسے فصل و قضا اور وزارت کے عہد سے پر فائز کرنے کے لئے تعلیم دی جائے تو چونکہ وہ ان عہدوں کی ذمہ داریوں اور ان کی حقیقت سے نا آشنا ہے اور ان کی کیفیت نہیں جانتا اس لئے اسے ان چیزوں کی ترغیب دی جاتی ہے جن کی لذت سے وہ واقف ہے مثلاً گیند جس کے ساتھ وہ کھیلتا ہے یا چڑیا جسے وہ اڑاتا ہے حالانکہ اگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کہاں گیند اور چڑیا سے کھیلنا اور کہاں حکومت و وزارت کی لذت لیکن چونکہ اس کا فہم اعلیٰ شے کے اور اک سے قاصر

رہتا ہے اس لئے اس کے سامنے اونٹنی بات کی مثال پیش کی جاتی ہے اور وہ اپنی استعداد کے مطابق بتدریج ترقی کرتا جاتا ہے اگر لذات آخرت کو صرف اسی کے مطابق بھی مان لیا جائے تو طلب و جستجو میں کوئی ایسا مناسب نہیں بلکہ جدوجہد کو وہ گناہ کرنا چاہئے صوفیہ اور ازمین اسی طرف گئے ہیں اول سے آخر تک یہاں تک کہ مشائخ صوفیاء نے تصریح کر دی ہے اور مزید تشریح کی گنجائش نہیں رکھی اور وہ کہہ رہے ہیں کہ جو شخص طلب جنت کے لئے یا خوف دوزخ سے اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ النعم ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف قصد کرنے والوں کا مقصود ان چیزوں سے بہت بالاتر ہے جو شخص مشائخ سے ملے گا ان کے عقائد کے بارے میں ان سے گفتگو کرے گا اور ان کی مصنفات کا بغور مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہو جائیگا کہ ان کا یہ اعتقاد ان کے احوال کے عین مطابق ہے۔

فرق چہارم، عوام اور جہلاء مطلق کا گروہ ہے جو اپنے نام کے سچے بھی نہیں جانتے ان کا خیال یہ ہے کہ موت عدم محض کا نام ہے اور طاعت و معصیت کی جزاء و سزا نہیں انسان مرنے کے بعد اسی طرح نیست و نابود ہو جاتا ہے جس طرح ولادت سے قبل تھا حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو فرقہ ہمکنای غلطی ہے کیونکہ گروہ کا مفہوم اجتماع سے ہے اور یہ مذہب کسی جماعت کا نہیں کہ نہ ہی کسی مشہور صاحب نظر سے منسوب ہے البتہ یہ ان عقل کے دشمنوں کا مسلک ہے جن پر خواہشات نفسانی کا دیو غالب اور ان کا شیطان ان پر مستولی ہو چکا ہے وہ اپنی خواہشات کا قلع قمع کرنے پر قادر نہیں ان کی خود پسندی اور خود برائی انہیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ مقاومت خواہشات میں اپنے بجز کا اعتراف کریں چنانچہ اپنے قصور و فہم کے باعث وہ عذر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی بات واجب اور حق ہے اپنی بات کی حق رکھنے کے لئے وہ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور باطل کی پیروی میں محو ہو جاتے ہیں اتباع ہوائے نفسانی یہ دو قوفوں کو سب سے زیادہ باطل عقیدوں کی تصدیق میں مجتہد کرواتی ہے بعض بد بخت اس عقیدہ باطل کو بعض مشہور دقتہ رس علماء مثلاً ارسطو فلاطون یا کسی اور فلاسفہ کی جانب منسوب کرتے ہیں یہ ایک فریب ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں سامع سے کہتے ہیں میں تمہاری معرفت ان کے علم کو کہاں پہنچ سکتی ہے انہوں نے ایک عرصہ دراز ان باتوں کی ٹوہ میں صرف کر دیا ہے غریب اور سادہ لوح سامع اس تلمیح کو نہیں سمجھ سکتا اور ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے خالوں سے کوئی حوالہ طلب نہیں کرتا جس سے معلوم ہو کہ واقعی ان لوگوں کا یہ مذہب تھا **حکم** بلکہ اگر اسے کوئی ایسی اطلاع دی جائے جس سے اس کا چند لوگوں کا نقصان ہوتا ہے تو اس وقت تک اس کی تصدیق نہیں کرتا جب تک

کوئی دلیل و برہان پیش نہ کی جائے اگر کوئی شخص اسے کہے کہ تمہارے باپ نے فلاں شخص سے دس پونڈ پیسے کا فرق لیا تھا اب اس کے ترکہ میں سے ادا کرو اس کے پاس ایک دستاویز بھی ہے جس پر گواہوں کے دستخط بھی ثابت ہیں تو وہ فوراً پکا زائچے کا جت لاؤ اور زندہ گواہ کہاں ہے جو اس کی شہادت دے اور دستاویز اور نقل خطوط کا کیا اعتبار ہے پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جو شخص چند نکلوں کے باب میں اس قدر غلط تھا مذہب کے بارے میں اس قدر بے پرواہ ہے کہ مذہب کی بابت کے حوالے کی تصدیق کے وقت دگواہ بھی طلب نہیں کرتا جو اس امر کی شہادت دیں کہ ہاں ہم نے یہ بات سنی ہے اور بغیر کسی تحریر یا اس کی تصانیف دیکھنے کے اگرچہ وہ کسی اور کی لکھی ہوئی جملہ تصدیق کا پکارا ہوا ہے حالانکہ مناسب تو یہ ہے کہ اگر اپنے کانوں سے بھی سن لے پھر بھی اسے تسلیم کرنے میں توقف کرے جب تک اس کے بارے میں کوئی دلیل و برہان نہ مل جائے اگر صرف دیکھا دیکھی بیرونی کرنا مقصود ہے تو انبیاء، اولیاء، علماء کی تقلید بلکہ جمہور انام کی بیروی اس ایک شخص کی تقلید سے اولیٰ ہے جو خطا سے معصوم ہے۔

ان تمام معتقدات کو سن لینے کے بعد اگر تم متلاشی حق ہو تو اس گمراہ فرقہ کے اعتقاد کے بارے میں تمہاری حالت چار باتوں سے خالی نہیں اول یہ کہ تم قطعاً اس کے بطلان کے معترف ہو دوم یہ کہ تم اس کے بطلان کے متعلق ظن رکھتے ہو سوم یہ کہ اس کی صحت کے بارے میں تمہیں ظن غالب ہو یا امکان بعید کے طور پر اس کے بطلان کو درست سمجھو اور چہارم یہ کہ اس کی قطعی صحت کے متعلق تمہارا یقین ہو بہر حال تمہاری عقل کا یہی تقاضا ہے کہ تم علم و عمل میں مشغول ہو جاؤ اور لہذا از دنیوی سے اعتراض کرو ہاں شرط یہ ہے کہ تمہاری عقل سلیم اور طبیعت نیک ہو تم پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ پہلی اور دوسری صورتوں میں تمہاری عقل کا اقتضا یہی ہے کہ تم علم و عمل کی طلب میں کمر ہمت چست باندھ کر سرگرم عمل ہو جس طرح دانشندی کا تقاضا یہ ہے کہ طلب نفع کے لئے سمندر میں سفر کرنے کے لئے سواری سہیا کی جائے یا طلب ریاست کے لئے اول شباب میں علم حاصل کیا جائے اور وزارت یا کوئی اور عزت و جاہ کے منصب کے حصول کے لئے اس کے مطابق کوشش کی جائے حالانکہ ان تمام امور کے نتائج ظنی ہیں اور قطعی نہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک حریف آدمی کے دل میں یہ بات سما جائے کہ کیسیا کا وجود غنا نہیں اور اسے معلوم ہو جائے کہ ایک ماہ کی مشقت کے بعد وہ اس سے ہم آغوش ہو جائیگا اور پیش کے بس اوقات کرے گا تو اس کی عقل کا فیصلہ یہی ہو گا کہ مصیبت و مشقت کا مہینہ خوش خوش بسر کر دے اور اس تکلیف کو حقیر سمجھے اگر اسے قطعی طور پر معلوم بھی ہو کہ اس کی عمر زیادہ نہیں تو بھی



کامیابی کا خیال اس کے لئے صدمہ بن جاتا ہے۔

اگر تم تیسری حالت میں ہو اور اس کی صحت کا ظن غالب ہو انبیاء اولیاء اور جمہور علماء کی سچائی کا کچھ خیال دل میں باقی ہو تو بھی تمہاری عقل یہی کہے گی کہ طریق امن و سلامتی پر کامزن ہونا اور خطرناک صورت حالات سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے مثلاً فرض کرو کہ تمہیں کسی بادشاہ کا قرب حاصل ہے اور تمہارے نزدیک اس قسم کے اسباب جمع ہو جائیں جس سے تم اس کے خاص مصاحبوں اور مہربان راز میں سے ہو سکو مثلاً کوئی ایسی خدمت جس کے متعلق تمہارا ظن غالب ہو کہ اس کے سرانجام دینے سے بادشاہ سلامت خوش ہو کر تمہیں خلعت و دیار عطا فرمائیں گے ساتھ ہی ظن غالب کے خلاف آپ احتمال بھی ہو اس امر کا کہ کسی وقت ممکن ہے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جس سے وہ غضبناک ہو کر تمہیں عذاب شاہی میں مبتلا کرے تمہاری ذلت و رسوائی کا موجب ہو اور تمہیں تمام عمر کے لئے مصیبت میں ڈال دے تو تمہاری صاحب رائے یہی مشورہ دے گی تم اس خطرے میں کودنے سے پرہیز کرو کیونکہ اگر تم اس خدمت کے سرانجام دینے میں کامیاب بھی ہو گئے تو اس کا اجر کچھ سونا ہے جو تمام عمر تمہارا ساتھ نہ دے گا اور اگر ناکام رہے تو بادشاہ کا عذاب بہت بڑا ہے جو تمہاری زندگی بھر تمہارا پیچھا چھوڑنے کا نہیں اس کے لئے کامیابی کا شرعاً ناکامی کی سزا کا حریف نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر تمہارے سامنے نفیس کھانے کا ایک طشت رکھا ہوا اور چند لوگ یا ایک شخص کھدے کہ یہ زہرا لود ہے حالانکہ اس کا حال نیوں کا سا بھی نہ ہو جو معجزات کے ذریعہ سے اپنے قول کی تائید کی قدرت بھی رکھتے ہیں پھر تم اس کے کذب کے متعلق ظن غالب بھی رکھتے ہو جس طرح تم تیسری صورت کے اجتہاد سے تمام انبیاء کے کذب کا ظن غالب رکھتے ہو تو تم اسے سچا ہی سمجھنے کی کوشش کرو گے اور سمجھو گے کہ کھانا کھالینے میں لذت ہے اور زبان کا چٹخا رہا لیکن اگر وہ زہرا لود ہوا تو ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں چنانچہ اس لحاظ سے بھی عقل یہی کہتی ہے کہ اگر تم دانشمند ہو تو خطرے سے اجتناب ہی کرو چنانچہ کہتے ہیں حضرت علیؑ سے ایک شخص نے آ کر جھگڑنا شروع کیا اور امر آخرت میں شک و شبہ کا اظہار کیا حضرت علیؑ نے فرمایا میاں بحث و مجاہد لے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں اگر تو صورت حالات دہی ہوئی جیسا تمہارا خیال ہے تو ہم سب خلاصی پا جائیں گے لیکن اگر بات دہی نکلی جو ہم کہتے ہیں تو تم تو مارے جاؤ گے اور ہم

نجات پا جائیں گے حضرت علیؑ کے مذکورہ بالا قول سے یہ نتیجہ نکالنا صریحاً ستم ظریفی ہوگی کہ امیر المؤمنین کو امر آخرت میں کوئی شک و شبہ تھا نہیں بلکہ یہ تو ایک قسم کی تنبیہ ہے مخاطب کی حد جہل کے مطابق جو امور آخرت کو دلائل کے ذریعہ سمجھنے سے قاصر ہے اس طرز استدلال کو ہم نے استعمال کیا ہے تاکہ جو لوگ اللہ کی طاعت میں کوتاہی کرتے ہیں اور باطل پرستی کی پیروی کرتے ہیں تو ان کے لئے امور آخرت میں غور کرنا آسان ہو جائے۔

یہ بات قطعی طور پر واضح ہوگئی کہ کوئی عظیم الشان مصیبت اگرچہ معلوم نہ ہو احتمال کے رو سے اسے یقین مستحضر پر ترجیح دینی چاہیے وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کا انسانی ہوتا ہے تو چاہیے کہ تم عمر کے انجام اور اسودہ حال لوگوں کے حصہ دنیا پر غور کرو اور سعادت اخروی کے کمال اور اس کے دوام کے بارے میں جو تین فرقوں کا اعتقاد ہے اسے قبول کر دو اور بدیہی طور پر جان لو کہ دنیا کے عیش و آرام سے جو تم حصول آخرت کے بدلے میں چھوڑتے ہو نہایت حقیر ہے۔

اور اگر تم چوتھی صورت میں ہو یعنی تم جو تجھے گروہ کے معتقدات کو صحیح تسلیم کرتے ہو تو ہم تمہاری انتہائی جہالت و تصور فہم کو مد نظر رکھ کر دو طریق پر تم سے خطاب کریں گے اول یہ کہ آخرت کے انکار کے لئے تمہارے پاس کوئی حقیقی اور ضروری دلیل نہیں کو غلط ثابت نہ کیا جا سکے حتیٰ کہ کہا جائے تمہیں کوئی ایسی شہادت اور ثبوت میسر ہوئی ہے جس کو انبیاء اولیاء حکماء اور جملہ ماعقل لوگ معلوم کرنے سے قاصر رہے جب اس قدر بزرگ باوجود اپنی کثرت تعداد وسعت معلومات بلندی نظر اور کثرت معجزات کے ایک بات کو نہ سمجھ سکے اور اس کے متعلق غلطی میں پڑ گئے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم اس معاملہ میں صحیح مسلک پر گامزن ہو اور غلطی سے محفوظ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم غلطی کو اپنی ذات سے منسوب کر لو لیکن اگر تم کہتے ہو کہ ممکن ہے کہ ان لوگوں سے بھی غلطی ہوگئی ہو اور مجھ سے بھی غلطی ہوگئی ہو تو تم تیسری حالت میں ہو جاؤ گے پھر اگر تمہارا سینہ اس قدر وسیع نہیں کہ اس بات کو بھی قبول کر سکو اور کہو کہ میں نے تمام دنیا کے اعتقاد کا باطل ہونا پہچان لیا ہے اور یہ محال ہے کہ روح موت کے بعد پھر از روئے جوہر باقی ہو یا پھر لوث کر آئے اور اس بات کا تمہیں ایسا ہی یقین ہو جیسے تم معلوم کر چکے ہو کہ ایک تمہاری بد مزاجی اور کوتاہی عقل کی دلیل ہے اور اس قسم کا دشمن عقل و خرد ایسے مرض میں گرفتار ہے جس کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں آہ انہیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اولئذک کا لانعام بل هم اضل یہ لوگ چار پائے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر۔

دوم یہ لوگ سعادت اخروی کا انکار تو کرتے ہیں لیکن دنیوی سعادت کے منکر نہیں

ہیں اب دنیا کی سعادت کی انتہائی منزل کیا ہے؟ عزت و حرمت، بلند اقبال حکومت قدرت و اختیار رنج و بلا غم و آلام سے سلامت رہنا اور ہمیشہ راحت و آرام سے زندگی بسر کرنا تو یہ امور بھی علم و عمل کے بغیر انسان کو میسر نہیں آ سکتے علم کے بارے میں سب لوگ جانتے ہیں کہ اس کی عزت کو دوام ہے کیونکہ نہ تو اسے کوئی شخص معزول کر سکتا ہے اور نہ ہی باطل جیسے دنیا کی حکومت اور سیاست سے کوئی افسر معزول و موقوف ہو سکتا ہے۔

یہ بھی غلطی نہ رہے کہ علما کو علم اور انکشافات علمیہ میں جو وہ اکثر مشکل مسائل کے حل کرنے میں خصوصاً جب وہ مسائل زمین و آسمان کے ملکوت اور الہیات سے متعلق ہوں وجدانی کیفیت اور لطف و سرور حاصل ہوتا ہے جس کو وہ لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں جنہیں مشکلات حل کرنے کا بھی موقعہ میسر نہیں ہوا پھر یہ ایسی لذت ہے جس کی انتہاء نہیں کیونکہ معلومات کی کوئی حد نہیں اور نہ ان کے حصول میں کوئی روک ٹوک ہے کیونکہ جوں جوں دارفناں علم کی کثرت ہوتی جاتی ہے توں توں معلومات بھی زیادہ ہوتی جاتی ہیں بلکہ جب عالم حظام دنیا اور اس کی ریاست کا طالب ہو تو کثرت شرکاء سے وہ علم سے زیادہ انس پذیر ہوتا ہے کیونکہ دنیا ہی تو ہے جو مزاحمت سے تنگ ہوتی ہے اور علم تو کثرت طلاب سے اور زیادہ وسیع ہوتا ہے پھر باوجودیکہ دنیا کمال ترین لذات میں سے ہے اس شخص کے لئے جو اس سے بایوس ہے تو وہ زیادہ دائمی ہو جاتی ہے جب عالم پر اس کا انعام کرنے والا اللہ اور اس کے فرشتے ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ عالم خالصہ علم کا ہے اس لئے تم دیکھتے ہو کہ روڈسا اور والیان ملک ہمیشہ معزول ہو جانے کے سوا ان روح میں جتلا رہتے ہیں اور ان کو بھی اشتیاق ہوتا ہے کہ ان کی عزت علماء کی ہی ہو۔

عمل سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کو درست راستہ پر لگایا جائے رہو اور غضب کو مضبوط غیض کی لگام دی جائے اور نفسانی صفات کو توڑا جائے تاکہ نفس عقل کے تابع ہو جائے اس کے قابو سے کبھی باہر نہ ہو اور اپنی حاجات کے بر لانے میں جو تدابیر و اختیار کرے عقل کی حدود سے باہر نہ ہوں۔

اچھا ہدل کے پاس رہے پاسبان عقل

پس کوئی شخص اپنی صحت کو مغلوب کر لے وہی حقیقی طور پر آزاد ہے بلکہ وہ بادشاہ ہے ایک عابد اور زاہد بزرگ نے کسی بادشاہ سے کہا تھا میری سلطنت تمہاری حکومت سے عظیم تر ہے بادشاہ نے پوچھا کیسے؟ زاہد نے جواب دیا اس لئے کہ جس کے تم بندے ہو وہ میرا غلام ہے مراد یہ ہے کہ بادشاہ اپنے نفس کا غلام ہے اور زاہد کی خواہشات نفسانی مقہور و مغلوب ہو چکی

ہیں خواہشات نفسانی کا بندہ جو ان پر غالب نہیں آ سکتا اور ان کی گردن توڑ نہیں سکتا، طبعی طور پر کمزور دل اور غلامی پسند ہوتا ہے دائمی رنج و غم میں مبتلا اور متواتر مصیبت میں گھرا رہتا ہے اگر ایک روز اپنی مراد ولی سے شاد کام ہو لیتا ہے تو کئی روز مایوسی و نامرادی سے ہم کنار رہتا ہے اس کے علاوہ اپنی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے اسے ہزاروں قسم کے خطرات و طرح کے مصائب اور لاکھوں مشقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور روز بروز ان کی غلامی کا طوق اس کی گردن پر حاوی ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے خواہشات کی حد بندی اسباب رنج و الم کی حد بندی ہے اور ان کو مٹانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ریاضت مجاہدے کو کام میں لایا جائے اور یہی عمل کے معنی ہیں یا تو جب عالم باعمل کی حالت تمام لوگوں سے بہتر ہے اور اس بات کو وہ شخص بھی تسلیم کرتا ہے جو سعادت کو صرف دنیا میں ہی محدود سمجھتا ہے۔ (دنیا کسی کی ہو کے نہیں رہتی اور اس کی لذتیں اس کی مصیبتوں سے بھی زیادہ ہیں) اتباع شہوت میں غرق رہنے والا اور معقولات میں نظر و فکر کرنے سے اعزاز کرنے والا شخص بالاتفاق دنیا میں شقی اور بد بخت ہے اور تینوں فرقوں کے نزدیک و آخرت میں بھی بے نصیب ہے ہاں بیوقوفوں کی ایک قلیل جماعت جن کی ہستی کسی شمار و قطار میں نہیں اور نہ ہی عقل مندوں میں ان کو گنا جاسکتا ہے مستثنیٰ ہے۔

پس ظاہر ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے علم و عمل میں کوشش و مستعدی کرنا عقل و دانش کے لحاظ سے ضروری ہے۔ اور جو شخص اس میں کوتاہی کرتا ہے وہ جاہل ہے اگر تم پوچھو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو اس میں کوتاہی کرتے ہیں لیکن آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا باعث یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا امور میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے یہی غفلت ان کی زندگی پر مستولی ہے لوگ اس وقت تک اس خواب خرگوش سے بیدار نہیں ہوتے جب تک خواہشات متواتر اور پے در پے آ کر ان کو فریب دیے رکھتی ہیں ان کی بیداری اور تنبیہ کے لئے ایک پاکیزہ سیرت و اعظا کی ضرورت ہے انفسوں کو موجودہ زمانے میں اس قسم کے لوگ عطا ہو چکے ہیں اور اگر شاذ و نادر طور پر کوئی ہو بھی تو یہ لوگ اس کی جانب ملتفت نہیں ہوتے اور اگر التفات کریں اور کچھ احساس اور حسن عزم زمانہ مستقبل میں طاعت میں یکسو ہونے کے متعلق ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہو اور ہوس ان پر ہجوم کر کے آتی ہے اور تنبیہ و اعتبار کی جو روح ان میں پیدا ہوئی تھی زائل ہو جاتی ہے غفلت و خود فراموشی کا پردہ لوٹ آتا ہے۔ اور عقل مند انسان پھر اپنی نامطلوبہ حرکات کا مرتکب ہونے لگتا ہے جن سے اسے منع کیا گیا تھا اور وہ اسی مہلک اور خطرناک رست پر گامزن رہتا ہے حتیٰ کہ

ہادم لذات اس کی روح و جسم میں جدائی ڈال دیتی ہے یہ تمام ہوا پرستیاں یہ جملہ شہوات کی پیرویوں اور یہ سب بد عملیاں اسے موت کی دستبرد سے بچا نہیں سکتیں اس وقت حسرت و نامرادی کے سوا اور کوئی چارہ کار اسے نظر نہیں آتا اللہ ہمیں اس غفلت و بد مستی سے اپنی پناہ میں رکھے کیونکہ یہی تمام شقاوت و بد بختی کی جڑ بنیاد اور اسل الاصول ہے۔

## فصل

### شاہراہ سعادت یعنی علم اور عمل

اگر تم کہو کہ یہ تو ہم پر واضح ہو گیا کہ شاہراہ سعادت پر قدم زنی عقل مندی کی دلیل ہے اور اس میں سستی اور تساہل سے کام لینا جہالت کا ثبوت لیکن جو شخص اس راستہ سے واقف ہی نہیں وہ کیسے اس پر چل سکتا ہے۔ اور ہم کس طرح معلوم کریں کہ علم اور عمل ہی وہ شاہراہ ہے تاکہ ہم اس پر توجہ صرف کریں تو اس کے معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں۔

اول بھلا پرانا راستہ ہی مناسب ہے یعنی تم اس راستہ پر ملتفت ہو جاؤ جس پر اول قہن فرقے متفق الرائے ہیں ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ فوز و نجات صرف علم اور عمل سے ہی حاصل ہوتی ہے وہ اس امر میں متفق المسلمان ہیں کہ علم عمل سے اشرف ہے عمل کو یا علم کا تتر ہے عمل علم کو اپنے پروں کو لیکر مائل پرواز ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے اس کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ کلمات طیب اسی کی طرف صعود کرتے ہیں اور عمل صالح ان کو بلند کرتا ہے، پاکیزہ کلمات بحث و نظر کے وقت علم کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ تو یہی صعود ہے اور یہی موقعہ پر پہنچنا ہے عمل ایک غلام ہے جو علم کو اٹھاتا ہے اور لیکر چلتا ہے علم کی علوم مرتبت کے بارے میں یہ ایک حبیہ ہے۔ فرقہ اول جمہور پر مشتمل ہے اور مفہوم اول یعنی ظاہر شرع پر متسک ہے اس کا مذہب و مسلک علم و عمل کے ذریعہ نجات ہونے کے متعلق بالکل صاف اور عیاں ہے اور اس کا مکمل بیان احاطہ تحریر میں نہیں آ سکتا۔ صوفیا اور فلاسفہ بھی جو اللہ اور یوم آخرت پر بالکل ایمان لا چکے ہیں اگرچہ اس کی کیفیت کے بارے میں مختلف الرائے ہیں اس امر میں متفق التخیال ہیں کہ سعادت کا راز علم اور عبادت میں مضمر ہے باوجود اسکے ان لوگوں کا علم اور عمل کی تفصیل کا انتظار کرنا

اور باوجود اس اتفاق رائے کے توقف کرنا سراسر حماقت ہے۔

فرض کرو کہ ایک شخص کسی مرض میں مبتلا ہے۔ اطباء کی کتابیں اور ان کے اقوال باوجود اصناف طب کے اختلاف کے اس امر پر متفق ہیں کہ اس بیماری کے ازالہ کے لئے مہر دات مفید ہیں تو اگر مریض اس میں توقف کرتا ہے تو اس کی عقل میں غور ہے بلکہ ایسی حالت میں تو اسے نہایت مہار دت سے کام لینا چاہیے تھا ہاں بعض اوقات مریض کو مرض کے ازالہ کے بعد اس امر کا موقع مل جاتا ہے کہ اس بات کے متعلق تحقیقات کرے۔ تقلید جمہور کے لئے نہیں بلکہ مرض کی حقیقت اور مہر دات کے مرض کے ازالہ کے لئے مناسب ہونے کی وجہ کا راز معلوم کرنے کے لئے چنانچہ اسے بے حد بصیرت حاصل ہوتی ہے اور جب غور و فکر سے مستقل طور پر کام لیتا ہے تو اتباع و تقلید کے عین گڑھے سے نکل کر صاحب بصیرت ہونے کی فلک پیا چوٹی پر پہنچ جاتا ہے غرض صوفیہ اور ان کے علاوہ تین فرقوں کا یہی دعویٰ ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص اس مقام کو بصیرت اور تحقیق کے ذریعہ حاصل کر لے اس کی صورت یہی ہے کہ تم موت کی حقیقت کو پہچان لو اور اس بات سے خوب واقف ہو جاؤ کہ موت آلودہ کا قائل استعمال کر رہی ہے۔ اسے معدوم نہیں کرتی۔

اس کے بعد یاد رکھو کہ اول ہر ایک چیز کی سعادت اس کی لذت اور راحت صرف اس چیز کا کمال خاص حاصل کر لینے میں مضمر ہے دوم انسان کے لئے کمال خاص یہ ہے کہ وہ ان عقلیات کی حقیقت کا ادراک کر لے جن پر اس کی ہستی کا دار و مدار ہے ان سے وہ توہمات اور محسوسات خارج کر دینے چاہیے جن میں ان کے ساتھ حیوان بھی مشترک ہیں۔ سوم روح ذاتی حیثیت سے اس کمال خاص کے لئے سخت تشنہ کام ہے اور فطری طور پر اس کے لئے مستعد، شہوات بدنہ، اور دوسرے عوارض میں اس کا مشغول و مصروف ہو جانا اسے اس کمال کے حاصل کرنے سے مانع ہے جب انسان ان پر غالب آ جائے شہوات کو توڑ دے ان کو بے دست و پا کر دے عقل کو اس کی غلامی سے رہا کر دے۔ اور اس کی حلقہ بگوشی سے آزاد اس وقت انسان ملکوت السموات و الارض مطالعہ کرنے میں غور و فکر سے کام لینا شروع کرتا ہے بلکہ اپنے نفس اور اس کے متعلق عجائبات کو نظر عمیق ملاحظہ کرتا ہے یہی وہ وقت ہے جب انسان اپنے کمال خاص کی منزل مقصود کو پالیتا ہے دنیا میں وہ نیک بخت اور سعادت اندوز ہوتا ہے کیونکہ سعادت کے معنی یہی ہیں کہ انسان کی روح ہر اس کمال کو پالے جو اس کے لئے ممکن ہے۔ اگرچہ درجات کمال کا نہ تو کوئی شمار ہے اور نہ کوئی حد لیکن ہم جب تک اس دنیا میں ہیں اس لذت سے ذوق

آشنا نہیں ہو سکتے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص ہو جس کی قوت ذائقہ ضائع ہو چکی ہے اس کے سامنے لذیذ ترین کھانا رکھیے۔ وہ اس کی لذت سے واقف نہ ہوگا لیکن اگر ایک لخت اس کی حس ذائقہ عود کرائے تو وہ فوراً کھانے کی لذت سے پوری طرح لطف اندوز ہونے لگے گا اس لحاظ سے موت کی مثال حس ذائقہ کے عود کرانے کی ہی ہے چنانچہ میں نے بعض سرآمد حلقہ تصوف کو سنا کہ فرماتے تھے سالک الی اللہ جنت کو اسی دنیا میں دیکھتا ہے اور فردوس اعلیٰ کے اس گوشہ دل میں اس کے ہمراہ رہتی ہے بشرطیکہ وہ اس مقام کو حاصل کر سکے اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ علائق دنیوی سے یکسر علیحدگی اختیار کی جائے اور امور دہیہ میں نگر و نظر پر پوری ہمت صرف کی جائے حتیٰ کہ الہامات الہی کے روشن راز ہائے سر بست کا انکشاف کرنے لگے اور یہ جہی ممکن ہے کہ روح کو ان تمام کدورتوں سے صاف کر لیا جائے اس مقام بلند پر پہنچنے کا ہی دوسرا نام سعادت ہے اور عمل اس کے لئے مدد و معاون ہے پس یہی وہ گروہ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ علم و عمل کی سعادت کے ساتھ معارف کو مناسبت حاصل ہے چنانچہ یہ دوسرا طریقہ ہے یقین کی منزل تک پہنچنے کا جو کچھ انھوں نے کہا وہ پختہ ہے اور ان کے نزدیک عرفان مجاہدہ نفس اور ریاضت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے، جیسے کہ اللہ نے فرمایا الذین جاہدوا فی سبیلنا لنمہدینہم سبیلنا جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم ان کو اپنے راستہ دکھا دیں گے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم جستجو میں مجاہدہ اور یکسوئی کو استعمال کرو بعض اوقات حقیقت حال کا انکشاف تم پر لگی واثبات کے ذریعہ سے ہوگا تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ تم علم و عمل سے شروع کرو جس پر تینوں فرقوں کا اتفاق ہے کیونکہ تمہاری غرض سوال سے بحث و جدال نہیں بلکہ جستجوئے کامرانی ہے۔ اس مریض کی مانند کہ جب تمام اصناف کے طبیب اس کے مرض کے بارے میں متفق الرائے ہو جائیں تو بغیر جھگڑا کرنے کے شفا کی طلب میں مصروف ہو جاتا ہے

## فصل

### تزکیہ نفس کا اجمالی بیان

اگر تم کہو کہ یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ علم و عمل میں مشغول ہونا واجب ہے لیکن علوم بے شمار ہیں اور یہی حال اعمال کا ہے کہ وہ انواع اور مقدار کے لحاظ سے کثیر اور مختلف ہیں مثلاً صرف اسی قدر جان لینا کافی نہیں کہ بہر دات بیماری کو نفع ہیں جب تک بہر دات کی نوع ان کی مقدار

ان کے استعمال کا وقت دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر یا متفرق طور پر استعمال کرنے کا طریقہ وغیرہ وغیرہ جو امور ضروری طور پر تفصیل کے محتاج ہیں معلوم نہ ہوں۔ لہذا انہایت ضروری ہے کہ قسم اور کیت بیان کی جائے اور ساتھ ہی اس کے استعمال کا طریقہ اور کیفیت بھی بتائی جائے ان سوالات کا مجمل جواب یہ ہے کہ ان مسائل کے لحاظ سے لوگ دو فرقوں پر منقسم ہیں۔

اول وہ لوگ جو تقلید پر قانع ہیں وہ بحث و نظر کی مشقت گوارا کرنے سے مستغنی ہیں بلکہ وہ اپنے امام و پیشوا کے قدم بقدم چلنے کو ہی موجب سعادت و طمانیت سمجھتے ہیں۔

دوم وہ لوگ جو تقلید کا ممنون ہونا پسند نہیں کرتے وہ مریض کی طرح طبیب کے فرمودہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں بلکہ ان کو اس امر کا شوق ہوتا ہے کہ وہ اطباء کا رتبہ حاصل کرے یہ منزل بہت دور کی ہے اس کے لئے نوح علیہ السلام کی عمر چاہیے اس منزل کو پالنے کی سعادت صدیوں میں کسی ایک کو ملتی ہے اور وہ بھی شاذ و نادر طور پر لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں تقلید اور پیروی کی ذلت سے نکل کر شاہراہ ہدایت پر گامزن ہونے کے طریقے بتاویں اگر توفیق الہی تمہاری امداد کرے اور تکمیل حاصل کرنے کا داعیہ تمہارے دل میں پیدا ہو جائے تو تم مجاہدہ نفس کے ذریعہ اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے۔ یاد رکھو تم اپنی آرزو کو نہیں پا سکتے جب تک اپنے نفس اس کی قوتوں اور خاصیتوں کی معرفت کا حق حاصل نہ کر لو کیونکہ جو شخص زید سے واقف نہیں وہ اس کے ساتھ تعلقات کیسے قائم کر سکتا ہے مجاہدہ معالجہ نفس ہے جس سے اس کا تزکیہ ہوتا ہے اور انسان فلاح کا مقام حاصل کر لیتا ہے چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے قَدْ افْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا اس نے فلاح پائی جس نے اسے پاکیزہ بنایا اور وہ ناب و خاسر ہوا جس نے اسے دبائے رکھا۔ جو شخص کپڑے کی صورت سے آشنا نہیں وہ اس کی میل کے دور کرنے کا تصور کیسے کر سکتا ہے چونکہ نفس کی پہچان ہی اصل الاصول ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملہ کو انھیں واکرام کے طور پر عنایت عطا فرمائی اور اس کو اپنی ذات پاک کے ساتھ نسبت بخشی چنانچہ فرمایا اِنْسِیْ خَالِقِ بَشَرًا مِنْ طِیْنٍ فَادْأَسْوِیْ قِہْ وَفَسَخْتَ فِیْہِ مِنْ رُوحِیْ اس آیت میں اس امر کی جانب صاف اشارہ ہے کہ انسان کا جسم آنکھوں سے اور اک حاصل کرتا ہے اور نفس عقل اور بصیرت سے نہ جو اس سے اللہ تعالیٰ نے اس کے جسد کو مٹی کی نسبت دی اور اس کی روح کو اپنی ذات سے خداوند کی زبان میں روح وحی ہے جسے ہم نے نفس کا نام دیا ہے اور یہ اس لئے کہ ارباب بصیرت کو معلوم ہے کہ نفس انسانی ہر الہیہ میں سے ہے اور پست و بجا اجسام ارضی سے ارفع اور زبردست تر ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ



نے فرمایا یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی تم سے روح کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے کہتے ہیں کہ سابقہ کتب آسمانی میں بھی لکھا تھا اے بنی آدم اپنے نفس کو پہچانو تم اپنے رب کو پہچان لو گے۔ رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشاد ہے اعرفکم بنفسکم و فکم ببرہہ تم میں سے جو شخص اپنے نفس سے زیادہ واقف ہے وہ اپنے رب سے بھی زیادہ واقف ہے اور ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساهم انفسہم فرما کر اس بات کو واضح کیا کہ دونوں ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کا تعلق رکھتے ہیں ایک کو بھول جانا دوسرے کو بھول جانے کے مرادف ہے۔ اسی لئے فرمایا سنریہم ایساتذافی الافاق و فی انفسہم اور و فی انفسکم افلاتبصرون یہاں ظاہری جسم کو دیکھنے کی جانب توجہ دلانا مقصود نہیں کیونکہ یہ تو بہائم کو بھی نظر آتا ہے کہ چہ جائیکہ انسان کو مختصر یہ کہ جو شخص اپنے نفس کے حالات سے ناواقف ہوگا وہ دوسری خارجی اشیاء سے بدرجہ اولیٰ بے خبر ہوگا اللہ عزوجل کے بندوں پر خاص الخیال رحمت اور عنایت ہے کہ اس نے انسان کے وجود میں باوجود اس قدر صغیر الجسد ہونے کے اتنے عجائبات جمع کر دیئے ہیں اور اوصاف و خصائل کے لحاظ سے انسان کل کائنات کے عجائبات کا حریف ہو رہا ہے گویا تصنیف عالم کی یہ ایک جیسی قطع ہے اور یہ اس لئے ہے کہ انسان میں غور و فکر کر کے اللہ عزوجل کے علم کی طرف مواصلت حاصل کرے۔

نفس کے متعلق جملہ حالات کا میں استقصا تو کروں لیکن اندیشہ ہے کہ گفتگو بہت طویل ہو جائے گی لیکن اگر تمہاری خواہش ہے کہ ہم مجمل طور پر ضرور کچھ بیان کریں جس سے تمہیں تفصیلی حالت معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہو تو کان دھر کر سنو کہ نفس حیوانی کے دو قوتیں ہوتی ہیں۔ اول قوت محرکہ دم قوت مد کہ محرکہ کی پھر دو قسمیں ہیں باعہ اور مہاشرۃ حرکت مہاشرۃ حرکت وہ قوت ہے جو اعصاب و عضلات میں پیدا ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ عضلات کو سکپٹر نے، نسوں اور ریشوں کو جن کا اعصاب سے اتصال ہے۔ مہد کی جانب کھینچے یا پھکے کہ ان کو ذہیل دے اور نرم چھوڑ دے تاکہ اعصاب اور نسیں مہداء کے مقابل جانب کو ہو جائیں یہ قوت باعہ محرکہ کے خادم کی حیثیت رکھتی ہے۔

جب کبھی آئینہ خیال میں کسی ایسی شے کی صورت مقصص ہوتی ہے جو مرغوب طبع ہے یا قابل نفرت ہے تو جو قوت ترغیب و تنفر کے جزبات پیدا کرتی ہے اس کا نام باعہ ہے۔ اور وہ قوت مہاشرۃ حرکت کو جنبش پر مائل کرتی ہے اس قوت باعہ کے دو شعبہ ہیں ایک کو شہواۃ کہتے

ہیں اور دوسرے کو غصہ یہ شبوانیہ انسان کو ان اشیاء کی جانب طلب لذت کے لئے قریب ہونے کی رغبت دیتی ہے جس کو وہ اپنے لئے ضروری اور مضعت بخش سمجھتا ہے اور غصہ یہ انسان کو ان چیزوں کے دفعہ کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کی تحریک دلاتی ہے جن کو وہ اپنی ہستی کے لئے ضرور مہیا اور نقصان دہ سمجھتا ہے۔

اب رہی قوت مدرکہ تو اس کی دو قسمیں ہیں مدرکہ ظاہرہ اور مدرکہ باطنہ، ظاہرہ ہواں طسہ پر مشتمل ہے۔ ہم اس کی تحقیق و تفتیش میں زیادہ غور و خوض نہیں کریں گے اگرچہ اس کے حقائق کی معرفت کے بارہ میں بھی بہت طویل گفتگو چاہیے لیکن ہماری غرض اجمالی بیان ہے اس لئے ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں باطنہ پانچ ہیں۔ اول خیالیہ یہی وہ آئینہ ہے جس میں محسوس چیزوں کے غائب ہو جانے کے بعد ان کی صورتیں عکس پذیر رہتی ہیں چنانچہ صورت مرئی آنکھیں بند کرنے کے بعد بھی خیال میں قائم رہتی ہیں تو وہ قوت جس کے پردے پر وہ چھپ جاتی ہے اس کو قوت خیالیہ کہتے ہیں اور جب جملہ حواس طسہ کے مدرکات کے نشان اس میں باقی رہیں تو وہ حس مشترک کہلاتی ہے۔

دوسری کا نام حافظہ ہے۔ اور یہ مذکورہ بالا نشانات کو محفوظ رکھتی ہے کسی چیز کی صورت کو تمسک کرنے والی قوت اور ہے اور اس کو قبول کرنے والی طاقت آدمی درموم اپنی پوست کے باعث نقش کو تمسک کرتا ہے اور رطوبت کے ذریعہ قبول اور پانی قبول کرتا ہے تمسک نہیں کرتا قوت مقبلہ اور ان توئی یعنی حواس طسہ کے مدرکات قبول کرنے والی اور ان کو محفوظ کرنے والی قوتوں کا مسکن مقدم دماغ کے جوف اول میں ہے اور جب اس پر کوئی چوٹ لگتی ہے یا آفت نازل ہوتی ہے تو یہ قوتیں مختل ہو جاتی ہیں یہ باتیں علم طسہ میں مفصل مذکور ہیں۔

سوم وہمہ ہے اس قوت کا مقام دماغ کے وسطی جوف کی آخری حد پر ہوتا ہے یہ قوت جزئی محسوسات کے ان معانی کا ادراک کرتی ہے جو غیر محسوس ہوں جس طرح وہ قوت جو بکری کو سمجھاتی ہے کہ بھیڑیے سے بھاگنا اور بچنے کی طرف جانا چاہیے۔

چونکہ ان معانی کو یاد رکھنے کا کام کرتی ہے جو محسوس نہیں کیئے جاسکتے جیسے قوت دوم صورتوں کو حفظ کرتی ہے وہ حافظہ صوری ہے اور یہ حافظہ معانی اس کا نام ذکر ہے اور اس کی جائے سکونت جوف دماغ کا آخری حصہ ہے اب جوف دماغ کا وسطی حصہ باقی رہ گیا اور یہ قوت منظرہ کا مسکن ہے جو خزانہ صوری اور خزانہ معانی کے درمیان مرتب ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ اپنی ثواب دید کے مطابق بعض خیالات کو آپس میں ترکیب دے اور بعض کو منتشر کر دے

عام طور پر اس کا ذکر قوائے بدر کہ میں کیا جاتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کو قوائے متحرکہ میں شمار کیا جائے کیونکہ اس کا ادراک حرکت کی نوع سے ہے یعنی مرکب خیالات کو منتشر کرنا اور منتشر کو جمع کرنا وہ کسی ایسی نئی شے کے پیدا کرنے پر قادر نہیں جو خیال میں موجود نہ ہو اس کا دائرہ عمل صرف تفصیل و ترکیب پر حاوی ہے مذکورہ بالا قوتی حیوانوں اور انسانوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں صرف قوت منظرہ مثالی ہے اس کی بجائے حیوانات میں ایک قوت قریب قریب اس کے ہوتی ہے اس کو تخیل کہتے ہیں مگر وہ انسان کی قوت منظرہ کے برابر طاقت ور اور قوی نہیں ہوتی۔

اب رہا نفس انسانی تو انسان سے متعلق ہونے کے لحاظ سے اس کی قوتوں کی دو قسمیں ہیں قوت عالم اور قوت عالمہ ان میں سے ہر ایک کا نام عقل ہے لیکن اس میں مشترک کے طور پر کیونکہ عالمہ کو عقل صرف اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عالمہ کی خادمہ ہے اور نفس کے لئے مقصود ہے قوت عالمہ نظریہ جس کا ہم ابھی ذکر کریں گے اقتضا کے مطابق وہ افعال معینہ جو جزئی ہیں اور فکر و روایت کے ساتھ مختص ہیں ان کی طرف انسان کے بدن کو حرکت دینے کا یہ مہداء ہے چاہے کہ قوائے بدنیہ اس قوت عملیہ کے سوائے سب معبود و مغلوب اور طالع فرمان ہوں اس طرح کہ یہ قوت ان سے اثر پذیر نہ ہو اور دوسری تمام قوتیں اس قوت کے فرمان و اشارہ کے مطابق سکون و حرکت اختیار کریں کیونکہ اگر یہ قوت مغلوب ہو جائے تو قوائے بدنیہ میں خواہشات کی اطاعت و انقیاد کی جتنیں پیدا ہو جاتی ہیں جنہیں بد اخلاقیوں سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر یہ قوت دوسری قوتوں پر تسلط ہو جائے اور غلبہ پالے تو اس استیلا و غلبہ کو اخلاق فاضلہ و حسنہ کہتے ہیں اور اس کو دو نسبتیں حاصل ہیں اس قوت کے استیلا کی صورت کے معنی یہ ہیں کہ دوسری تمام اس کی مطیع و مستفاد ہوں اور یہی مراد ہے اخلاق حمیدہ سے غرض یہ ہے کہ نفس اس بات سے بالاتر ہے کہ جو اس غصہ اس کا ادراک کر سکیں البتہ عقل اس کو معلوم کر سکتی ہے یا اس کے آثار و افعال سے اس کے متعلق دلائل دے سکتی ہیں کو دو نسبتیں حاصل ہیں اول نسبت اس پہلو کی طرف جو اس سے نیچے ہے اور دوم نسبت اس پہلو کی جانب جو اس کے اوپر ہے اور ہر پہلو کے اعتبار سے خدا نے اسے ایک قوت دے رکھی ہے جس سے ان پہلوؤں اور نفس کے درمیان علاقہ کا نظم قائم رکھا جاتا ہے یہی قوت عملیہ ہے اور یہی وہ قوت ہے جو نیچے کے پہلو کا خیال رکھتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر و سیاست کا قوت عالمہ نظریہ جس کا مذکور اب ہوگا ایک ایسی قوت ہے جو اوپر کا پہلو کا اندازہ رکھتی ہے تاکہ اس سے اثر پذیر نہ ہو اور استفادہ کرے ان

ملائکہ سے جو انسان کے نفوس پر مکمل بنائے گئے ہیں تاکہ اس پر علوم کی بارش کریں کیونکہ علوم اللہ کی جانب سے کسی واسطہ کے ذریعہ ہی حاصل کیے جاتے ہیں جیسے ارشاد خداوندی پر سسل رسولؐ کسی انسان سے اللہ صرف وحی کے طور پر یا پروے کے پیچھے سے یا رسول بھیج کر ہی کلام کرتا ہے۔

نفس کو ہمارے ساتھ دو تعلق ہیں پہلا بدن کی جانب اور چاہیے کہ یہ تعلق غالب اور مستولی ہو تا اثر قبول کرنے والا ہو اور نہ عوارض اور شہوات بدن سے متغفل ہونے والا دوسرا تعلق شریف و عالی جانب سے چاہئے کہ یہ تعلق اس جانب کے اثرات سے دائم القبول ہو اور ہمیشہ تاثرات حاصل کرتا رہے کیونکہ یہیں نفس انسانی پر اسباب سعادت کا نزول ہوتا ہے یہ قوت نظریہ عالم ہی ہے جس کا کام یہ ہے کہ کلی اور ان عوارض سے پاک معانی کا جو انہیں جزئی اور محسوس بنادیتی ہیں الفا کریں معانی کلی کا ذکر ہم اپنی کتاب معیار العلم میں کر چکے ہیں۔

پھر یہ قوت ان علوم کی نسبت سے جو اس میں حاصل ہوتے ہیں تین مراتب پر منقسم ہیں اول اس نسبت کی مانند جو بچے کو کتابت سے ہے کیونکہ بچے میں کتابت کی قوت تو موجود ہے لیکن فعل سے بعید ہے یہی حال اس کے ساتھ قوت علم کا ہے مرتبہ ثانیہ یہ ہے کہ اس میں تمام معقولات جو ابتدائی اور ضروری ہیں حاصل کیے جائیں جیسے ایک لڑکا ہو جو صاحب تیز ہے اور سن بلوغ کو پہنچ رہا ہے اس نے دوات قلم اور حرف مرکب کے علاوہ مفرد کی پہچان حاصل کر لی ہے حالانکہ اسے پگھوڑے میں یہ بات حاصل نہ تھی اس میں کتابت کی قوت مطلقہ تو موجود ہے لیکن فعل سے بعید تھی۔

مرتبہ سوم یہ ہے کہ تمام معقولات کسب یہ عملی طور پر حاصل کی جائیں اور چیزیں انسان کے پاس بطور خزانہ کے جمع ہوں چنانچہ جب چاہے ان کی جانب رجوع کر سکے اور جب رجوع کر لے تو ان پر متمکن ہو جائے اس شخص کا حال علوم کے بارے میں ماہر کا تب و صناعت کا سا ہے جو کتابت سے غافل ہے کہ وہ قوت قریب کے ساتھ اپنے فن میں مستعد ہے اور استعداد کے طور پر اسے انتہائی کمال حاصل ہے یہ انسانی درجہ کی انتہاء ہے لیکن اس درجہ میں لائحہ عمل مدارج ہیں جو کثرت و قلت معلومات اور شرافت و خست معلومات اور ان کی تحصیل کے طریق کے لحاظ سے مختلف ہیں یہ عرف الہام الہی تعلیم اور اکتساب کے ذریعہ ہی حاصل ہوتے ہیں یا تو سرچ الحصول ہے یا بطنی الحصول اس علم میں علماء حکماء اولیاء اور انبیاء کی منازل بتاتے ہیں اور اس علم کے تفاوت کے حساب سے ان کے مناصب بھی متفاوت ہوتے ہیں اس میں ترقی کرنے کے

مدارج غیر محدود میں اور صحر کے قابل نہیں سب سے بلند ترین درجہ مقام نبوت ہے جس پر تمام حقائق یا ان کا اکثر حصہ منکشف ہوتا ہے بغیر اکتساب اور تکلیف اٹھانے کے بلکہ کشف کے ذریعہ سے نہایت قلیل وقت میں اور یہ وہ سعادت ہے کہ جب انسان اس کے وصال سے شاد کام ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا قرب اسے حاصل ہو جاتا ہے مکان اور مسافت کے طور پر نہیں بلکہ معنی اور حقیقت کے لحاظ سے ادب کا فرمانگاہ اس مقام کے بارے میں گفتگو کی باگ تمام لی جائے کیونکہ بعض لوگ یہاں اس حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ وہ قرب سے گزر رکھتے ہیں اور کسی کے ساتھ اتحاد کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں چنانچہ بعض پکاراٹھے سبحانی یا اعظم شانی دوسروں نے انہیں کفر و مارا بعض نے اس مقام کو حلول سے تعبیر کیا اور نصاریٰ نے لاہوت وناہوت کے اتحاد سے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہنے لگے وہ خدا کا نصف ہیں واللہ خداوند جل و علا کی ذات بلند ان بد بخت لوگوں کے قول سے بہت ارفع واعلیٰ ہے الغرض خدا کی طرف پہنچنے کے منازل بے حد و شمار ہیں سالک راہ سلوک میں جس منزل کو پالیتا ہے اس سے واقف ہو جاتا ہے اور اسی طرح گزشتہ تمام منازل کو جن کو وہ قطع کر چکا ہے پوری طرح پہچان لیتا ہے لیکن جو منزل اس کے سامنے ہے اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا الا بطور اجمال کے اور ایمان بالغیب کے چنانچہ حقیقت موت سے سوائے نبی کے اور کوئی شخص واقف نہیں ہوتا جس طرح جنمیں بچے کے حال سے آشنا نہیں اور بچہ صاحب تمیز لڑکے کی کیفیت اور ان ضروری معلومات سے جو اس پر مکمل چکے ہیں ناواقف ہوتا ہے پھر صاحب تمیز لڑکا صاحب عقل کے حال اور ان علوم نظریہ سے جو اس نے حاصل کیے ہیں بے خبر ہوتا ہے اسی طرح صاحب عقل و شعور لوگ ان حالات سے نا بلند محض ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و فراوانی رحمت سے ان پر نوازش کئے ہیں بقولہ تعالیٰ وَمَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لِلَّهِ اپنی رحمت کے دروازے جب کھول دے تو بند نہیں کر سکتا یا کرام و عنایات محض جو الہی سے مہذول ہوتے ہیں ان میں کسی کا اجارہ نہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا مستحق ہونے کے لئے ترقیہ نفس کے ذریعہ استعداد حاصل کرنا ضروری ہے اور جس طرح ایک رنگدار صورت کا اس میں کوئی تصور نہیں اگر رنگ آلود ہے تو اس کا عکس نہیں پڑتا۔ اس کا باعث تو لوہے کا کھر وراہن اور درشتی ہے جب اس کو مقل کر لینے سے اس کی کھر وراحت اور درشتی زائل ہو جاتی ہے اور وہ روشن ہو جاتا ہے اسی طرح تمہیں یقین رکھنا چاہیے کہ پردہ تمہاری طرف سے ہے رحمت الہی کی طرف سے کوئی حجاب نہیں۔ ع

جلوۂ طور تو موجود ہے موی ہی نہیں

اس لئے سرور عالم ﷺ نے فرمایا ان لربکم فی ایام دھر کم نفعات الا فتعرضوا لہا جانب الہی کے نایت جو دار اور نوازش فرمائی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بے حد زور دار الفاظ میں ترغیب و تشویق کے لیے فرمایا ینزل اللہ کل لیلۃ الی سماء الدنیا حین یدقی ثلث اللیل الاخیر فیقول هل من داع فاستجیب لہ هل من مسترحم فارحمہ ع

ہر شب کے آخر میں خدا  
اس آسمان پر آکر  
دیتا ہے رحمت کی صدا  
مجھ سے طلب کوئی کرے  
دو کا میں اس کو بر ملا  
مضطر ہو یا چاہ ہو  
بیمار ہو یا لاچار ہو  
سے طالب رحمت کوئی؟  
مانگے کہ دوں گا میں اسے  
سنتا ہوں میں سب کی دعا

اور فرمایا یتقرب الی شبرا یتقرب الیہ ذر عا و من اتانی یمشی آتیتہ عرو لہ جو شخص ایک باشت میری جانب آتا ہے میں اس کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہوں اور جو چل کر میری طرف آتا ہے، میں اس کی سمت دوڑ کر جاتا ہوں تمہیں لازم ہے کہ تم ان امور کی جستجو کے لئے قرآن و حدیث کا مطالعہ کرو کیونکہ یہ باتیں حصہ و احصاء خارج ہیں۔

۱۔ احادیث میں یہ بھی ہے لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ (حدیث قدسی) میرا بندہ میرا تقرب نوافل کے ذریعہ حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے نیز یہ بھی مذکور ہے اگر شیاطین نبی آدم کے دلوں کو نہ گھیر لیتے تو وہ ملکوت السموات والا ارض کو دیکھ لیتے۔

## فصل

### قوے نفس کا آپس میں ارتباط

یاد رکھو کہ قوی مراتب کے لحاظ سے متفاوت ہیں بعض اپنی ذات کے لئے مخصوص ہیں اور بعض دوسروں کے لئے بعض خدام ہیں اور بعض مخدوم رکبیں مطلق وہ ہر جو اپنی ذات کے لئے خاص ہیں دوسری ان کے لئے مقصود ہو چکے ہیں یہ آخری رتبہ ہے اور اس میں اولیاء اور انبیاء کے مراتب مختلف اور متفاوت ہیں کیونکہ انسان ان امور کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو اس کی فطری خصوصیات سے وابستہ ہیں جو اس کے علاوہ قوتیں ہیں اور نفس انسانی سے مخصوص ہیں ان میں حیوانات بھی انسان کے ساتھ شریک و ہمیں ہیں انسان کا رتبہ خلقت کے اعتبار سے ہیئت اور ملکیت کے بین بین ہے اور اس میں جملہ قوتیں اور صفات موجود ہیں بحیثیت غذا حاصل کرنے اور نسل پیدا کرنے کے وہ نباتات اور حس و حرکت کے اعتبار سے حیوان اور صورت اور قد و قامت کے لحاظ سے وہ اس تصویر کی مانند ہے جو دیوار پر منعکس ہو چکی وہ خاصہ ہے جس کے لئے قوت عقل و ادراک حقائق پیش کیے گئے تو جو شخص اپنی قوتوں کو علم و عمل کے شاہد سے ہمکنار ہونے کے لئے استعمال کرے گا وہ ملائکہ سے مشابہ ہوگا حق یہ ہے کہ وہ ان سے جا ملے گا اور عام یہ کہ وہ لحاظ نام کے فرشتہ اور ربانی کہلائیک جیسے قرآن میں ہے ان ہذا الا ملک کریم یہ تو ایک نیک فرشتہ ہے جو شخص بدنی لذات سے تمتع ہونے میں اپنی تمام ہمت صرف کر دیتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چار پائے جو چارہ کھاتے ہیں جب وہ بہائم کے افق پر آگرتا ہے تو وہ تیل کی مانند پیڑ، خنزیر کی طرح بدکار کتے کی مثل ذلیل اونٹ کی طرح کینہ ور چیتے کی مانند متکبر اور لومڑی کی طرح مکار ہو جاتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ بالا قوی میں نظر و فکر کریں گے انہیں معلوم ہو جائیگا کہ مقصیات عقل اس سے بہت بلند و ارفع ہیں اور وہ حیران ہو کر دیکھیگا کہ کس طرح وہ اپنی فطرت کے مطابق ایک دوسری کی چاکری اور خدمت کرتی ہیں اور ان امور میں احکام الہی کی مخالفت کی انہیں مجال نہیں۔

عقل رکبیں مخدوم ہے اس کا وزیر اس کی خدمت بجا لاتا ہے اور وہ سب چیزوں سے

زیادہ اس کے قریب ہے اسے عقل عملیہ کہتے ہیں جس کا نام ہم نے مراسم عقل کے مطابق قوت عالمہ رکھا ہے کیونکہ عقل عملی تدبیر بدن کے لئے ہے بدن آلہ نفس ہے اور اس کا گھوڑا جس پر سوار ہو کر نفس حواس کے واسطے سے ان ابتدائی علوم کو جن سے حقائق اشیاء امتیاط کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں شکار کرتا ہے پھر عقل عملیہ کو ہے جس کی چاکری وہم بجالاتا ہے وہم کی خادمہ دو قوتیں ہیں ایک قوت اس کے بعد ہے اور ایک قوت اس کے قبل ہے بعد والی قوت وہم کے اور اکات کی محافظ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور قبل والی قوت سے وہ تمام حیوانی قوتیں مراد ہیں جن کا ذکر ہم ابھی کریں گے ان تمام میں سے ایک قوت متخیلہ یعنی مقلدہ ہے اس کے دو مختلف الماخذ خادم ہیں قوت رغیبہ شوقیہ اس کے لئے براہیختہ کرنے کی خدمت بجالاتی ہے اس کے براہیختہ کرنے کا فعل تخیل اور فکر کے ذریعہ ہوتا ہے اور وہ قوت حافظہ صور جو حس مشترک میں ہوتی ہے اس کے اندر موجود صورتوں کی ترکیب و تفصیل کو قبول کرنے کی خدمت ادا کرتی ہے یہ دونوں قوتیں دو طائفوں کی رکھیں ہیں اول صورت کو محفوظ رکھنے والی اس کی امداد کے لئے مشترک مامور ہے جو صورتوں کو اٹھا کر اس کے سامنے پیش کرتی ہے تاکہ وہ انھیں اپنے میں جگہ دے لے دوسری قوت نزوعیہ اس کی خدمت کے لئے شہوت اور غضب مامور ہیں پھر شہوت و غضب کی خادمہ وہ قوت ہے جو عضلات کو محرک کرنے والی ہے یہاں پر قوائے حیوانیہ ختم ہو جاتے ہیں قوائے حیوانی کی صرف نباتی قوتیں ہیں نباتی قوتیں تین ہیں مولودہ مرہیہ اور غاذیہ ان کی افسر مولودہ ہے اس کی لونڈی مرہیہ اور مرہیہ کی لونڈی غاذیہ ہے پھر ان تین قوتوں کی خدمت پر چار کنیزیں مامور ہیں یعنی جاؤبہ، ماسکہ، ہاضمہ، اور دافعہ جاؤبہ کے بغیر نباتات کی زندگی محال ہے کیونکہ وہ غذا کو کھینچ کر اندر پہنچاتی ہے پھر ماسکہ ہے، ہاضمہ اس غذا کو ہضم کرتی ہے جو ماسکہ لے چکی ہے دافعہ ان کے بعد آتی ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ فضلات کو دور کرے دافعہ ایک ایسی خادمہ ہے جو سب کی نوکر ہے لیکن اس کی نوکر کوئی نہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے میوہل کمیٹیوں میں بھنگی ہوتے ہیں ان کے بعد حرارت، برودت، رطوبت اور یوست آتی ہیں جو ہاضمہ، جاؤبہ، ماسکہ اور دافعہ کو امداد دیتی ہیں اور یہ جسموں میں قوتوں کے زیریں مدارج ہیں قوائے مذکورہ بالا کی آسان اور سہل الفہم مثال یوں ہے کہ قوت مفکرہ کا مسکن وسط دماغ میں ہے جس طرح بادشاہ وسط مملکت میں قیام فرماتا ہے قوت خیالی کا مقام مقدم دماغ ہے جیسے صاحب بریدہ کہ اس کے پاس تمام خبریں جمع ہوتی ہے قوت حافظہ کا مسکن موخر دماغ ہے اس کی مثال اس کے خادم کی سی ہے قوت ملاحظہ اس کا ترجمان ہے قوت عالمہ اس کا کاتب ہے جو اس خسر



اس کی خفیہ پولیس ہیں لہجہ نامہ نگاروں کی حیثیت رکھتا ہے ان کا کام یہ ہے کہ افسروں کو وقتاً فوقتاً ان کے علاقے کی خبروں سے آگاہ کرتے رہیں ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقہ کی خبریں مہیا کرتا ہے بصارت عالم الوان کی موکل ہے کان آواز کا اور اسی طرح تمام حواس اپنے اپنے دائرہ عملی کے موکل ہیں یہ لوگ ان تمام خبروں کو صاحب بریدہ کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں صاحب بریدہ ان خبروں میں سے غیر ضروری کو چھانٹ کے الگ کر دیتا ہے اور باقی ماندہ کو صاف و مصفا کر کے ملک معظم کے حضور میں پیش کرتا ہے بادشاہ سلامت ان کو پرکھتا ہے ان کا نفع نقصان معلوم کرتا ہے اور انھیں اپنے خادم کے سپرد کر دیتا ہے تاکہ جب ضرورت واقع ہو تو وہ انہیں نکال کر پیش کر دے پھر جس طرح وہ اعمال جس پر بادشاہ بذات خود اور براہ راست حکم کرتا ہے ان اعمال سے افضل ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں کے استعمال میں آئیں اسی طرح نفس کی تولیت میں آئے ہوئے اعمال مثلاً لودیت اعتبار قیاس فراست اور نامعلوم باتوں کا استنباط ان خصائل سے اشرف ہیں مثلاً اصابت رائے عزت پذیر ی قیاس فراست اور استنباط ان چیزوں سے افضل ہیں جو نفس کے خدام استعمال کرتے ہیں کیونکہ نفس ہی حقیقت میں قوت منکرہ کے واسطے سے بادشاہ ہے یہ مثال اس روایت کے قریب قریب ہے جو کعب اخبار سے مروی ہے بیان کیا کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ارشاد کیا انسان کی دونوں آنکھیں اوڑھنا پھونکا ہیں دونوں کان سواری ہیں ان کی زبان اس کا ترجمان ہے دونوں ہاتھ فوج ہیں اسکے دونوں پاؤں ایلچی ہیں اور دل بادشاہ ہے جب دل اچھا ہے تو تمام لشکر اچھا ہو جاتا ہے پھر فرمایا میں نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا یہ نفس کے احوال کا مجمل بیان ہے جسے ہم نے مختصر کر کے تمہارے سامنے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نفس کے عجائبات میں سے یہ چند باتیں ہیں اگر تم تشریح اعضا پر نظر کرو اور عروق اعصاب نسون ہڈیوں شریانوں اور رگوں کا غور سے مطالعہ کرو پھر ان اعضا کو دیکھو جو بطور آلہ کے نفس انسانی کے لئے طعام کو اول ہضم پھر اسے دور کرنے کی خاطر تیار کیے گئے ہیں ان آلات پر غور کرو جو نسل انسانی کے بقا کے لئے بنائے گئے ہیں تم ان عجائبات پر مطلع ہو جاؤ گے جو ان کے خود بخود ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں تشریح اجسام سے فارغ ہو کر جب ان اجسام کے قوی کی تفصیل پر نظر کرو گے اور علوم طبیعی کے حقائق کی معرفت کا استحصا کرو گے تو تمہارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہے گی پھر کس قدر افسوس ہے اس شخص پر جو خدا کا انکار کرتا ہے اور اس کے اس فرمان سے روگردانی کرتا ہے کہ **وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰاتٌ لِّلْمُوقِنِیْنَ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ**

افلا تبصرون اور ان میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہارے نفسوں میں کیا تم نہیں دیکھتے؟ ہاں بلکہ ہر ایک چیز اس امر پر شاہد عادل ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ واحد ہے جو شخص خدا پر ایمان نہیں لاتا وہ عقلمندوں کے گروہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا اور وہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کلمات سے اسے خطاب کیا جائے بلکہ ہمارا روئے سخن تو اس شخص کی طرف ہے جو اجمالی رنگ میں خدا کی تصدیق کرتا ہے پھر ہم اسے خدا تعالیٰ کی قدرتوں میں بحث و نظر سے کام لینے کی دعوت دیتے ہیں تاکہ اس طریقہ سے اس کا ایمان اور یقین ترقی پائے اور خدا کی عظمت و جلال اس کی نظروں میں زیادہ ہو پس جس شے کا اور اک حواس خمسہ نہیں کر سکتے اسے اس کے نشانات کے ذریعہ عقل و فہم تکر لیتی ہے چنانچہ اس کی معرفت کے استقصا کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نشانات میں نظر کو وسیع کیا جائے بلکہ ہم ایک ایسی مثال پیش کریں گے جو تمام لوگوں کے افہام کے قریب ہو علماء میں جس قدر فقیہ ہو گزرے میں سب ان مذکورہ بالا امور میں اعتقاد رکھتے تھے مثلاً امام ابو حنیفہ اور امام شافعی وغیرہ جو اس قدر بلند پایہ بزرگ تھے کہ ہمارا امر ان کی تعلیم کے لئے بے اختیار جھک پڑتا ہے۔

اور اس امر میں تمام خلقت مشترک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو کسی مصنف کی کسی تحریر کا نظر غائر مطالعہ کرے پھر اس میں مصنف کی صنعت کے عجائبات اور اس کی دانائی کی ندرت طرازیوں سے روشناس ہو اور پھر بھی اس کا خیال اور عقیدت صاحب مصنف سے وہی رہے جو اس کتاب کے مطالعہ سے جو مشترک بلکہ جوں جوں وہ قابل مصنف کے کلام اشعار یا طرز بیان و اسلوب نگارش کے اوصاف و کمالات سے مطلع ہوتا جائیگا تو اس کے دل میں اس کی عقیدت و تعظیم اور توقیر کی زیادہ ہوتی جائیگی پس جو شخص اس بات کو پہچانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صانع عالم ہے اس شخص کی مانند ہے جسے معلوم ہے کہ زید اور دوسرے شخص میں فرق یہ ہے کہ زید صاحب دیوان اور مصنف کتاب ہے اب یہ عقیدہ اس شخص کے عقیدہ کو کہاں پہنچ سکتا ہے جو اس کے شعروں کو پڑھتا ہے اور ان میں شاعری کے عجائبات

ایہ قول ہی قول کے مطابق ہے جو حضرت امام اعظمؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص خدا کے بارے میں ان پڑھ ہونے کا اندر کرتا ہے وہ قابل قبول نہیں کیونکہ خدا کی قدرتیں تو آنکھوں کے سامنے ہیں۔

پاتا ہے وہ اس کی تصنیف کا مطالعہ کرتا ہے اور صاحب علم و فضل ہونے کے باعث کتاب کی خوبیاں اس پر روشن ہو جاتی ہیں تو اس شخص کے دل میں تحقیق اور بصیرت کے ذریعہ زہد کی عظمت قدر اور بلند درجہ کے متعلق نہایت مضبوط اور راسخ اعتقاد پیدا ہو جائیگا بخلاف اس کے دوسرے شخص کا اعتقاد ان امور کے متعلق نہایت مجمل ضعیف اور بے بصیرت و تحقیق ہوگا اور یہی فرق ہے عوام اور اصحاب بصیرت کے درمیان۔ کائنات عالم اس لحاظ سے کہ اس میں اللہ کی صنعت کے عجائبات ہیں خدا کی تصنیف ہے یہ صحیفہ الہی ہے یہ اس کی تالیف ہے اس میں اس کی ابداع و اختراع کی کار فرمائیاں بھر پور ہیں نفس انسانی کائنات کا ایک جزء ہے اور اپنے کل کی طرف عجب و غرائب سے مٹھون اور مملو ہے چنانچہ انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ ان کے اندر غور و فکر کرتا رہے اس سے اس کو یہ فائدہ ہوگا کہ اس کا اعتقاد زیادہ اور ایمان پختہ ہو جائیگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انفس، آفاق اور ملکوت السموات والارض میں نظر و فکر کرنے کی بے حد ترغیب دی ہے اسی کے بارے میں ہے کہ جب آیت ان فسی خلق السموات والارض واختلاف السیل والنهار لآیات لأولی الالباب نازل ہوئی تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ویل لمن لا کھا بین لحدیہ ولم یفکر فیہا اس شخص پر انہوں نے جس نے کائنات کو اپنی ٹھوڑی کے قریب پایا پھر اس میں فکر نہ کیا۔

## فصل

عمل کی علم سے نسبت ان کا ثمرہ سعادت ہے اہل تصوف

اس پر متفق ہیں اور دوسرے اہل نظر موسید ہیں

عمل کی تاخیر یہ ہے کہ وہ نامناسب باتوں کو دور کر دیتا ہے اور علم میں کوشش کرنا باطنی امور کے حصول کی سعی ہے اور نامناسب امور کا ازالہ شرط ہے باطنی امور کے لئے جگہ خالی کرنے کے لئے شروط بذات خود مقصود ہے اور یہ شرط سے اشرف ہے اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے اولاد حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی بیوی ایک ایسے مرض

میں مبتلا ہے جو استقرارِ حمل کو مانع ہے اب اس شخص کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے دو کام کرنا ہونگے اول اس مرض کو دور کرنا جو نطفے کو رحم میں قرار پکڑنے سے روکتا ہے اور دوم مرض کے ازالہ کے بعد نطفہ کو رحم میں ڈالنا اس لحاظ سے امر اول شرط ہے امر دوم کے لیے اور امر دوم ہی غایت مطلوب ہے۔

فرض کرو کہ ایک مکان بادشاہ کے لئے بنایا گیا تھا اس کی شان و شوکت اور زیب و زینت بھی بادشاہ کے نزولِ اجلال کے حسب شان تھی پھر اس میں خزیروں اور بندروں نے جبراً جبکہ بنائی اب اس کی دوبارہ خوبصورتی اور تکمیل و دو باتوں پر منحصر ہے اول ان جانوروں کو نکالنا جو خوشبو اس پر قابض ہو گئے ہیں اور دوم مستحق کو اس میں تشریف فرما کرنا یا فرض کرو کہ ایک رنگ آلود آئینہ ہے جس کی صفائی اور جلّاء کو رنگ نے چھپا دیا ہے اور ہماری صورتیں ان میں منعکس نہیں ہوسکتیں اس لئے آئینہ کا کمال یہ ہے کہ قبولِ صورت کے لئے مستعد ہو جائے اور جیسی شکل اس کے مقابل کی جائے ویسا ہی عکس دیدے اس کے حصول کے لیے دو باتیں ہیں پہلی بات جلا اور صیقل ہے یعنی اس میل کو دور کیا جائے جو اس پر نہ ہونا چاہیے دوسری بات یہ ہے کہ آئینہ کو ہم اس کے چہرے کے سامنے لائیں جس کا عکس اس میں لینا مقصود ہے اس طرح نفسِ انسانی اس بات کے لئے مستعد ہے کہ جب حق کی طرف ہر شے میں اسے محاذی کیا جائے تو وہ آئینہ کی مانند ہو جائے اور ان کا عکس لے لے اور ایک لحاظ سے وہی ہو جائے اگرچہ دوسرے لحاظ سے وہ اس کا غیر ہو جیسے صورت اور آئینے کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں نفسِ انسانی اس درجہ کو پہنچ جاتا اس کا کمال ہے یہی وہ خاصہ ہے جو نطفے درجے کے حیوانات سے جدا ہو چکا ہے کیونکہ یہ استعداد قوت اور فعل تمام لحاظات سے انسان کے سوا تمام جانداروں سے سلب کر لی گئی ہے جس طرح ککڑی اور مرغی سے صورتوں کا عکس دینے کی قابلیت مصلوب ہو چکی ہے اور ان کا آئینہ نہیں بن سکتا فرشتوں میں یہ استعداد ہمیشہ کے لئے ابدی طور پر پائی جاتی ہے ان سے کبھی جدا نہیں ہوتی جس طرح صاف پانی میں یہ ہمیشہ موجود رہتی ہے چنانچہ صاف پانی میں خصوصاً صورتوں کا عکس پڑ جاتا ہے انسان میں یہ استعداد بالقوت ہے باعتبارِ فعل نہیں چنانچہ اگر وہ مجاہدہ نفس سے کام لے تو واقعی ملائکہ سے ملحق ہو جاتا ہے لیکن اگر انسان خواہشات کی پیروی میں ایسے اعمال پر پھنکی اختیار کرے جن سے روح پر رنگ کے تودے جمع ہو جاتے ہیں تو انجام کار اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے تاریکی پر تاریکی چھا جاتی ہے اور کلی طور پر اس کی استعداد باطل اور برباد ہو جاتی ہے اس کا نام بہائم کی فرصت میں درج ہو جاتا ہے اور اپنی

سعادت اور کمال سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم و پاس نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ حالت لا علاج ہے۔

عمل کے معنی ہیں شہوات کو توڑنا اور وہ اس طرح کہ نفس کو ان کے جانب جھکنے سے پھیر کر خدا کی بارگاہِ معنی کی جانب اس کا منہ کروایا جائے تاکہ نفس سے تمام وہ مناسبات خبیثہ اور خلافِ حق رہید کر دیے جائیں جنہوں نے اسے جانبِ سافلتہ سے جکڑ رکھا ہے یہاں تک کہ جب یہ رشتے باطل ہو جائیں یا کمزور پڑ جائیں تو نفس حقائق الہیہ کے نظارے میں مشغول ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اسی طرح امور شریفہ کی بارش ہونے لگتی ہے جس طرح اولیاء انبیاء اور صدیقین پر ہوا کرتی ہے۔

یہ ایک شکار ہے جس میں جس قدر زیادہ کوشش کی جائے گی اس قدر نتائج عمدہ ہونگے چنانچہ شکار کے ساز و سامان زیادہ کرنے سے شکار بھی زیادہ ملتا ہے یہی حال تجارت اور سودے کا ہے اور یہی کیفیت فقرِ نفس کے غزال کو دروم میں لانے کی ہے ذکاوت فطری کی زیادتی سے تھوڑا اجتہاد بھی مجتہدین کی حد سے گزر جاتا ہے یہی حال ان علاقے کے نفسِ پاک کہ لینے کا ہے کہ فطرتِ اول کے اعتبار سے طہارتِ نفس بھی بہت مختلف ہوتی ہے پھر کوشش کا اختلاف بھی ہے اور یہاں سے اس قدر تفاوت پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا حصر ناممکن ہے یہی حال سعادتِ آخرت کا ہے۔

پس اللہ عز و جل کی اس رحمت کا فیضان غایتِ مطلوب ہے اور یہی تین سعادت ہے جو نفس کو موت کے بعد حاصل ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ نفس کے علاقے کا ازالہ کر دیا جائے اور صفاتِ ردیہ کو محو کر دیا جائے جو اتباعِ شہوات کے باعث نفس کو چٹ گئے ہیں۔

چنانچہ عمل کے معنی یہی ہیں کہ ناجائز امور کا مجاہدہ نفس کے ذریعہ ازالہ کیا جائے جب اس کو اتباعِ شہوات سے نسبت دی جائے تو ان کی فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے اور جب ماضی امور کی تحصیل کی طرف اس کو نسبت دی جائے تو ان کا رتبہ اس سے شرط و شروط کا سا ہوتا ہے اور خادم و مخدوم کا اس کو اپنے فیہر سے جو نسبت ہے وہی نسبت اس کو اپنی ذات سے ہے اس کے باب میں رسول اللہ ﷺ نے حمیہ فرمائی جب ارشاد کیا لا یمان بضیع و سبوعون بابا اذناھا اصاطۃ الاذی من الطریق ایمان کی ستر سے کچھ اوپر قسمیں ہیں ان میں سب سے چھوٹی رستہ سے اذیت دور کرنا ہے اور عبادات کے ذریعہ مجاہدہ کرنے کی زیادہ تر غرض بھی راہ سے موانعات دور کرنا ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس حدیث سے مراد اینٹ پتھر اور

ہڈی کو رستہ سے ہٹا دینا ہے اور اکثر لوگوں کے فہم کے قریب یہی بات ہے دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ الفاظ کے معانی سمجھنے میں لوگوں کے افہام مراتب کے حساب سے متفاوت ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے نضر اللہ امرأ سمع مقالتي فوعاها ثم اداها لسا مسمعا من رب حامل فقه غير فقه ورب حامل فقه الي من هو افقه منه اللہ کی رحمت ہے اس شخص پر جو میرا قول سنے اور اسے ضبط کرے پھر اسے جس طرح سنا تھا ادا کرے کیونکہ بسا اوقات حامل فقه غیر فقه ہوتا ہے اور بسا اوقات دانائی کا حامل ایسے شخص کی طرف فقہ کی بات لے جاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھدار ہے۔

پس اگر آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں بے سمجھ دار آدمی سے سمجھدار آدمی کے لئے زیادہ معافی نہ ہوتے تو اس نصیحت پر زور کیوں دیتے پھر کاش مجھے کوئی شخص بتا تا جب کثرت کو میں دیکھوں تو کیا حق فقیر کی جانب پایا جائیگا یا فقہ کی طرف یا ان سب کے غیر کی طرف اس میں شک نہیں کہ یہ بات شاذ و نادر ہے اور غالب اس کے خلاف ہے جو بات فہم جمہور کے سامنے ہو وہ ممکن ہے حق سے دور ہو اور فقیر اور افتخار شخاص کی سمجھ میں جو بات آئے وہی درست ہو خصوصاً ایسا لفظ جس کی تصریح بالتحصیص نہ کی گئی ہو چنانچہ لفظ "اذیت" عام ہے اور لفظ "طریق" بھی عام ہے اگر شارح علیہ السلام کو ظاہر معانی مقصود ہوتے تو شیشہ اور ڈھیلے کے لفظ کا ذکر کرتے اور اس کی مثالیں بیان کر کے تنبیہ کر دیتے یہ ظاہر بھی عموم کے نیچے مندرج ہے اس سے مقصود بھی اصلاح نفس تہذیب اخلاق اور نفس سے غفلت کی خرابی قساوت اور قلت شفقت دور کرنا ہے ہم اسکے طریق کا بیان جلد ہی سوائے اخلاق و حسن اخلاق کے باب میں کریں گے۔

اب تم جان گئے ہو گے کہ سعادت و کمال نفس یہ ہے کہ امور الہیہ کے حقائق کے نقش اس پر ثبت ہو جائیں اور وہ ان سے اتحاد پیدا کر لے یہاں تک کہ اس کی اپنی ہستی فنا ہو جائے اور تا کس گویہ بعض ازمین من دیگر تو دیگری کا مضمون پیدا ہو جائے اور یہ مرتبہ صرف ان پہنات ردیہ سے جو شہوت و غضب کی مقتضی ہیں نفس کو پاک کر لینے کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بات مجاہدہ و عمل ہی سے کر سکتے ہیں عمل طہارت کے لئے ہے اور طہارت شرط ہے اس کمال کی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین کی بنیاد نظافت پر قائم ہے۔

## فصل

صوفیاء کے نزدیک علم حاصل کرنے

کا طریقہ دوسرے لوگوں سے جدا ہے

یاد رہے کہ عمل کا پہلو تو متعلق علیہ ہے۔ اور یہ صفاتِ ربیہ کو نگو کرنے اور اخلاقِ سیئہ سے نفس کو پاک کرنے کے لئے مقصود ہے لیکن علم کی جانب مختلف ہے صوفیاء کے طریقے علماء اہل علم میں سے اصحابِ نظر کے طریقوں سے متباہن ہیں کیونکہ اہل تصوف تحصیلِ علوم اور ان کی مہارت پر زور نہیں دیتے اور نہ ہی حقائقِ امور سے متعلق مصنفین کی تصانیف کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں بلکہ ان کا خیال ہے کہ بہترین طریقہ یہی ہے کہ صفاتِ محسوسہ محسوسہ اور تمامِ علایق کو قطع کرنے اور تمامِ ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے کے ذریعہ جدوجہد سے ابتداء کی جائے اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے تو اس پر خدا کی رحمت کی بارش کا سیلاب امنڈ آتا ہے ملکوت کے اسرار ان پر منکشف اور حقائق کے خزانے اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں اس مقام میں مجرد تصفیہ باطن خلوسِ نیت مع ارادہ صادق و تقویٰ تام اور فتوحاتِ الہی کا انتظار کامل لازم ہے کیونکہ اولیاء اور انبیاء پر جن امور کا انکشاف ہوا اور ان کے نفوس جو سعادت سے ہم کنار ہو کر کمال ممکن تک پہنچے تو اس کا باعث تعلیم نہ تھی بلکہ دنیا سے بے رغبتی اور اس کے تعلقات سے روگردانی اور بیزاری و کامل ہمت و سرگرمی سے اللہ کی طرف رجوع کرنا ہی اس کا موجب تھا کیونکہ من کان للہ کان اللہ جو سائنس کا بوجھ سائنس اس کا ہوا۔

چنانچہ ایک زمانہ میں جب مجھے اس شاہراہ پر گامزن ہونے کا شوق پیدا ہوا تو میں نے صوفیائے کرام میں سے ایک جبرہ کامل سے ملاقات قرآن کی موعظت اور عقلی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے مجھے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ اس منزل کی طرف چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا سے کامل اور کلی طور پر علائق اور وابطہ منقطع کر لو اس طرح کہ تمہارا دل نہ الی و عیال کی جانب مائل ہو نہ مال و اولاد پر راغب ہو نہ وطن کی جہت باقی رہے نہ علم و حکومت کا شوق ہو بلکہ تم بے نیازی کی دولت سے اس قدر مالا مال ہو جاؤ کہ ان سب کا عدم وجود تمہارے لئے برابر ہو جائے پھر تم دنیا سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ تم صرف فریضہ عبادت ادا کرو اور مراتبِ سلوک طے کرو اور کامل فراغت دلی حاصل کر کے ہمتِ حق اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم زبانی طور پر ذکر الہی میں موعظت کرو ہر وقت اللہ اللہ کا و خلیفہ

سوچ سمجھ کر اور حضور قلب کے ساتھ ورد زبان رہے یہاں تک کہ تمہاری حالت ایسی ہو جائے کہ اگر تم زبان بھی نہ بلاؤ تو بھی یہ کلمہ کثرت تکرار کے باعث تمہاری زبان پر بے اختیار جاری رہے پھر تم اس حالت پر بدستور قائم رہو یہاں تک کہ زبان کا اثر محو ہو کر دل اور روح تک جا پہنچے اور یہ دونوں حرکت زبان کے بغیر اس ذکر میں مشغول و ہمکنار رہیں پھر اس حالت کی اس قدر مشق بہم پہنچاؤ کہ دل میں صرف لفظ کے معانی ہی رہ جائیں اور تمہارے دل میں الفاظ کے حروف اور ان کی شکل و صورت کا نشان بھی نہ رہے بلکہ تمہارے دل میں ان کے صرف معنی ہی الدوام لزم رہ جائیں یہ مقام تمہارے اختیار کی آخری حد ہے اس کے بعد صرف بے در پے آنے والے وساوس کو روکنے اور دور کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہنے کا اختیار رہ جاتا ہے۔

اس مقام سے گزرنے کے بعد تم پھر بے اختیار ہو جاتے ہو اور صرف اس قسم کے مکاشفات کے ظہور کا انتظام باقی رہ جائیگا جو اولیاء پر ظاہر ہوا کرتے ہیں بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو انبیاء پر ظاہر ہوتے ہیں ان کی برق خاٹھ کی سی مثال ہے۔ جو قائم نہیں رہتے پھر لوٹتے ہیں دیر سے آتے ہیں اگر لوٹ کر دوبارہ آئیں تو قائم بھی رہتے ہیں لیکن طول نہیں چکوتے ان کی کیفیت صرف ان سے واسطہ اور سابقہ پڑنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے ان کی کوئی ایک قسم اور شاخ نہیں اولیاء اللہ کی پیدائش اور اخلاق کے تفاوت کے باعث اس مقام میں بے حد و حساب منازل ہیں یہی صوفیاء کا اسلوب کار ہے انھوں نے اس معاملے کو تمہاری طرف سے تلخیص محض تغیر اور جلد کی طرف پھیر دیا ہے پھر فقط استعداد و انتظار کی طرف ارباب نظر و فکر نے بھی اس رستہ کے وجود کا اور اس کے مقصد پر پہنچانے کا انکار نہیں کیا اور یہ انبیاء اولیاء کے احوال کا بزرگترین حصہ ہے لیکن انھوں نے اس رستہ کو بہت مشکل اور دشوار قرار دیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ اس ذریعہ سے منزل مقصود پر پہنچنا بہت ہی مستبعد ہے ان کا دعویٰ ہے کہ اجتہاد کے ساتھ اس حد تک مجموعہ علاق مقصود کا حکم رکھتا ہے اور اگر کسی حالت میں یہ بات حاصل بھی ہو جائے تو اس کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ بعید ہے اور ادنیٰ دوسرے اور خطرہ تشویشناک ہوتا ہے اس مجاہدہ کے دوران میں ہی مزاج خراب عقل مختل اور جسمانی صحت خراب ہو جاتی ہے اور مانگو لیا تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس جب نفس نے علوم حقیقیہ پر ہانیہ کے ذریعہ ریاضت نہ کی تو بعض ایسے خیالات پیدا ہوئے جن کو نفس نے خیال کیا کہ یہ حقیقتیں ہیں جو اس پر نازل ہو رہی ہیں کتنے ہی صوفی دس دس سال تک خلاصی پانے تک ایک ہی خیال میں گھرے رہتے ہیں لیکن اگر وہ پہلے



علوم کے ذریعہ یقین حاصل کر لیتے تو بدیہی طور پر رہائی پا جاتے اس لئے معیارِ علم کی معرفت اور علوم، مفصلہ کے دلائل حاصل کرنے کے ساتھ تحصیل میں مشغول ہونا ہی اولیٰ ہے کیونکہ یہ امر مقصود منزل تک دلیل راہ بن کر رتق کے ساتھ پہنچا دیتا ہے جس طرح فقہائے علم کی تحصیل کے لئے اجتہاد و بحث کا رہنا تا ہے حضور ﷺ بغیر اجتہاد کے فقہائے علم تھے لیکن اگر کوئی مرید چاہے کہ ان کے رتبہ کو مجرد یا حمت کے ذریعہ سے حاصل کر لے تو اس کی توقع کا پورا ہونا ناممکن ہے اس لئے واجب ہے کہ بحث و نظر کے طور پر نفس کے متعلق علوم حقیقی کو جہاں تک ہو سکے حاصل کرے اس کی صورت یہ ہے کہ اول ان باتوں کو تحصیل کرے جو پہلے ہو کر حاصل کر چکے ہیں اس کے بعد کوئی حرج نہیں کہ ان امور الہیہ کے انکشاف کا انتظار کرے جو غور کرنے والے علماء پر منکشف نہیں ہوئے کیونکہ منکشف امور سے غیر منکشف کی تعداد زیادہ ہے دونوں گروہوں میں یہ اختلاف تاجین ہے ہمیں ایک مثال سوجھی ہے جو امید ہے ان گمراہ سمجھ والوں کو جو حقائق عقلیہ کے اور اک کے لئے محسوسات کی مثالوں کے محتاج ہیں بات سمجھانے میں مفید ثابت ہو گی اور مذکورہ بالا دونوں فریقوں کے درمیان فرق بتانے کا باعث بنے گی کہتے ہیں کہ اہل چین اہل روم نے ایک بادشاہ کے حضور میں اپنا کمال مناعت و نقش دکھانے کا ارادہ ظاہر کیا بادشاہ کی رائے اس امر پر ٹھہری کہ دونوں کو ایک کمرہ دیدیا جائے جس کی ایک جانب کو اہل چین نقش و نگار سے آراستہ کریں اور دوسری جانب کو اہل روم لیکن دونوں کے مابین ایک پردہ لٹکادیا جائے تاکہ ایک دوسرے کی کارنی گری سے مطلع نہ ہونے پائیں اور جب فارغ ہوں تو پردہ اٹھا دیا جائے اور دونوں کی کارگیری اور کمال کئی پرکھ کر لی جائے چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا گیا رومی نقاشوں نے رنگارنگ کے تیل بولے اور قسما قسم کے نقش و نگار سے اپنی جانب کو آراستہ کرنا شروع کیا پردے کے دوسری طرف چینی ہاکمالوں نے کسی قسم کا رنگ استعمال نہ کیا بلکہ اپنی جانب کو مٹھل اور جلا کرنے لگے لوگ دیکھ دیکھ کر حجب ہوتے تھے کہ یہ کیسے بے وقوف ہیں کہ رنگ استعمال نہیں کرتے جب رومی اپنا کام ختم کر چکے تو چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہیں ان سے پوچھا گیا کیسے؟ حالانکہ نہ تیار ہے پاس رنگ و روغن تھا نہ تم نے نقش و نگار بنائے ہیں وہ بولے تمہیں اس سے کیا غرض ہے تم پردہ اٹھاؤ اور اپنے دعویٰ کی تصدیق ہمارا فرض ہے لوگوں نے پردہ اٹھایا اور حیران ہو کر دیکھا کہ چینیوں کی جانب بھی رومیوں کے سے نقش و نگار سے جگمگ جگمگ کر رہی ہے وجہ یہ تھی کہ ان کی جانب صفائی اور جلائی کی کثرت سے آئینہ کی مانند ہو رہی تھی اور اس میں تمام وہ تیل بولے جو دوسری جانب تھے منعکس ہو کر اس کی رونق کو دوہالا کر رہے تھے لہذا تم یوں مجھو کہ نفس ایک آئینہ ہے جس میں علوم الہی کے نقوش منعکس ہوتے

ہیں اس مقام کے حصول کے دو طریقے تمہارے سامنے ہیں (اول) اہل روم کی طرح بذاتہ نقوش و نگار حاصل کرنا دوم خارجی نقوش و نگار کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کرنا اور خارجی نگارستان لوح محفوظ اور نفوس ملائکہ ہیں کیونکہ وہ علوم حقیقیہ کے نقوش سے بالفعل اور دواہی طور پر آراستہ و جڑا ستہ ہیں جس طرح تمہارا دماغ اگر تم حافظ قرآن ہو تو قرآن کے الفاظ اس میں تمام کے تمام نقوش ہوتے ہیں اور یہی حال تمہارے دوسرے جملہ علوم کا ہے ان کے نقوش نہ محسوس ہو سکتے ہیں اور نہ دیکھے جاسکتے ہیں بلکہ عقلی طور پر ان کے نشانات دماغ میں ثبت ہوتے ہیں جو شخص ان کا انکار کرتا ہے اس کی عقل میں فتور ہے کہ وہ محسوسات سے اوپر کسی اور چیز کا ادراک نہیں کر سکتا۔

## فصل

### ان دو طریقوں سے اولیٰ کونسا ہے

اگر تم کہو کہ دونوں طریقے تو ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں جن کا تم نے بیان کیا ہے اب ان میں تمہارے نزدیک اولیٰ کونسا ہے تو یاد رکھو کہ اس قسم کے امور میں فیصلہ کی نوعیت کا انحصار اس اجتہاد کے مطابق ہوتا ہے جس کا تقاضہ مجتہد کا حال اور مقام کرتا ہے جس میں وہ ہو اور حق بات جو مجھ پر روشن ہوئی ہے اور پورا علم تو اس بارے میں اللہ ہی کو ہے یہ کہ اس معاملے میں مطلق نفی یا اثبات کا حکم صادر کر دینا غلطی ہے بلکہ اضافی طور پر اشخاص و حالات کے مطابق فیصلے میں اختلاف ہو گا جو شخص سالک بننے کی رغبت رکھتا ہے اس کا معاملہ بہت اہم ہوتا ہے اس کے لئے سب سے بہتر یہی ہے کہ صوفیہ کے طریقہ پر قناعت کرے یعنی قطعِ علاقہ اور عبادت پر مواعبت اختیار کرے کیونکہ علوم کسبیہ کی جستجو کرنا تاکہ نفس میں ایک قائم و ثابت ملکہ پیدا ہو جائے بہت مشکل ہے اور یہ صرف غفوانِ عمر میں آسان ہوتا ہے صغیر سنی میں علم سیکھنا پختہ کی کیکر کا حکم رکھتا ہے بڑھاپے میں ریاضت ایک مصیبت سے کم نہیں کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ جو شخص ہزار سال میں علم حاصل کرنا چاہے وہ کیا کرے جواب دیا نسلِ مکمل کے نہلاؤ شاید اس کی رنگت سفید ہو جائے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر لوگوں کے لئے اولیٰ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں اور علم صرف اسی قدر حاصل کریں جس قدر عمل کی پہچان کے لئے ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ غفوانِ اشباب میں ان امور کی جانب متوجہ نہیں ہوئے اگر کوئی شخص اس امر میں تعصیب

واعتبار حاصل کرے تو یہ اس کی فطری سعادت مندی اور ذکاوت کی دلیل ہے۔

پھر اگر اسے معلوم ہو کہ دقیق حقائق عقلیہ کو سمجھنے کی استعداد اس میں نہیں تو بھی اسے واجب ہے کہ عمل میں مشغول ہو کیونکہ فطری علوم میں اس کا اشتغال مفید نہ ہوگا اگر اس کی فطرت علوم کو قبول کرنے کی استعداد رکھنے والا ہو لیکن اس کے شہر یا اس کے زمانے میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جو علوم نظریہ کا باہر اور سابقین کی تقلید سے بے نیاز ہو کر ترقی کرانے والا ہو تو اس حالت میں بھی اس کے لئے عمل ہی لڑائی ہے کیونکہ اس بات کا حاصل کرنا معلم کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ قوت بشریہ کے لحاظ سے شخص واحد کے لئے ناممکن ہے کہ ان علوم کو حاصل کرے سوائے چند کے اور وہ بھی ایک عرصہ دراز کی محنت کے بعد اور اسی لئے مثلاً اگر علم طب مرتب اور اس کا قانون تیار نہ ہو چکا ہوتا اور ازمنہ مضطرب میں وہ ایک باقاعدہ صورت اختیار نہ کر چکا ہوتا تو بہترین دل و دماغ کے لوگوں کو بھی ایک بیماری کا علاج معلوم کرنے کے لئے ایک عمر طویل کی ضرورت ہوتی چہ جائیکہ سب بیماروں کے مداوی کا طریقہ معلوم کرنے کے لئے اور عام طور پر دنیا اس قسم کے عالم متہم کے وجود سے خالی ہے۔

پس جب قلیل میں سے پھر قلیل جماعت رہ گئی اور یہ وہ لوگ ہیں جو زکی ہوں وہ ابتدائی عمر میں اس بات کے لئے بیداری حاصل کر لیں کہ فہم علوم کی استعداد انہیں مل جائے اور علوم کے مستقل عالم ہو جائیں نہ صرف نام کے لحاظ سے بلکہ حقیقت کے اعتبار سے اصلی طور پر نہ رسمی طور پر جیسا کہ اکثر علماء کی حالت ہے تو یہ لوگ یا تو ایمان مذاہب کے مقلد ہوتے ہیں یا ایمان مذاہب کے طرز استدلال کے پیرو۔ تو جو شخص ان کی تقلید کرتا ہے اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا یا وہ جو ان ہے جس نے طلب علم میں نشوونما پائی اور وہ فی نفسہ زکی ہے اور اس نے علوم کے انواع کے ساتھ رام ہو کر بیداری حاصل کی ہو اس نوع کے شخص کے لئے دونوں طریقے کھلے ہیں اس کے لئے لڑائی یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے طریق تعلیم پر گامزن ہو چنانچہ وہ ان تمام علوم پر ہانیہ کی تحصیل کرے جس کا ادراک قوت بشریہ و وجد اور تعلیم کے ذریعہ کر سکتی ہے پھر جب وہ حتی الامکان تحصیل علوم کر چکے یہاں تک کہ ان علوم کی قسم میں سے کوئی علم باقی نہ رہے جسے اس نے نہ پڑھا ہو تو اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ دنیا اور اہل دنیا سے منہ موڑ کر خاصاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے اور رحمت الہی کا منتظر کرم رہے کچھ جب نہیں کہ جو باتیں اس راہ کے بہت مسافروں کی نگاہ سے پوشیدہ رہی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان کا نقاب واکر دے یہ ہماری رائے ہے اور حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے اس رائے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اکثر مخلوق کے

لئے درست طریقہ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں۔

عمل کا ایک حصہ علم عملی ہے یعنی وہ علم جس سے عمل کی کیفیت معلوم ہو علم عملی عمل سے اشرف نہیں بلکہ اس سے اونٹنی ہے کیونکہ عقل تو مقصود اور علم سے معلوم افضل ہے جہاں کے لئے علم ہوتا ہے جیسے اللہ کا علم اس کی صفات کا اس کے فرشتوں کا اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کا اور نفس اور ان کی صفات کا علم اور زمین اور آسمانوں وغیرہ کے ملکوت کا علم یہ علوم نظری ہیں اور عملی نہیں اگرچہ ممکن ہے کہ اخلاقی طور پر ان سے عمل میں کچھ استفادہ ہو جائے چونکہ اکثر مخلوقات کے لئے عمل میں ہی بہتری ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے نہایت شرح و بسط سے اور تفصیل و تاویل کے طور پر ان کا احاطہ کیا ہے یہاں تک کہ لوگوں کو احتیاج کا طریق اور اس کی کیفیت تک سکھادی اور جب علوم نظریہ کے سکھانے کا وقت آیا تو اجمال سے کام لیا اور تفصیل نہ کی اور اللہ تعالیٰ کے صفات کے باب میں صرف اس قدر فرمایا لیس کلمہ شیء اس کی مثل کوئی شے نہیں و صواعق البصیر اور وہ ستارہ دیکھتا ہے ہاں اجمال علم کے بعد اس کی عظمت بزرگی اور اس کا عمل پر مقدم ہونا بیان کیا اس قدر کہ حیطہ بیان سے باہر ہے جیسے فرمایا تفکر سامعہ خیر من عبادۃ مسلم (حدیث) ایک گھڑی کا غور و فکر ایک سال کی عبادت کے برابر ہے پھر فرمایا فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی البدر عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو چودھویں رات کے چاند کو حاصل ہے وغیرہ وغیرہ اس بارے میں وارد ہے پھر یہ غم جو عمل پر مقدم ہے دو باتوں سے خالی نہیں یا تو علم کیفیت عمل کے لحاظ سے ایک ہی ہے مثلاً فقہ اور علم عبادات یا اس کے علاوہ ہے اور یہ بات کہ اول ہی مراد ہے وہ طریق سے غلط ہے (اول) یہ کہ عابد پر عالم کو فضیلت حاصل ہے اور عابد وہ ہے جس کو عبادت کا علم حاصل ہو ورنہ وہ فاسق ہے دوم یہ کہ عمل کا علم ہونا عمل سے افضل نہیں کیونکہ علم عملی مقصود بالذات شے نہیں بلکہ وہ مقصود ہے عمل کے لئے اور جس چیز کے لئے دوسری چیزیں مقصود ہوں لازمی باتیں سمجھو وہ ان سے افضل و اشرف ہو۔

## فصل

جنت ماویٰ تک پہنچنے کے لئے کون سے علم و عمل کی ضرورت ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علوم کی اصناف بے شمار ہیں اور اعمال اور ان کی انواع و اقسام مختلف اور بھی اقسام و انواع کے اور سب کو مطلوب نہیں ہو سکتے پھر کونسی صنف اور قسم نفع

بخش اور سود مند ہے تاکہ ہم اس میں مصروف و مشغول ہوں تو ہم کہیں گے کہ علم کی دو قسمیں ہیں عملی اور نظری علوم نظری کثیر استعداد ہیں ہر ایک علم کا تصور یہ ہے کہ اعصاب و بلاد اور اقوام کے لحاظ سے مختلف ہو اسے وہ کمال حاصل ورثے میں نہیں ملتا جو نفوس میں ابدالد ہر باقی رہے حالانکہ ہماری آرزو یہ ہے کہ علم کے ذریعہ نفس اپنے کمال کو پہنچے تاکہ وہ اپنے کمال سے ابدی سعادت مند ہو اور بہا اور اجمال حاصل کر کے سرور ہوں ان بیان سے علم لغات اور ان کی تفصیل اگر ان میں سے کسی کی ضرورت آ پڑے تو اس کی ذات کے لئے طلب نہ کرے بلکہ اس لئے کہ علم مقصود بالذات کے لئے وہ ذریعہ کا کام دے۔

اب ہم علم مقصود کا بیان کرتے ہیں پس اگر ہم حج کے امور کی تعریف کریں تو ہم پر لازم نہیں کہ موزہ اور طہارت کا ذکر بھی کریں اگر حج کرنے کے لئے ان کی ضرورت آ پڑتی ہے ہم تو ان علوم کو کمینز کریں گے جن کی معلومات ابدالاً باتک قائم رہتی ہیں نہ زائل ہوتی ہیں نہ کم ہوتی ہیں اس قسم کے علوم اختلاف اعصاب و اہم کے ساتھ بھی مختلف نہیں ہوتے ان میں داخل ہیں اللہ اور اس کی ذات کا علم اس کے ملائکہ کتابوں اور رسولوں کا علم زمین اور آسمان کے حکومت کا علم اور انسانی اور حیوانی نفوس کے عجائبات کا علم اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کا رابطہ و تعلق ہے نہ ان کی ذات کے اعتبار سے مقصود اقصی اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے اور ملائکہ الہی کی معرفت کے بغیر بھی چارہ نہیں کیونکہ وہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ ہیں اسی طرح معرفت نبوت ہے کیونکہ نبی خلقت اور ملائکہ کے درمیان واسطہ ہیں جس طرح فرشتہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور اسی طرح علوم نظریہ میں سے آخری علم تک سلسلہ چلا جاتا ہے ان سب کی انتہاء اور غایت علم باللہ ہے لیکن اس میں گفتگو کے بے شمار پہلو ہیں چونکہ یہ سب ایک دوسرے پر دلالت کرتے ہیں اس لئے ان کی تفصیل بھی بے شمار ہے۔

(قسم ثانی) یعنی علم عملی اور وہ تین علوم پر مشتمل ہے علم نفس مع اس کی صفات اور اخلاق کے اس سے مراد ریاضت اور خواہشات کا مغلوب کرنا ہے اور اس کتاب کی سب سے بڑی غرض یہی ہے علم نفس اس لحاظ سے کہ اہل و عیال اور فرزند و زن اور نوکر چاکر کے ساتھ معیشت کی کیفیت کیا ہو کیونکہ یہ لوگ بھی تمہارے اس طرح خادم ہیں جس طرح تمہارے اعضاء و جوارح تمہارے قوی اور حواس تمہارے نوکر ہیں جس طرح ثبوت و غضب اور دوسرے جذبات خبیثہ کو تمہارے قوائے بدنہ کے ماتحت لانا ضروری ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی تمہارا فرمانبردار بنانا ضروری ہے۔

سوم علم سیاست ہے یعنی وہ علم جس کے ذریعہ سے ملک اور گرد و نواح کے لوگوں کا انتظام کیا جاتا ہے اس کے لئے اکثر علم فقہ کی ضرورت ہوتی ہے سوائے ان امور کے جو عبادات سے متعلق ہیں منجملہ ان عبادات کے جو نفس کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں آداب قضا ہیں اور ان کی تکمیل جب ہوتی ہے کہ نکاح بیع اور خراج کے قوانین احکام کی معرفت حاصل ہو جائے ان تینوں میں سب سے اہم تہذیب نفس اور سیاست اور ان صفات میں عدل و میزان کی رعایت رکھنا ہے یہاں تک کہ جب وہ معتدل ہو جائیں تو دور کی رعیت مثلاً اہل و عیال وغیرہ تک اس کا اثر پہنچتا ہے پھر اہل شہر تک تم میں سے ہر ایک شخص رائی ہے اور اپنی رعایا کے متعلق جرابدہ فکلکم راع و کلکم مسئول عن رعیۃہ جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ اس سے اس طرح لگتا ہے جس طرح نصاب زکوٰۃ زکوٰۃ سے لگتا ہے سورج سے روشنی درخت سے سایہ کیا تم درخت کے نیچے جاؤ گے کی صورت میں سایہ کے سیدھا ہونے کی توقع کر سکتے ہو جب انسان اپنی جان کا انتظام نہیں کر سکتا تو دوسروں کا انتظام کیسے کر سکتا ہے یہ ہے اختصار علوم عملیہ کا ہم ابھی مخصوص ترین علم کا ان علوم سیاسی میں سے اجمال تذکرہ پیش کریں گے کہ یہ مقصود بیان ہے اور قویٰ جن کی تہذیب کے بغیر چارہ نہیں تین ہیں قوت فکر، قوت شہوت، قوت غضب جب کبھی قوت فکر مہذب اور کاشفی اصلاح پذیر ہو جاتی ہے تو اس کو حکمت کا وہ خزینہ دستیاب ہو جاتا ہے جس کا ارشاد خداوندی وعدہ دیتا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا اس کا ثمرہ یہ ہے کہ معتقدات میں جو حق و باطل میں فرق کرنا گفتگو میں صدق و کذب معلوم کرنا اور افعال کے حسن و قبح میں تمیز کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے ان امور میں سے کوئی بات اس کے لئے مشتبہ اور ملتبس نہیں رہتی حالانکہ اکثر لوگ ان امور میں التباس و اشتباہ میں گرفتار ہوتے ہیں اس قوت کی اصلاح اور تہذیب میں جس کو ہم نے معیار علم کا نام دیا ہے مدد دیتی ہے دوسری قوت شہوت ہے اور اس کی اصلاح سے عفت کا وصف پیدا ہوتا ہے جو نفس کو فواحش سے روکتا رہتا ہے اور ایثار و فدویت کہ مستحسن جذبہ اور ساتھ کی جانب اسے لے چلتا ہے تیسری قوت غضب ہے اس کو مغلوب اور درست کر لینے سے حلم اور بردباری حاصل ہوتی ہے جس سے مراد ہے فیظ و غضب کو ہالینا اور انتقام پسندی کو روک لینا اور شجاعت پیدا ہوتی ہے جس سے مراد ہے حرص اور خوف کا دور ہو جانا جن کی قرآن میں مذمت آئی ہے اور جب کبھی تینوں قوتیں تیسری قوت فکر یہ کی مطیع و منتقل ہو جاتی ہیں تو اعتدال کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اس قسم کے اعتدال کے ظہیل ہی آسمان و زمین قائم ہیں اس سے مراد ہے مکارم شریعت کا

جمع ہونا طہارت نفس اور اخلاق کا پسندیدہ ہو جانا جیسے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اکمل المؤمنین ایماناً احسنہم اخلاقاً والطفہم باہلہ مسلمانوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو پسندیدہ ترین اخلاق رکھتا ہے اور اپنے اہل کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے نیز فرمایا استبکم النی احاسنکم اخلاقاً الموطنون اکثافاً الذین یبالغون ویولفون ہمیں تم میں سے وہ لوگ محبوب ہیں جو بہترین اخلاق رکھتے ہیں ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت سے پیش آتے ہیں۔

حسن خلق کے متعلق شریعت نے جس قدر تعریف کی ہے وہ بیان سے باہر ہے اس کا مفہوم ان تینوں قوتوں کی اصلاح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس آیت میں جمع کر دیا ہے انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتاہوا وجاہدوا باموالہم وانفسہم فی سبیل اللہ اولئک ہم الصادقون، مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی قسم کا شک نہ کیا اور اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور پھر کسی قسم کے شک کی لٹی کے ساتھ علم یقینی اور علم حقیقی پر دلالت کی ہے جن کا حصول بغیر قوت فکریہ کی اصلاح کے ایک خیال خام ہے اور جہاد بالمال سے عفت اور جود مراد لئے ہیں یہ دونوں اوصاف اصلاحِ شہوت کے لئے ضرورت کے مطابق خدمت سرانجام دیتے ہیں۔

جہاد بالنفس سے مراد لی ہے شجاعت و حلم سے یہ دونوں مقرر ہیں اصلاحِ حمیت کے لئے اور اسے دین اور عقل کے تابع کرنا چاہیے یہاں تک کہ وہ اسے ابھاریں تو یہ جوش میں آئے اور جہاں اسے فرد ہوئے کا حکم دیں یہ فرو ہو جائے اور اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خذ العفو و امر بالعرف و اعرض عن الجاہلین اور حضور ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمائی لا یؤتلفو عن من ظلمک و تعطی من حرمک و تصل من قطعک و تحسن لمن اسانک اس کے معنی ہیں کہ جو شخص تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو جو تمہیں نقصان پہنچائے اسے فائدہ پہنچاؤ جو تعلق منقطع کرے اس سے تعلق پیدا کر دو اور جو تم سے برائی کرے اس سے احسان کرو و ظالم کے ظلم کو معاف کرنا انتہائے حلم و شجاعت ہے اور نقصان پہنچانے والے پر نوازش کرنا

انتہائے سخاوت اور تعلقات توڑنے والے سے علاقہ پیدا کرنا انتہائے احسانِ اشرافت ہے۔

## فصل

### قوائے متنازعہ اور نفس کی مثال

انسان کے بدن میں نفس ایسے ہی ہے جیسے بادشاہ اپنے شہر اور مملکت میں ہوتا ہے اس کی قوتیں اور اعضاء جو ارج جو بدن کے خدمت گزار ہیں، بمنزلہ کارکنوں اور عاملوں کے ہے قوتِ عقلیہ مفکرہ اس کا مشیر صاحبِ الرائے اور وزیرِ با تدبیر ہے اور شہوت اس کا بد خصلت غلام ہے جو غلہ اور کھانے پینے کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے چلتا ہے غیرت و حیثیت اس کا صاحبِ شرط یعنی کو تو ال ہے غلہ و جنس و طعام لے کر چلنے والا غلام مکار فریبی بد خصلت پر تلکبیس ہے جو ناصح مشفق کے لباس میں جلوہ گر ہوتا ہے اس کی چند نصائح کے پردے میں لاعلاج بیماری اور ہولناک خرابی پوشیدہ ہے اس کی عادت ہے کہ ہر وقت وزیر کی تدابیر کے خلاف جھگڑا کرتا رہے یہاں تک کہ ایک ساعت بھی اس نزاع و جدال کو ترک نہیں کرتا تو جس طرح بادشاہ اپنی سلطنت میں جب وزیر سے انتظامِ سلطنت میں مشورہ لیتا ہے اس بد خصلت کے مشورہ سے اعراض کرتا ہے بلکہ اس کے مشورہ دینے سے ہی سمجھ لیتا ہے کہ اس کی رائے کے خلاف کرنا ہی درست طریقِ عمل ہے اپنے کو تو ال کو تادیب کرتا ہے اور اسے وزیر کے تابع فرمان بناتا ہے پھر کو تو ال کو اس غلام بد طینت اس کے مددگاروں اور پیروں پر مسلط کر دیتا ہے حتیٰ کہ غلام مذکور محکوم و مجبور ہو جاتا ہے اس کے اختیارات چھن جاتے ہیں اور وہ حکم کا بندہ بن جاتا ہے اس وقت بادشاہ کے شہر کا انتظام درست صحیح پر ہونے لگتا ہے اور اس کے ذریعہ عدل و مساوات کا قیام ہو جاتا ہے اس طرح جب نفس عقل سے امانت طلب کرتا ہے اور حیثیتِ غصیہ کو مؤدب کر لیتا ہے کبھی غیظ و غضب کی مملکت کی سرحد کو شہوت کے ذریعہ تدبیر سے کم کرتا ہے کبھی غضب اور حیثیت کو شہوت پر مسلط کر کے اسے مغلوب و مقہور کرتا ہے اور اس کی مقتضیات کی تصحیح کے ذریعہ سے ان کے قوی کو معتدل کرتا ہے اور ان کے اخلاق کو پسندیدہ بناتا ہے اور جو شخص اس درجہ اعتدال سے تہاؤ کر جائے اسی کے متعلق ارشادِ الہی ہے

اَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ الْهَوَا وَاضْلُهُ عَلٰی عِلْمٍ یَّحْرِفُ فَرَمٰیَا وَاتَّبَعَ هَوَاہُ  
ثَلٰہُ کَمَثَلِ الْکَلْبِ اَوْ نَمِی ۙ فَفَرَمٰیَا اَعْدٰی عَدُوکَ نَفْسُکَ الَّتِیْ بَیْنَ



جنبلک تیرا سب سے بڑا دشمن تمہارا دل ہے جو تیرے سینے میں ہے اور حق تعالیٰ اس خوش نصیب شخص کے بارے میں فرماتا ہے جو اپنی خواہشات کو مغلوب کر لے و اما من خاف مقام ربہ ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هي المأوى جو شخص خدا کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات کی پیروی سے روک لیا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے کثرتِ شہوات کے وہ معنی نہیں جو بعض لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں یعنی غضب اور شہوت کا بالکل قطع کر دیا جائے اور ان کو کلی طور پر مٹا دیا جائے اصل یوں ہے کہ ان کو ضابطے میں رکھنا اور مؤدب بنانا چاہیے کیونکہ عقلِ حیاتِ غصیبہ کی امداد کے بغیر تادیب پر قادر نہیں کیونکہ اس کا کام تو صرف اتنا ہی ہے کہ نیک رستہ بتا دے اور بس کیونکہ وہ اشرف قوی ہے اسی عقل کی بدولت انسان دنیا میں خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز کیا گیا ہے لیکن اس کی حیثیت صرف ایک طبیب کی سی ہے جو مفید نسخہ بتا دے تو اگر حیاتِ غصیبہ جو شہوت کو اطاعت اور

فرمانبرداری پر مجبور کرتی ہے اور زہرِ رتوخ سے اسے عقل کا نوکر بنانے کی امداد عقل کو حاصل نہ ہو تو اس کا مشورہ کوئی فائدہ نہ دے اسی لئے اس شخص کی عقل کی تفصیلات نمایاں نہیں ہوتی جو بے حیثیت ہو لیکن لازمی سے کہ اسے ایسا مؤدب بنادیا جائے کہ عقلِ مشورہ کے بغیر حرکت میں نہ آئے یہی حال شہوت کا ہے کہ جماع سے اس کو بالکل روکے رکھنا تکلیف و مصیبتِ زرا اور سلسلہٴ تامل کو منقطع کرنے والا ہے حالانکہ تامل کے ذریعہ ہی نوعِ انسانی کی بقا ہے اسے ہی کھانے پینے سے روکنا بھی مضرتِ رساں اور دشوار ہے کیونکہ اس سے انسانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی البتہ اس قدر ہو سکتا ہے کہ طعام کی مضرت کو کم کر دیا جائے یعنی کھانا تناول کرنے سے مقصود لذتِ پابی اور لطفِ اندوزی نہیں بلکہ جسمانی قوت کا برقرار رکھنا ہوتا کہ علم و عمل حاصل کرنے کا وسیلہ بنے۔

انسان کھانا اس طرح کھائے جس طرح اپنے گھوڑے کو گھاس کھاتا ہے تاکہ وہ جہاد میں اچھا کام دے انسان کا مقصود فقط کام لینا ہے بھر اس کے دل میں اس بات کی آرزو ہو کاش میں کھانے سے مستغنی ہو جاؤں اور علم و عمل کی قوت بھی باقی رہے۔

ایک اور مثال۔ انسان چونکہ بلحاظِ طاقت معنوی لحاظ سے ایک جہانِ کبیر ہے اور جسم کے لحاظ سے صغیر اس لئے اس کا بدن ایک شہر کی مانند ہے عقلِ بادشاہ ہے جو انتظامِ مملکت کرتا ہے اس کے حواسِ ظاہری و باطنی میں سے قوائے بدر کہ اس کا لشکر ہیں اس کے ہاتھ پاؤں اور اعضاء جو ارج اس کی رعیت ہیں نفسِ امارہ جو برائی پر ابھارتا رہتا ہے جس کا دوسرا نام شہوت

و غضب ہے بمنزل دشمن کے ہے جو اس سے ملک کے بارے میں جنگ کر کے اس کی رعیت کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بدن ایک قلعہ ہو اس میں انسان کا نفس مقیم ہے جو پہروں کے اندر محفوظ بیٹھا ہے اگر وہ اپنے دشمن سے لڑے اسے قید کر لے اور واجبی طور پر اسے مغلوب کر لے تو جب وہ حضور رب العزت میں حاضر ہوگا تو اس کی عزت کی جائیگی۔ چنانچہ

فما یا فضل اللہ المجاہدین باموالہم وانفسہم علی القاعدین درجۃ  
و کلا وعد اللہ الحسنی اللہ نے ان لوگوں کو جو مالی اور جانی جہاد کرتے ہیں قاعدین پر  
بلحاظ مرتبہ فضیلت دی ہے اور ہر ایک کو خدا نے نیک وعدہ دے رکھا ہے اور اگر اس کا قلعہ ٹوٹ  
گیا اور اس کی رعایا مغلوب ہو گئی تو وہ قاتل مواخذہ و ملامت ہوگا اور اس کو بقاء الہی کے  
وقت سزا دی جائے گی (اور محشر اسے کہے گا) جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے ہاراعی السوء  
اکلب اللحم و شربت اللبن و لم تمنع الضالة و لم تجبر  
الکسیر الیوم انتقم منکم لای الا لکن حاکم تو نے گوشت کھایا اور دودھ پیا اور برائی کو نہ  
روکا ٹوٹے ہوئے کو نہ جوڑا تو آج اپنی سزا بھگت یہی وہ جہاد ہے جس کا ذکر زبان سے کرنا  
مفرح ہے اور روح کی غذا اور اس کی حقیقت معلوم کر لینا اصل میں روح کا معراج ہے اس کی  
پہچان وہی شخص کر سکتا ہے جو ترک شہوات کے ذریعہ آمادہ جہاد ہو اس لئے صحابہؓ نے فرمایا تھا  
رجعنا من الجہاد الا صغر الی الجہاد اکبر انھوں نے کافروں سے حج  
آزمائی کو جہاد و صفر سے موسوم کیا اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کونسا  
جہاد افضل ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جہاد حواک تیری جنگ تیری خواہشات سے اسی  
لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی پہلوان کو بچھاڑ لینا تو کچھ مشکل بات نہیں دشوار یہ ہے کہ  
انسان اپنے غصے کے دھوکہ کو بچھاڑے۔

ایک اور مثال۔ عقل کی مثال سوار فکاری کی سی ہے جو فکار کھیلنے کو نکلے اس کی شہوت  
بمنزل گھوڑے کے ہے اس کا حصہ اس کا کتا ہے تو جب سواری ماہر فن ہو گھوڑا قابو میں ہو  
سدھایا ہوا سکھایا ہوا اور احاطت گزار ہو تو جیتوئے فکار کا سیاب ثابت ہوگی اور جب سوار  
بذات خود انجان ہو اس کا گھوڑا سرکش ہو اور اس کا کتا سمجھ ہو تو چونکہ نہ ہی اس کا گھوڑا اس کے  
عقل کے تابع ہو کر کام فرما ہو گا نہ کتا اس کا مطیع ہو کر اشارے پر کار کے پیچھے بھاگیگا۔ اس  
لئے فکاری کو فکار حاصل کرنا تو بجائے خود سخت تکلیف و مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

## فصل

مجاہدہ ہوی میں نفس کے مراتب، ہوی و عقل

کے مشورہ میں کیا فرق ہے

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کے لئے خواہشات کے ساتھ لڑائی کرنے کے تین نتیجے ہیں۔

(اول) یہ کہ خواہشات فتح پا کر اس پر قابض ہو جائیں اور وہ ان کے خلاف کرنے پر قادر نہ ہو عام طور پر لوگوں کی یہی حالت ہے اسی قسم کے لوگوں کے متعلق خداوند عز و جل کا ارشاد ہے افسرأیت من اتخذ اللہ ہواہ کیونکہ اللہ کے معنی معبود ہی تو ہیں اور معبود وہ ہے جس کے اشارہ اور احکام کی اتباع کی جائے تو جس شخص کی ہر ایک حرکت بدنی اغراض اور جسمانی خواہشات کی پیروی میں ہوگی وہی ہواؤ ہوں کو اپنا خدا بنا چکا ہوگا۔

(دوم) یہ کہ لڑائی ان کے مابین الحرب بیننا و بینکم بحال کے مصداق ہو سکھی یہ شخص خواہشات پر غالب آ جائے کبھی وہ اس پر بھاری ہو جائیں یہ شخص مجاہدین میں شمار ہوگا اگر اسی حالت میں حلام لذات اس کی روح اور جسم میں مفارقت دائمی کر دے تو وہ شہید ہوگا کیونکہ وہ فرمان نبوی ﷺ کے امتثال میں مشغول تھا۔ جاهدوا ہواہ کم کما تجاہدون اعدانکم اپنی خواہشات نفسانی سے اس طرح جنگ آزمائی کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے کرتے ہو۔

تیسری حالت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو بچھاڑ کر ان پر قابو حاصل کر لے اور کسی وقت وہ اس پر غالب نہ آ سکیں یہی ملک کبیر ہے یہی فیض حاضر اور یہی حریت کامل ہے یہی غلاظت سے پاک ہونا ہے اور اسی کے متعلق سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے ما من احد الا ولہ شیطان ولی شیطان وان اللہ قد اعاننی علی شیطانہ حتی ملکته ہر ایک شخص کا ایک شیطان ہوتا ہے اور میرا بھی ایک شیطان ہے لیکن میں نے اللہ کی اعانت سے اسے مطیع و منقاد کر لیا ہے اور عمر کے بارے میں فرمایا جس رستہ سے عمر گزرتا ہے اس رستہ کو شیطان چھوڑ دیتا ہے یہاں ایک لغزش کا اندیشہ ہے بہت سے لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ

ہم نے اس قسم کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ راندہ و درگاہ شیطان ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اغراض کی اتباع کرتے ہیں لیکن ان خواہشات کی ملت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مذہب کے مطابق ہیں اور ہم ان کو دین کے لئے طلب کر رہے ہیں۔

چنانچہ تم نے ایک گروہ کو دیکھا ہوگا جو وعظ و نصیحت اور درس تدریس اور نصاب و خطابت اور ختم قسم کی شاندار باتوں میں مشغول ہو گئے حالانکہ وہ ان تمام باتوں میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کر رہے ہو گئے اور وہ گمان کرتے ہو گئے کہ ہمارے اعمال کا باعث دین ہے اور طلب ثواب ہماری محرک ہے اور شریعت ہمیں ان امور پر مامور کر رہی ہے حالانکہ یہ حماقت اور غرور کی انتہاء ہے اس امر کی حقیقت اسی طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ کوئی واعظ شیریں بیان اور مقبول خلق کما صلا اللہ کہ مقبولیت عام کے لئے وعظ کہتا ہوگا اور اس کا منشأ لوگوں کو اللہ کی جانب بلانا ہوگا تو اس کا نشان یہ ہے کہ اگر وہ اپنے مکان پر ہوگا تو بالفاظ بیان بہتر بلفاظ علم وسیع تر اور بلفاظ لہجہ پاکیزہ تر وعظ کہے گا اور وہ خدا کا شکر کرے گا کہ اللہ نے اس فرض کی ادائیگی کی اور دوسرے لوگوں کے بجائے جو اس سے زیادہ مستحق تھے اسے توفیق بخشی جس طرح کسی مرتد اور کافر کے قتل و جہاد کے لئے کسی شخص کو متعین کیا جاتا ہے تو وہ کافر پر برک موزاں بن کر کرتا ہے اور اسے دم بھر میں راکھ کر دیتا ہے وہ کافر سے جہاد پر خوش ہوتا ہے اور اللہ کا شکر یہ ادا کرتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جو صرف اولیاء کو حاصل ہوتا ہے اس کی ایک علامت یہ ہے انسان بڑا بخشنے سے گریز کرتا ہے اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے مجھے مارڈالو میں تم سے بہتر نہیں ہوں جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ تم کہو کہ شیطان تو بروقت ہٹ مار کی صورت میں ہمیں قسم قسم کے دغا و فریب کا ہدف بناتا رہتا ہے اور ہم کسی حالت میں اس کے سامنے منہ نہ نہیں روہ سکتے جیسا ان لوگوں کا بیان ہو چکا ہے تو ہم کس طرح مشورہ عقل اور خواہشات کی رائے کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں تو خوب یاد رکھو یہ ہدای بہت دشوار گزار ہے اور علوم حقیقی کے ذریعہ ہی اس سے بسلا مت گزر ہو سکتا ہے اور اس میں بہترین دقیق معیار علم ہے کیونکہ اس سے حق کا چہرہ بے نقاب ہوتا ہے اور کفر و فریب کے پردے دور ہو جاتے ہیں لیکن وہ اس انداز جس کے ذریعہ تم خیر اور تہذیب کے متعلق حق و باطل میں تمیز کر لو یہ ہے کہ تمہیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ اکثر امور میں عقل کا مشورہ نتائج کے اعتبار سے بہترین ہوتا ہے اگرچہ موجودہ حالات کے لحاظ سے اس میں تکلیف اور صعوبت کی ہو اور خواہشات نفسانی ہمیشہ آرام طلبی اور ترک تکلیف کا مشورہ دیتی ہے تو جب کوئی معاملہ تمہیں درپیش ہو اور تم کو اس کے عیب و محاب کا

علم نہ ہو تو تم تکلیف دہ امر کو لازم کر لو اسے چھوڑ دو جس کی تمہیں رغبت ہو اخلاق پسندیدہ کا بیشتر حصہ دل کو ناپسند ہوتا ہے چنانچہ دربار رسالت ﷺ کا فرمان ہے حفت الجنة بالمسكاره والنار بالشهوات جنت ناپسند امور کے اندر گھری ہوئی ہے اور دوزخ مرغوب اشیاء میں مستور ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وعسى ان تكرر هواشينا ويجعل الله فيه خيرا كثيرا ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں خیر کثیر پیدا کر دے نیز فرمایا عسى ان تكرر هواشينا وهو خير لكم وعسى ان تحبوا شينا وهو شر لكم کیا عجیب ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم ایک بات کو پسند کرو وہ تمہارے لئے باعث خسرت و ضرارت ہو تو جب کبھی تم کو ایسی بات کا خیال ہو جو موجودہ لحاظ سے آرام طلبی آسان اختیاری تکلیف سے بچنے راحت کو ترجیح دینے کی دعوت دے تو اسے چھوڑ دو کیونکہ محبت اللہ حال اور بہرہ کر دیتی ہے۔

مختصر یہ کہ عقل اپنی قوت کے ساتھ جس چیز کا مشورہ دے اس کے متعلق عبادت اور استخارہ کے ذریعہ محنت کرو یہاں تک کہ یہ ناکل جائے اور مشورے کی صحت معلوم ہو جائے عام طور پر خواہشات عقل کے مشورہ کے خلاف نہایت لغو عز و جش کرتی ہیں اور عقل حقیقی اور روزنی دلائل سے رہنمائی کرتی ہے بد صورت محبوب کا عاشق اور تلخ طعام کا کھانے والا اپنی عادات کے باعث مجبور ہوتا ہے کہ ان میں شغف رکھے اور عز و ہائے لنگ کے ذریعہ دل کی تسلی کا محتلاشی ہو لیکن عقل صاف کہہ دیتی ہے یہ عذر اور بہانے تکلیف اور تضییع سے پر ہیں الغرض اس حقیقت کا اور اک نور الہی کی روشنی اور تائید آسمانی کے بغیر ناممکن ہے اس لئے خیرت کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ جب عقل کامیاب بحالات موجودہ تکلیف دہ امر اور عاقبت کا نفع بخش شے کی طرف ہوا وہ خواہشات کا رجحان اس کی بالکل متضاد اور حال کے لذت بخش مستقبل کی مصیبت ناک بات کی جانب ہو دونوں میں تنازع برپا ہو جائے دونوں فیصلے کے لئے قوت مدبرہ و مفکرہ کے پاس جائیں تو خدا کا نور عقل کی امداد کے لئے حیرت ریزی کے ساتھ آتا ہے اور ہر دو سو اوس شیطانی اور ان کی اولیائے کار بھی خواہشات کی امانت کے لئے دوڑتے ہیں اس طرح دونوں میں ایک معرکہ جنگ برپا ہو جاتا ہے پھر اگر قوت مدبرہ شیطان اور اس کے دوستوں کے لشکریوں میں سے ہو تو خدا کی نور سے غافل ہو کر انجام کی منفعت سے اندھی ہو جاتی ہے اس کی آنکھیں قریب کی لذت سے خیرہ ہو جاتی ہیں اور اسی

طرف اس کامیاب ہو جاتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں اگر قوت مدبرہ اللہ اور اولیاء کے لشکر میں سے ہو تو نور خداوندی سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اور قریب کی خوشی کو چھوڑ کر انجام کی ابدی مسرت کو چنگل مارتی ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے اللہ ولسی الذین امنو یخرجہم من الظلمات الی النور والذین کفرو الاولیاء ہم الطاغوت یشخرجونہم من النور الی الظلمات اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایماندار ہیں انھیں تاریکیوں سے نکال کر نور میں لاتا ہے اور کافروں کے دو شیطان ہیں جو انھیں نور سے نکال کر تاریکیوں میں پھینکتے ہیں۔

عقل کو اللہ تعالیٰ نے شجرہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور خواہشات کو شجرہ خبیثہ سے چنانچہ فرمایا الم ترکیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ ہاں تو جب ان دو لشکروں میں صف آرائی ہو کر میدان کارزار گرم ہو جاتا ہے ایک طرف خدا کے دشمنوں کی صف ہے دوسری طرف اولیاء اللہ کی تو اس وقت خدا کی طرف رجوع کرنے اور شیطان مردود سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آنے کے سوا چارہ کار باقی نہیں رہتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واما ینز غنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم ان الذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا هم مبصرون جب شیطان تمہارے دل میں کوئی دوسرا ڈالنے لگے تو اللہ کی پناہ میں آ جاؤ اللہ سمیع و علیم ہے متقی لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب شیطانوں کا گروہ ان پر حملہ کرتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور خدا انھیں فوراً بصیرت عطا فرمادیتا ہے شاید تم پر چسوکا ہونکا وہوس اور شہوت میں کوئی فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ لفظی بحثوں میں پڑنے کی کچھ ضرورت نہیں ہماری مراد ہونی سے خواہشات کا وہ حصہ ہے جو مذموم ہے پسندیدہ خواہشات اس میں شامل نہیں ہیں پسندیدہ خواہشات خداوند تعالیٰ کا فعل ہیں اور وہ ایک قوت ہے جو انسان میں پیدا کی گئی ہے تاکہ نفس میں ایک تحریک پیدا ہو اس بات کی کہ ان چیزوں کو حاصل کر لے جن سے اس کے بدن کی بہبودی وابستہ ہے جسمانی بھلا کے لحاظ سے یا جسم کے کسی خاص حصے کی بھلا کے اعتبار سے یا دونوں کی بہبودی کے قریب سے، مآ پسندیدہ اور مذموم وہ خواہشات ہیں جو نفس ہمارہ کا فعل ہیں یعنی ان چیزوں کو محبوب رکھنا جو لذت بدنیہ کے باعث ہیں اور جب ان کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو ان کو پہنچی نہیں کا نام دیا جاتا ہے قوت منکرہ کو وہ اپنے تابع فرمان اور خدمت گزار کر لیتی ہیں تاکہ اس کا تمام تر وقت ان کے احکام کی متابعت میں گزرے قوت منکرہ

شہوت و عقل کے درمیان متر درہتی ہے عقل اس کے اوپر اس کی خدمت کرتی ہے تو بلند مرتبہ اور معزز ہو جاتی ہے اور محاسن اس سے پیدا ہوتے ہیں لیکن جب شہوت کی جانب جھکتی ہے تو اسفل سافلین میں جا کر رہتی ہے اور بدیاں اس سے رونما ہوتی ہیں۔

## فصل

### اخلاق بدل سکتے ہیں

بعض گمراہ اور باطل پرست لوگ گمان کرتے ہیں کہ اخلاق خلقت کے مطابق بنتے ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی انہوں نے اپنے اس باطل عقیدے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی آڑ لی ہے **فَرَعَ اللَّهُ مِنَ الْخَلْقِ** کہ خداوند تعالیٰ خلقت سے فارغ ہو چکا ہے ان کا خیال ہے کہ اس میں تغیر و تبدل کرنا خدا کی پیدائش کو بدلنے کی کوشش کرنا ہے ان لوگوں نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے چشم پوشی کر لی ہے کہ **حَسْبُ الْاِخْلَاقِ** اپنے اخلاق کو عمدہ بناؤ اگر یہ بات ممکن ہوتی تو اس کا حکم نہ دیا جاتا اور اگر یہ امر ممنوع ثابت ہو جائے تو ترغیب و ترہیب اور مواظبہ و وصایا کے تمام دفاتر رومی کی نوکری میں ڈال دیے جاتے ہیں کیونکہ افعال اخلاق کے نتائج ہیں جب نیچے کو گرنا نقل طبعی کا نتیجہ ہے تو چاہے کہ یہ لوگ اوپر کی طرف کبھی توجہ نہ کیا کریں بلکہ ہمیشہ نیچے ہی کی جانب جایا کریں بلکہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ استطاع عقل کے ہوتے ہوتے انسان کو مہذب نہیں بنایا جاسکتا اور بہائم کی عادات نہیں بدلی جاسکتی ہیں جبکہ درندوں کی وحشت کو دور کر کے مانوس کر لیا جاتا ہے کتے سدھانے سے ڈکار کھانا بند ہو جاتے ہیں اور گھوڑے سرکشی سے باز آ کر اشارے کے مطابق نقل و حرکت کرنے لگ جاتے ہیں اور یہ تمام باتیں تغیر خلقت ہی تو ہیں۔

اس باب میں قول شافی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر ہمارا بس نہیں چلتا مثلاً آسمان ستارے بلکہ ہمارے جسموں کے اعضاء اور ان کے اجزاء یہ چیزیں جیسی ہیں ویسی ہی رہیں گی۔

دوسرے وہ جن کو پیدا ہونے کے بعد تربیت میسر آ جائے تو بعد میں قبول کمال کی قوت دی گئی ہے اس کی تربیت اختیار سے متعلق ہے مثلاً کھجور کی ٹٹھلی نہ کھجور ہے نہ سیب لیکن اس میں اس بات کی قابلیت رکھی گئی ہے کہ تربیت سے کھجور بن جائے لیکن اس میں اس بات کی

قابلیت نہیں کہ سب کا درخت ہو جائے۔

البتہ جب انسان کی تربیت کا اس سے تعلق پڑتا ہے تو وہ بھجور بن سکتی ہے اگر ہم کلی طور پر غضب و شہوت کو اپنی جان سے اس دنیا میں دور کرنا چاہیں تو ہم ناکام رہیں گے لیکن اگر ہم ان کو مغلوب کرنا اور ان کو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ سے مہذب بنانا چاہیں تو ہم ایسا کر سکیں گے اسی بات کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور یہ چیز ہماری سعادت مندی اور نجات کی شرط قرار پا چکی ہے ہاں جہتیں مختلف ہیں بعض سرلیغ القبول اور بعض بطی القبول ہیں اس اختلاف کے دو سبب ہیں ان میں سے ایک باعتبار تقدم وجود کے ہے کیونکہ قوت شہوت، قوت غضب اور قوت تفکر انسان میں موجود ہیں سب سے زیادہ مشکل سے تغیر ہونے والی اور سب سے زیادہ سرکش انسان کے لئے قوت شہوت ہے کیونکہ وہ سب قوتوں سے مقدم ہے بلحاظ وجود کے اور سب سے شدید باعتبار گرفت اور چنگل کے چنانچہ یہ اس کے ساتھ آغا ز کاری سے ہائی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا وجود اس حیوان میں بھی ہے جو انسان کی جنس سے ہے اس کے بعد قوت حسیت کی باری ہے اس کا باعث یہ ہے اخلاق اس کے بموجب اور اس کے حکم کے ماتحت کثرت عمل کے ساتھ پختہ کیے جاتے ہیں لوگوں اس بارے میں چار مراتب ہیں۔

(اول) وہ انسان غافل جو حق و باطل اور حسن و قبح میں تمیز نہیں کر سکتا وہ اعتقاد سے خالی رہتا ہے اور نہ ہی اتباع لذات سے اس کی خواہشات قوی اور شدید ہوتی ہیں یہ درجہ مرض سب سے زیادہ قابل علاج ہے اس کو صرف ایک مرشد کی ضرورت ہے جو اسے تعلیم دے اور ایک ولولہ عمل کی حاجت جو مرشد کے احکام کی اطاعت پر اسے ابھارتی ہے چنانچہ اس کے اخلاق قلیل ترین وقت میں اچھے ہو جاتے ہیں۔

(۲) وہ بد عملی کے مضرات سے قواقف ہیں لیکن عمل صالح کی جانب لوٹنے پر قادر نہ ہو بلکہ اعمال بد کی دلفرستی میں گرفتار ہو شہوات کا مطیع و منقاد ہو کر اور اس بات رائے سے روگردانی ہے کیونکہ اس کی بیماری بھی دگنی ہے اس کو دو کام کرنے چاہئیں (اول) جو باتیں بد عملی و کفر کے کثرت سے مائل کرتی ہیں اور طبیعت میں راسخ ہو چکی ہیں ان کا قلع قمع کرنا (ثانیاً) طبیعت کے برخلاف کرنا اس نوع کا شخص مجموعی حیثیت سے قبول ریاضت کے مقام میں ہے بشرطیکہ جدوجہد کامل اس کی امداد کرے۔

(سوم) اس کا اعتقاد بد اخلاقی واجب اور مستحسن ہے بدکاری ہی درست اور پسندیدہ ہے اور پھر اس کا کاربند بھی ہو یہ مرض قریباً علاج ہے اس کی اصلاح شاذ و نادر ہی ہوتی ہے



کیونکہ اس پر گمراہی تو بر تو محسوس ہو چکی ہے۔

(چہارم) وہ شخص جس کی نشوونما ہی عقائد فاسدہ پر ہوئی اس کی تربیت انھیں پر کار بند ہونے پر ہوئی ہو وہ اپنی بزرگی اور فضیلت کثرت شر اور ہلاکت آفرینی ہی میں سمجھے ان میں اسے خوشی حاصل ہو اور اس کا گمان ہو کہ یہ باتیں اس کی قدر و منزلت کو دور کرتی ہیں تو یہ مرتبہ دشوار ترین ہے اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بھینرے کو مہذب بنا کر مؤدب بنانا اور جشی کو نہلا کر سفید کرنا ایک عذاب ہے۔

ان مراتب چہارگانہ میں سے اول کو جاہل کہیں گے دوسرے کو جاہل اور گمراہ تیسرے کو جاہل گمراہ اور فاسق اور چوتھے کو جاہل گمراہ فاسق اور شریر النفس۔

## فصل

### اخلاق کی تبدیلی اور ہوس کے علاج کا مختصر طریق عمل

یاد رکھو کہ مجاہدہ نفس اور اعمال صالح کی ریاضت سے تکمیل نفس اور تزکیہ و تصفیہ سے تہذیب اخلاق مقصود ہے نفس اور ان قوی کے درمیان ایک قسم کا تعلق ہے جس کے بیان سے الفاظ کی جھگڑا مافی قاصر ہے صرف تخیل میں اس کی صورت متشکل ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تعلق محسوسات میں سے نہیں ہے بلکہ معقولات میں سے ہے اور اس کا بیان ہمارے مد نظر نہیں لیکن روح اور جسم دونوں اس سے متاثر ہیں کیونکہ اگر روح صاحب کمال اور پاکیزہ ہو تو جسم سے بھی مستحسن افعال سرزد ہوتے ہیں یہی حال روح کا ہے کہ اگر جسم کے آثار اچھے ہوں تو ان سے روح میں اچھی ہمتیں پیدا ہونگی اور پسندیدہ اخلاق صادر ہو گئے چنانچہ تزکیہ نفس کا طریقہ یہ ہے جو افعال پاکباز اور کامل نفس سے صادر ہوتے ہیں ان کو بے در پے کیا جائے یہاں تک کہ جب کچھ عرصہ کے گمراہ سے ان کی عادت ہو جائیگی تو ان سے نفس میں ایک پختہ ہیئت واقع ہو گی جو ان افعال کو مقتضی ہوگی اس کا تقاضا یہاں تک بڑھے گا کہ یہ باتیں عادت کے باعث طبیعت ثانیہ بن جائیگی پھر جو باتیں پہلے انسان کی طبیعت پر بے حد گراں تھیں اب اس کو بالکل آسان اور سہل معلوم ہونگی۔

اس طرح مثلاً جو شخص چاہے کہ مجھ میں سخاوت کا خلق پیدا ہو جائے تو اس کو چاہیے سخاوت کرنے والے شخص کے افعال کی حکمت پیروی کرے یعنی مال و زر خرچ کرے اور اس

کام کی موافقت کرتا رہے یہاں تک کہ یہ بات اس پر آسان ہو جائے اور وہ خود صاحبِ جوہر سخا بن جائے۔

اسی طرح اگر کسی شخص پر تکبر اور پندار کا عفریت سوار ہے اور وہ متواضع اور خلیق لوگوں کے عادات و اطوار پر بھیگتی کرے اور اس بات کو ہر وقت پیشِ نظر رکھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ جسم اور روح کے درمیان ایک چکر سا قائم ہے بدن جب ایک کامِ حکمت کرتا ہے تو اس سے روح میں ایک صفت پیدا ہوتی ہے پھر جب روح میں وہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ الٹ کر بدن کی طرف پھر جاتی ہے اس سے وہ فعل جو جسم نے کیا تھا اور حکمت کیا تھا اس کی طبیعت میں راسخ ہو کر عادتِ ثانیہ بن جاتا ہے اس کا معاملہ تمام فنون اور صنعتوں کا سا ہے کہ اگر کوئی شخص خوشنویسی کا وصف حاصل کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی با کمال کاتب کی نقل کرے یعنی خوبصورت الفاظِ محنت سے اس کی مانند لکھے پھر حسنِ خط میں اس قدر مشق بہم پہنچائے کہ خوشنویسی کا مکہ اس کی طبیعت میں راسخ ہو جائے اور اس فن کی مہارت اس کی طبیعت کا ایک وصف بن جائے چنانچہ جو بات ابتداء میں تصنع سے کر سکتا تھا اب باطن اور خود بخود کرے گا بات تو ایک ہی ہے ابتداء میں بھی اس کا خط وہی حسن و خوبی رکھتا تھا اور اب بھی ویسا ہی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے آدرتھی اب آمد ہے اور یہ تمام کارستانی ایک واسطہ سے تاثرِ نفس کی ہے۔

اسی طرح جس شخص کو فقاہت کا شوق ہو تو اسے اس کے سوائے چارہ کار نہیں کہ فقہ میں مہارت کرے اسے حفظ کرے اور بار بار پڑھے ابتداء میں اسے طبیعت پر زور دینا پڑے گا یہاں تک کہ علمِ فقہ اس کے نفس پر منعطف ہو جائے گا اور وہ بغیرِ نفس ہو جائیگا یعنی اس کی طبیعت میں ایک ایسی حالت پیدا ہو جائیگی جو تخریجِ مسائل کے لئے خود بخود مستعد ہوگی اور جو چیز اسے ابتداء میں مشکل معلوم ہوتی تھی اب طبعی طور پر اس کے لئے آسان ہو جائیگی یہی حال تمام صفاتِ نفس کا ہے۔

جس طرح رتبہ فقاہت کا طالب نہ ہو تو ایک رات کی بیکاری سے اس مرتبہ سے محروم ہو جاتا ہے اور نہ ہی ایک رات کی زیادتی سے اس تک پہنچ جاتا ہے اسی طرح کمالِ نفس کا طالب نہ ایک دن کی عبادت سے اسے حاصل کر لیتا ہے اور نہ ایک دن کا نقصان اسے محروم کر دیتا ہے لیکن ایک دن تعطیل دوسرے روز کی بیکاری کو دعوت دیتا ہے پھر یہ سہل انگاری آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ انسان کی طبیعت کس مہدی سے مانوس ہو جاتی ہے

اور تحصیلِ فقہ کا شوق کم ہو جاتا ہے چنانچہ فضیلتِ فقہ مائب ہو جاتی ہے۔

یہی حال جملہ صغیرہ گناہوں کا ہے ایک گناہ دوسرے کو بلانے کا کام کرتا ہے جس طرح رات کے نکلار کا اثر نفس کے تنقہ میں محسوس نہیں ہوتا کیونکہ قد کے بڑھنے اور بدن کے نشوونما پانے کی طرح یہ تھوڑا تھوڑا ظاہر ہوتا ہے اسی طرح ایک ایک طاعت و عبادت کے عمل کا اثر نفس اور اس کے کمال میں محسوس نہیں ہوتا لیکن مناسب یہ ہے کہ انسان اسے حقیر نہ سمجھے کیونکہ اس کا اثر مجموعی حیثیت سے ہی ظاہر ہوگا۔

قطرہ قطرہ بھم شود دریا

داندہ داندہ بھم شود خرمن

پھر کوئی طاعت نہیں جس کا ایک اثر نہ ہو اگرچہ کتنا ہی مخفی ہو اور یہی حال ہر ایک

معصیت کا ہے۔

نکتے ہی خود مرفقیہ ہیں جو ایک دن اور ایک رات کی تعطیل کو معمولی خیال کرنے میں اور اسی طرح پیارے بے کار رہتے ہیں اور کمالِ علم کے حصول سے قطعاً محروم رہ جاتے ہیں یہی حال اس شخص کا ہے جو صغیرہ گناہوں کو حقیر سمجھتا ہے کہ انجام کار حرمانِ سعادت سے اسے روشناس ہونا چڑتا ہے اور بہت سے صاحبِ توفیقِ فقیہ ہیں جو ایک دن رات کی تعطیل کو بھی معمولی نہیں سمجھتے اور پیارے سرگرم عمل رہتے ہیں اور شاہدِ کمالِ نفس سے ایک روز ہمکنار ہو جاتے ہیں یہی حال ان لوگوں کا ہے جو صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر نہیں سمجھتے سمجھنے کا انجام کار درجاتِ سعادت حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ تھوڑی شے زیادہ شے کو بلالاتی ہے اسی لئے حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ ایمانِ دل میں ایک نکتے سے شروع ہوتا ہے جوں جوں ایمان زیادہ ہوتا ہے یہ سفیدی بھی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ جب انسان کا ایمان کامل ہو جاتا ہے تو تمام دل سفید براق ہو جاتا ہے اور نفاق بھی دل میں ایک سیاہ نکتے سے شروع ہوتا ہے جوں جوں نفاق ترقی کرتا جاتا ہے دل کی سیاہی بھی المضاعف ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ جب انسان کا نفاق کامل ہو جاتا ہے تو دل بھی تمام تر سیاہ ہو جاتا ہے۔

## فصل

وہ فضائل جن کی تحصیل سے سعادت ملتی ہے

جب یہ معلوم ہو گیا کہ سعادت ترک کونہ نفس اور اس کی تکمیل سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی تکمیل جملہ فضائل کے اکساب سے ہو سکتی ہے تو ضروری ہوا کہ تمام فضائل بالتفصیل معلوم کیے جائیں جملہ فضائل کا لب لباب دو باتوں میں ہے (اول) جو دت ذہن و تیز اور (دوم) حسن خلق۔

جو دت ذہن سے اول طریق سعادت و نجات میں تیز حاصل ہوتی ہے تاکہ اس پر کام فرما سہا جائے۔  
دوم براہین قاطعہ کے ذریعہ سے جو یقین کے لئے مفید ہوں اشیاء کی حفاظت معلوم کرنا و تقلید استضعیفہ اور نہ کمزور اور بودے خیالات کے ذریعہ سے اور حسن خلق اس لئے ہے تاکہ تمام عادات سیئہ کو جن کی تحصیل شریعت بتا چکی ہے اس کی اعداؤ سے زائل کر دیا جائے اور ان کو اسی قدر مبنوض بنادیا جائے جس قدر شریعت نے انھیں قرار دیا ہے اور ان سے اسی طرح اجتناب کیا جائے جس طرح گندگی سے انسان اجتناب کرتا ہے نیز اس لئے تاکہ عادات حسنی عود کر آئیں اور انسان کی طبیعت ان کی مشاق ہو کر ان سے محبت کرنے اور ان کو نعمت سمجھنے لگ جائے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جعلت قرة عینی فی الصلوٰۃ نماز میری آنکھوں کی خشک ہے۔

اور جب بھی عبادت گزاری اور ترک منظورات دل پر گراں گزریں تو یہ نقصان کی دلیل ہے اور کمال سعادت اس سے نہیں ملتی ہاں اس پر ہمت سے بھٹکنی کرنا نیکی کی غایت ہے لیکن اسی نسبت سے جو اس کے کرنے میں خوشدلی اور رغبت ہے۔

جو شخص غیر مہذب ہے اس کو حق کڑوا معلوم ہوتا ہے چنانچہ حق سے موڑنے کے خیالات باقی رہتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانہا السکبیرۃ الاعلیٰ السخاشعین نماز سوائے بشووع کرنے والوں کے سب پر بھاری ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم رضا مندی کے لئے اعمال صالحہ کر سکو تو بہتر و نہ مکروہات پر صبر کرنے ہی میں بہت نیکی ہے پھر سعادت کے حصول کے لئے ایک وقت میں نیکی کرنا اور برائی سے بچنا اور دوسرے وقت میں ایسا نہ کرنا کافی نہیں بلکہ چاہیے کہ تمام عمر میں علی الدوام اس پر عمل کیا جائے اور جتنی عمر زیادہ ہوگی اسی قدر بزرگی زیادہ راجح اور زیادہ کامل ہوگی اس لئے جب آنحضرت ﷺ سے سعادت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا تمام عمر اللہ کی اطاعت کرنا حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام موت کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ دنیا آخرت کی سمیٹتی ہے۔

جب عمر کی درازی سے عبادتیں زیادہ کی جائیں گی تو ثواب بھی زیادہ ہوگا نفس زیادہ زکی اور اطہر ہوگا اور اس کا کمال زیادہ مکمل اور انسان کی خوشی اس کے نفس کے ملائق بدن سے علیحدہ ہونے کے باعث زیادہ زبردست اور زیادہ وافر ہوگی۔

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی اس غیند سے بیدار ہو جس نے اسے اپنے نفس کے حال سے اور اس کے جمال سے جن سے وہ منور ہوتا ہے اور ان ذلت آمیز خیالات و حالات سے جو اس کی فضیلت اور رسوائی کا باعث ہیں غافل کر رکھا تھا یہ تنبیہ اور بیداری، تعلقات و مشاغل کے دور پھینک دینے سے حاصل ہوتی ہے لوگ اصل میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں جب مر جاتے ہیں تو جاگ اٹھتے ہیں یہی بات مجموعہ فضائل اور ان کی غایت ہے کہ انسان سے ہمیشہ اچھی باتیں صادر ہوں بغیر سوچنے کے یا دیکھنے کے یا تکلیف اور رنج و تعب کے اسے حق کی اطلاع بغیر کسی لمبی چوڑی محنت کے ہو جائے گویا کہ یہ بات خود بخود اس سے صادر ہو رہی ہے جس طرح مشاق صنایع اور خوشنویس کا تب سے نقش و نگار اور کتابت سرزد ہوتی ہے۔ انتہائے بد عملی کی انتہا یہ ہے کہ انسان سے بے اختیار بغیر غور و فکر اور بین دیکھے خود بخود بد اخلاقیات مترشح ہوں یا درحکوکہ یہ تمام فضائل فن نظری اور فن عملی میں محصور ہیں ان میں سے ہر ایک دو طریق سے حاصل ہوتا ہے۔

(اول) تعلیم بشری اور تکلیف اختیاری اس طریقہ میں کچھ عرصہ کی مشق و مواصلت و مہارت کی حاجت ہے نیز یہ کے بتدریج نامعلوم طریقہ پر تھوڑی تھوڑی نیکی جمع کرتے جائیں جس طرح لوگ نشوونما میں بتدریج ترقی کرتے ہیں ممکن ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوں جن کے لئے کوئی مشق بھی کافی ہے اور یہ بات ذکاوت و بلاغت پر منحصر ہے۔

(دوم) فضل خداوندی سے حاصل ہو جائے یعنی انسان ماورزا طور پر بغیر معلم کے علم و فاضل ہو جائے جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور جی بن زکریا علیہما السلام تھے یہی حال تمام انبیاء کا ہے ان کو حقائق اشیاء کا علم اس قدر وسیع دیا گیا تھا کہ دوسرے طالب علم تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے بھی حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کچھ لوگ اور بھی اس بات کے اہل ہیں ان کو اولیاء اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر یہ وہ عطیہ الہی ہے جس کا اکتساب جدوجہد کے ذریعہ ناممکن ہے جو شخص اس سے محروم ہوا اسے چاہیے کہ فریق ثانی میں سے ہونے کی کوشش کرے۔

یہ بات یاد رکھنے کی قابل ہے کہ اس کا رجحان ان لوگوں کے مراتب سے کمتر ہوگا سرمہ لگانے سے آنکھوں میں وہ رعنائی نہیں پیدا ہو سکتی جو قدرتی سیاہ آنکھوں میں موجود ہوتی ہے۔ اس بات کو مستبعد بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ پیدائشی اور فطری طور پر وہ علوم حاصل ہوں جو اکتساب اور کوشش کے ذریعہ سے ملتے ہیں جس طرح اخلاق میں ہوتا ہے چنانچہ بسا اوقات ایک لڑکا صادق القول نئی اور جری ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے خلاف پیدا ہوتا ہے اور یہ باتیں تاویب و تربیت سے حاصل ہو جاتی ہیں غرض بزرگی بعض اوقات طبعی طور پر مل جاتی ہے کسی وقت عادت ڈالنے سے اور کبھی تعلیم سے حاصل ہو جاتی ہے جس شخص کو تینوں اعلیٰ جہتیں حاصل ہوں یہاں تک کہ طبعی طور پر عادت ڈالنے سے اور تعلیم کی امداد سے صاحب فضیلت ہو تو اسے انتہائی بزرگی حاصل ہے اور جو تینوں طور پر ذیل ہو تو وہ عایت رفالت کے گڑھے میں ہے ان دونوں صورتوں کے درمیان اس شخص کا رتبہ ہے جو ان جہتوں سے مختلف ہے۔

## فصل

### تہذیب اخلاق کا منصل طریقہ

تمہارے لئے اس بات کا علم بھی ضروری ہے کہ نفس کا علاج زائل کو اس سے دور کرنے اور فضائل کے اکتساب سے ہو سکتا ہے اس کی مثال علم طب کی سی ہے جس میں بدن کے مرض کی روک تھام اور تندرستی قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جس طرح مزاج کی اصلیت میں اعتدال غالب ہے اور بے تکلیف جو حالت اعتدال کو بدل دیتی ہے اغذیہ وغیرہ کے عارضوں سے ہی حملہ کرتی ہے اسی طرح ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین امت یہودی، نصرانی، اور مجوسی بنا لیتے ہیں مقصود یہ ہے کہ تعلیم اور بڑوں کی دیکھا دیکھی بری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس طرح بدن ابتداء میں غیر مکمل پیدا ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ غذا کے ذریعہ سے نشوونما اور تربیت پا کر کامل ہوتا ہے اسی طرح نفس بھی

ناقص پیدا ہوتا ہے اور تزکیہ تہذیب اخلاق اور علم کی غذا دینے سے ہی کامل ہوتا ہے مثلاً بدن اگر تندرست ہو تو طبیب کا کام یہ ہے کہ قانون حفظ صحت پر عمل کرائے اور اگر مریض ہے تو اس کا فرض اولین یہ ہے کہ اسے تندرست کرے یہی حال نفس انسانی کا ہے اگر وہ پاکیزہ و طہر اور مہذب ہے تو مناسب ہے کہ اس کے ان اوصاف کو قائم رکھا جائے اور مزید قوت اور صفائی باطنی سے اسے بہرہ اندوز کرایا جائے اور اگر عدیم الکمال ہے اور صفائی اسے حاصل نہیں تو چاہیے کہ پہلے اس میں یہ باتیں پیدا کی جائیں جس طرح حالت اعتدال کو بدل کر مرض پیدا کرنے کی علت کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے اگر سردی سے ہو تو گرم دوائیں دی جاتی ہیں اور اگر گرمی سے ہو تو سرد دوائیں اسی طرح نفسانی امراض کے اسباب و بواعث کا علاج بھی ان کی ضد سے کیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ جہالت کا علاج بہ تکلف تعلیم سے نکل کا بہ تکلف سخاوت سے غرور کا بہ تکلف انکسار سے اور پر خوری کا غذاؤں سے بہ تکلف ہاتھ کھینچنے سے کرتا چاہیے اور جس طرح ہر ایک شخص کی دوا گرمی سے پیدا ہونے والے مرض کو کافی نہیں ہو سکتی جب تک وہ ایک وزن خاص میں کر دی جائے کیونکہ اس دوائی کی تیزی کمزوری، دوام و عدم اور اس کی قلت و کثرت بھی مختلف ہوتی ہے اس کے لئے ایک پیمانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس کی نفع بخش مقدار کا اندازہ معلوم کیا جائے کیونکہ اگر اندازے کے مطابق دوائی نہ دی جائے تو مرض بڑھ جائیگا اسی طرح امراض اخلاق کے علاج کے لئے جو دوا دی جاتی ہے اس کے لئے بھی ایک اندازے کی ضرورت ہے پھر جس طرح دوا کا اندازہ بیماری کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے یہاں تک کہ جب تک طبیب یہ معلوم نہیں کر لیتا کہ مرض کی علت حرارت ہے یا برودت اور اگر اس کی علت حرارت ہے تو اس کا درجہ قوی ہے یا ضعیف اس وقت تک مرض کے علاج کو ہاتھ نہیں لگاتا اور جب ان تمام امور سے واقف ہو جاتا ہے تو حالات بدن حالات موسم اور مریض کے پیشہ کی جانب توجہ کرتا ہے اور انجام کار سب حالات و واقعات کو مد نظر رکھ کر علاج میں مشغول ہوتا ہے اسی طرح شیخ متوہج کو جو مریدوں کے نفوس کی بیماریاں دور کرتا ہے چاہیے کہ اپنے مریدوں پر خاص قسم کی ریاضت شاقہ اور تکالیف کا ہجوم نہ کر دے جن سے ان کے اخلاق و عادات مانوس نہ ہوں تو جب اسے معلوم ہو جائے کہ فلاں برائی مرید پر سوار ہے اس کی مقدار کو جان لے اس کا حال اور مدت اسے معلوم ہو جائے اور یہ بھی معلوم کر لے کہ فلاں بات علاج میں مفید ہوگی تو علاج کا طریقہ معین کرے یہی وجہ ہے کہ بعض برائے بعض مریدوں کو شہر میں جا کر محنت و مشقت کرنے کا حکم دیتے ہیں یہ اس لئے کہ مرید میں کسی قسم کا تکبر اور حکومت

کی بو پائی جاتی ہے اس لئے پھر ان امراض کا علاج ایسے طریق سے کرتا ہے جو اس کے ان عادات کے نفیض دیکھتا ہے یہاں تک کہ اس کے تکبر کو اس کے ذریعہ سے چور چور کر دیتا ہے بعض مریدوں کو پانی بھرنے اور استنجے کے ذیلے گننے کا ارشاد ہوتا ہے اور یہ اسلئے کہ مرید کا نفس رحمت کی جانب مائل نظر آتا ہے اور حد اعتدال سے زیادہ نفاست پسندی اس کی طبیعت میں پائی جاتی ہے بعض کو روزہ رکھنے کا مشورہ دیا جاتا ہے اور افطاری کے لئے برائے نام کھانے کی مقدار دی جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ مرید جو ان قوی الشہوت اور غلبہ ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ تہذیب نفس کے طریقے برتتے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کے متعلق روایت ہے جو قوت غضب کو دور کر کے قوت علم پیدا کرنے کے لئے کم حیثیت آدمیوں کو اجرت دیتے تھے اور اس بات پر مقرر کرتے تھے کہ محفلوں اور مجلسوں میں ان پر خوب گالیوں کی بو چھاڑ کریں چنانچہ علم اور بردباری کے اوصاف ان میں پیدا ہو گئے یہاں تک کہ ان کی قوت برداشت ضرب الشمل ہو گئی۔

کچھ اور لوگ تھے جو اپنے میں وصف شجاعت پیدا کرنے کے لئے جاڑے میں دریا میں حیرتے تھے کچھ ایسے بھی تھے جو عمدہ عمدہ کھانے تیار کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو اپنے سامنے بٹھا کر کھلاتے تھے اور خود پر خوری کی بد عادت دور کرنے کے لئے نان جویں پر گزارہ کرتے تھے۔

ہندوستان کے سادہ عبادت میں سہل انگاری اور سستی کے مرض کا علاج تمام رات ایک ٹانگ پر کھڑے ہونے سے کیا جاتا ہے اور بعض لوگ حب مال کی بیماری کا علاج یوں کرتے ہیں کہ تمام مال و اسباب فروخت کر کے اس کے دام اٹھا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں۔

الفرض تہذیب اخلاق کے طریقوں کا یہ مختصر اور اجمالی بیان ہے اور اگر ان کی تفصیل میں جائیں تو سلسلہ کلام بہت طویل ہو جائے۔

مدعا یہ ہے کہ شائق لوگ اپنے اخلاق کے بارے میں تزکیہ نفس کریں پس اگر تمہارا نفس پہلے ہی مہذب ہے تو اس کی حفاظت کرو تا کہ گمراہ نہ پائے اور اگر وہ گمراہ کی جانب مائل ہے تو اسے پھیر کر حد اعتدال پر لے آؤ اس کے طریقہ کی تفصیل ابھی آجنگی اعتدال حاصل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ افراط و تفریط کی حالت دور کر دی جائے کیونکہ غرض یہ ہے کہ بدنی عوارض سے جو صفات نفس کو لاحق ہو جاتے ہیں ان کو نفس سے بالکل پاک کر لیا جائے۔

یہاں تک کہ ان کی جدائی کے بعد افسوس و محبت کے طور پر نفس ان کی جانب بھی



مختلف نہ ہو۔ اور نہ ہی ان کے چلے جانے پر اسے رنج محسوس ہو ساتھ ہی ان سے مشغول ہونے سے منع کیے جانے اور اپنے جوہر کے لائق سعادتوں سے میل ملاپ کرنے میں اسے کوئی تکلیف نظر نہ آئے چنانچہ جب ہم چاہتے ہیں کہ پانی نہ تو گرم ہو اور نہ ہی خشکا تو ہم اسے معتدل کرنے کی کوشش کرتے ہیں آب قاتر جو ٹھہرنے کو چھوڑ دیا ہو نہ گرم ہوتا ہے نہ سرد تو یہی حال ان صفات کا ہے۔

تمہارا کام یہ ہے کہ تم غور کرو کہ جس خلق کے باب میں تم سرگرم عمل ہو اس کے موجبات سے جو افعال ہیں وہ کیسے ہیں پھر اگر ان کے کرنے سے تمہیں لذت حاصل ہو تو سمجھ لو کہ جس خلق سے یہ فعل متعلق ہے وہ تمہاری جان میں راسخ ہے اور اگر وہ فعل قبیح ہے مثلاً اگر تم مال جمع کرنے اور اسے دہار کھنے میں خوشی اور لذت محسوس کرتے ہو تو اس فعل سے متعلق خلق بھل ہے پس تمہیں چاہیے کہ تم اپنی طبیعت کو اس کے برخلاف عمل کی طرف پھیر لے جاؤ اخلاق حسنہ اور اخلاق سیئہ کی تفصیل شریعت کر چکی ہے اور آداب نبی ﷺ کے باب میں جس قدر تصانیف ہیں وہ ان کو جامع ہیں ہم ان کی جانب جلد ہی اجمالی اشارہ کریں گے ہماری مراد اعتدال سے یہ ہے کہ اگر تم مال خرچ کرنے اور اسراف میں لطف محسوس کرتے ہو تو جان لو کہ یہ بھی مذموم ہے اسی کو تہذیب سے تعبیر کیا گیا ہے محمود و معتدل حالت وہ ہے جس کو سخاوت کہتے ہیں اور جو کجروی اور فضول خرچی کے درمیان ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تم پر شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق مال خرچ کرنا آسان ہو، خوش دلی اور رغبت سے خرچ کرنا اور شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق خوش دلی اور رغبت سے روک لینا بھی آسان ہو یہی صورت معاملہ ہے تمام صفات میں ان میں ایک کی مثال کافی ہے۔

جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ معیار اعمال کا ماخذ مقدار صفات و اخلاق ہے تو تم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہی کہ ان کے باب میں اختلاف اشخاص کے ساتھ راستہ بھی مختلف ہو گا نیز اختلاف حالات کے ساتھ ایک شخص کے حق میں بھی مختلف ہو گا۔

چنانچہ جس شخص کو بصیرت سے کچھ حصہ ملا ہے وہ علت و سبب کے پیچھے پڑے گا اور اس کا علاج اس کے طریقے کے مطابق کرے گا لیکن چونکہ اکثر لوگ لائق نہیں اور شریعت کے لئے مشکل ہے کہ ایسی تحصیل پیش کرے جو سب لوگوں کے لئے سب زمانوں میں کافی دوائی ہو اس لئے شریعت نے تفصیل کے بارے میں صرف ان قوانین مشترکہ کو بیان کر دینا کافی سمجھا جن کی حدیں طاعات و ترک معاصی کو گھیر رہی ہیں پھر ان سہامات کے ذکر کو چھوڑ دیا جو امور جلیلہ کے

ساتھ لذت پانے کے لئے مقصود ہیں مثلاً فرمایا حب الدنیا رأس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے وغیرہ وغیرہ۔

اہل بصیرت نے جان لیا کہ غایت مطلوب اور اس کا طریقہ اور غایت مامزور اور اس کا راستہ کیا ہے اور تفصیل سے واقف ہو کر ان لوگوں کو اس راستے پر گامزن کیا جنہوں نے اتباع کی اس طرح وہ انبیاء علیہم السلام کے نائب ہوئے کہ انہوں نے اس چیز کی تفصیل بیان کی جن کو انبیاء نے اجمالاً بیان کیا تھا اور جس کو صرف بطور تمہید کہا تھا انہوں نے اس کی تشریح کی اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا العلماء ورثۃ الانبیاء یعنی علما نبیوں کے وارث ہیں۔

## فصل

### امہات فضائل

یوں تو فضائل بے شمار ہیں لیکن چار چیزیں تمام شعبوں اور قسموں پر حاوی ہیں یعنی حکمت شجاعت عفت عدالت حکمت سے قوت عقلیہ کی فضیلت مراد ہے شجاعت سے قوت نصیبیہ کا اور عفت سے قوت شہوانیہ کی اور عدالت سے مراد ہے ان تمام قوتوں کا ترتیب مناسب میں واقع ہونا اس کے ذریعہ تمام امور کامل ہوتے ہیں اسی لئے کہتے ہیں کہ زمین و آسمان عدل پر قائم ہے ہم ان بنیادی امور میں سے ایک ایک کی تشریح کریں گے نیز ان کے بیان کی ان کے ماتحت جملہ انواع کی تشریح کریں گے۔

حکمت کے ہم وہی معنی لیتے ہیں جن کی عظمت اللہ تعالیٰ نے اس قول میں بیان فرمائی ومن یتوسی الحکمة فقط اوتی خیرا کثیرا اور جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا الحکمة ضالة المؤمن - حال کہ حکمت کو تم گم شدہ لال سمجھو جہاں پاؤ اٹھانا سے مال سمجھو

حکمت قوت عقلیہ کی طرف منسوب ہے تم پہلے جان چکے ہو کہ نفس کی دو قوتیں ہیں اول جو اوپر سے آتی ہے اسی سے ضروری نظری اور کلی حقائق علوم ملاء اعلیٰ کی طرف سے افشا ہوتے ہیں یہ یقینی علوم ہیں اور سچے ہیں ازلی اور ابدی لحاظ سے اختلاف اعصار و اہم ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جیسے اللہ تعالیٰ اس کی صفات اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور رسولوں کا علم اور

عالم میں خدا کی تمام مخلوق کی تمام اصناف کا علم۔

قوت ثانیہ وہ ہے جو نیچے کی جانب متوجہ رہتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر اور سیاست کی جانب اسی کے ذریعہ سے نیک اعمال کا ادراک ہوتا ہے اس کو عقل عمل کہتے ہیں اس کے ذریعہ سے نفس کے قوی اہل شہر اور اہل خانہ کی قوتیں قابو میں رکھی جاتی ہیں اس کا نام ایک لحاظ سے حکمت مجازی طور پر ہے کیونکہ اس کی معلومات گرگٹ کی مانند بدلتی رہتی ہیں ایک جگہ قرار نہیں پکڑتی چنانچہ اس کی معلومات میں سے ایک یہ ہے مال خرچ کرنا اچھا کام ہے حالانکہ بعض اوقات اور بعض اشخاص کے حق میں یہ بات بھی برائی ہو جاتی ہے اس لئے اول الذکر کے لئے حکمت کا نام زیادہ درست ہے اور مؤخر الذکر اول کا کمال ہے اور ختمہ یہ حکمت خلقیہ ہے اور وہ حکمت عملیہ و نظریہ حکمت خلقیہ سے ہماری مراد ہے نفس کی عاقلہ کی وہ حالت اور فضیلت جس سے قوت غصبیہ و شہوانیہ قابو میں لائی جاتی ہے اور مناسب اندازے کے ساتھ ان خصل و انبساط میں مقدار مقرر کی جاتی ہے اس سے مراد قوت فیصلہ ہے یہ ایک فضیلت ہے جس کو وہ خرابیاں احاطہ کیے ہوئے ہیں اول مکاری دوم سادہ لوحی یہ دونوں کنارے ہیں افراط و تفریط کے مکاری افراط کی انتہائی صورت ہے یہ وہ حالت ہے جس میں انسان مکر و حیلہ سے کام لینے کا عادی ہوتا ہے جب قوت فطنیہ اور شہوانیہ مطلوب کی طرف حد سے زیادہ تحریک کرتی ہیں اور سادہ لوحی انتہائی تفریط اور حد اعتدال سے کم ہونے کا نام ہے یہ وہ حالت ہے جس میں نفس قوائے غصبیہ و شہوانیہ کے مشورہ کو حد سے کم قبول کرتا ہے اس کی وجہ فہم کی کمزوری اور قوت فیصلہ کی کمی ہے۔

شجاعت قوت غصبیہ کے لئے فضیلت ہے بوجہ اس کے قوی ہونے کے حمیت کے ساتھ یہ عقل کی مطیع و منقاد ہے اور بڑھنے اور گھٹنے میں شریعت کے احکام کی پابند قوت غصبیہ کی دو برائیوں کے درمیان جو اسے گھیرے ہوئے ہیں یہ ایک متوسط درجہ ہے دونوں برائیاں تہوار اور بزدلی ہیں تہوار اعتدال سے بڑھی ہوئی کیفیت کا نام ہے اور یہ وہ حالت ہے جس میں انسان ایسے خطرناک امور میں کود پڑتا ہے جن سے بچنا قرین دانشمندی تھا بزدلی اعتدال سے گھٹتی ہوئی حالت ہے اس میں حرکت غصبیہ کی حد سے زیادہ کمی کے باعث انسان ان امور کو پیچھے دکھا کر ہماگ جاتا ہے جن کا سامنا کرنا عقل و خرد کے مطابق تھا جب یہ تمام اخلاق حاصل ہو جاتے ہیں تو ان سے افعال صادر ہوتے ہیں یعنی خلق شجاعت سے دلیرانہ اقدام دنیاور ہوتا ہے جہاں چاہیے اور جیسے چاہیئے یہی طرز عمل پسندیدہ اور قابل تعریف ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد

اشداء علی الکفار و حماء الہینہم سے بھی یہی ہے یعنی کفار پر سخت گراں اور آپس میں نہایت مہربان بہر حال میں نہ تو سختی درست ہے نہ نرمی ہے بلکہ مناسب طرز عمل وہ ہے جو عقل و شریعت کے معیار پر پورا اترے تو جس کو یہ حد اعتدال حاصل ہو جائے اسے چاہیے کہ اپنے افعال سے اسے ہمیشہ محفوظ رکھے اور جسے یہ بات میسر نہ ہو تو چاہیے کہ وہ غور کرے اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت کی شجاعت یعنی بزدلی کی جانب مائل ہے تو بہادری کے افعال کی پیروی تکلف کرے اور اس پر ہمیشہ عمل کرے یہاں تک کہ یہ بات اس کا طبعی خلق اور عادت بن جائے اور شجاعت مند لوگوں کے کارنامے اس سے خود بخود صادر ہونے لگیں اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت حد اعتدال سے متجاوز حالت کی یعنی تہور کی طرف مائل ہے تو یہی مناسب ہے کہ اپنے تخمین ان کے نتائج سے ڈرائے اور ان کے خطرات کی عظمت سے دل کو مرعوب کرے ان باتوں پر اسے ابتدا میں بہ تکلف عمل کرنا پڑیگا یہاں تک کہ اس کی طبیعت حد اعتدال یا اس کے قریب کے کسی مقام کی طرف ہٹ آئیگی کیونکہ حد اعتدال کی حقیقت پر قائم رہنا نہایت مشکل بات ہے اور چونکہ یہ بات سمیرا الحصول ہے اس لئے فرمایا ان منکم الا وار دھا تم میں سے ہر ایک اس میں وارد ہوگا۔

کسی بزرگ نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا حضور آپ کا اس فرمان سے کیا مطلب ہے کہ مجھے سورۃ حمزہ نے بوڑھا کر دیا ارشاد ہوا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان نے کہ ہا مستقیم کہا امرت یعنی صراط مستقیم پر استمرار اور افراط و تفریط سے بچکر توسط اختیار کرنا نہایت سخت مرحلہ ہے یہ بات بال سے باریک اور کموار کی دھار سے تیز تر ہے جیسے کہ پلصراط کے باب میں بیان کیا گیا جس شخص نے دنیا کے راستے پر استقامت اختیار کر لی وہ آخرت میں بھی مستقیم رہے گا کیونکہ انسان اسی بات پر مرتا ہے جس پر اس نے زندگی بسر کی اور اس کا حشر اس بات پر ہوگا جس پر وہ مرا اسی لئے نماز کی ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ اس میں آیت اھدنا الصراط المستقیم داخل ہے طالب پر استقامت سب باتوں سے زیادہ سخت اور دشوار ہے اگر ایک خلق میں بھی اس کا مکلف قرار دیا جائے تو مصیبت طویل ہو جائے حالانکہ ہمیں تمام اخلاق میں باوجود ان کے بے حد و حساب ہونے کے اس بات کا مکلف کیا گیا ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوگا خطرات سے عہدہ برائی تو فیق الہی رحمت خداوندی کے بغیر ناممکن ہے اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا السامس کلہم موتی لا العالمون والعالمون کلہم موتی الا العالمون والعاملون کلہم موتی

الا المخلصون والمخلصون علی خطر عظیم لوگ سب مردے ہیں سوائے عالموں کے اور عالم سب مردے ہیں سوائے عالموں کے اور عامل سب مردے ہیں سوائے مخلصوں کے اور مخلصین بڑے بڑے خطروں میں ہیں تو ہم خداوند چارک و تعالیٰ سے نہایت عاجزی سے دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اپنی توفیق سے ہماری مدد فرماتا کہ ہم اس دنیا میں خطرات سے بچ کر سلامت نکل جائیں اور عفت و خود فراموشی کے دام میں گرفتار نہ ہوں۔

عفت تو یہ قوت شہوانیہ کی بہترین صورت ہے اس سے مراد قوت شہوانیہ کو نرم اور ہموار کر کے قوت عقلیہ کے تابع کر دینا ہے یہاں تک کہ اس کی حرکت و سکون اس کے اشارے کے مطابق ہو جائے اس کے دونوں جانب دو دریا ہیں شہوت پرستی اور نامردی شہوت پرستی سے مراد ہے لذات نفسانی میں افراط اس حد تک کہ قوت عقلیہ اسے ناپسند کرے اور اس سے منع کرے نامردی سے مراد ہے کہ آگ کا بالکل بجھ جانا اور اس میں اس قدر بھی جوش نہ رہتا جس کی موجودگی کا عقل تھا ضا کرتی ہے یہ دونوں باتیں بری ہیں عفت ان دونوں کا درمیانی اور پسندیدہ نکتہ ہے انسان کو چاہیے کہ اپنی شہوت کی نگہبانی کرے اس پر اکثر افراط غالب ہوتی ہے خصوصاً شرمگاہ اور پیٹ کی مقتضیات اور مال و ریاست اور جب تھاپہ یا درکھوان باتوں میں افراط و تفریط دونوں نقصان رساں ہیں۔

انسان کا کمال اعتدال میں ہے اور اعتدال کا معیار عقل و شرع ہے مطلب یہ ہے کہ شہوت اور غضب کے اخلاق کی غایت مطلوبہ کا علم ہو جائے مثلاً اس بات کی واقعیت ہو جائے کہ خواہش طعام اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ غذا لینے کی تحریک کرے جو حرارت غریزی میں خلل آنے کا سد باب کرتی ہے حتیٰ کہ بدن زندہ رہتا ہے اور حواس سالم تاکہ حصول علوم اور تحقیق اشیاء کے اور اک کی طاقت پیدا ہو یہ حالت طبقہ علیا سے مشابہ ہے کیونکہ اس میں اس کے خواہش پائے جاتے ہیں یعنی رجبہ ملائکہ بھی کمال سعادت ہے جو شخص ان باتوں کی معرفت حاصل کر لے اس کی غرض تناول طعام سے عبادت گزاری کا تقویٰ ہوتی ہے نہ کہ اس سے حظ نفس وہ کم خوری کی عادت کر لیتا ہے لامحالہ ناکل پرواز ہوتا ہے اور اس کی حرص تیز نہیں ہونے پاتی وہ جانتا ہے کہ خواہش مہاشرت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ جماع کی تحریک کرے جس سے نوع انسانی کی بقا کی حفاظت کا رشتہ وابستہ ہے اور تاکہ نکاح کی طلب پیدا ہو اولاد پیدا کرنے اور بدکاری سے بچنے کی غرض کے لئے نہ محض لہو و لعب اور حظ نفس حاصل کرنے کے لئے اور اگر لہو و لعب اور تمتع میں مشغول ہو تو اس کا باعث محنت اور اذیت ہوگی جو حسن صحبت اور دوام نکاح

کی تحریک کرتی ہے وہ صرف اسی قدر شادیاں کرے گا جس قدر اس کے حقوق کی ادائیگی میں مزاحمت نہ ہوں۔

جو شخص ان باتوں سے واقف ہو جائے اس کے لئے کم شادیاں کرنا آسان ہو جاتا ہے یہاں آدمی اپنی ذات کا شارع علیہ السلام کی ذات بابرکات پر خیال نہ کرے کیونکہ بیویوں کی کثرت حضور ﷺ کو ذکر الہی سے غافل نہ کر سکتی تھی اور نہ ہی آپ کو طلب دنیا پر مجبور کر سکتی تھی جو شخص کثرت سے شادیاں کرتا ہے کہتا ہے کہ بیویوں کی کثرت حضور ﷺ کے لئے مضرت تھی مجھے بھی ضرر نہ کرے گی۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو خیال کرتا ہے کہ نجاست کا جو ڈھیر ایک بحرِ آبِ اکناہ کو تغیر نہیں کر سکتا اس سے سمندر میں سے ایک لونہ بھر پانی بھی تغیر نہ ہوگا اور جولدیز اور مرغن غذا نہیں ایک قوی الجھڑ جو ان اور بھر پور شخص کو نقصان نہیں پہنچا تیس وہ ایک شیر خوار اور کمزور بچے کو بھی ضرر نہ کرے گی بہت سے عقل کے دشمن بڑائی کے لئے ہوتے اپنی ذات کو حضور ﷺ کی ذات پر قیاس کرتے ہیں کہاں راجہ بھوج اور کہاں کنگو تیلی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بری طرح برباد ہوتے ہیں کہ نشان بھی نہیں ملتا نعوذ باللہ۔ خدا ہمیں کور باطنی سے محفوظ رکھے کیونکہ ظاہری اندھا ہونے سے بدتر ہے ظاہری آنکھ کا اندھا ہونا اپنے بھڑ اور نیلے کسی کا اعتراف کر لیتا ہے اور کسی کا ہاتھ پکڑ کر سیدھے راستے پر ہو لیتا ہے لیکن یہ باطن کے اندھے اس قدر فریب نفس میں گرفتار ہوتے ہیں کہ کسی صاحب نظر کی اعلیٰ تمامناؤ لت سمجھتے ہیں پھر نہ ان کا نور تکمیل پاتا ہے نہ وہ سیدھے راستے پر گامزن ہو سکتے ہیں ان کے مال کی خرابی یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پروا نہیں رہتی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوئے۔

میں نے بعض طبقہ عوام کے بے وقوفوں کو دیکھا کہ تصوف کے بارے میں اپنی رائے سے انکل بچو نگار ہے تجھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ خواہشات اور شہوتیں پیدا ہوتی ہیں نہ کی جاتیں اگر ان کی پیروی مذہب اور مہلک ہوتی افسوس انھیں یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں شہوتوں کی پیدائش یعنی شرمگاہ اور شکم کی خواہشات کی خلقت میں دوزیر دستِ حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

(اول) انسان کے وجود کی بقاء بذریعہ غذا کے اور نوع انسانی کی بذریعہ جماع کے کیونکہ یہ دونوں اپنی ذات میں ضروری ہیں سنت الہی کے مطابق مشیت الہی کے ساتھ جاری ہیں جو نہ تبدیل ہو سکتی ہے نہ روکی جاسکتی ہے۔

(دوم) لوگوں کو سعادت اخرویہ کے حصول کی ترغیب دینا کیونکہ جب تک ان کو لذات و آلام کے ذریعہ سے تکلیف و آرام کا احساس نہ ہوگا اس وقت تک نہ وہ جنت کی رغبت

کریں گے نہ دوزخ سے خوف کھائیں گے۔

اگر انہیں کسی ایسی چیز کا وعدہ دیا جائے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا تو ان کے نفوس پر اس کا خاک بھی اثر نہ ہوگا عفت کا بیان یہاں ختم ہوتا ہے۔

عدل، حکمت اور شجاعت اور عفت کی اس منظم حالت کا نام ہے جس میں وہ مناسب طور پر ایک ترتیب واجب کے ساتھ مختار متقاد ہوں اصل میں یہ فضائل اخلاق کا جزو نہیں بلکہ یہ عبارت ہے جملہ فضائل سے اس کی صورت یوں ہے کہ جب بادشاہ اس کے لشکر اور اس کی رعیت کے درمیان ایک عمدہ ترتیب قائم ہو بادشاہ صاحب بصیرت اور صاحب جبروت ہو اس کا لشکر طاقت ور اور اطاعت شعار ہو، اور رعیت مطیع و متقاد ہو تو کہا جائیگا کہ ملک میں عدل قائم ہے لیکن اگر بعض میں ضروری صفات موجود ہوں اور بعض میں نہ ہوں تو عدل کی موجودگی سے انکار کیا جائیگا مملکت بدن میں بھی ان صفات کے مابین اسی طور سے ہوتا ہے۔

نفوس کے اخلاق میں عدل سے لامحالہ مراد یہ ہوگی کہ معاملات و سیاسیات میں توازن قائم ہو عدل کے معنی ہیں ترتیب مستحب خواہ اخلاق میں خواہ معاملات میں یا ان اجزاء میں جن سے شہر و ملک کا قوام ہے۔

معاملات میں عدل ظہور و نقیض کا درمیانی نکتہ ہے یعنی انسان وہ چیز لے لے جو لینے کے قابل ہے اور وہ چیز دیدے جو دینے کے لائق ہے ظہور یہ ہے کہ نہ جائز طور پر کوئی چیز لے لی جائے اور نقیض یہ ہے کہ کسی معاملے میں وہ شے دیدی جائے جس کا نہ اجر ہے نہ احسان سیاسیات میں عدل یہ ہے کہ شہر کے مختلف اجزاء اس طرح مرتب کئے جائیں کہ شہر بلحاظ اس کے تعلقات کے اور باعتبار اپنے اجزاء کے تناسب کے اور بحساب اپنے ارکان کے تعاون کے حسب فضا طور پر ہو جائے یعنی اس کی اجتماعی حیثیت شخص واحد کی سی ہو ہر ایک چیز اپنے مناسب مقام پر رکھی جائے اس کے باشندوں میں بلحاظ طبقہ کے تقسیم کردی جائے کون شخص کون سی خدمت سرانجام دے گا کون خادم ہے اور کون خمدوم کس کس طریق سے خادم خدمت کرے گا اور کس کس عنوان سے خمدوم خدمت لے گا جیسا کہ ہم قوائے نفسانیہ کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔

عدل کے لئے افراط و تفریط کوئی شے نہیں اس کا مقابل خلق ایک ظلم ہے کیونکہ ترتیب اور عدم ترتیب میں کوئی درمیانی نکتہ نہیں اس قسم کی ترتیب اور عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں

یہاں تک کہ تمام کائنات شخص واحد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے قونی اور اجزا سب ایک دوسرے کے معاون ہیں۔

اور اب جبکہ ہم یہ تمام امہات فضائل بیان کر چکے ہیں تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک فضیلت اور ذلیلت بزرگی اور خرابی جس قدر فضائل اور ذائل کے اقسام و انواع ہیں ان کی تفصیل درج کریں۔

اس بارے میں قوت عقلیہ سے ابتدا ہوگی پھر قوت غصہیہ اور آخر میں قوت شہوانیہ۔ کی باری آئنگی تاکہ ان کا بیان مکمل ہو جائے

## فصل

### فضیلت حکمت اور اسکی افراط و تفریط یعنی مکاری اور بیوقوفی

حکمت کے ماتحت حسن تدبیر جو ذہن، نظایہ الراء اور صواب علم کا اندراج ہوگا حسن تدبیر سے مراد یہ ہے کہ تم عظیم الشان نیکیوں اور نیک اغراض کے حصول میں جو تدبیر منزل سیاست مدینہ دفاع و تحن اور دفع شر کے معاملات میں تم سے متعلق ہیں یا دوسروں سے استنباط نتائج کے ذریعہ ایسی صائب رائے قائم کرو جو افضل اور صالح ہو غرض یہ کہ ہر ایک اور مہتمم بالشان امر میں تمہیں یہ بات حاصل ہو لیکن اگر معاملہ حقیر اور آسان ہو تو اس کے متعلق جو غور و فکر ہوگا اسے حسن تدبیر نہ کہیں گے اسے محض اندازہ کہہ دینا کافی ہوگا

جو ذہن یہ ہے کہ جب رائیں مشتبہ ہو جائیں اور ان میں بحث و نزاع درپیش ہو تو درست فیصلہ دینے کی قابلیت حاصل ہو۔

نظایہ رائے کا مفہوم ہے پیش آمد و امور کے بارے میں جو اسباب و بواعث دلچسپ نتائج برآمد کرنے والے ہوں اور ان پر تیز دہشت سے پہنچ کر قائم ہو جانا۔

صواب علم یہ ہے کہ بغیر دلائل کی انگلی پچھو لگانے کے مشاہدات پھر بھروسہ کرتے ہوئے حق کی موافقت کی جائے۔

مکاری کے ماتحت حد سے زیادہ تیز فہمی اور فریب کاری کا اندراج ہوگا اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی حد سے بڑھی ہوئی عقلمندی کے باعث کسی کام کے سرانجام دینے میں ایسے طرق کار سے کام لے جن کو وہ اچھا سمجھتا ہو لیکن حقیقت میں وہ اچھے نہ ہوں البتہ ان



میں کفح خامہ ہو اب اگر کفح نحیس ہو تو اسے فریب کاری کہیں گے حد سے زیادہ تیز نہیں اؤ فریب کاری میں فرق صرف ذلت اور شرافت کا ہے۔

سادہ لوحی کے ماتحت با تجربہ کاری حماقت جنون کے نام آ جینگے۔

نا تجربہ کاری۔ سلامت ذہن کے باوجود عملی باتوں میں بالکل قلت تجربہ کا نام ہے اگر ایک بات کا انسان کو تجربہ ہو چکا ہے تو وہ اس میں آزمودہ کار ہے ورنہ نا آزمودہ کار مجمل طور پر نا تجربہ کار شخص وہ ہے جس کو دنیا کے وسیع سمندر میں اتر کر اس کے معاملات کے تجربوں کا اتفاق نہ ہوا ہو۔

حماقت یہ ہے کہ انسان منزل مقصود پر پہنچنے کے درست راستہ کے تعین میں غلطی کرے اور دوسرے راستے پر چل پڑے حماقت اگر پیدا کشتی ہو تو اسے حماقت طبعی کہیں گے اور یہ علاج پذیر نہیں اور بعض اوقات کسی مرض کے باعث بھی ذہن بگڑ جاتا ہے اس لئے جب وہ مرض دور ہو جائے تو حماقت بھی دور ہو جاتی ہے۔

جنون یہ لفظ ادھیل کا دوسرا نام ہے اس میں انسان ناقابل قبول شے کو قابل قبول شے پر ترجیح دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا قریب انتخاب ہمیشہ غلط شے پر پڑتا ہے جنون کی خرابی اس کی غرض ہے اور حماقت کی خرابی کرنا کیونکہ احق کی غرض و غایت بھی مائل کی ہی ہوتی ہے اس لیے ابتداء میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا تو اس کی بے وقوفی اظہار من القس ہو جاتی ہے جنون چونکہ فساد غرض ہے اس لئے شروع ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

## فصل

### فضیلت شجاعت کے ماتحت کیا کچھ درج ہوگا

شجاعت کے عنوان کے ماتحت جو دو کرم، دلیری خود داری بردباری ثابت قدمی، بہاست قدر دانی اور وقار آتے ہیں۔

جو دو کرم، کنجوسی اور اسراف کے بین بین ہے اس سے مراد ہے جلیل القدر اور عظیم الخلق امور میں خوشی سے خرچ کرنا اس کو آزاد روی اور حریت بھی نام دے لیتے ہیں۔

دلیری، یہ جسارت اور بزدلی کا درمیانی نکتہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت کے مطالبہ سے کہ علاج بہت مشکل ہے ورنہ انسان میں ہر ایک کمال کی استعداد ہے۔

وقت انسان بے دھڑک اور بے خوف ہو اور موت کے منہ میں جانے سے اس کا دل نہیں گھبرائے۔

خود داری۔ یہ تکبر اور ہیچ میرزی کے بین بین کا مقام ہے اس وصف کے ذریعہ انسان اس بات پر قادر ہو جاتا ہے کہ امور جلیلہ کو باوجود ان کو حقیر سمجھنے کے اپنی جان کا پیوند بنائے اس کا نشان یہ ہے کہ انسان علماء کی عزت کرنے میں خوشی حاصل کرے اور فردیاً لوگوں کے اکرام و عزاز میں مسرت نہ پائے اپنی امور میں اسے کوئی لطف نہ ملے اور نہ ہی اتفاقات حسنہ خوش نصیبی کے طور پر جو مفاد و منفعت حاصل ہو اس سے اس کے دل میں فخر اور خوشی پیدا ہو برداشت۔ یہ جسارت اور بے صبری کے بین بین ہوتی ہے اس سے مراد ہے تکلیف دو اور ایذا رسان امور سے نہ گھبرا جانا۔

علم، ظلم و سفاکی اور بے غیرتی کے درمیان ہوتا ہے اس میں انسان کا دل وقار حاصل کر لیتا ہے۔

ثابت قدمی کے معنی دل کا قوی ہونا ہے اور ہمت کا پٹنا نہ ہونا ہے۔  
شہامت، سے مراد ہے حسن و خوبی کے حصول کی امید میں سرگرمی عمل میں حریص ہونا  
قدردانی۔ بڑے بڑے کارناموں پر دل کا خوش ہونا۔  
وقار یہ تکبر اور انکسار کے بین بین ہوتا ہے۔

وصف شجاعت کے دو کنارے ہیں اول تہور جنس و نامردی ان کے تحت میں چھپھورا پن اور خسرت، جسارت اور بزدلی اکڑفوں اور ایچ میرزی، بے صبری اور تیز مزاجی سرد مزاجی تکبر اور کینہ پن، عجب و مہانت، کا اندراج ہو گا ان میں سے جو باتیں حد اعتدال سے زیادتی کی طرف مائل ہیں تہور کا حصہ ہیں اور جو حد اعتدال سے کمی کی طرف رائج ہیں جن کے ماتحت ہیں چھپھوراپن یعنی ناواقب امور پر جیسے زینت و غیرہ خرچ کرنا اور اس سے مقصود محض لاف زنی رکھنا۔

نحست یعنی دہانت طبع ضرورت کے مقام پر نہ خرچ کرنا اور اپنی باتوں میں فخر کرنا۔  
جسارت، بے سود موت کی تلاش کرتے پھرنا موقع بے موقع جان پر کھیل جانے کو تیار رہنا۔

بزدلی جہاں ہلاکت کا خوف نہ کرنا چاہیے وہاں موت کے خوف سے کچلی پیدا ہو جانا  
اکڑفوں بغیر استحقاق کے بڑی بڑی باتوں کا اپنے تئیں اہل سمجھنا۔

بچ میرزا اپنے درجہ سے خود کو کم سمجھتا۔

جسارت، ہلاکت کی بے فائدہ باتوں میں تلاش کرتے پھرنا ضرورت ہے ضرورت مرنے پر تیار رہنا۔

بے صبری، ایذا و رساں اور رنج و آلام کے نام سے دھنسا ہوتا۔

تیز مزاجی، فوراً غضبناک ہو کر بھڑک اٹھنا۔

بے غیرتی، کسی بات پر غصہ نہ ہونا خواہ کیسی ہی ذلت ہو جائے۔

تکبر۔ اپنے جمیل مقدر سے زیادہ بلند، مرتبہ سمجھنا۔

خست اپنے جمیل حد سے زیادہ ذلیل سمجھنا اگر مناسب حد تک ہو تو اسے منکسر مزاجی کہتے ہیں۔

خجست تکبر سے پیدا ہوتی ہے اس سے مراد ہے اپنی حقیقت کو نہ پہچاننا اور ناحق خیال کرنا کہ میں اعلیٰ مرتبہ پر قائم ہوں۔

لوگ تکبر اور تکبر کو کینسرین اور فضول خرچی سے زیادہ ناپسند کرتے ہیں کیونکہ یہ سب برے وصف ہیں۔

خست اور فضول خرچی اگرچہ برے اوصاف ہیں لیکن یہ تواضع اور سخاوت سے مشابہت رکھتے ہیں اس لیے پسند کیے جاتے ہیں پھر بھی حقیقت میں یہ اخلاق رذیلہ میں داخل ہیں اور اعتدال سے دور اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا طوبی لمن تواضع من غیر منقصة وذل نفسه من غیر مسکنة اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو مناسب انکسار کرے اور اپنے تئیں حقیر سمجھے لیکن مسکنت کا اظہار نہ کرے۔

## فصل

### عفت اور اس کے متعلق اخلاق رذیلہ کا اندراج

فضائل عفت میں حیا، شرمیلا پن، مساحت، ہمبر و حفا، حسن نقد پر انبساط، بزم خونی، احتیاط، خوبصورتی، قناعت، استغناء، ورع، طلاق، ہمساعت، رشک اور غرارت شامل ہیں۔

حیا شوخی اور زنا شن کے درمیان ہوتی ہے اس کی تعریف یوں ہے کہ یہ ایک قسم کا رنج ہے جو کسی کے عیب چینی سے دل میں پیدا ہوتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک خوف ہے

جو انسان کے دل میں اپنے سے بزرگتر کے سامنے فرمایا ہونے سے پیدا ہوتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بری باتوں کے پیش آنے سے چہرے پر جو انقباض پیدا ہوتا ہے وہی حیا ہے اور یہ تحفظ نفس ہے مذموم باتوں سے غرض یہ ہے کہ حیا کا استعمال بری باتوں سے گریز کرنے کے لئے ہوتا ہے جس چیز کو ایک شخص برا سمجھتا ہے اس سے اس کی طبیعت گھبرائی جاتی ہے یہ موخر الذکر صورت لڑکوں اور عورتوں کے لئے زیادہ ہے اور عقلمندوں کے لئے مذموم ہے شرم کی پہلی صورت سب سے اچھی ہے اور حدیث کا اشارہ اسی کی طرف ہے جب فرمایا: **اِنَّ اللّٰهَ يَسْتَحْسِي مِنْ ذِي شَيْبَةٍ فَمِنَ الْاِسْلَامِ اَنْ يَّعْذِبَهُ**۔ کہ خدا مسلمان بوڑھے کو عذاب دیتے ہوئے شرماتا ہے یعنی اس کو عذاب دینا ترک کر دیتا ہے۔

شرمیاپن، یعنی فرط حیا سے دل کا گھبرا جانا، مردوں کے سوائے لڑکوں اور عورتوں میں اس کا ہونا پسندیدہ امر ہے انسان اس سے شرماتا ہے جس کو دل میں اپنے سے بزرگ و برتر سمجھتا ہے انسانوں سے شرمانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص لوگوں سے خود کو کمتر سمجھتا ہے اور جو شخص اللہ سے نہیں شرماتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جلالت مرتبہ کو نہیں پہچانتا اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا **اَسْتَحْيُوا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ** اللہ سے اس کے حق کے مطابق شرم کرو۔ اس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے **اَوَلَمْ يَعْلَمْ يٰۤاِنَ اللّٰهُ بَرِيْ**۔ وہ نہیں جانتا کہ خدا دیکھ رہا ہے کیونکہ اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ خدا دیکھ رہا ہے تو اگر وہ دیندار اور خدا کی عظمت کو پہچاننے والا ہے تو ضرور شرم کھا جائیگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا حَيَاءَ لَهٗ** جس شخص میں حیا نہیں اس میں ایمان بھی نہیں کیونکہ حیا انسان کے لئے عقل کا پہلا تقاضا ہے اور ایمان عقل کا آخری مرتبہ پھر جو شخص پہلا پہلا زینہ بھی طے نہیں کرتا وہ آخری زینہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے۔

مساحت بعض حقوق کو خوش دلی سے چھوڑ دینے کا نام ہے یہ مناقضت یعنی حساب میں بار بکی کرنے اور اہمال یعنی ترک کامل کے مین بین ہوتی ہے۔

مبرا نفس انسانی کا ہوا، ہوس سے مقابلہ کرنا اور لذات قبیحہ سے دور رہنا۔  
سخاوت فضول خرچی اور انتہائی کنجوی کا وسطی مقام یعنی خرچ کرنے میں آسانی اور فضول شے کے حاصل کرنے سے اجتناب۔

حسن تقدیر، اخراجات میں نخل اور تہذیر سے احتراز کرتے ہوئے اعتدال اختیار کرنا  
نرم خوئی، اشتیاق مشہیات میں نفس شہوانیہ کا انداز پسندیدہ۔

انتظام نفس کی وہ حالت جس میں اسے مناسب طور پر اخراجات کرنے کا اندازہ معلوم ہو جائے۔

خوبصورتی، جائز اور واجب ذہنت کا شوق جس میں رعوت کو دخل نہ ہو۔

قناعت، معاش حسن تدبیر جس میں فریب کاری کو دخل نہ ہو۔

استغناء جو چیزیں لذات ہیلہ سے انسان حاصل کر چکا ہے اس پر دل کا قانع ہو جانا اور عہدہ کاری اور رسوائی کے بین بین یعنی اعمال صالحہ کے ساتھ نفس کو مزین کرنا کمال نفس اور قرب الہی کی طلب کے لئے اس میں نہ ریاہ کو دخل ہوتا ہے نہ اعلان کو۔

طلاقت، باعذار، خوش مزاجی جس میں نفس اور افترا کو دخل نہ ہو بدل ہزل کی افراط و تفریط کے درمیان وسطی مقام ہے۔

ظرافت ترش روئی اور مسخر اپن کے بین بین ہوتی ہے یعنی انسان مجلس میں حفظ مراتب کا لحاظ رکھے اور خوش طبعی کا موقع محل دیکھ کر اس کے مطابق گفتگو کرے اور ہر ایک شخصی سے اس کی اہلیت کے موافق پیش آئے جب ایک آدمی کا دل چاہے کہ میں ہنسی مذاق کے ذریعہ دل خوش کروں، تو اسے دس باتوں میں سے ایک کا خیال رکھنا ضروری ہے اسے محبت اور پاکیزہ مزاج سے جو مسخر کی اور بے ہودگی کی حد تک نہ پہنچے اور صرف اتنی مقدار میں جس سے پریشانی طبع دور ہو جائے کام لینا چاہیے لغو گوئی اور تمسخر سے کامل احتراز کرنا چاہیے حضور ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خوش طبعیوں کا ذکر کتابوں میں درج ہے جس سے اس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے اس لئے ہمیں اس موضوع کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔

مسااحت، سرکشی اور چاہلوسی کے درمیان کا وسطی نکتہ یعنی قابل عمل امور میں انکار اور مخالفت چھوڑ کر لوگوں کے آرام کے لئے اپنا فائدہ ترک اور ان کا کام کر دینا۔

رشک: حسد اور شامت کے مابین، یعنی غیر مستحق لوگوں کی آسائش اور کامیابی پر اور مستحق لوگوں کی تکلیف اور ناکامی پر اندوگین ہونا۔

عفت: کی افراط و تفریط کے ماتحت حسب ذیل امور درج ہو گئے بے حیائی، زنا نہ پن فضول خرچی، کجگوی، ریا کاری، ذلت پسندی، ترش روئی، بے ہودگی چھچھورا پن، بد مزاجی، حشلق، حسد اور شامت۔

بے حیائی: علانیہ برے کاموں کی پیروی کرنا، بے عزتی اور مذمت کا خوف کے

بغیر۔

زمانہ پن۔ انسانی طبیعت کی وہ حالت جس میں انسان فرط حیا سے قولا اور عملا کھل نہ سکے۔

فضول خرچی: عام طور پر مال خرچ کرتے وقت نہ موقع کا لحاظ کرتا، نہ بات کا دھیان اور دولت برباد کیے جاتا۔

کنجوسی: جہاں مال خرچ کرنا واجب ہے، وہاں ہاتھ کھینچ لینا، اس کے عین اسباب ہیں بخل اور لگامت، ان میں سے ہر ایک کا ایک رتبہ ہے۔

بخل تو وہ ہوتا ہے جو خرچ کرنے میں حد سے زیادہ کمی کرتا ہے اس خوف سے کہ تنگدست اور مظلّم ہو جاؤ گا تو کھاؤ گا کہاں سے اور ایسا نہ ہو کہ دشمن ذلیل کر ڈالیں بخل کا سبب خیال کی بزدلی ہے۔

صحیح وہ ہوتا ہے جس میں تنگدستی کو بے وجہ خوف اور دشمنوں کے ڈر کے ساتھ اسے دوسروں کی حالت کی بہتری نا پسند ہوتا کھتاج لوگ مجبور ہو کر اس کے پاس آئیں اور اس کو اس طرح مرتبہ اور رفعت حاصل ہوں گا باعثِ جہالت ہے۔

تسیم، اس میں مذکورہ بالا سبب بد اخلاقیات جمع ہوتی ہیں اور اس پر مستزاد یہ بات ہوتی ہے کہ وہ حقیر باتوں میں شرم نہیں کرتا اس کا سبب خباثت نفس کی ایک قسم ہے اس کی مثال چور اور دیوث کی کسی ہے۔

ریا کاری: نیک اعمال میں لوگوں کی مشابہت اس لیے کرتا کہ لوگ سنیں اور تعریف کریں اور عزت کریں۔

ذلت پسندی: نیک اعمال کے ذریعہ روح کو زینت دینے سے اعراض کرنا اور بد اعمالی کا ارتکاب۔

ترش روی: متانت کی حد افراط۔

بے ہودگی: حد سے زیادہ مسخرگی۔

چھپھورا پن: انہیں اور دوست کی ملاقات پر حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرنا۔

اندوہ گینی: مجلس میں بیٹھ کر اندوہ گین سار ہنا۔

بد مزاجی: لوگوں سے خلاف انسانیت سلوک کرنا۔

بد مزاجی: لوگوں سے خلاف انسانیت سلوک کرنا۔

تصلّق: لوگوں سے اس درجہ عاجزی اور خوشامد سے پیش آنا کہ گویا استحقاف اور

ذلت کی پرواہ ہی نہیں ہے۔

حسد: مستحق لوگوں کے آسائش اور کامیابی دیکھ کر بیچ و تاب کھانا اور ان کے زوال و عجز و جاہ کا آرزو مند ہونا۔

شامت: نالائق لوگوں کو نقصان اور تکلیف پہنچتے دیکھ کر خوش ہونا اور ملاست کرنا۔  
عفت: کا اعتدال ان تمام اخلاق فاضلہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اس کے بالکل مقابل کی حالت جملہ اخلاق رذیلہ کے مجموعہ کا نام ہے۔

ان اخلاق میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی تعریف کے متعلق احادیث و اخبار میں تحریک امیز احکام نہ صادر ہو چکے ہوں اور اخلاق رذیلہ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس سے متعلق تنبیہ اور زجر تو بیخ کے لئے اخبار و احادیث میں بیان موجود نہ ہو اس لئے ہم اس بارے میں گفتگو کر کے تجربہ کو طول دینا نہیں چاہتے جو شخص ان کا طالب ہو اسے عادات و آداب نبی ﷺ اور حالات صحابہ و غیرہ رضی اللہ عنہم سے متعلق کتابوں کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

اس تذکرہ سے ہماری غرض یہ ہے کہ انسان ان تینوں قوتوں کے سبب سے ان اخلاق کے قریب ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی دو جانی ہیں اور ان کے درمیان ایک مقام اوسط ہے اب انسان اس بات پر مامور ہے کہ وہ ان سب میں افراط و تفریط کے دونوں کناروں کے درمیان توسط اور استقامت اختیار کرے یہاں تک کہ جب اسے یہ سب باتیں حاصل ہو جائیگی تو اس کا کمال مرحلہ تکمیل کو پہنچ جائیگا اور یہ کمال اسے خداوند جل وعلیٰ کا قرب بلحاظ درجہ عطا فرمایا لیکن مکانی قرب جیسے ملائکہ مقربین کو میسر ہے اسے نہیں ملے گا بہائے اعظم اور کمال تم تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔

موجودات میں سے ہر ایک شے کمال ممکن کی اشتیاق ہے اور یہی غایت مطلوبہ ہے تو اگر اسے پایا تو وہ اپنے سے اسے اوپر کے عالم میں جا پہنچا اور اگر ناکام و محروم رہا تو اس غارِ محنت میں جا پڑا جو اس کے نیچے ہے اس طرح جب انسان اس کمال کو حاصل کر لیتا ہے تو افاق ملائکہ پر اللہ کے قرب کے مقام سے ملحق ہو جاتا ہے اور یہی اس کی سعادت ہے یا جب وہ شہوت و غضب کے اخلاق رذیلہ کو قبول کر لیتا ہے جو اس کے اور بہائم کے درمیان مشترک ہیں اور یہی اس کی شقاوت ہے۔

اس کی مثال رہو اربک کی سی ہے کہ اس کا کمال تیز رفتاری ہے مگر اس سے یہ بین نہ

آئے تو اپنے مرتبہ سے گر جاتا ہے پھر لوگ اس پر بوجھ لادتے اور گھاس چارہ ڈھرتے ہیں انسان کے لئے کمال کے مراتب ان اخلاق اور غیر محصر علوم کے مطابق ہوتے ہیں اسی لئے آخرت میں لوگوں کے درجات بھی مختلف اور متفاوت ہونگے جس طرح دنیا میں پیدائش اخلاق ثروت اسائش اور دوسرے تمام حالات کے لحاظ سے لوگوں کے مراتب الگ الگ ہوتے ہیں۔

## فصل

وہ بواعث جو نیکیوں کی ترغیب دیتے ہیں یا ان سے روکتے ہیں

دنوی نیک کاموں کے محرکات کی تین اقسام ہیں۔ اول ترغیب و ترہیب جن کے ذریعہ حال کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے اور انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ دوم تحسین، اور شاباش کی امید اور مذمت و ملامت کا خوف۔ سوم طلب فضیلت و کمال نفس کا شوق۔

ان میں سے پہلی قسم خواہشات کا اقتضا ہے اور عوام کا رتبہ اس سے متعلق ہے۔ دوم کا حیا اور مبادیات عقل متعصا کرتی ہیں یہ نوع سلاطین و ملوک اکابر دنیا اور عقلا میں سے اکثر کو مشتمل ہے ان کی نسبت بھی عوام کی طرف ہے۔

سوم، کمال عقل کا اقتضا ہے اور اولیاء حکماء اور محقق عقلا کا فعل ہے اسی تفاوت مراتب کے متعلق ہی کہا گیا ہے کہ سب سے بہتر چیز جو انسان کو دی گئی عقل ہے جو اس کی رہنمائی کرتی ہے اگر یہ نہ ہو تو حیا ہے جو اسے ممنوعات سے روکتی ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو خوف ہے جو اسے بد عملیوں سے باز رکھتا ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو مال ہے جو اس کے محبوب کو چھپا لیتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر بجلی چاہیے جو اس پر گرے اور جلا کر راکھ کر دے تاکہ زمین اور اہل زمین اس کے وجود سے نجات پا سکیں۔

یہ تفاوت اور اختلاف انسان کے بچپن سے بڑھاپے تک اس کے ساتھ رہتا ہے کیونکہ بچپن میں ذوق و جہد تو بخیر ہی ممکن ہے نہ تحسین اور ملامت کے ذریعہ برا بھلا کرنا بلکہ اگر لذت کھانے پینے کی چیز سامنے لا دی جائے یا دو چار تھپڑ رسید کیجئے جائیں تو البتہ اس کا احساس چمک اٹھتا ہے جب تمیز حاصل کر کے سن بلوغ کے قریب پہنچتا ہے تو زجر ممکن ہے اور مدح و ذم



کے وسیلے سے تحریک بھی اس کو زجر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے ان لوگوں کی خدمت کی جائے جو جہنم کی کھنڈیوں میں جلتے ہیں اور اس کی برائیاں بیان کی جائیں اور اسے ادب وغیرہ سکھانے کی صورت یہ ہے کہ باادب لوگوں کی کثرت سے تعریف و توصیف اور بے ادب کی اکثر خدمت بیان کی جائے اس سے اس کے دل پر کافی اثر پڑے گا اور اس کا نتیجہ جلد ظاہر ہوگا اکثر لوگ ان دوسرا تب سے آگے بڑھ کر تیرے درجہ تک نہیں پہنچے ان کی ترقی اور تھنزل انہیں محرمات اور منکرات کی رہن منت رہتی ہے۔

تیسری قسم نہایت معزز ہے اور یہی حال آخرت کی نیکیوں کا ہے ان میں بھی اسی طرح لوگ متفاوت ہوتے ہیں کیونکہ آخرت اور دنیا میں کوئی فرق نہیں سوائے تاخیر و تقدیم کے بہر حال نیکی جلد یا دیر حاصل ہونے والی ہر ایک عقلمند کی مطلوب و مقصود ہے اس کی طلب کے محرک امور گنتی میں نہیں سہکتے البتہ اقسام کی ترتیب کے لحاظ سے جو لوگ اللہ کی اطاعت اور ترک معصیت کرتے ہیں ان کے تین مرتبے ہیں

اول جو لوگ خدا کے بتائے ہوئے ثواب کی رغبت رکھتے ہیں جس میں جنت داخل ہے یا خدا کے عقاب موعود سے خوف کھاتے ہیں جس میں دوزخ شامل ہے یہ قسم عام ہے اور اس میں اکثر لوگ داخل ہیں۔

دوم خدا کی خوشنودی اور شاباش کی امید اور اس کی ناراضی اور خدمت کا خوف یعنی شرعی لحاظ سے مدح و ذم یہ صالحین کا مرتبہ ہے اس میں مرتبہ اول سے کم لوگ شامل ہیں۔  
 قسم سوم، یہ بہت بلند مرتبہ ہے یعنی جو شخص صرف قرب الہی کا آرزو مند ہے اس کی رضا کا طالب ابتغاء و جہد پر عامل اور زحمت مقررین الہی ملائکہ مقررین سے ملحق ہونے کا متبعی ہے۔

یہ درجہ صدیقوں اور انبیاء کا ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے و اصحابہ  
 ذلک مع الذین یدعون ربہم بالغدا و العشی یریدون  
 و حسبہ ان بزرگ نفس لوگوں کے ساتھ اپنی جان کو ملا دو جو اللہ کی عبادت صحیح و شام کرتے ہیں اور صرف اسی کی رضامندی کے طالب ہیں ایک چوتھا گروہ بھی ہے جو کہتے ہیں کہ تم خداوند سے جنت کے طلبگار نہ ہو ان میں سے بعض تو یہاں تک بھی گئے ہیں کہ جو شخص خدا کی عبادت کسی عوض کے لئے کرتا ہے وہ لایم ہے چونکہ مثل ضعیف ہے اس لئے اس قول کی معافی کو کونہ سمجھنے سے قاصر ہے اور اکثر عقلیں کمزور رہتی ہیں اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ پیدا فرمائے اور

وعدہ اور امید سے مخلوق کو ڈرایا اور رغبت دلائی اور نہایت شرح و بسط سے ان کا بیان کیا لیکن مذکورہ بالا اسماعانی کا صرف اشارۃً ہی ذکر کیا ہے مثلاً فرمایا بیرون وجہ اور وعدت لعبادہ الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمت تیار کر رکھی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں تصور آیا جانب الہی سے بھرنے والی وہ چیزیں م تصور اور تفصیل۔ اور تفصیل مرض مانع اور قوت نفس اور اہل و عیال وغیرہ کی طلب میں ضروری شغل یہ قابل درگزر اور غیر مذموم ہے اس میں غراہی صرف یہ ہے کہ انسان میں ذرہ کمال سے محروم رہتا ہے اس کا علاج صرف خدا کی جانب رجوع کرنا اور اس سے دعا کرنا ہے کہ اپنے فضل و کرم سے ان رکاوٹوں کو دور فرمائے۔

تفصیل کی دو قسمیں ہیں جہالت اور شہوت غالب ان میں سے جہالت یہ ہے کہ خیر اخروی اور اس کی شرف و بزرگی کی پہچان ہی حاصل نہ ہو نیز ان کے مقابلے پر تمام دنیا اور اس کے ساز و سامان کو حقیر سمجھنے کا دامیہ نہ پیدا ہواں کے دو مراتب ہیں۔

(اول) یہ کہ اس جہالت کا باعث غفلت اور کسی قابل رہنما کی ملاقات نہ ہونا ہے اس کا علاج سہل ہے اس کے لئے چاہیے کہ ہر ایک مقام میں علماء اور واعظوں کی ایک جماعت ہو جو مخلوقات کو غفلت و خود فراموشی سے پیدا کرتے ہیں اور دنیا کی طرف سے ہٹا کر آخرت کی جانب ان کا رخ پھیرتے رہیں لیکن انھیں دنیا کے اکثر واعظوں کا ساسلوب کا اختیار نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس طرح تو لوگ معاصی پر دلیر ہو جاتے ہیں اور دین ان کے نزدیک حقیر ہو جاتا ہے۔

(دوم) یہ کہ لوگوں کے اعتقاد میں داخل ہو جانے کی سعادت یہی دنیوی لذات اور موجودہ عیش و اقبال ہے اور آخرت کی کوئی اصل نہیں یا یہ کہ ایمان ہی تنہا نجات کو کافی ہے اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے اس کے عمل خود آپسکو ہی ہوں، یا یہ گمان خدا کے عنو پر ہی تکیہ نجات کا باعث ہو گا۔ اور اللہ کریم و رحیم ہے اسے گنہگاروں کے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اس لئے وہ ضرور ان پر رحم کرے گا اسی قسم کی بہت سی حماقتیں ہیں جنہوں نے اکثر لوگوں کو حسن عمل سے محروم رکھا ہے اور انہیں ارتکاب معاصی پر دلیر اور بے باک کر دیا ہے تو جو شخص خیال کرتا ہے کہ آخرت کی کوئی اصل نہیں ہے سچے اور کفر محض ہے اور گمراہی خالص جب جب اور جس جس کے دل میں یہ اعتقاد راسخ اور پختہ ہوا اس میں سے انسائیت پر واز کر گئی اور وہ یقیناً ہلاک ہو گیا اور جو

شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ مجرد ایمان ہی سے اسے بس کرنا ہے تو یہ ایمان کی حقیقت سے جہالت ہے اور حضور ﷺ کے فرمان مبارک سے روپوشی ہے۔ **قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** محصلہ داخل الجنة اخلاص کا مطلب یہی ہے کہ اعتقاد و عمل قول کے مطابق ہو تاکہ انسان منافق نہ ہو اور اس کا سب سے نچلا درجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو اپنا خدا نہ بنائے تو جس شخص نے اپنی خواہشات کی اتباع کی اس نے انہیں اپنا معبود بنالیا اور اس فعل نے اس کے قول **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کو غلط قرار دیا اور وہ اخلاص کے منافی ہو گا اور جو شخص خیال کرے کہ سعادت اخروی صرف **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہہ دینے سے حاصل ہو جاتی ہے بغیر معاملہ کی حقیقت معلوم کیے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس شخص کا گمان ہو کہ کھانا صرف کہہ دینے سے کہ اس میں گڑ ڈالا گیا ہے بیٹھا ہو جائیگا خواہ اس میں گڑ مٹی ڈالا گیا ہو یا بچہ پیدا ہو جائیگا صرف کہہ دینے سے کہ میں اپنی بیوی سے ہمسر ہوا حالانکہ ہمسر نہ ہوا ہو۔ اور صرف کہہ دینے سے کہ میں نے اناج بویا حالانکہ اس نے بویا نہ ہو فصل پیدا ہو جائیگی جس طرح یہ تمام مقاصد اسباب کا تہیہ کیے بغیر حاصل نہیں ہوتے خوب یاد رکھو کہ امر آخرت بھی اسی طرح ہے کیونکہ امر آخرت و امر دنیا ایک ہی ہے صرف زبانی لحاظ سے اس و آخرت پکارا گیا ہے کیونکہ وہ اس دنیا کے بعد آئگی ماں کے پیٹ سے نکل کر فضا کے عالم میں آنے کا وقت حکم مادر کے اندر ہونے کے زمانہ کے اعتبار سے آخرت ہے من بلوغ کو پہنچ کر تمیز کی مرکہ پہنچتا ہے اس سے قبل کی زندگی کے لحاظ سے آخرت ہے اور من بلوغ سے گزر کر تہ عطا میں قدم رکھنا اضافی طور پر اس سے قبل کے زمانے کی نسبت آخرت ہے مخلوقات کے اندر اسی قسم کا بیر بچیر ہے۔

موت بہت سی حدود و فاصل میں سے ایک حد فاصل ہے اور ترقی کی ایک اور قسم اور ایک اور عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کی ایک نئی صورت جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا **السُّبُّرُ حَمْرَةٌ مِنْ حَفْرِ النَّارِ** اور **رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ** آغوشِ لحد یا تو ایک گڑھا ہے یا ریاضِ جنت میں سے ایک چمنستان، یا بالفاظ دیگر موت صرف تبدیلی منزل ہے جس طرح ایک بھوکا پیاسا شخص جو رحمت و نعمت الہی کے بھروسے پر توکل کر کے بیٹھا رہتا ہے اور پانی پینے اور کھانا کھانے کا طریقہ عمل میں نہیں لاتا لازمی طور پر ہلاک ہو جائیگا اور جو شخص مال کی جستجو میں خدا کا بھروسہ کر کے پاؤں توڑ کر بیٹھ رہتا ہے اور جدوجہد اور سعی و کوشش نہیں کرتا مال و دولت حاصل نہیں کر سکتا وہ نامراد رہتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ آخرت کے طلبکار ہیں پھر کوشش بلیغ سے کام لیتے ہیں اور

وہ مومن بھی ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی شکور اور جن کی جدوجہد کامرانی سے ہم آغوش ہوتی ہے اس لئے خداوندِ علّیٰ و علّانی نے اس حقیقت کو عالم آفر کیا اور فرمایا **وَانِ لِّلنَّاسِ لَئِلَاسَانِ** الا ہاں سبھی انسان صرف وہی کچھ پا سکتا ہے جس کے لئے کوشش کرے۔

جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بہائے اکمل اللہ ہی کے لئے ہے اور سعادت اخروی کا راز قرب الہی میں مضمر ہے اور یہ قرب مکانی نہیں یہ حسب امکان اکتساب کمال کا ہی دوسرا نام ہے اور کمال نفس حسن اخلاق کے ساتھ علم و عمل اور حقائق امور سے واقفیت حاصل کرنے سے ہی ملتا ہے تو جو شخص کمال نفس ہی حاصل نہ کر چکا وہ قرب الہی سے کیسے فائز المرام ہوگا۔

اور جو شخص چاہے کہ میں بادشاہ کا کسی علم کے ذریعہ مقرب ہو جاؤں اگر وہ بیکار بادشاہ کے احسان و کرم پر توکل کر کے گھر پر بیٹھ رہتا ہے اور طلب علم میں کوشش کرنے میں راتیں آنکھوں میں نہیں کاتا اور صرف فضل الہی پر اتنا دگرتا ہے کہ ایک رات سو بیگا اور جب صبح جاگیگا تو اہل دنیا سے افضل و برتر ہو جائیگا کیونکہ خدا تعالیٰ کا فضل وسیع تر ہے اور اس کی قدر بہت زبردست ہے تو کہا جائے گا کہ اس شخص کا یہ فعل سراسر باطل اور حماقت پر مبنی ہے اور خالی خولی دعویٰ ہے یہی حال اس شخص کا ہے جو خیال کرتا ہے کہ سعادت اخروی بے کار بیٹھ رہنا اور فضول وقت ضائع کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

## فصل

### خیرات و سعادت کی قسمیں

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نعمتیں اگرچہ نہایت بے حساب ہیں لیکن دو تمام پانچ انواع میں منقسم ہیں۔

(اول) سعادت اخروی یعنی بقائے غیر فانی، وہ سرت و سرور جس میں غم نہیں اور ہم جس میں جہالت نہیں غنا جس میں فقر و تنگدستی نہیں اس سے ہم آغوش ہونے کے لئے اللہ کی امداد و اعانت و کار ہے یہ نوعِ عانی کے وسیلے سے تکمیل پذیر ہوتی ہے۔

(نوعِ جانی) فضائل نفسی و روحی، جن کا ہم مفصل ذکر عقل کے امور چہارگانہ میں کر چکے ہیں یعنی عقل کا کمال علم سے صفت کا کمال ورع و تقویٰ ہے شجاعت کا کمال مجاہدہ ہے اور عدالت کا کمال انصاف ہے یہی حقیقی طور پر دین کے اصول ہیں۔

یہ فضائل نوع ثالث سے کامل ہوتے ہیں یعنی فضائل بدنی و جسمی سے اور یہ چار امور پر مشتمل ہیں، صحت، قوت، خوب روئی، اور طولِ عمر ان کی تکمیل نوع چہارم سے ہوتی ہے نوع چہارم انسان کے ماحول کے فضائل ہیں ان کا احاطہ بھی چار قسمیں کرتی ہیں مال و منال، اہل و عیال عزت اور شرافت خاندانی، ان چہارگانہ اقسام و انواع میں سے کسی ایک سے بھی پوری طرح منقطع ہونے کے لئے ایک پانچویں نوع بھی لازمی ہے یعنی فضائل توفیقی یہ بھی چار ہیں بدایت الہی، ارشاد و خداوندی، تائید ربوبی، اور تسدید الہی۔

سعادت اخروی کو چھوڑ کر یہ سولہ سعادتیں ہیں ان میں سے کسی ایک کے اکتساب کے لئے سوائے فضائل نفسی کے اجتہاد کو کسی میں دخل نہیں فضائل نفسی کے اکتساب کی صورت اوپر گزر چکی ہے۔

اب تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ خیرات اور نیکیاں پانچ ہیں یعنی اخروی، نفسی، بدنی خارجی اور توفیقی ان میں سے ہر ایک دوسرے کی محتاج ہے مثلاً فضائل نفسی کے بغیر ضمیم اخرت کا حصول ناممکن ہے اور صحت بدنی کے بغیر فضائل نفسی سے ہمکنار ہونا خواب و خیال سے ناکند نہیں، یہی حال فضائل خارجی کا ہے کیونکہ اگر مال و دولت وغیرہ حاصل ہوں تو فضائل خارجہ کی جانب گامزن ہونے میں ہزاروں مواقع سد راہ ہو جاتے ہیں اگر تم کہو کہ فضائل خارجہ کے حصول کے لئے مال اہل و عیال، مال اور خاندانی شرافت کی کیا ضرورت ہے تو خوب یاد رکھو کہ ان امور کی مثال دست و بازو اور ہتھیار کی ہے جن سے مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

مثلاً مال و دولت کو یہ ہے جنگدست اور محتاج کا طلب کمال میں لگنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ہتھیاروں کے بغیر میدان جنگ میں حل من مہارز کا نعرہ مارتا ہے یا جیسے باز جو پروں کے بغیر شکار کا قصد کرتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نفع المال المصالح للرجل المصالح صالح آدمی کے لئے مال صالح ایک نعمت ہے پھر فرمایا تنوٹی کے لئے سب سے اچھا دنگار مال ہے کیونکہ جو شخص فقیر و سدرست ہے اس کا تمام وقت قوت لباس مسکن اور دوسری ضروریات معیشت کی تلاش میں بسر ہوگا ایسا علم جو افضل فضائل ہے کہ حصول کے لیے تک دو کرنے کا موقع و فرصت ہی نہ ملے گی پھر وہ فضائل حج صدقہ و زکوٰۃ اور دوسری نیکیاں حاصل

کرنے سے محروم رہے گا اور نیک بیوی اور بچوں کی ضرورت تو صاف ظاہر ہے صالح بیوی خاوند کی سمجھتی ہے اور اس کے دین کی حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے فرمایا آقا دو عالم ﷺ نے نعم العون علی الذین المراۃ الصالحة صالح بیوی دین میں اچھی مددگار ہے اور

اولاد کے متعلق فرمایا اذ مات الرجل انقطع عمله الا من نال من صدقة جاریہ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ آدمی جب مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں بجز تین کے اصدقہ جاریہ بہ علم نافع اور کولاد صالح جو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہتی ہے جب کسی شخص کے اہل و عیال اور اس کے خویش و اقربا زیادہ ہو جاتے ہیں تو وہ اس کے لئے کانوں، آنکھوں، اور دست و بازو کا کام دیتے ہیں ان کے سبب سے اس کے دنیوی امور میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر وہ منفرد اور تنہا ہوتا تو اس کو یہ وسعت و فراغت حاصل نہ ہوتی جب دنیا کے ضروری اشغال میں تخفیف واقع ہو جاتی ہے تو دل کو بھی عبادت و علم کے لئے فراغ کامل ملتا ہے اور اس طرح اسے دین کے بارے میں قدر و امانت میسر ہو جاتی ہے عزت و قوت سے انسان لوگوں کی آزادی کی مدافعت کرتا ہے مسلمان ان سے منکر نہیں ہو سکتا کیونکہ جاہ و مال کے بغیر دشمنوں کا وجود اس کے لئے لازمی ہے اور ایسی ظالم ہستیاں بھی ضرور ہونگی جو اس کے وقت کو ضائع اور اس کے دل کو مشغول کرنے کے لئے اس پر حملہ آور ہونگی اس لئے کسی کا مقولہ ہے کہ دین اور سلطنت تو ام یعنی لازم و ملزوم ہیں اور دین قلم ہے اور حکومت اس کی پاسبان۔

جس عمارت کی حفاظت نہ کی جائے وہ منہدم، اور جس چیز کا پاسبان نہیں وہ ضائع ہو جاتی ہے اس لئے ہار گایزدی کا فرمان ہے ولو لا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض اگر اللہ تعالیٰ ایک کی دوسرے سے مدافعت نہ کرتا تو زمین فتنہ و فساد سے بھر جاتی۔

غرض یہ ہے کہ اذیت کی مدافعت عبادت کے لئے فراغ قلب کے واسطے ناگزیر ہے یہ بات عزت و غلبہ و قوت کے ذریعہ ہی پوری ہو سکتی ہے جس طرح نیکی کی منزل پر پہنچانے والی چیز بھی نیکی ہے اسی طرح نیکی سے روکنے والے امور کی مدافعت بھی بذات خود نیکی ہے۔

اب رہی خاندانی و باہمت و شرافت تو آبائی عزت کا قابل وقعت سی شے ہے کہتے ہیں کہ انسان کی شرافت اس کی اپنی ذات سے ہے اور لوگ اپنے نیک اعمال کے بیٹے ہیں مجھے اپنی عمر کی قسم سے جب خاندانی شرافت غیر ذلت فانی نہ رہے تو زندگی شرف و عزت و اہمیت و بزرگوں کی طرف سے جانب خاندانی طرف سے بجز ہر قدر عزت و اہمیت و بزرگوں کی طرف سے بجز ہر قدر شرافت نہیں کی فضیلت سے الگا نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ امامت میں جب بھی حسب نسب کی شرط اور قید لگا دی گئی ہے حدیث میں ہے

الاعتراف من القریش امام قرشی نسل ہوا کریں اور کیوں نہ ہوں اخلاق مزاجوں اور طبیعتوں کی اتباع کرتے اور اصول سے فروغ کی جانب چلتے ہیں اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا تسبیح ذالنفطکم اور ایسا کم و خضار لا من یعنی خوبصورت بدل عورت سے بچو۔

شر: نہ بھی ایک سعادت ہے لیکن ہماری مراد یہ نہیں کہ انہ کے دنیا اور امر اور نما سے نفسی تعلق ہو بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ نیک پاک باز اور علم و عبادت اور عقل سے مزین بزرگوں سے اقتساب ہو۔

اگر تم پوچھو کہ فضا کی جسمی کی کیا ضرورت ہے تو ہم کہیں گے کہ صحت و قوت اور طویل عمر کی بے شک حاجت ہے۔ بعض لوگ خوب روئی کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فضا کی جسمی کے لئے یہی کافی ہے کہ جسم امراض سے محفوظ و سلامت ہو، تا کہ فضا کی حصول میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ مجھے اپنی عمر کی قسم ہے کہ خوبصورتی کی واقعی تھوڑی ضرورت ہے۔ تاہم یہ بھی ایک سعادت اور خیر ہے۔ دنیوی لحاظ سے تو ہر ایک شخص جانتا ہے۔ اور اخروی اعتبار سے وہ طریق پر (اول) بد صورتی مذموم ہے اور طبیعتیں اس سے نفرت کرتی ہیں حسن ایک طاقت ہے حسین کی ضروریات جلد پوری کی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے خوبصورتی بھی ایک کامیاب ذریعہ اور حربہ ہے۔ جیسے مال اور جوئے دنیوی ماحول کے پورا کرنے میں معین و مددگار ہے وہ آخرت میں بھی ممد و معاون ہے کیونکہ آخرت کی منزل پر بھی دنیوی اسباب کے ذریعہ ہی پہنچا جاتا ہے۔

(دوم) حسن عام طور پر خوبیاں روح پر ولادت کرتا ہے۔ کیونکہ روح کی روشنی کی نورانیت جب کامل ہو جاتی ہے تو اس کا پر تو بدن پر پڑنا شروع ہوتا ہے۔ انسان کا ظاہر اس کے باطن کا گواہ ہے۔ اسی لئے اصحاب فرست قیامت سے اخلاق باطنی کے لئے استدلال کیا کرتے ہیں، آنکھ اور چہرہ باطن کا آئینہ ہیں، اسی لئے ان میں فساد اور شرارت کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ چہرے کی حالت متوان ہے دل کے خیالات کا، اور زمین کا اندر اگر بڑی شے ہے تو یقیناً جانو کہ اس کی سطح پر اس سے بدتر ہوگی۔

ایک دفعہ مامون رشید ایک لشکر بھرتی کر رہا تھا۔ ایک کمزور شخص اس کے سامنے حاضر ہوا۔ مامون نے اس سے گفتگو کرنی چاہی تو وہ گونگا نکلا، اس نے اس کا نام کاٹ دیا اور کہا یہ روح کی ہدی جب ظاہر پر تو قفلن ہو جائے تو یہ باعث ذلت ہے لیکن یہاں نہ اس کا ظاہر ہے نہ باطن "اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطلبوا السحاحة عند احسان الوجوه" "خوب روئو لوگوں سے ضرورت طلب کرو۔ پھر فرمایا اذا بعثتم رسولاً فاطلبوا حسن الوجوه"

و حسن الامم - جب تم کہیں ایسی جگہ لگو تو اس شخص کا انتخاب کرو جو سب سے خوبصورت اور جس کا نام بھی عمدہ ہو۔

فقہاء کا قول ہے کہ جب تمام نمازی درجات و مراتب کے لحاظ سے مساوی ہوں تو امامت کے لئے سب سے زیادہ خوبصورت شخص اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جسمانی خوبی کا احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا و زادہ بسطہ فی العلم و الجسم جالوت علم اور جسامت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھے۔

خبر بروئی سے ہماری مراد وہ جمال و حسن نہیں جو محرک شہوت ہو۔ کیونکہ یہ تو نساہت ہے ہمارا مطلب یہ ہے کہ بلند و بالا قد ہو گوشت اور پوست معتدل ہو۔ اعضا متناسب ہوں، چہرہ ایسا بھلا اور سہانا ہو کہ نگاہ پر بار نہ ہو۔

اب تم پوچھتے ہو کہ فضائل تو فنی یعنی ہدایت الہی ارشاد خداوندی، تسبیح الہی اور تائید ربی سے کیا مراد ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ توفیق و نعت ہے۔ جس سے انسان کسی حال میں مستغنی نہیں۔ اس کے معنی ہیں انسانی ارادہ اور فعل کی حکم و تقدیر الہی سے موافقت یہ خیر و شر میں استعمال ہوتی ہے، لیکن خیر و سعادت میں ہی متعارف ہو گئی ہے۔ توفیق کی احتیاج بین و ظاہر ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب نو جوانوں کو خدا کی امداد حاصل نہ ہو تو اکبر ان کا اجتہاد گم ہو جاتا ہے۔

ہدایت الہی کے بغیر طلب فضائل کی طرف ایک قدم چٹا بھی دشوار ہے کیونکہ یہ نیکوں کا مبداء ہے اور خیر کا شیع۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اعطی کل شیء حلقہ ثم ھدی ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر اسے ہدایت دی، اوامر مایا و لو لا فصل اللہ علیکم و رحمۃ ما زکھی منکم من احد اھدا و لکن اللہ یزکھی من یشاء اگر تم پر اللہ کی رحمت اور فضل تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص بھی پاکیزہ نہ ہوتا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے۔ اور حدیث میں ہے ما من احد یدخل الجنة الا برحمة اللہ کوئی فرد بشر جنت میں داخل نہ ہوگا مگر اللہ کی رحمت سے یا بالفاظ دیگر اس کی ہدایت کے ساتھ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی۔

ہدایت کے تین درجے ہیں، (اول) خیر و شر کے رستے کی پہچان جس کا اشارہ آیت و حدیث انجید میں ہے یعنی ہم نے اسے دونوں رستے سمجھائے اللہ نے اپنے کمال فضل و کرم سے اپنے تمام بندوں کو صرف مستقیم کی معرفت عطا فرمائی بعض کو عقل کے ذریعہ اور بعض کو زبان نبوت و رسالت سے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا، و اما شمول فہدیناھم فاستقحبوا



العسی علی الہدی۔ خود کو ہم نے درست راستہ بتا دیا پھر انہوں نے ہدایت پر بے راہ روی کو ترجیح دی۔

(دوم) جو بندے کو سمجھنے کے اس کے علوم اور اعمال صالحہ کی ترقی اور زیادتی کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لے جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے والذین اعتدوا زادهم ہدی فأتاہم تقواہم جو لوگ درست راستہ پر گامزن ہوئے اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کیا اور ان کو ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔

(سوم) یہ ایک نور ہے جو عالم نبوت اور ولایت میں چمکتا ہے۔ اور اس سے راستہ نظر آتا ہے جس کی رہنمائی عقل کی شمع نہیں کر سکتی۔ میری دلیل کی بنیاد خدا کے اس قول پر ہے قل ان ہدی اللہ ہو الہدی کہہ دے کہ ہدایت اللہ ہی کی اصلی ہدایت ہے۔ اپنی ذات سے نسبت کر کے خدا نے اسے ہدایت مطلق کا نام دیا۔ قرآن میں ایک جگہ اسے زندگی سے بھی تعبیر کیا، اور فرمایا، او من کان میناً فاحییناہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ نہ کیا۔ اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا افس من شرح اللہ صدرہ لاسلام فہو علی نور من ربہ۔ جس شخص کا اللہ نے اسلام کے لئے سینا کھول دیا تو وہ اپنے اللہ کے نور پر ہے۔

رشد الہی سے ہماری مراد ہے عنایت الہی جو انسان کو اس کے مقاصد کی طرف توجہ کرنے میں اعانت کرتی ہے پھر اس کی صلاحیت کے مطابق اسے قوت دیتی اور اسے فساد طبعیت کو پرانگندہ اور منتشر کرتی ہے اور یہ باطن سے ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ نے فرمایا ولقد اتینا ابراہیم رشداً من قبل وکنا بہ عالمین ینبک ہم نے ابراہیم کو اس کا رشد دیا پہلے سے اور ہم ہی جانتے تھے۔

تسدید الہی اس لئے ہے کہ انسان کے ارادے اور حرکات کو منزل مقصود کی جانب ڈال دے تاکہ قریب ترین وقت میں وہ اس پر پہنچ جائے۔ رشد پہچان کے ساتھ خبردار کرنا ہے اور تسدید اعانت و نصرت ہے تحریک کے ساتھ۔

تائیدِ ربی داخلی طور پر بصیرت کے ذریعہ سے معاملے کی تقویت اور خارجی لحاظ سے گرفت کی طاقت ہے۔ خداوند تعالیٰ کے قول اذ ابدا تک بروح القدس جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی یہی مراد ہے۔

اس کے قریب قریب عصمت ہے۔ اور وہ فیضِ الہی ہے، جس سے انسان خیر میں گرم جوشی اور شر سے اجتناب کی تقویت حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ انسان کے اندر غیر محسوس طور پر ایک روک سی بن جاتی ہے۔ اس کی تائید خدا کے اس قول سے ہوتی ہے وَلَقَدْ هَمَمْتُ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا اِبْرٰهٖمَ اَنْ رَّبَّہٗ عَزِیْزٌ کِی یَبُوۡی نَے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف اس کی بیوی کا ارادہ کر لیتا۔ اگر اپنے پروردگار کی براہان نہ دیکھ لیتا۔ ان باتوں کے حصول کے لئے اسی وقت اللہ کی مدد، صاف و تیز فہم، ہوشیار و شنوا گوش، صاحب بصیرت اور بیدار دل، ناصح معلم، بفرخ و کشادہ مال و دولت، جو ضروریات زندگی کے مطابق ہو۔ اور اتنا کثرت سے نہ ہو کہ دین کی طرف سے روک دے اہل و عیال اور عزت و غلبہ جو کمینوں کی شرارتوں سے پہنائے، اور دشمنوں کے قلم سے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ ہیں وہ اسباب جن سے سعادتیں مکمل ہوتی ہیں۔

## فصل

### سعادتوں کی غایت اور ان کے مرتبے

سعادت حقیقی اور سعادت اخروی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اس کے علاوہ جن امور کو سعادت کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے وہ یا تو لباسِ مجاز ہیں یا غلط طور پر کیا گیا ہے۔ جیسے سعادت دنیوی، جو آخرت میں کسی کام نہیں آتی۔ بلحاظ مصداق کے یہ نام سعادت اخروی پر ہی سب سے زیادہ صادق آتا ہے، اور اس میں ہر وہ بات داخل ہے جو سعادت سے ہم کنار کرنے والی شے بذاتِ خود خیر و سعادت ہے۔ نافع اور معاون سباب کی تشریح چار قسمیں کرتی ہیں۔

(اول) جو ہر حال میں سودمند ہیں۔ اور وہ فضائلِ نفسی ہیں، ان میں سے بعض ایک وقت نفع بخش ہیں، دوسرے وقت نہیں۔ اور نفع زیادہ ہے جیسے تھوڑا مال اور بعض کا ضرر خلقت کے حق میں زیادہ ہے، ان میں عوم و صنائع کی بعض قسمیں ہیں۔ چونکہ ان میں التباس زیادہ ہے۔ اس لئے عقلمند کو لازم ہے کہ ان امور کے حقائق کی معرفت اچھی طرح حاصل کر لے، تاکہ

مضر کو نفع بخش پر ترجیح نہ دے۔ ورنہ شاہد مقصود سے ہمسایہ ہونے میں زیادہ دیر لگے گی، بہت سے آدمی اماس کو فریبی پر محمول کر لیتے ہیں اور کئی رسی کی تلاش کرتے کرتے سانپ کو پکڑ لیتے ہیں، جو فوراً اُس لیتا ہے اور حقیقی علم وہی ہے جو ان اموکھا انکشاف کرے۔

(تقسیم چائی) نیکیوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے (۱) موثرہ لذات (۲) موثرہ غیر لذات (۳) ایک وقت موثرہ لذات (۴) اور دوسرے وقت غیر موثرہ، تو چاہیے کہ انسان ان کے مراتب کو خوب پہچان لے تاکہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصہ دے موثرہ غیر لذات مال و دولت ہے جیسے درہم و دینار اور روپیہ پیسہ، پھر اگر حاجتیں اور ضروریات ان سے پوری نہ ہوں تو وہ تمام زرو جو اہر نگرینے اور ٹھیکریاں ہیں۔

ایک وقت موثرہ لذات اور دوسرے وقت غیر موثرہ کی مثال صحت جسمانی ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ انسان پیدل چلنے سے جس میں پاؤں کی سلامتی ناگزیر ہے۔ مستغنی ہے پھر بھی اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کے پاؤں درست اور سالم ہوں۔ ان کی سلامتی بذات خود ایک نعمت ہے۔

(تقسیم ثالث) نعمتوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے۔ نافع جمیل اور لہذہ اور برائیاں بھی تین ہیں۔ مضر، قبیح اور تکلیف دہ۔ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ اول مطلق، اس میں تینوں باتیں موجود ہوتی ہیں، نیکی کے اعتبار سے جیسے حکمت، یہ نافع ہے جمیل ہے اور لذت بخش بھی۔ برائی کے لحاظ سے جیسے جہالت، یہ مضر بھی ہے قبیح بھی ہے اور تکلیف دہ بھی۔

دوم محدود، اس میں تین باتوں میں سے کوئی ہوتی ہے کوئی نہیں ہوتی۔ مثلاً بعض اوقات نافع اور تکلیف دہ جیسے زائد انگلی کا کٹنا یا گلہ نافع ایک وجہ سے اور مضر دوسری وجہ سے جیسے غرق ہونے سے نہنچنے کے لئے زرو مال کو سمندر میں پھینک دینا، کیونکہ مال کے اعتبار سے مضر ہے اور جان کے لحاظ سے مفید آگے نافع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول ضروری، جیسے فضائل نفسی، اور سعادت اخروی کا اقبال۔ دوسرے غیر ضروری، جس کی جگہ دوسری شے بھی پوری کر سکتی ہے جیسے تسکین صفر کے لئے تسکین۔

(تقسیم رابع) قوائے ثلاثہ اور مشہیات ثلاثہ کے حساب سے لذات تین ہیں کیونکہ لذت کے معنی اور ادراک مشتمل ہیں۔ ثبوت سے مہارت ہے نفس کا تحریک کرنا اس شے کی طرف جس کی لذات عقلیہ اور لذات ہدیہ مشاق ہیں۔ ان میں سے بعض میں تمام حیوانات مشترک

ہیں۔ اور بعض میں جند۔ رہی عقلیات جیسے لذت علم و حکمت، اس کا وجود سب سے زیادہ قلیل اور سب سے زیادہ بزرگ ہے۔ اس کی قلت اس لئے ہے کہ حکمت سے صرف حکیم ہی لذت اندوز ہوتا ہے۔ اگر شیر خوار بچہ شہدافر پہ پرندوں کے گوشت اور پاکیزہ حلاوتوں کی لذت کے اور اک سے قاصر ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ یہ چیزیں لذیذ ہی نہیں، اور اس کے رغبت سے دودھ پینے سے یہ مطلب تو نہیں کہ دودھ سب سے زیادہ لذیذ اور دل پسند شے ہے۔

مام طور پر سب کے سب لوگ ابتدا میں ملم کے مرتبہ سے غافل ہوتے ہیں۔ اور اسی میں فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی لئے جہالت میں انہیں مڑا رہا ہے۔ انکا دکھا کوئی اس سے مستغنی ہو تو ہو۔

ومن یک ذاقہ مرہ بعض یجد مرابہ ماء الزلزلہ  
منہ کے کڑوے پن کا مرہ بعض آپ زلال کو بھی کڑوا سمجھتا ہے

ان کی بزرگی تو چونکہ لازم ہے۔ اور غیر زوال پذیر دائمی ہے۔ اور نہ زائل ہونے والی اس کی لذتیں بھی باقی رہنے والی ہیں۔ اور دار آخرت میں اس کا ثمرہ بے نہایت ہے۔ اور اگر کوئی شخص برتر اور قائم رہنے والی نعمت کے حصول کی قدرت رکھتا ہو اکم مایہ اور فانی شے پر راضی ہو جاتا ہے۔ تو لازمی طور پر کہتا پڑے گا کہ اس کی عقل نے دھوکا کھایا اور اپنی شکاوت اور اوبار سے محروم رہا۔ اس امر میں چھوٹی سے چھوٹی غیبی یہ ہے کہ فضائل نفسی خصوصاً علم و عقل کو نہ تو دیگر اوروں کی ضرورت ہے نہ محافطوں کی۔ بخلاف اس کے مال و دولت ان کے بغیر آج بھی گیا اور کل بھی ضائع ہوا۔ علم تو تمہاری تنگیبانی کرتا ہے اور تم مال کی پاسبانی کرتے ہو، علم خرچ کرنے سے زائدہ اور مال کم ہوتا ہے۔ علم ہر حال میں مطلق اور ابدی طور پر نفع بخش اور سود مند ہے مال و زر کبھی رذائل کی طرف سمجھنے لے جاتا ہے۔ کبھی فضائل کی جانب لے چلتا ہے اسی لئے قرآن پاک میں بعض مواقع پر اس کی مذمت آئی اور بعض جگہوں میں اسے خیر کا نام دیا گیا ہے۔

(دوم) وہ لذات جو انسان اور حیوانات میں مشترک ہیں۔ جیسے کھانے پینے کا ذائقہ جنت و دہلی کی لذت، اس کا وجود سب سے زیادہ ہے۔

(سوم) وہ جو سب انسانوں اور بعض حیوانوں میں مشترک ہیں۔ جیسے ریاست و مملکت کی لذت حاکموں کے دماغوں میں یہ سب سے زیادہ چسپاں ہوتی ہے اسی لئے یہ کہتے ہیں کہ صدیقین کے سر سے جو چیز سب سے آخر میں خارج ہوتی ہے جب ریاست ہے۔

لذت جماع اور ذوق خور و نوش لذات مطلق نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ وہ ایک لحاظ سے ازلہ الہم ہیں۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے انسان صریح جوع و قہقہیل شبع انسان بھوک کا غلام ہے اور میری کا قہقہیل۔

دنوی لذتیں رت ہیں، کھانا، پینا، مباشرت، پہننا، رہنا، سو گھنا، سفنا اور دیکھنا یہ سب کی سب حقیر ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت عمار کو حزن و ملال کے باعث آہیں بھرتے دیکھ کر فرمایا، اے عمار اگر تم آخرت کے لئے آہیں بھر رہے ہو تو تمہاری تجارت بہت نفع بخش ہے اور اگر تم دنیا کے لئے مضطرب ہو رہے ہو تو تمہاری بے قراری اور اضطراب ذلیل اور کم مایہ ہے۔ میری طرف دیکھو کہ میں دنیا کی تمام لذات، ماکولات، مشروبات، منکوحات، ملبوسات، مسکونات، مشحونات، مسوعات اور مصرات سے لطف اندوز ہو چکا ہوں، ان میں سے ماکولات میں افضل شہد ہے، یہ کبھی کا فضلہ ہے، مشروبات میں پانی افضل ہے، یہ تمام موجودات میں کم مایہ اور جملہ مفتوقات میں بلند مرتبہ ہے۔ منکوحات میں قندور قندہ ہیں، ملبوسات میں بہترین ریشم ہے اور یہ ایک کپڑے کی دم کی تار ہے۔ اور اسے ایک کپڑا بناتا ہے۔ مشحونات میں بہترین کستوری ہے اور وہ ایک جانور کا خون ہے۔ مسوعات ہوا کا ترنم ہے اور بس، اور مصرات خیالی صورتیں ہیں جو جلد فنا ہو جاتی ہیں۔ یہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول۔

لذات دنیوی کے متعلق بد بختی یہ ہے کہ پورا ہونے کے بعد وہ فوراً زائل ہو جاتی ہیں مباشرت سے فارغ ہونے اور کھانا کھا چکنے سے قبل کی حالت قابل غور ہے۔ دیکھو کس طرح مطلوب امر قابل گریز ہو جاتا ہے۔ پھر یہ باتیں اس لذت دوام کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہیں۔ جو کبھی فنا نہیں ہوتی۔ اور اس کی راحت ابد الابد تک رہتی ہے وہ لذت دوام فضائل نفسی کے ذریعہ کمال روحانی حاصل کرنا۔ خصوصاً تمام پرطم و عقل کے ساتھ غلبہ اور استیلا پا جاتا ہے۔

## فصل

### مذموم و محمود خواہشات

بھوک غذا کی طلبگار ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی دو قسمیں ہی۔ ضروری اور غیر ضروری۔ ضروری یہ ہیں کہ جن کے بغیر بدن اور صحت بدن کا قائم رہنا ناممکن ہے جیسے کھانا جو

نہا ہوتا ہے۔ اوپانی جو تازگی بخشتا ہے۔ اس کی پھر چار قسمیں ہیں۔ محمود، مکروہ، حرام اور مضر۔  
 محمود، وہ جس کے بغیر انسان کے لئے علم و عمل کے میدان میں گامزن ہونا ناممکن ہو  
 اگر اس کا استعمال ترک کر دیا جائے تو بدن کی قوتیں تحلیل ہو جائیں۔ اور جسم بیکار ہو جائے اگر  
 اسے صرف اسی قدر مقدار میں کھایا جائے جس قدر ضروری ہے تو یہ قابل درگزر ہے، بلکہ لائق  
 تعریف اور لائق اجر و وجہ یہ کہ بدن روح کی سواری ہے، جس کے ذریعہ خدا کی کوچہ کی راہیں قطع  
 کی جاتی ہیں۔ جس طرح جہاد عبادت ہے اسی طرح جہاد کرنے والے گھوڑے کی پرورش بھی  
 عبادت ہے۔ کہ اس سے گھوڑا طاقتور ہوگا۔ اور غازی کو اٹھا کر میدان میں چالنے گا۔ اسی لئے  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عند اکل ایصال الحبوب تسفل الرحمة نیک۔ بند۔ جب  
 کھانا کھاتے ہیں تو خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے یہ اس لئے کہ اس کا کھانا گریز ہوتا ہے اور  
 اس کی عین آرزو اس سے مستحکم ہو جانے کی ہوتی ہے۔

کھانے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا درختوں اور ہزیوں کے فضلات تناول  
 کرنا خنزیر کے انسان کا پاجانہ اور دوسرے فضلات کو چٹ کرنے کے برابر ہے۔ اگر درختوں  
 کے زبائیں ہوتیں تو وہ ہزیوں اور پودوں کے فضلات کھانے والوں کو حیوانات کے فضلہ کھانے  
 والوں سے تشبیہ دیتے۔

مکروہ، کے معنی ہیں حلال کے بارے میں اسراف و امعان، اور حد سے زیادہ مقدار  
 میں کھانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ما من وعاء البغض المی اللہ  
 تعالیٰ من بطن مسلمی من حلال خدا کو تمام برتنوں میں ناپسند برتن وہ پیٹ ہے جو  
 رزق حلال سے بھر گیا اور یہ طبی لحاظ سے بھی مضر ہے۔ کیونکہ یہ بات سب بیماریوں کی جڑ  
 ہے۔ فرمایا نبی ﷺ نے البطنة اصل الداء والحمية اصل الدواء وغودوا  
 کل حسد ما اعتاد، پیٹ سب بیماریوں کی جڑ ہے پرہیز تمام دواؤں کی بنیاد ہے  
 جہاں تک ہو سکے پرہیز کرو،

محقق الہا کی رائے ہے کہ حکیم عالم ﷺ نے تمام طب کا نچوڑ ان تین فقروں میں رکھ  
 دیا ہے۔ طالب سعادت کو مناسب ہے کہ اس زیادتی کو حقیر نہ شمار کرے۔ ہم نے اس کا نام  
 مکروہ رکھا ہے۔ ادا سے مضر نہیں کہا۔ کہ مکروہ نہایت تیزی سے مضر صورت اختیار کر لیتا ہے  
 بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ خرابیوں کو براہینہ کرنے والی قوت شہوانیہ ہے اور اس کی تقویت کا  
 موجب یہی غذائیں ہیں۔ پیٹ کا پر ہونا شہوات کو مضبوط کرتا ہے۔ اور اس کی مضبوطی

خواہشات کو بلاتی ہے۔ اور خواہشات شیطان کا سب سے بڑا لشکر ہے جو محسوط اور غالب انسان کو اسکے رب سے دور رکھتا ہے اور اللہ کے دروازے سے اسے پھیر دیتا ہے اور دشمن کے امداد کرنا اور اس وقت دینا کو یا خود دشمن بن جانا ہے اس لئے مکروہات مضرات کے قریب قریب ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ کسی نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں پھر کیا سبب ہے کہ آپ اپنے جسم کی تقویت کا سامان نہیں کرتے حالانکہ وہ بہت کمزور ہو چکا ہے۔ اس نے جواب دیا اس لئے کہ بدن سرلیج الانبساط ہے اور جلد حد سے گزر جاتا ہے۔ تو میں ڈرتا ہوں کہ یہ سرکش ہو کر مجھے ہلاک نہ کر ڈالے۔ اور مجھے یہ امر زیادہ پسند ہے کہ اسے تکلیف میں ڈالوں نسبت اس کے کہ یہ مجھے فواحش کے ارتکاب پر مائل کر دے،

اب رہی غذا کی مناسب مقدار۔ تو سن لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اندازہ دو حدیثوں میں فرمایا ہے۔ فرمان اول حسب ابن آدم لقیامات یقمن صلبہ فان کان لا بد فثلاث للطعام وثلاث للشراب وثلاث للنفس ابن آدم کے لئے صرف چند تھے اس کے قوی کے قائم رکھنے کو کافی ہیں۔ اگر اسے ضروری زیادہ کھانا ہو تو معدے کی ایک تہائی روٹی کے لئے ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے ہونی چاہیے۔ لقنوں کی تعداد دس سے کم ہونی چاہیے۔ یہ بات حضور ﷺ کے اس قول میں ملتی ہے جس میں فرمایا المؤمن یأکل فی معی واحد والمنافق یأکل فی سبعة اضعا۔ مومن ایک آنت کھاتا ہے منافق سات آنتوں کو پر کرتا ہے سب سے پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ پیٹ کا ساتواں حصہ پر کیا جائے، پھر اگر خواہش زیادہ ہو تو تیسرا حصہ، میری رائے ہے کہ اکثر لوگوں کے بارے میں صرف تیسرا حصہ ہی درست ہے لیکن یہ بات مختلف اشخاص کے ساتھ مختلف ہے۔

مختصر یہ ہے کہ پیٹ بھر کر نہ کھانا چاہیے تاکہ بدن رات کی عبادت اور تہجد کے لئے ہلکا پھلکا رہے۔ اور شہوات کی جانب مائل کرنے والی قوتیں ضعیف ہو جائیں۔

حرام سے مراد ہے ان غذاؤں کا کھانا جو اللہ عزوجل نے حرام کر دی ہیں۔ ان میں مال غیر اور عمرات شامل ہیں۔ ان میں بدترین منشیات کا استعمال ہے کیونکہ خدا کے لشکری اور ولی یعنی عقل کے ازالہ اور شیطان کے لشکریوں اور دوستوں یعنی شہوات، اور قوائے حیوانیہ کے طلبہ کے لئے سب سے بڑے بڑے منشیات ہی ہیں۔ غذاؤں کے متعلق یہ مجمل احکام ہیں،

کوئی شخص شاہراہ سعادت پر گامزن ہونے کا خیال بھی دل میں نہ لائے جب تک

مطہومات کی مقدار اور ان کی حلت کے اس باب کی نگہداشت کی قابلیت نہ پیدا کر لے، کیونکہ معذہ ہی تو تمام قوتوں کا منبع اور مخزن ہے۔ اور گویا یہی دروازہ ہے اور یہی کلید ہر قسم کے خیر و شر کی، یہی وجہ ہے کہ شریعت میں روزے کی بہت عظمت آئی ہے کہ یہ خاص طور سے ابدائے الہی کو مغلوب کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے ان الصوم لى وانا الذى اجزى به خدا تعالیٰ فرماتے ہیں روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث اس کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

پسندیدہ اور محمود مقدار وہ ہے جو انسان کی زندگی اور قوت برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو۔ نکاح نوع انسانی کی بقا و تحفظ کے لئے ضروری ہے جیسے خدا ہستی کی بقا کے لئے موت تک لازمی ہے،

جس طرح شہوت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ طبیعت کو طہی کرنے کے لئے ابھارے تاکہ بقاءِ نسل کی صورت پیدا ہو۔ اسی طرح بھوک کو خدا نے اس لئے بنایا کہ کھانے کی رغبت پیدا کر کے بقاءِ شخصیت کا موجب بنے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تذاکحوا تناسلو انکثروا فانى مباح بکم الا مم نکاح کرو، اولاد پیدا کرو، تاکہ دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری شان بڑھے تو جس شخص کے پیش نظر نکاح سے دو مقاصد ہوں (اول) کثرتِ مہابات اور اولاد صالح کے حصول کے لئے جو بعد میں دماغِ مغفرت سے یاد کے نسل پیدا کرنا (دوم) طبیعت میں سے فضلہ منی دور کرنا۔ جو اگر جمع ہو جائے تو تکلیفی سے پیدا کر دیتی ہے اور خون جب اجتماع پکڑ جائے تو جسم کو اپنی کثرت کے باعث امراض کے لئے اثر پذیر کر دیتا ہے اور فسق و فجور کی طرح طبیعت کو مائل کر کے دین کو خراب، تو نکاح اس طریقہ پر محمود و پسندیدہ ہے اور مستحسن اور اس حدیث کے ماتحت آتا ہے من احب فطرته فلیست من بسنتی جو شخص میرے دین کو محبوب رکھتا ہے اسے میری سنت پر عمل پیرا ہونا چاہیے، اور جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا اس کے علاوہ تیسری فرض کا وہ نظر ہونا بھی معیوب نہیں یعنی گھر میں کوئی ایسی ہستی موجود نہ ہو جو اس کے گھر کا انتظام کرے تاکہ مہم دہات کے لئے اسے فراغِ تام حاصل ہو۔ اس صورت میں نکاح افضل مہم دہات ہے۔ کیونکہ اعمالِ نیقوں پر منحصر ہیں۔ اسکی علامت یہ ہے کہ بیوی کا حسن و جمال اس لئے مغلوب ہے کہ پرہیزگاری اور یکسوئی پیدا ہو۔ حسن اخلاق نہ ہر منزل کے لئے اور پاکدامنی کے لئے ایمان داری اسی لئے رسول اللہ نے فرمایا علیک



بذات الدین تربت یداک وایاکم وحضراء الذمین پھر فرمایا تحفیر وخط قلم بیوی کی صحت بدنی اور ہاتھ نہ ہونا اس لئے پیش نظر ہو کہ اولاد پیدا ہو، اور یہی بیان کا مقصود ہے۔ اسی لئے عول اور عورت سے پیٹھ کی طرف سے مباشرت کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ امور پیدائش کے خلاف ہیں۔ اور عورتیں مردوں کی کمیٹیاں ہیں، دوشیزگی اور کنوار پن کے مطالبہ اور آرزو میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر استحکام محبت مقصود ہے تو شریعت نے اس کی رغبت دلائی ہے نکاح کے بارے میں مکروہ بات یہ ہے کہ صرف قتح اور قضائے شہوت مد نظر ہو۔ پھر انسان اس میں غرق ہو جائے اور ہمیشہ اسی دھن میں لگا رہے۔ بعض اوقات ایسی خدائیں کھائے جو ازدیاد شہوت کا موجب ہوں یہ شرعاً مضرب ہیں لیکن فی نفسہ مکروہ نہیں اور مباح ہیں، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اس طرح طبیعت اجاع ہوئی کے باعث خدا سے پھر جاتی ہے اور انسان میں گدھوں اور بیلوں سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقوی غذاؤں اور دوسرے جوش آور طریقوں سے شہوت کو برا چھینٹ کرنا درندوں اور خطرناک چار پاؤں کو بھڑکانے اور فصد دلانے پھر ان سے رہائی کے لئے آمادہ ہونے کے برابر ہے محرمانہ ذہن پر ہیں۔

(اول) کہ قضائے شہوت مقام پیدائش میں کی جائے لیکن بغیر عقد شرعی کے، اور بغیر اجازت کے۔ اس کو زنا کہتے ہیں۔ یہ شرک کے قریب ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ زانی مرد زانی اور مشرک عورت کے ساتھ ہی نکاح کرتا ہے۔

(دوم) خلاف وضع فطری عمل کرنا۔ یہ زنا سے بھی زیادہ برا اور فحش ہے۔ کیونکہ زانی منی تو ضائع نہیں کرتا صرف اسے ناجائز طور پر استعمال کرتا ہے۔ لیکن یہ اس گراں قیمت شے کو برباد کرنا ہے اور خلاف شریعت امر کا ارتکاب بھی کرتا ہے ایسے شخص کا شمار ان لوگوں کے بارے میں ہے جنکے بارے میں فرمایا ویہلک الحرث والنسل کھیتی اور نسل کو ہلاک کرتے ہیں۔ اسی لئے اس کا نام اسراف رکھا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انکم لفساتون الرجال شہوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون۔ تم عورتوں، کو چھوڑ کر مردوں سے خلاف وضع فطری کرتے ہو۔ تم تو صرف لوگ ہو یہ شرمگاہ کی شہوت کے متعلق لوگوں کے مراتب ہیں۔

بعض اوقات سے راہ روی عشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے، یہ عین حماقت و استہجابی

جہالت ہے۔ یہ بہائم کی حد سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے اس لحاظ سے کہ اس میں اپنے محبوب کے متعلق یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں اس کا مالک ہو جاؤں اور صرف اپنے لئے خاص کر لوں کیونکہ عاشق شہوت جماع کے ارادہ پر ہی قناعت نہیں کرتا، یہ سب سے فحش شہوت ہے اور سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس میں شرم و لجا ناٹھ جاتا ہے اس کو بھی دھن لگ جاتی ہے کہ میں اپنی خواہشات کو صرف ایک ہی ہستی سے پورا کروں گا اس کے برخلاف حیوانوں میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں اتفاق ہو گیا شہوت کو پورا کر لیا، لیکن عاشق کی یہ حالت ہے کہ جب تک اسے معشوقہ نہ ملے اس کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں یہاں تک کہ ذلت پر ذلت سہتا ہے۔ ماریں کھاتا ہے غلامیاں کرتا ہے۔ عشق میں عقل شہوت کی خدمت کے لئے منحصر ہو جاتی ہے۔ حالانکہ انسان تو آمر و سطرع پیدا کیا گیا تھا نہ اس لئے کہ شہوت کا غلام بن جائے اور اس کے احکام کی پیروی میں ہر قسم کا مکرو فریب استعمال کرے۔ آہ یہ ایک ایسا مرض ہے جس میں غیرت باقی نہیں رہتی اس سے شروع میں ہی بچنا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ فکرو فکر کو بنے بچایا ہونے سے بچایا جائے۔ ورنہ استحکام کے بعد اس کا دغیہ سخت مشکل ہو جائیگا۔ یہی حال عشق جاہ و مرتبت اور حب مال و زمین، اور محبت اولاد کا ہے۔ یہاں تک کہ مرغباری، ہنر و اور شطرنج کا شوق بھی اسی ذیل میں آتا ہے کیونکہ یہ تمام باتیں جن لوگوں پر مستولی ہو جاتی ہیں۔ وہ دین و دنیا دونوں سے گذر جاتے ہیں۔ ابتدا ہی میں کسی بری خصلت کو روک لینا ایسا ہی ہے جیسے اپنے گھوڑے کی مکان، کے دروازے میں داخل ہونے سے قبل ہی لگام پھیر لینا اس وقت اس کو روک لینا اور لگام پھیرنا نہایت سہل ہوتا ہے۔ اس کے استحکام کے بعد اس کے علاج کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سوار گھوڑے کو دروازے میں داخل ہونے دے۔ پھر اس کی دم پکڑ کر باہر کو کھینچے۔ اس لئے ابتدا ہی میں احتیاط کرنی چاہیے رہا بعد میں دوا کرنا تو اکثر حالتوں میں سخت جدوجہد کے بعد اگرچہ علاج کیا جاسکتا ہے لیکن یہ روح سے لڑائی کرنے کے برابر ہے،

اب افعال غضب کی بھی تین قسمیں ہیں، محمود، مکروہ اور محظور یعنی حرام۔ ان میں سے محمود و طریح کے ہوتے ہیں:-

(اول) غیرت، اس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی آدمی کی آبرو پر حملہ آور ہو۔ تو وہ اس کی مدافعت کے لئے صف آرا ہوتا ہے۔ اس وقت اسے غصہ آتا ہے۔ یہ مدافعت پسندیدہ ہے اور ایسے مواقع پر غیرت نہ آنا نامردی ہے۔ اولیٰ کھڑا ہیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے ان سعد الغیور ہا ان اللہ اغیر منہ سعد غیرت مند ہے۔ اور اللہ

تعالیٰ اس سے بھی زیادہ غیرت مند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیرت کا مادہ انسانوں میں حفظ انساب کے لئے ودیعت کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر لوگ حرامت میں مساحت اختیار کرتے تو انساب مختلط ہو جاتے۔ چنانچہ اسی کے متعلق منقولہ ہے کہ ہر ایک قوم میں غیرت مردوں میں رکھی گئی ہے۔ اور پاکدامنی عورتوں میں۔

(دوم) منکر و فواحش مشاہدہ کرنے پر وہی حیثیت سے مجبور ہو کر اوک انتقام لینے کے لئے غضبناک ہوتا۔ ان لوگوں کی لسان الہی نے بہت تعریف کی ہے۔ کیونکہ وہ اشد اعلیٰ الکفار اور رحماء بینہم ہیں۔ رسول ﷺ نے اس کے متعلق یوں فرمایا خیر امتی احداؤھا میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن میں حدت بہت زیادہ ہے یہاں حدت سے مراد حیثیت دینی ہے اور ارشاد خداوندی ہے ولا تاخذکم بھارافقہ فی دین اللہ۔ اللہ کے دین کے بارے میں ان سے نرمی نہ کرو مع هذا جب بادشاہ کسی گنہگار کے جرم پر غضبناک ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے غصہ کو ضبط کرے۔ اور مجرم کو سزا نہ دے جب تک اس کے بارے میں نظر ثانی نہ کر لے سبب یہ ہے کہ غصہ ایک بوت ہے جو انسان کی عقل کا دشمن ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان غصہ میں آکر انتقام لینے میں حد واجب سے تجاوز کر جاتا ہے غضب کی سکروہ صورت وہ ہے، جب انسان اپنے ذاتی فوائد و لذات کے ضائع ہونے پر آپے سے باہر ہو جاتا ہے جیسے نوکر اور غلام پر کوئی برتن بھاڑا تو زدینے پر خفا ہونا یا اپنے خادم کی خدمت کرنے میں تقاضا آ میر کوتاہی پر جس سے وہ محتر زہرہ سکتا تھا ناراض ہوتا۔ یہ غصہ درمی مذموم کی حد سے متجاوز نہیں۔ لیکن ایسے معاملات میں غلو اور درگزر ادنیٰ اور زیادہ محبوب ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ کسی رانا سے کسی نے کہا، اپنے غلام سے جب وہ تمہاری خدمت کرنے میں کوتاہی کرے تو درگزر نہ کیا کرو۔ کیونکہ اس سے وہ خراب اور ناکارہ ہو جائے گا اس نے جواب دیا۔ اگر میرا حکم میری ذات کے آرام میں خراب ہوگا، تو یہ اس سے بہتر ہے، کہ میری طبیعت غلام کی اصلاح میں بگڑ جائے۔ کیونکہ غلام کی کوتاہیوں اور گستاخیوں کو برداشت کرنا میری روح کی اصلاح ہے اور سزا دینے میں غلام کی بہتری ہے۔

غصہ میں مذموم صورت وہ ہے جب فخر۔ تکبر۔ مہابات۔ منافست، کینہ حسد اور وہ باتیں جو حظوظ بدنی سے متعلق ہوں انسان کو چاہے سے باہر کریں اور اس ناراضگی و خفگی اور سزا دینے میں دین و دنیا کے مستقبل کا کوئی فائدہ نہ نظر نہ ہو۔ اس قسم کا غصہ اکثر لوگوں پر غالب ہے یہ ظلم و ظلم کے خصائل کی ضد ہے۔ ظلم سے مراد پہچان غضب سے طبیعت کو روکنا، اور ظلم کے معنی

میں خواہشات کے جوش کو تھام لینا۔ حسن اخلاق کا کمال علم میں ہے۔ لیکن تحمل یعنی کمرواہت سے باز رہنا بھی بہت سی نیکیوں کا سرمایہ دار ہے۔ یہ ہیں افعال غضب کے مراتب۔

غصے کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف مراتب ہیں۔ بعض گھاس پھوس کی مانند ہیں۔ جلدی بھڑک اٹھنے والے اور جلدی سمجھ جانے والے۔ بعض دیر سے جلتے ہیں دیر سے بجھتے ہیں۔ بعض کو دیر سے آگ لگتی ہے اور جلدی سمجھ جاتی ہے اور یہ صورت اچھی ہے بشرطیکہ حسرت وغیرہ کے قصور تک نوبت نہ پہنچے۔

غصے کے اسباب۔ مزاج کے لحاظ سے حرارت اور بیہوشی پر منحصر ہیں، غضب کی تعریف ان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ غصہ کے معنی ہیں دل کے خون کا کھولنا اگر انتقام اختیار سے باہر ہو تو خون صبح ہو کر دل کی طرف چلا جاتا ہے اس سے حزن و ملال پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ اگر غصہ ایسے شخص پر آئے جو کمزور ہے تو دل کا خون گردش میں آ جاتا ہے اس سے غضب حقیقی اور جذباتی پیدا ہوتا ہے۔ اگر برابر کے آدمی پر طیش آئے تو اس سے خون میں ایک تروسا پیدا ہوتا ہے، کبھی انقباض اور کبھی انبساط اس سے چہرے کی رنگت میں تنوع پیدا ہوتا ہے۔ کبھی سرخ پھر زرد اور کبھی مضطرب، غرض وقت غضب کا تحمل دل ہے اور اس کے معنی خون کی حرکت اور کھولنا ہے۔

غصہ دیکھا دیکھی پر منحصر ہے۔ چنانچہ جو شخص غصہ وری اور لڑا کا پن میں ڈیج مارنے والے اور دوندہ مزاج لوگوں کی صحبت میں بیٹھے گا اس میں وہی خصلتیں نقش ہو جائیں گی۔ اور جو شخص متین اور پر وقار لوگوں کی مجلس اختیار کرے گا۔ اس میں ویسی ہی عادتیں پیدا ہو جائیں گی۔

اب رہا یہ سوال کہ غصہ قوت سے فعل کی صورت کیسے اختیار کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا باعث فحوت، اذیت و کھانا لجاجت۔ تحول لاف زنی استہزاء ظلم و ستم اور تافس سدا اور خواہش انتقام کی طلب ہیں۔ اور یہ سب مذموم ہیں۔

جس شخص پر غصے کا بھوت سوار ہو جائے اسے چاہیے کہ وہ کسی حکیم کا قول یا کر لے جو اس نے کسی بادشاہ سے کہا تھا۔ بادشاہ نے اس سے غصہ دور کرنے کی ترکیب پوچھی حکیم نے جواب دیا آپ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ آپ مطاع ہی نہیں ہیں۔ مطیع بھی ہیں۔

آپ صرف مخدوم ہی نہیں ہیں خام بھی ہیں آپ کو برداشت بھی کرنا ہے۔ صرف مغلوب و مغضوب ہی نہیں ہونا۔ اور یہ کہ اللہ آپ کو ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

غضب کی کئی فروغ ہیں۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ازاں جملہ شجاعت۔ تہور  
نفسانیت غبط۔ حسد جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لیکن ہم ان کی مزید تشریح کرتے ہیں۔  
شجاعت یہ تہور اور جہن کے درمیان پیدا کئی گئی ہے۔ اس سے خطرات کے وقت دل  
کی دلیری و چابکدستی اور ہولناکیوں کے وقت اپنی نگہبانی میں مستعدی اور حسب موقع میدان  
میں قدم بڑھانا مراد ہے۔

یہ غصے اور حسن اہل سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان شداکد و مہالک کا  
مقابلہ کرتا ہے، نہیں بلکہ معاصی سے باز رہتا ہے۔ کیونکہ قصہ جب خواہشات پر غالب آ جائے تو  
انہیں توڑ دیتا ہے، اب چونکہ دین کی ایک سمت رغبت خیر ہے اور دوسری ترک شر۔ چنانچہ فرمان  
نبوت ہے۔ الصبر نصف الايمان صبر نصف ایمان ہے۔ اس لئے بعض خرابیاں  
شرمگاہ اور شکم کی خواہشات سے پیدا ہوتی ہیں، اور بعض ان دونوں کے علاوہ باتوں سے۔ پھر  
فرمایا روزہ نصف صبر ہے۔ اور صبر دو طرح پر ہیں۔ اول صبر جسمی جس سے انسان کا جسم مشقتیں  
برداشت کرتا ہے۔ بلحاظ فعل کے جیسے اعمال شاقہ یا انفعالی طور پر، جیسے ضرب شدید اور مرض  
عظیم کو برداشت کرنا۔

محمود نام قسم ثانی یعنی صبر نفس ہے۔ اگر مشہیات کے حاصل کرنے سے صبر ہو تو  
اسے عفت کہیں گے اگر کمزور بات کے متعلق ہو تو کمزور بات کے اختلاف کے جسارت سے نام  
بھی مختلف ہونگے۔ اگر کسی مصیبت کے بارے میں ہو تو صرف صبر کہیں گے۔ اس کی ضد جزع  
و فزع ہے۔ اگر احتمال غنا میں ہو تو ضبط نفس نام ہوگا۔ اس کی ضد سبک مزاجی ہے اور میدان  
جنگ میں ہو تو شجاعت اس کی ضد بزدلی یا جبن ہے۔ اگر غصہ فرو کر لینے میں ہو تو حلم ہوگا اور اس  
کی متضاد خصلت انتقام پسندی ہوگی، کسی اندوہناک مصیبت کی صورت میں صبر کو حوصلہ مندی  
کہیں گے، اس کی متضاد خصلت شکہ لی، اندوہ گینی، اور کم ظرفی ہے۔ اگر اخلائے کلام کے متعلق ہو  
تو رازداری کہیں گے، اگر عیش و عشرت سے باز رہنے کے متعلق ہوگا تو زہد و قناعت کا نام پائیگا۔ اس  
کی ضد حرص اور بوالہوسی ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا الصابرین فی الباساء  
مصیبت میں صبر کرنے والے کے والضراء فقر مبین و حین البأس اور جنگ میں  
اولئک الذین صدقوا و اولئک ہم المقنون، یہی لوگ صادق الایمان اور  
مستقی ہیں، ضبط منافست ابو محمد نبی شانیں ہیں غبطہ پسندیدہ ہے اور حسد مذموم، فرمایا حضور ﷺ  
لے المؤمن یغبط و المنافق یرشک کرتا ہے المؤمن فی حسد،

منافست پسندیدہ بات ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے و فی ذالک فلیقتنافس المتنافسون اس بارے میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے، غبطہ سے مراد انسان کی وہ تمنا ہے جس میں یہ خواہش ہو کہ جو چیز دوسروں کو مل چکی ہے۔ مجھے بھی مل جائے بغیر اس آرزو کے کہ دوسروں سے وہ نعمت منقطع ہو۔ اور جب اس رشک کے ساتھ اس کے حصول کی کوشش اور جنگ و دو بھی شامل ہو جائے تو اسے منافست کہیں گے۔

حسد قنا ہے زوالِ نعمت و جاہ کی مستحق لوگوں سے بعض اوقات اسکے ساتھ کوشش بھی شامل ہوتی ہے۔ بدترین حسد وہ ہے جس میں کسی کی نعمت کے ازالہ کی سعی تو ہمارا ہو، مگر اپنے لئے اس کی طلب کی خواہش نہ ہو۔

حسد انتہائے بخل ہے۔ کیونکہ بخل اپنے مال کو اپنی جان پر خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے۔ اور حاسد اللہ کے مال کو دوسروں پر مبذول ہونے سے بخل کرتا ہے۔

کہتے ہیں حسد اور حرص گناہ کی دو بنیادیں ہیں، آدم و ابلیس کا واقعہ ان کی بہترین مثال ہے۔ ابلیس لعین حسد کے باعث مردود و ملعون ہو گیا۔ اور آدم علیہ السلام شجرہ ممنوعہ کی حرص میں جنت سے نکلے۔ یہ دو درخت ہیں۔ جن کا پھل غموم دہوم اور خسران ہیں اور جس شخص نے ان کی جڑ کاٹ ڈالی۔ وہ نجات پا گیا۔ غرض یہ ہے کہ حسد یمنِ حماقت ہے کیونکہ جو شخص غیر ملک والوں کو بھلائی پہنچنے پر رضا مند نہیں ہے۔ باوجود اس کے کہ اسے وہ بھلائی ملنے والی نہیں۔ تو پھر وہ کس طرح اپنے قبیلے والوں شر کا پڑوسی اور اہل شہر کو بھلائی ملنے پر خوش ہوگا بعض اوقات اس میں سے اسے کچھ حصہ بھی مل جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لا حسد الا فی اثنیین، رجل اساء اللہ ما لا فجعله فی حق ورجل اتاه اللہ حکمتہ فہو یقتضیٰ دینا۔ دو آدمیوں کی حالت کا حسد کرنا جائز ہے۔ اول اس شخص کا جس کو اللہ نے مال دیا پھر اسے وہ ٹھیک استعمال کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اس حدیث میں حسد سے مراد غبطہ یعنی رشک ہے۔

یہ ہے انتہائی کلام ان صفات کو پیدا کرنے کے متعلق۔ اب اگر تم پوچھو کہ جو شخص ان قوتوں کے افعال کو اپنی طبیعت میں ضبط کرے، یہاں تک کہ ان افعال کے ذریعہ اس کی طبیعت میں ایسے اخلاق راسخ پیدا ہو جائیں جن سے یہ افعال آسان اور سہل ہو جائیں تو کیا وہ صاحبِ عفت بھی ہو جائیگا۔ تو جواب یہ ہے کہ عفت اپنے کمال کو نہیں پہنچتی جب تک ہاتھ زبان، کان اور غیر میں ایک مگر غفلت ہے جسے صرف صحیح عقل اور انکارِ مالہ کے مالک ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اور آنکھ کی پاکدامنی شامل نہ ہو۔ زبان کی حد عفت لغو گفتگو، غیبت، چغلی اور غیبت۔ جھوٹ بہتان اور نام دھرنے سے پرہیز کامل ہے۔ کان کی عفت زبان کی تمام بری باتوں کے سننے کو ترک کرنا مثلاً غیبت حرام آوازیں سننا وغیرہ یہی حال دورے قوی و جوارح کا ہے۔ اور تمام جوارح کی عفت کا نچوڑ یہ ہے کہ انسان ان جوارح اور قوی کو عقل اور شرع کے ایسا ماتحت کر دے کہ وہ اپنے خواص کو صرف وہاں اور اس حد تک استعمال کریں۔ جہاں تک عقل و شرع انہیں اجازت دے اس کے بعد بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی جب تک فضائل کے حصول تقرب الی اللہ کی طلب اور اس کی رضا مندی کی تلاش میں اقدام و رجحان کا ارادہ انسان کے دل میں نہ ہو۔ اگر اس کی عفت سے مقصود ہے زیادہ چیز کا انتظار کرنا۔ کیونکہ موجودہ اس کے موافق مزاج نہیں۔ یا شہوت کا بجھانا۔ یا انجام کا خوف۔ جیسے عزت و اقبال کا زوال۔ یا اس لئے کہ کوئی بات ممنوع ہے۔ تو یہ عفت نہیں بلکہ تجارت ہے اور ایک لذت کے کئی دوسری لذات کو چھوڑ دینے کے مترادف ہے۔ یہ تمام باتیں تحصیل عفت کے لئے نا کافی ہیں، اور انسان کو یہ باتیں خوب سمجھ رکھنی چاہئیں اس کے بعد اب ہم تعلیم و تعلم اور تہذیب و تہذیب کی تعریف بیان کریں گے۔

## فصل

### عقل علم اور تعلیم کی بزرگی

اوپر کے بیان سے تم جان چکے کہ علم و عمل دونوں سعادت کے وسائل ہیں عمل علم کی عملی کیفیت کے بغیر تصور نہیں ہو سکتا اور یہ کہ جو علم عملی نہیں ہے مثلاً علم خدا خدا کی صفات اور خدا کے فرشتوں کا علم، وہ مقصود بالذات ہے، تو اس سے استفادہ یہ ہوا کہ علم اصل اصول ہے اس لئے اب ضروری ہوا کہ ہم طریقہ تعلیم و تعلم کی جانب تمہاری رہنمائی کریں اور سب سے پہلے ان امور کی شرف و بزرگی مدلل طور پر تمہارے ذہن نشین کر دیں۔

تعلیم شریف ترین فن ہے اور فنون تین قسموں پر منقسم ہیں اول اصولی جن کے بغیر قوام عالم ناممکن ہے اور وہ چار ہیں۔ زراعت، حیالکت، سیاست و تجارت ان میں سے ہر ایک زراعت خدا کے لئے حیالکت، پیشہ کے لئے، تجارت سکونت کے لئے سیاست امن کے لئے۔

کا مددگار اور مدد ایک ایک فن ہے جیسے لوہار کا کام زراعت کے لئے خلافت اور سوت کا کٹا  
 حیاطت یعنی لباس سازی کے واسطے پھران میں سے ہر ایک کی تکمیل کرنے اور زینت دینے  
 والے مزید فن ہیں مثلاً آبیہ سازی اور طباشی زراعت کے لئے اور قصارت اور خیاطت پارچہ  
 بانی کے لئے یہ تمام باتیں توام عالم ارضی کے ساتھ منسوب ہیں جیسے کسی شخص کے اعضاء اس  
 کے جسم کے ساتھ اس نسبت کے تعین انواع ہیں اول اصولی، جیسے دل، جگر اور دماغ دوم ان  
 اعضاء کی شافیں اور خدمت گزار جیسے معدہ، عروق، شریانیں، اور سوم انکی تکمیل و تزئین  
 کرنے والی جیسے اہر و اور بالکیں۔

فنون میں بزرگ ترین سیاسیات ہے کیونکہ اس کے بغیر نظام عالم کا قیام ناممکن ہے  
 اس کی چار قسمیں ہیں اول سیاست انبیاء، ان کا حکم خاص و عام پر نکالنا ہر باطن میں رائج ہے۔  
 (دوم) خلفاء اور ولایت و سلطین ان کی حکومت خاص و عام پر ہے لیکن صرف ان کا  
 نگران کے اختیار میں ہے باطن پر ان کا کوئی بس نہیں چلتا۔

(سوم) علماء اور حکماء ان کا راج فقط خواص کے باطن پر ہے۔

(چہارم) واعظین، اور فقہاء ان کی حکومت صرف عوام کے باطن پر ہے۔

ان چاروں سیاستوں میں سے نہایت کے بعد افتادہ علم اور لوگوں کی تہذیب نفوس  
 اشرف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی فن کی بزرگی اس نسبت کے اعتبار سے ہوتی ہے جو اسے کسی  
 زبردست قوت کے ساتھ ہوتی ہے جیسے علم حکمت کو علم نبیاء پر شرف حاصل ہوتا ہے کیونکہ اول  
 الذکر قوت عقلیہ سے متعلق ہے جو سب قوتوں میں افضل ہے اور مؤخر الذکر قوت حسیہ سے  
 متعلق ہے یعنی سماعت سے یا عموم النفع ہونے کے لحاظ سے جیسے زراعت کی بزرگی صیانت پر یا  
 اس موضوع کے معمولات کے اعتبار سے، جیسے صیانت کی بزرگی کھیت پر ہو۔

مخفی ذر ہے کہ علوم عقلیہ عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں جو سب قوتوں میں  
 افضل ہے اور اسی کے ذریعہ جنت مابوئی میں پہنچا جاتا ہے بلحاظ نفع اور عموم نفع اور موضوع کے  
 اعتبار سے جنس کے مطابق نفوس انسانی عمل کرتے ہیں یہ سب سے افضل ہے بلکہ ان تمام  
 موضوعات سے جو اس دنیا میں موجود ہیں اسے شرف و مجد حاصل ہے۔

افتادہ علم ایک لحاظ سے فن ہے ایک لحاظ سے عبادت الہی اور ایک لحاظ سے خلافت  
 الہی اور یہ سب سے بڑی خلافت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے عالم کے دل پر علم کا دروازہ کھولا ہے  
 جو صفات ربی میں خاص وصف ہے علم گویا خدا کا سب سے پاکیزہ اور نفیس خزانہ ہے پھر عالم کو



اس خزانہ کو ہر محتاج پر خرچ کرنے کا بھی پورا اذن ہے پھر اس سے بڑھ کر کونسا تہ ہے کہ بندہ اپنے رب اور اس کی مخلوق کے درمیان ایک وسیلہ بن جائے جس کے ذریعہ سے وہ لوگ خدا کا تقرب حاصل کریں اور وہ جنت مائیں کی طرف انہیں اپنی رہنمائی میں لے چلے علم و عمل کی بزرگی و برتری اس قدر حاصل ہو سکتی ہے جس قدر عقل اور شریعت و احساس کو ضرورت ہو شریعت کہتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ نے عقل کو پیدا کیا، تو اسے کہا، آگے آگے آگے آگے، پھر کہا پیچھے ہٹ وہ پیچھے ہٹی، پھر فرمایا مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے میں نے کوئی شے پیدا نہیں کی جو مجھے تجھ سے زیادہ عزیز ہو میں تیرے ذریعہ سے لوگوں کا تیرے وسیلہ سے دوں گا تیرے ساتھ رحم کروں گا اور تیرے ذریعہ سے عذاب دوں گا یہ عقل ہی تو ہے جس کے ساتھ انسان ان اشیاء کا ادراک کرتا ہے جو عقل اول سے جاری ہوتی ہیں جس کو اللہ نے پیدا کیا جیسے روشنی سورج سے پیدا ہوتی ہے تمام عقلیں اشخاص کی نسبت سے عقلیں ہیں اور یہ عقل مطلق ہے بغیر کسی اضافت کے عقل کی بزرگی کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب سعادت دنیوی و سعادت اخروی اس کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے تو پھر وہ کیسے اشرف الاشیاء نہ ہو عقل کے باعث سے ہی انسان خلیفۃ اللہ ہوا اسی کے ساتھ اس کا دین کامل ہوا اور اسی کے ذریعہ سے اللہ کا مقرب ہوا اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ لا ذین لم لا عقل لہم شخص کا دین ہی نہیں جس کے عقل نہیں نیز لا یعجبکم اسلام المرء حتی تعرفوا عقلہ کسی شخص کے اسلام پر متعجب نہ ہو جاؤ جب تک اس کی عقل کی پہچان نہ کرو۔

عقل کی برتری کے لئے یہی بات پس کرتی ہے کہ اللہ نے اسے نور سے تشبیہ دی اور فرمایا اللہ نور السموات والارض اللہ زمین و آسمان کا نور ہے یعنی ان کو منور کرنے والا ہے مجھے قرآن حکیم میں اکثر نور و ظلمات کا اطلاق علم و جہالت پر ہوا ہے جیسے فرمایا اللہ والسی الذین امنوا یخرجہم من الظلمات الی النور اللہ مومنوں کا ولی ہے اور انہیں ظلمات سے نکال کر نور میں لے جاتا ہے اور یہ سب کچھ عقل کے ذریعہ ہوتا ہے اور اسی لئے عقل اول نور ہے، جو کل کائنات پر فیض ہے، یہ روح کل ہے، اور اہل معرفت اسے قلب عالم اکبر کہتے ہیں۔

ع اللہ تعالیٰ نے فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم یعنی رسول اور شریعت کے ذریعہ دین کو کامل کر دیا۔

ع کیونکہ خدا اسی کے ذریعہ سے اور اسرار ملکوت السموات والارض کو کشف اور منور کرتا ہے اور اللہ کے نور ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نور روشن کا خالق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا اذاتقرب الناس لخالقهم بابواب البر فتقرب انت بعقلک تقمع ، بالدرجات والزلفی عند الناس فی الدنیا وعند اللہ فی الاخرة جب لوگ نیکی کے ذریعہ سے قرب الہی حاصل کریں تو تم عقل کے وسیلہ سے خدا کے قریب ہو جاؤ، تمہیں درجات منازل سے سرفراز کیا جائیگا لوگوں کے ویک دنیا میں اور اللہ کے نزدیک آخرت میں۔

اب ہم عقل کے ذریعہ سے تقرب کی وجہ کا بیان کرتے ہیں اور بھردا حساس ہی بتا دیتا ہے کہ علم اور عقل بزرگ ہیں یہاں تک کہ بڑے بڑے حیوان شخصی طور پر اور ان کی قومیں بدنی طور پر جب انسان کو دیکھتی ہیں تو اس کے رعب میں آ جاتی ہیں اور اس کے خوف سے ان کے روکنے کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ انہیں اس امر کا احساس ہے کہ وہ فلسفی اور جنسی طور پر ان پر متولی ہے انسانوں کو بہائم میں سب سے زیادہ قریب غیر مہذب عرب و ترک ہیں اور ان بہائم کے راہی انہیں میں سے ہوتے ہیں اگر ان کے راہیوں میں کسی کے پاس عقل و راست زیادہ ہو اور فن و صنعت میں بڑھ کر ہو تو اس کی طبعاً وہ عزت کریں گے اسی لئے تم ترکوں کو دیکھتے ہو کہ طبعی طور پر اپنے شیوخ و امرا کی توقیر کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں کیونکہ تجربہ نے ان کو مزید علم کے ذریعہ سے امتیاز دے رکھا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مطلق طور پر فرمایا الشیخ فی قومہ كالنہی فی امتہ امیر اپنی قوم میں ایسا ہی ہے جیسے نبی اپنی امت میں علم و عقل کے ذریعہ ہی سے ہوتا ہے نہ اپنی شخصی قوت حسن ظاہری، کثرت مال، اور قوت و شوکت کے سبب سے چنانچہ بہت سے دشمنوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی لیکن جب ان کی نگاہیں حضور پر پڑیں تو ان پر ایک ہیبت طاری ہو گئی کیونکہ انہوں نے اللہ کا نور ان کے چہرے میں دیکھا جس سے معاندین کے سینے رعب و دل سے بھر گئے اللہ تعالیٰ نے علم کو روح کے نام سے بھی پکارا ہے فرمایا کذلک اوحینا الیک روحا من امرنا اس کو زندگی کا نام بھی دیا اومن کا ان میتاً فاحیینا اور حدیث میں ہے ما خلق اللہ خلقاً اکرم من العقل اللہ نے عقل سے بڑھ کر کوئی مخلوق زیادہ عزت والی پیدا نہیں کی اگر ترغیب علم کے متعلق تمام احادیث و اخبار کو جمع کیا جائے تو گفتگو بہت طویل ہو جائے بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا بزرگی ہو سکتی ہے کہ خود زبان نبوت فرمادی ہے ان السلاسلۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم رضا ، بما یضع فرشتے طالب علم کی جدو جہد کے نیچے جوش رضا مندی میں پر بچھاتے ہیں۔

## فصل

### شرف عقل کے اظہار کیلئے تعلیم ضروری ہے

یاد رکھو کہ عقل کو برتری اور فوقیت صرف اس لئے حاصل ہے کہ وہ علم اور حکمت کا آلہ ہے لیکن نفس انسانی معدن اور منبع ہے علم حکمت کا اور وہ ان میں اول فطرت میں بلحاظ قوت کے مرکوز ہے نہ باعتبار فعل کے جیسے آگ چھر میں پانی زمین میں اور سمجھ و عقلی میں اس کے نکالنے کے لئے فعل کی ضرورت ہے جیسے پانی نکالنے کے لئے کوئیں کھودنا ضروری ہے لیکن جس طرح پانی بغیر فعل بشری کے دستیاب نہیں ہوتا اور بعض پانی ایسے ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لئے بہت سی محنت اور مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اور بعض تک بہت تھوڑی محنت و دور رسائی حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح لوگوں کے علم کی حیثیت ہے کہ بعض لوگوں کے لئے بغیر کسی انسان کے آگے دانوئے ادب نہ کرنے کے علم قوت سے فعل میں آجاتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کو ان پر ملاحظی کی جہت سے بغیر کسی واسطہ بشری کے علوم کا انکشاف ہو جاتا ہے اور بعض لوگ ہیں کہ تحصیل علم کے لئے انہیں دنیا جہاں کی خاک چھانی اور دماغ کی خشکیاں توڑنی پڑتی ہیں جیسے عام لوگ، خصوصاً فنی اور کند ذہن بڑھے جن کی عمریں غفلت، خود فراموشی اور جہالت میں بڑی ہو گئی ہیں اور انہوں نے ابتدائے عمر میں کسی استاد سے تعلیم حاصل نہیں کی پھر بعض لوگ ایسے ہیں جنہیں علم کے حصول کے لئے بہت تھوڑی سی جدوجہد کرنی پڑتی ہے جیسے ذکی اور تیز ذہن بچے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا انکشاف کرنے کے لئے کہ علوم نفوس انسانی میں مرکوز کر دیئے گئے ہیں فرمایا **وَإِذَا خَذَرَ بَكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ** انفسہم الست بریکم قالوا بئنی خدانے تمام بنی آدم کی روحوں سے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں سب نے جواب دیا کیوں نہیں یہاں ان روحوں کے اقرار کے معنی وہی ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ یہ ارادہ بلحاظ قوت ان میں موجود تھا نہ باعتبار ربانی اعلان کے کیونکہ یہ اقرار تو صرف چند روحوں سے صرف ظہور کے وقت لیا گیا تھا اور اس قسم کا ایک اور ارشاد الہی ہے **وَالنَّاسُ سَفَلَاتُهُمْ مِنْ خَلْقِهِمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ** اور اگر تم ان سے پوچھو تمہیں کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم ان کے حالات کا مطالعہ کرو تو ان کی روحوں اس بات پر گواہی دیں گی پھر فرمایا

فطرۃ اللہ الّتی فطر الناس علیہا اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہر ایک آدمی ایمان پر پیدا کیا گیا ہے اور انبیاء صرف توحید لے کر آئے ہیں اور اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بولالہ اللہ چونکہ ایمان باللہ نفوس میں فطرتی طور پر مرکوز ہے اس لئے انسانوں کی حسب ذیل اقسام ہیں۔

(۱) جس نے فطرت سے روگردانی کی اور اسے بھول گیا۔ جیسے کفار۔

(۲) جو ایک عرصہ کے لئے بھول گیا لیکن پھر اس نے یاد کر لیا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گواہی کا حامل ہو مگر غفلت کے باعث بھول گیا لیکن بعد میں اس نے یاد کر لی ولید ذکر اولوالالباب تاکہ عقلمند لوگ یاد کریں واذکرو انعمت اللہ علیکم وميثاقه الذی واتکم به اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو اور اس عہد کو جو تم نے باندھا تھا ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مذکر ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے سہل کر دیا پھر کوئی ہے جو غور کرے، تذکر سے اکثر یہی بات عبارت ہے اور اس لفظ کا استعمال ان معنوں میں کوئی عجیب بات نہیں۔ تذکر کی تہمیدیں ہیں۔

(اول) ایک صورت کو یاد کرنا جو عقل کے ذریعہ سے دل میں مرتسم تھی پھر اس سے پوشیدہ ہو گئی۔

(دوم) جو صورت فطری طور پر انسان میں قرار پا چکی ہے اسے یاد کرنا اسی لیے محققوں نے کہا ہے کہ تعلیم حاصل کرنے سے انسان کے اندر کوئی شے باہر سے کھینچ کر نہیں آ جاتی بلکہ ایک پردہ سا اٹھ جاتا ہے جو فطرتی قابلیتوں پر پڑا ہوا تھا جیسے زمین میں سے پانی نکالنا یا آئینے کو جلا دیکر اس میں صورت کا ظاہر ہونا۔

یہ ظاہری حقائق ہیں، جو عقل کی آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان کے جمال کا نظارہ وہ شخص نہیں کر سکتا جس کی کوتاہی ابتدائے عمر ہی میں اس پر غالب آ چکی ہے۔

## فصل

### عقل کی قسمیں

عقل کی دو قسمیں ہیں فطری اور آکتابی، اول الذکر قوت قبول علم کے لئے مستعد رہتی ہے اور بچے میں اس کا وجود ایسا ہی ہوتا ہے جیسے عقل میں سمجھور کا، آکتابی عقل استفادہ سے

پیدا، اور علوم سے حاصل ہوتی ہے اور اس حیثیت سے کہ معلوم نہیں ہوتی جیسے صاحبِ تیز ہونے کے بعد بغیر علم حاصل کرنے کے علوم ضرور یہ کا فیضان بعض اوقات اس کا اور اک ہو جاتا ہے جیسے تعلیم۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عقل کی دو قسمیں کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے:

رایت العقل عقلین مطبوع ومسموع

میری رائے میں عقل کی دو قسمیں ہیں مطبوع اور مسموع

ولاینبغ مسموع اذالم یک مطبوع

مسموع اگر مطبوع نہیں تو بے سود ہے

کمالا ینبغ الشمس وضو العین ممنوع

جس طرح بے نور آنکھ کو سورج کی روشنی نفع نہیں دیتی

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بزرگ مخلوق عقل ہے دوم فرمان رسالت پناہی ﷺ ہے کہ جب لوگ نیکی کے ذریعہ سے جنت کا قرب حاصل کریں تو تم عقل کے وسیلے سے قریب ہو، اول قسم کی وہی صورت ہے جو جسم کے لئے بصارت کی ہے دوسری قسم کی سورج کی روشنی کی سی مثال ہے یعنی اگر آنکھ بے نور ہو تو روشنی اسے فائدہ نہیں دے سکتی اور روشنی کے بغیر بصارت بے سود ہے اسی طرح دیدہء باطن یعنی عقل چشم ظاہر سے اشرف ہے کیونکہ روح سوار ہے اور بدن گھوڑا سوار کا اندھا ہونا گھوڑے کے اندھے ہونے سے بدتر ہے اللہ تعالیٰ نے باطنی آنکھ کی تشبیہ ظاہری آنکھ سے دیتے ہوئے فرمایا ہے اکذب الفواہ مارائی دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا اسی کے قبیل فرمایا نری ابراہیم ملکوت سموات والارض ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السموات والارض دکھائے اس کے خلاف مالت کو اندھے پن سے تعبیر کیا اور فرمایا لاتبعنی الابصار ولنکن تعسی تملوب التی فی الصدور آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ سینوں کے اندر کے دل بے نور ہو جاتے ہیں۔

اور ارشاد ہوا ومن کان فی هذه اعمیٰ فهو فی الآخرة اعمیٰ  
اضل صہبلا جواس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی نابینا اور گمراہ ہوگا۔

شادائی ہے عقل پر کثیر اور ہدای پر کثیر اور باطل پر الا الضالین۔ قرآن کے ذریعہ سے بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہت گمراہ کرتا ہے اور صرف بدکار لوگ ہی گمراہ ہوتے ہیں یعنی وہ لوگ جو فطرتِ اعلیٰ اور سادہ سادگی سے خارج ہیں۔

مختصر یہ کہ جس کو بصیرت حاصل نہیں اس کو دین سے تعلق نہیں البتہ صرف ظاہر واری ہے بلکہ محض خیال ہی خیال جس کی حقیقت کچھ نہیں چنانچہ علوم شرعی علوم عقلیہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتے علوم عقلیہ کی مثال صحت کے لئے دواؤں کی سی ہے اور علوم شرعی کی مثال غذا کی سی نقل را عقل باید۔

جو مریض روح دوا سے محروم ہوا سے غذا کی نقصان دیتی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فی قلوبہم مرض ان کے دل بیمار ہیں کیونکہ وہ قرآن سے منفعت پذیر نہیں ہوتے تقلید عامہ کرنے والا شخص جب امور شرعی کے متعلق غور کامل کرتا ہے تو اسے بعض باتیں متناقض معلوم ہوتی ہیں اور اس کی نوعیت ہر شخص کے فہم کے مطابق ہوتی ہے پھر اپنے صنعت عقل اور کمزور طبیعی کے باعث وہ غور و فکر کرنے سے گریز کرتا ہے چنانچہ تقلید کے ٹوٹنے کے خوف سے اس پر بے پرواہی سوار ہو جاتی ہے جب وہ سوچتا ہے تو متناقض باتیں اس کے سامنے آتی ہیں اس سے وہ متحیر ہو جاتا ہے اور اس کا یقین باطل ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ دیدہ دل واکر کے دیکھتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ تناقض کا کوئی موقع نہیں اور ہر شے اپنے حسب موقع قائم ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک اندھا جو ایک مکان میں داخل ہوتا ہے اور برتنوں سے ٹھوکر کھا کے لوگوں سے کہتا ہے کہ تم کیسے بد تمیز ہو کہ برتنوں کو سرے راہ رکھ رکھا ہے انھیں اپنی اپنی جگہ پر کیوں نہیں رکھتے تو اسے جواب دیا جائے گا۔ مرد آدمی برتن تو اپنی اپنی جگہ پر ہیں لیکن قصور تمہاری بیانی کا ہے یہ بیان ہے اس علم کا جو عقل سے مستفاد ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عقل کے واسطے سے اکتسابی علوم کی دو قسمیں ہیں معارف دنیوی اور معارف اخروی، ان دونوں کے رستے ایک دوسرے سے بعد المشرقین کا حکم رکھتے ہیں جو شخص ایک رستہ پر گامزن ہو گا اس کی بصیرت سے دوسرا طریق اکثر اوصل ہو جائے گا اسی لئے حضرت علیؓ نے تین مثالیں بیان فرمائیں دنیا اور آخرت کی مثال ترازو کے دو پلڑوں کی سی ہے یا مشرق و مغرب کی سی یا زمین و آسمان کی سی، جب تم ایک کو قبول کرو گے تو دوسری سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا واری میں بہت ہی دانشمند لوگ آخرت کے لحاظ سے جاہل مطلق ہوتے ہیں اور دین میں سمجھدار لوگ دنیا کے لحاظ سے ناواقف محض، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا حقیقی طور پر دور اندیش شخص وہی ہے جو اپنے نفس کو حقیر سمجھے اور ما بعد الموت کے لئے عمل کرے چنانچہ بعض صالحین کی سادگی طبع کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا گیا اکثر اہل الجنة بالبہلہ۔ اکثر جنتی بھالے بھالے ہونگے، یعنی امور دنیا کے لحاظ

سے اس کے متعلق حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے، کہ بعض لوگ ہم نے ایسے دیکھے کہ اگر تم انہیں دیکھ پاؤ تو کہو کہ یہ تو دیوانے ہیں، اور اگر وہ تمہیں دیکھ پائیں تو کہیں یہ شیطان ہیں۔ اور اگر کبھی تم کوئی عجیب و غریب و بی بات سن پاؤ تو اسے قبول کرنے سے یہ کہہ کر شک نہ پاؤ کہ اگر یہ بات حقیقی ہوتی تو اسے باب دنیا میں سے بہترین دل و دماغ کے لوگ اور بڑے حسانی کتابی عالم لوگ ضرور معلوم کر لیتے۔ کیونکہ یہ بات بالکل محال ہے کہ مشرق کو جانے والا شخص مغربی رستہ کی چیزوں سے واقف ہو بعینہ یہی حال امر و دنیا و آخرت کا ہے چنانچہ ارشاد الہی ہے ان الذین لا یسجون لقاءنا و رھلوا بالحیاة الدنیا و اطاعتوا ابھما جو لوگ ہماری ملاقات کے مستحق نہیں اور دنیوی زندگی پر رضامند اور مطمئن ہو گئے ہیں پھر فرمایا لیعلمون ظاہراً من الحیاة الدنیا و ہم عن الآخرۃ ہم غافلون وہ ظاہری دنیوی زندگی سے ہی واقف ہیں اور آخرت سے بالکل غافل۔

دنیا و آخرت کو صرف وہی لوگ یکجا کر سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی معاش و معاد کی تدبیر کرنے کے لئے مقرر فرمایا اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں ان کی روح القدس سے امداد و تائید کی جاتی ہے اور انہیں ایک ایسی قوت سے اعانت دی گئی ہے جو تمام امور پر حاوی ہے۔

رہے کمزور نفوس تو جب وہ ایک بات میں مشغول ہوتے ہیں تو دوسری بات کو بھول جاتے ہیں اور اس طرح تمام امور کا کمال حاصل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔

## فصل

### علوم مستعدہ میں استاد اور شاگرد کے فرائض

محکم کے بہت سے و فرائض ہیں ان کی تفصیل دس جملوں میں آ سکتی ہے (و ظیفہ اول) بری عادات کو دور کر کے طہارت نفس حاصل کرنا کیونکہ جس طرح ظاہری اعضاء و جوارح کی عبادت نماز میں طہارت ظاہر کے بغیر درست نہیں اور ظلم عبادت نفس ہے اور زبان شریعت میں اول کی عبادت اسی طرح یہ عبادت برے اوصاف اور اخلاق خبیثہ کی موجودگی

کیونکہ جہاں وہ حق ملتی یعنی امری اور ملتی اور بعض مادیوں کی زبان میں مادی اور کوئی نیکوین کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ یہ اس کا سایہ ہے۔ شریعت نے انسان کی بلکہ عقیدت کے ساتھ دل کا نام خاص کرنا اور انسانیت کی عمر میں کوئی طہر نفس کے ساتھ۔

میں درست نہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی الدین علی النظافة دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔

پاکیزگی کے لفظ کا جس طرح ظاہر پر اطلاق ہے اسی طرح باطن پر ہے اور قرآن میں ہے انما المشرک کون نجس، مشرک لوگ پلید ہیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طہارت و نجاست صرف ظاہر پر ہی محدود نہیں اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا لا تدخل الملائکۃ فیہ کلب جن گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے دل فرشتوں کا مقام نزول ہے ان کا محل نظر اور ان سے اثر پذیر ہونے کا گھر اور بری خصلتیں کتے ہیں۔ جو فرشتوں کو روکتے ہیں

جب شے سے بنے ہوئے گھر میں کتے کی موجودگی کے متعلق جو دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہے یہ حکم ہے تو دین کے گھر اور صفات حسنہ کے متعلق جو دوسری صفات محمودہ کی طرح نہیں بدرجہ اولیٰ یہ اعتقاد ہونا چاہیے غرض دین کا گھر دل ہے اور اس پر بھی کتے غالب آ جاتے ہیں اور بھی فرشتے حاوی ہو جاتے ہیں۔

اب اگر تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ بعض بد اخلاق طالب بھی علوم کی تحصیل میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو تم دینی حقیقی اور موجب سعادت کے علم کے مفہوم سے ابھی دور ہو بد اخلاق شخص اس بات کو سمجھی حاصل نہیں کر سکتا جس کو زبان سے ایک بار روتا ہے اور پھر دل سے دھراتا ہے اور کلام اس کی تردید کرتی ہے اگر نور علم کا پرتو اس کے دل پر عکس آگیا ہوتا تو اس کے اخلاق ضرور عمدہ ہو جاتے کیونکہ علم کا کم ترین درجہ یہ ہے کہ انسان کو معلوم ہو جائے کہ گناہ زہر ہے مہلک اور حیات ابدی کو برباد کر دینے سے اور ان سے اخلاق ردیہ پرورش پاتے ہیں کیا تم نے کبھی ایسے بے وقوف کو دیکھا جو جان بوجھ کر زہر کھالے اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا من ازداوعلما ولم یزد وهدی لم یزد ومن اللہ الابعد ا جس شخص کا علم بڑھے لیکن ہدایت زیادہ نہ ہو وہ صرف خدا سے زیادہ بعید ہو چنانچہ بعض محققین کا ایک قول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے فیہر اللہ کے لئے علم سیکھا تو علم نے کہا میں صرف اللہ کے لئے ہوں یعنی علم منتفع ہو گیا اور حاصل نہ ہو سکا اور اگر کچھ حاصل ہوا تو وہ خالی قول تھا یعنی حقیقی علم نہ تھا شاید تم کہو کہ ہم نے بعض صاحب فضیلت فقہاء کو دیکھا ہے جو ملّا مہتمم ہیں اور ساتھ ہی بد اخلاق بھی ہیں تو جواب یہ ہے کہ جب تم مرا حب علم معلوم کر چکے ہو اور شاہراہ سعادت پر گام فرما رہے ہو تو ان کی نسبت سے بھی واقف ہو چکے ہو تو تم جان گئے ہو گے کہ یہ حضرات فقہاء حقیقت سے بالکل نا آشنا ہیں اور منزل مقصود سے بے پروا ہیں۔



(وظیفہ ثانی) دنیوی مشاغل کے علائقی کم کر دینا اور اہل و عیال اور اولاد وطن سے دور ہو جانا کہ تعلقات دلوں کو مصروف و مشغول کر کے منزل مقصود سے پھیر دیتے ہیں و صاحب اللہ لرجل من قلبیین فی جوفہ پیلو میں کسی شخص کے دودلی نہیں ہونے اور پریشان و مانغ اور اک حقائق سے قاصر رہتا ہے اس لئے کہتے ہیں علم کا ایک حصہ بھی تمہیں حاصل نہ ہوگا جب تک تم اپنا سارا وجود اس کے لئے وقف نہ کرو جب تم از فرق تا بقدم اس کے لئے جو جاؤ گے تو وہ تم پر اپنے تئیں نثار کر دے گا جب دل پر نگدہ ہو جائے تو وہ ایک نہر ہے جس کا پانی بکھرا ہوا اور پراگندہ ہے ہوا اور زمین اسے جذب کر رہے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ سب پانی ضائع ہو گیا اور مجتمع ہو کر کھیتی تک پہنچنے اور اسے سرسبز و سیراب کرنے کے قابل نہ رہا۔

وظیفہ ثالث، علم اور اہل علم کے مقابلہ میں تکبر نہ کرنا اور استاد پر مصدق نہ ہو جانا بلکہ اپنے باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دیدینا تاکہ وہ راہ علم پر جس طرح چاہے اس کی رہنمائی کرے استاد کی چند نصائح کو اسی طرح آویز گوش بنائے جس طرح مریض طبیب کے تابع فرمان ہوتا ہے علم پر تکبر کرنے سے یہ ہوگا کہ اگر علم سے مستفید ہونے میں معلوم پر ناک بھون چڑھائے گا تو عین حماقت کا مرتکب ہوگا یا در کھوکھلت حکمت حکیم کا گم شدہ لال ہے جہاں اسے پائے اپنا مال سمجھے اس سے استفادہ کرے اور جذم احسان مندی کے ساتھ اس کی پیروی کرے

فالعالم حرب الفتی المتعال کا السیل للمکان العالی

ترجمہ: علم نے نہ تو تکبر کی ناکر ڈالی جیسے سیلاب گراتا ہے مکان عالی

غرض تو جامع اور انکسارنا گزیر ہیں چنانچہ فرمایا حق تعالیٰ نے ان فسی ذالک لذكری لمن كان له قلب او لمی السمع وهو شهید یا موراں شخص کے لئے باعث نصیحت ہیں جو صاحب دل ہے مستاہل اور غور کرتا ہے یا بالفاظ دیگر علوم میں مشغول ہوتا ہے صاحب دل ہونے سے یہی مراد ہے یا اسے عقل حاصل ہے جو اسے سننے کا دھرنے اور غور کرنے کی ترغیب دیتی رہتی ہے۔

جب تک تعلیم اپنے معلم کے سامنے زمین تشنہ کام کی طرح نہ ہو جائے جس پر جوں جی کھار بارش برے وہ فوراً زویرا نہ دار اسے جھرب کر لے وہ علم سے پوری طرح منفعت پذیر نہیں ہوگا اور جب معلم اپنے شاگرد کو تعلیم کی صورت میں ایسی بات بتائے جسے شاگرد صاف طور پر غلط سمجھتا ہو تو طالب علم پر واجب ہے کہ صبر کرے اور حوصلہ مندی سے کام لے اور اپنے استاد کی اتباع کرے کیونکہ اگر استاد غلط کرتا ہے تو یہ شاگرد کے اپنے صواب سے بہتر ہے جس طرح

ایک مسافر تجربہ سے ان باتوں کا استفادہ کیے ہوتا ہے جن کو دیکھ کر مبتدی حیران ہو جاتا ہے اسی کے متعلق خدا نے قصیدہِ خضر موسیٰ میں تنبیہ کی ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا اهل التبعاك على ان تعلمنى مما علمت رشدا کیا میں تمہاری اتباع کروں تاکہ تم مجھے اپنے علم سے جو تمہیں حاصل ہے کچھ مجھے بھی سکھا دو پھر حضرت موسیٰ عبرت نہ کر سکے۔ بار بار اور پے در پے خضر علیہ السلام کو ٹوکا اور اعتراض کیا یہاں تک کہ حضرت خضر نے فرمایا ہذا فراق بیني و بینک یہاں ہم تم جدا ہوتے ہیں اس کے بعد ان امرار و معارف کو ان پر نکولا جو ان کی حیرانی اور استعجاب کا باعث تھے اس کی تفصیل قرآن میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو جائے کہ معلم کو دو باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کا معلم کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ بروہ معلم جو اپنے استاد کے طریقہ تعلیم کے مراسم کی پیروی نہیں کرتا وہ بے خبر رہتا ہے اور شاید کامیابی سے کبھی ہمسکنا نہیں ہوتا اگر تمہارا اعتراض یہ ہے کہ خدا کا ارشاد ہے فاسئلواہل الذکر ان یتعلمون اہل ذکر سے پوچھو اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت موسیٰ علیہ السلام کو سوال کرنے سے منع کرنے کی نفی نہیں ہے اور نہ ہماری گفتگو کے خلاف، کیونکہ نبی تو اس بات کی ہوتی ہے کہ جس چیز کو معلم کی قوت اور اک نہ پہنچے اس کے طلب کرنے سے منع کیا جائے تو جب استاد شاگرد کو سوال کرنے سے ممانعت کر دے تو اسے باز رہنا چاہیے مقصود یہ ہے کہ شاگرد کو اپنے رقبہ علم کے مطابق تفصیل معلوم کرنے کا شوق دلا جائے۔

(وظیفہ راجع) معلوم نظریہ میں انہماک کرنے والے شخص کو مناسب نہیں کہ ابتدا ہی تشابہات مشکوک اور حیران کن امور میں طبیعت کو مائل کرے کیونکہ یہ بات اصل علم کے بارے میں اس کے عزم میں فتور پیدا کر دے گی اور جن اسباب کا ہم کتاب معیارِ اعلم میں ذکر کر چکے ہیں ان کی بناء پر ادراک حقیقت سے ایسے کر دے گی لہذا اسے چاہیے کہ جو رائے اور اصول اس کے استاد نے اختیار کیا ہے اس پر خوب یقین رکھے پھر اس کے بعد مشابہت اور اس کے تعاقب کی تعریف میں غور و خوض میں مشغول ہو۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو کفار سے اختلاط اور میل جول کرنے سے منع کیا ہے جو ابھی اسلام میں پختہ نہیں ہوا یہاں تک بعض کا خیال ہے کہ خنزیر کی تحریم کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ کافروں کو اس کی یہ عام طور پر غذا ہے چنانچہ اسے حرام کر دیا گیا تاکہ مسلمان کافروں کے ساتھ مل جل کر کھانے پینے سے بچیں اور اس طرح کافروں سے ان کا ربط و ضبط نہ بڑھے اس لئے عوام کو اہل ہولاء و ہوس کی مجلس سے بچانا چاہیے

جس طرح حرم کی منسدوں سے حفاظت و سیانت کی جاتی ہے پھر جو شخص دین میں پکا ہو جائے اور اس کے دل میں اسلام کی محبت و رہبان قرار پکڑ جائے تو اسے کفار سے حفاظت میں کچھ حرج نہیں بلکہ اسے ان سے رابطہ و ضبط اور میل ملاپ بڑھانا زیادہ اچھا ہے اور شبہات اور ان کے حل کرنے میں مشغول ہونا زیادہ پسندیدہ ہے اس طرح وہ ایک قسم کا مجاہد ہوگا کیونکہ جو شخص جہاد کی قدرت رکھتا ہے اسے کفار کی صف پر چل پڑنا مستحب ہے اور کمزور دنیا تو ان شخص کے لئے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے اس طرح استدلال سے ان لوگوں کا یہ قول غلط ثابت ہو گیا جن کا گمان ہے کہ دین کے لحاظ سے قوی اور ضعیف لوگوں کے فرائض و وظائف ایک ہی ہیں یہاں تک کہ ایک صوفی بزرگ کا قول ہے کہ جس شخص نے مجھے ابتداء میں دیکھا اس نے مجھے صدیق خیال کیا اور جس نے مجھے انتہاء میں دیکھا وہ مجھے زندیق سمجھا یعنی ابتداء ایسے مجاہدے کی متقاضی ہے جو ظاہر آنکھ کو نظر آ رہا ہے کثرت عبادات کی صورت میں مگر انتہاء میں عمل باطن کی طرف رجوع کر جاتا ہے اول دل تو بدستور زمین شہود اور عین حضور میں رہتا ہے البتہ ظاہری اعضاء سکون پذیر ہو جاتے ہیں اس نہ ظاہر عین لوگ سمجھتے ہیں یہ تہاوان فی العبادت ہے یہ استغراقی عبادت کا نچوڑ اور عطر ہے اور ان کا لب لباب اور غایت لیکن کور باطن شہرہ چشم لوگ آفتاب حقیقت کی روشنی مشاہدے کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

(وظیفہ خاص) معلم کو لازم ہے کہ علم کی ہر ایک قسم اور ہر ایک فن اس کی نظر سے گزر جائے وہ ان کی غایت سے واقف ہو اور طریقہ اور مقصد سے آشاہد ہو پھر اگر اس کی عمر اس کا ساتھ دے اور اسباب میسر ہوں تو مختیر علم حاصل کرے کیونکہ علوم تمام کے تمام ایک دوسرے کے معاون اور ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور جہاں تک حالات اجازت دیں ان سے مستفید ہو یہاں تک کہ علم کا جہالت کے باعث کوئی شخص بیری نہ رہے کیونکہ لوگ جس بات سے ناواقف ہوں اس کے دشمن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واذلّمٰ پیسندو ابہ فسیقو لسون ہذا منسک قدیم جب انھوں نے ہدایت نہ پائی تو کہنے لگے یہ تو پرانا وہم ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

ومن یک ذانم مریض یجد مرأبہ الماء الذلالا

منہ کے کڑوے پن کا مریض آبِ ذلال کو بھی کڑوا ہی سمجھتا ہے

ساوان کے اندھے کو ہر ای ہر اسو سمجھتا ہے پھر اسے چاہیے کہ علم کی کسی نوع کو مختیر نہ

سمجھے بلکہ ہر ایک علم حاصل کرے اس کا حق ادا کرے اور اسی کا رتبہ پہچانے کیونکہ ہر ایک علم

اپنے اپنے درجے پر ہے بعض انسان کو اللہ کی طرف لے جانے والے ہیں یا اس سفر کے لیے اسباب مہیا کرنے والے ہر ایک علم کی پھر مقصود سے قرب و بعد کے اعتبار سے مختلف منازل بھی ہوتے ہیں اور ان کی حفاظت بھی لازمی ہے جس طرح حج اور جہاد کے رستے میں پہرہ دار اور چوکیاں ہوتی ہیں۔

وعلیٰ ہذا سادس، یہ ہے کہ تمام فنون میں دفعتاً نہ کود پڑے۔ بلکہ ان کی ترتیب کی رعایت رکھے چنانچہ ابتداء سب سے اہم فن علم سے کرے اور اس وقت تک دوسرے فن کو ہاتھ نہ لگائے جب تک پہلے فن کو تکمیل کے درجہ تک نہ پہنچائے کیونکہ علوم کی بھی ایک ترتیب ہے جس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ایک فن سے دوسرے فن کی جانب راہ نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ترتیب و ترتیب کی نگاہداشت کے متعلق فرمایا ہے۔ الذین اتینا ہم الکتاب یتلونیہ حق تلاوتہ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں یعنی اس وقت تک ایک فن کو چھوڑ کر دوسرے فن کی طرف رخ نہیں کرتے جب تک علمی اور عملی طور پر اس میں مستحکم نہیں حاصل کر لیتے طالب علم کا مقصد ہر علم سے یہ ہونا چاہیے کہ اوپر کے علم کی جانب ترقی کا شوق پیدا ہو پھر یہ بھی لازم ہے کہ کسی علم کے متعلق غلط اور خراب ہونے کا حکم صرف اس لیے نہ لگایا جاوے کہ اس علم کے معاملوں میں اختلاف واقع ہے یا ان میں سے کوئی غلطی پر ہے یا ان کے علم اور عمل میں تضاد و تخالف ہے۔

بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئیں گے جنہوں نے عقلیات اور فہیات میں نظروں فکر کرنا چھوڑ دیا ہو گا صرف اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ اگر ان کی کوئی اصلیت ہوتی تو عقلاء اور فقہاء کا ضرور ادراک کر لیتے اس شبہ کا ازالہ ہماری کتاب معیار العلم میں گزر چکا بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئیں گے جو علم نجوم کی صحت کے صرف اس لیے معتقد ہو گئے کہ ایک شخص کو اس کے درست ثابت ہونے کا اتفاق ہو اور دوسرا فریق صرف ایک شخص کے لیے اس کے غلط ہونے کی بنا پر اس کے بطلان کا قائل ہو جائے گا یہ تمام گروہ غلطی پر ہیں مناسب یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی معرفت فی نفسہ حاصل کی جائے ہر ایک علم پر ہر ایک شخص حاوی نہیں ہو سکتا ہر کار و ہر مردے اسی لئے حضرت علی کا قول ہے لوگوں کے ذریعہ سے تم حق کی معرفت نہیں حاصل کر سکتے لہذا حق کی پہچان کے بعد اہل حق سے روشناس کرو جائے۔

وعلیٰ ہذا ہفتم، اگر جمیع علوم کی تکمیل کے لئے عمر نا پائیدار کفایت نہ کرے تو چاہیے کہ ہر ایک علم میں سے اس کا بہترین حصہ اخذ کر لے کہ ہر ایک علم میں سے تھوڑا تھوڑا لے لینا کافی ہو

گیا اور زندگی کا آسودہ ترین حصہ اس علم کی تحصیل کے لئے صرف کرے جو نجات اور سعادت کا سبب ہے یہی سب سے تمام علوم کی غایت ہے اور یہی بات حقیقی اور درست طور پر معرفت الہی ہے اس علم کے سب علوم خادم ہیں اور یہ خود بالکل آزاو ہے کسی کی نوکری نہیں کرتا اسی کے متعلق ارشاد الہی ہے قُلْ اللَّهُ يَتِمُّ ذُرِّيَّتَهُمْ فَمَا تَصِفُ يُعْلِمُونَ كَيْدَ اللَّهِ وَيَحْمِلُونَ ثِقَلَهُمْ بِحُسْنِ خِيَالٍ میں مگن رہنے دو۔ یہاں صرف زبان سے ان حروف کو ادا کر دینا مقصود نہیں چنانچہ ارشاد رسالت پناہ ہے مَنْ قَالِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصاً دَخَلَ الْجَنَّةَ جس نے خلوص دل سے لا الہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہو گیا زبانی جمع خرچ کسی کام کا نہیں جب تک وہ دل پر اثر نہ کرے یا جب تک اس اعتقاد کی چٹختی کا اثر دل سے سادر نہ ہو اس کا نام ایمان رکھا گیا ہے پھر یہ ایمان بتدریج ترقی پا کر حضرت ابو بکرؓ کے ایمان تک پہنچی ہو جاتا ہے ان کے ایمان کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور تمام دنیا کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھیں، تو حضرت ابو بکرؓ کا ایمان صاف وزنی نکلے گا کیونکہ انھیں تم پر کثرت صوم و صلوٰۃ کی بنا پر فضیلت حاصل نہیں بلکہ اس راز کی وجہ سے جو ان کے دل میں مخفی ہے۔

یہاں سے منصف مزاج آدمی پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صوفیا کا طریق اگرچہ بہت سے خواہر میں دور ہو جاتا ہو زبردست شہاد کے ذریعہ سے اس پر شریعت شہادت دیتی ہے اس لئے ناواقف شخص کو محض اپنے تصور فہم اور جہالت کی بناء پر اس سے دشمنی نہ رکھنی چاہیے مختصر یہ کہ معرفت الہی کل معرفت کی غایت ہے اور کل مذاہب کے مطابق جملہ علوم کا شمرہ روایت ہے کہ ایک بار کسی نے دو عابد و زاہد بزرگوں کی صورتوں کو مسجد میں دیکھا دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک رقعہ تھا ایک پر لکھا تھا اگر تم تمام نیکیاں کر لو تو موت خیال کرو کہ تم نے کوئی نیکی کی ہے جنی کہ تم اللہ کو پہچان لو۔ اور معلوم کر لو کہ خدا مسبب الاسباب ہے اور تمام اشیاء کا موجد دوسرے پر تحریر تھا میں معرفت الہی حاصل کرنے سے پہلے پینے کے باوجود پیسا تھا یہاں تک کہ جب میں نے اسے پہچان لیا تو بغیر پینے کے سیر ہو گیا۔

ان دونوں باتوں سے حاصل حریت عقل نظری۔ جو وہم اور تقلید سے بے نیاز کرنے والی ہے اور حریت عقل عملی جو جسم کی تلاوی سے رہائی بخشنے والی ہے جب ایک شخص کو یہ دونوں حریتیں بدرجہ کمال حاصل ہو جائیں تو وہ اس مقام پر پہنچ جائے گا جسے نہ آکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کی حقیقت وارد ہوئی۔

وٹھیفہ ہشتم بعض علوم کا بعض علوم سے اشرف ہونے کی پہچان کر لینا، علم کی فضیلت دو طرح سے پہچانی جاتی ہے۔ اول اس علم کے ثمرہ کے اشرف ہونے کے لحاظ سے، دوم اس علم کے متعلق دلائل کی پختگی کے اعتبار سے۔ مثلاً علم دین اور علم طب علم دین کا ثمرہ حیات ابدی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اس لئے وہ علم طب سے افضل ہے جس کا ثمرہ حیات بدنی ہے۔ جو موت تک ہے۔

پھر علم حساب کا اگر تم علم طب سے مقابلہ کرو گے تو اول الذکر مؤخر الذکر سے باعتبار پختگی دلائل اشرف ثابت ہوگا کیونکہ علم حساب کے متعلق جس قدر نظریے ہیں سب یقینی ہیں اور تجربہ کے محتاج نہیں بخلاف اس کے طب کو یہ بات حاصل نہیں، ہاں علم طب باعتبار ثمرہ کے علم حساب سے افضل ہے کیونکہ صحت بدن گنتیاں اور مقدار میں معلوم کرنے پر فضیلت رکھتی ہے فضیلت ثمرہ پر نظر رکھنا پختگی دلائل کی تلاش سے بہتر ہے اور تمام علوم سے ثمرہ کے لحاظ سے افضل علم خدا اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور رسولوں کا علم سے مع ہر اس علم کے جو اس علم کی اعانت کرے کیونکہ اس کا ثمرہ سعادت ابدی ہے۔

وٹھیفہ نهم، یہ ہے کہ تم علوم کی اقسام کی فہمیل طور پر شناخت کرو اور دو تین ہیں:-

اول وہ علم جو لفظ سے متعلق ہے بحیثیت معنی پر دلالت کرنے کے۔

دوم وہ علم جو صرف معنی سے تعلق رکھتا ہے اول الذکر سے وہ علم مراد ہے جس سے

ہم چاہتے ہیں کہ تم ان الفاظ کی شناخت کرو جو ان پر دلالت کرنے کے لئے اصطلاحی طور پر وضع کئے گئے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک علم لغات اور علم لغات اور اس کے دوسرے متعلقات ہیں جیسے علم مشتقات و اعراب و نحو و صرف، اور علم عروض و توائف اس کی آخری حد علم متحارج حروف مع اپنے متعلقات کے ہے۔

علم متعلق یا معنی، موقع و محل کے لحاظ سے جس قسم کے الفاظ اس پر صادق آئیں گے نام حاصل کرے گا کبھی علم جدل و مناظرہ کبھی علم برہان اور کبھی علم خطابت کیونکہ جو شخص ان علوم میں صاحب نظر ہے اور لغت و موجہات الفاظ، معنی وغیرہ علوم کا عالم ہے تو جس رنگ اور جس عنوان سے وہ ان کو استعمال کرے گا اسی رنگ اور عنوان کے اعتبار سے اس کا نام ہوگا اگر وہ علم یقینی کی تحصیل کا کام کر لیتا ہے تو علم برہان، اگر فریق مقابل کو خاموش کرنے کے لئے تو جدل و مناظرہ اگر دلوں کو نرم کرنے کے کام آئے تو خطابت اور وعظ کہیں گے اسے دلیل بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ مخاطب کو مقاصد حق کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور ان اعتقادات کی طرف انھیں

لے کر چلتا ہے جس میں ان کی نجات ہے احادیث اور قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں قرآن کافروں کے خلاف اسی رنگ میں استدلال سے کام لیتا ہے اور قرآن بلحاظ عموم مجہور کے حق میں سب سے بڑھ کر ہے مستعمل طور پر برہان حقیقی و یقینی کا ادراک اور فہم صرف اکابر علمائے ہی کو حاصل ہوتا ہے جن کی زمانہ قد نہیں کرتا۔

جدل و مناظر بدایت کے لحاظ سے کم ترین نفع دینے والی شے ہے کیونکہ محقق اپنے دلائل و براہین کو چھوڑ کر فریق مخالف کی بات کو تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ ہی دل میں اس کا قائل ہوتا ہے اور عاری بات ہی نہیں سمجھتا بلکہ اسے سمجھنے کے لئے اپنے فہم کو ناکارہ پاتا ہے خود مناظرہ کرنے والے لوگ عام طور پر خلست کھانے کے بعد بھی اپنے عقائد پر قائم رہتے ہیں اور کوتاہی دلیل کو اپنے تصور عظم پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہمارا امام زندہ اور موجود ہوتا تو اس بات کا فیصلہ کن جواب دے سکتا اس لحاظ سے تم دیکھو گے کہ اکثر وہ باتیں جو ماہرین علم کلام اور مناظر اپنے مناظروں میں کر چکے ہیں کم و بیش جدلیات ہیں اور یہی حال ہے تمام باتوں کا جو فقہی مباحثوں میں واقع ہوتی ہیں یہی سبب ہے کہ مناظرہ کرنے والے لوگ خبردار ہو کر بھی دوسرے کے مذہب کو قبول نہیں کرتے۔

قسم سوم، معنوی کی دو قسمیں ہیں، محض علمی اور عملی، علمی قسم میں اللہ تعالیٰ ملائکہ، انبیاء اور مراتب نبوۃ، ملائکہ کے مراتب اسرار ارض و سما، آفاق و انفس اور ان کے اندر کی سب چیزیں، کواکب سماوی، عالم بالا کے نشانات، جملہ اقسام موجودات، ان کے ایک دوسرے سے ترحیب کی کیفیت، قیامت، حشر، نشر، جنت و دوزخ، صراط، میزان، جن و شیاطین، کی معرفت کا نام ہے علاوہ ازیں اس امر کی تحقیق بھی اس میں داخل ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنی بھی وہی ہیں یا کچھ اور مثلاً عام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت امور کا تخیل اپنے سوجھ بوجھ میں پیدا کر رکھا ہے مثلاً اللہ کا عرش پر مقیم ہونا دنیا سے بلند بلحاظ مکان کے، اور اس سے پہلے زمانہ کے اعتبار سے، فرشتوں، شیاطین اور آخرت کے واقعات جنت و دوزخ کے متعلق ان کے کیا عقائد ہیں کیا یہ امور ایسے ہی ہیں جیسے انھوں نے سمجھے ہیں بغیر کسی قسم کے نقادانہ کے یا یہ مثالیں اور خیالات ہیں کیا ان کے ظاہری مفہوم کے علاوہ بھی کچھ معنی ہیں غرض ان تمام امور کی تحقیق کرو، سچائی کے ساتھ شک و شبہ سے پاک بطریق حقیقت ظاہریت کے ادہام باطلہ کو دور پھینک کے اندازہ اور انکل بچو لگانے سے دور ہٹ کر، یہ ہیں علوم نظریہ اور ان کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ اب رہے عملی تو ان میں احکام شرعیہ علوم فقہیہ، سنن نبویہ شامل ہیں ان میں معرفت سیاست نفس، اور

تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، اہل و عیال، لباس و طعام، معیشت اور معاملات کی معرفت داخل ہیں اسے علم حقہ کہتے ہیں۔ یہ چہارگانہ معاملات نکاح اور شرعی حدود پر مشتمل ہے پھر جب اس کی انواع کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کے مراتب کی پہچان اور شناخت کی طرف توجہ کرنی چاہیے تاکہ اوقات عزیز صرف منزل مقصود کی طرف کام فرمائی میں صرف ہوں۔ یا ان امور میں جو اس کے قریب لیجائیں۔

اب جو شخص قسم اول یعنی متعلق بالفسفہ علوم پر ہی قناعت کر گیا تو گویا وہ محض چھٹکے پر ہی قانع ہو گیا ان میں سے جس نے نحو، اعراب، عروض اور مخارج حروف پر قناعت کی تو اس میں بھی صرف پوست پر انحصار رکھا اور جو شخص اس رستہ کی پہچان میں منہمک ہے تو وہ ایک امراہم میں مشغول ہے پھر اگر اسی بات پر قصر کر دے تو گویا اس نے صرف آلہ اور وسیلے پر اکتفا کیا اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ کرے پھر اونٹ اور زارادہ اور سواری خرید لے اور گھر میں بیٹھا رہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ چیزیں بہت اہم ہیں اور بوجہ آلہ اور وسیلہ حج ہونے کے ضروری ہیں لیکن جب ان کو اس بات میں استعمال نہ کیا جائے جس کے لئے ان کو خرید کیا گیا ہے تو وہ بالکل بے سود ہیں الیٰ بذالقیاس طیف و سنان اور تخر و دشنہ بے کار ہیں۔ اگر انھیں جنگ میں استعمال نہیں کیا جاتا۔

اور جو شخص علوم عملیہ میں منہمک ہے اور صرف انہیں پر اکتفا کرتا ہے یعنی فطیہات وغیرہ پر تو اس کا حال لغات پر انحصار رکھنے والے کے زیادہ قریب ہے وہ اضافی طور پر عظیم القدر ہے جس طرح علم لغات اضافی طور پر علم رقص و سرور سے زیادہ رفیع الشان ہے لیکن اگر اس کو منزل مقصود کی نسبت سے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ اس سے بہت ہی بعید ہے۔ یہ بات مثال کے بغیر پورے طور پر سمجھ میں نہ آئے گی۔

چنانچہ جب ایک آقا اپنے غلام سے وعدہ کر لے کہ میں تمہیں آزاد کروں گا بشرطیکہ تم حج کر آؤ، اور اس کے بعد میں تمہیں سرداری عطا کروں گا تو سعادت آزادی وغیرہ کے حصول کے لئے غلام کے لئے تین مقامات ہیں۔

اول اسباب کا تہیہ کرنا مثلاً اونٹ، مہلق، زور و دام وغیرہ خریدنا اور سامان سفر تیار کرنا (دوم) وطن چھوڑ کر یہ پناہی اور راہ نووی پر کمر بستہ ہو جانا اور منزل منزل چل کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہونا۔ سوم فرضہ حج کا ایک ایک رکن ادا کرنا ان تمام امور کو طے کرنے کے بعد اسے آزادی کی نعمت حاصل ہوئی اسے منزل بمنزل ایک بات کو طے کرنے کے بعد دوسری منزل



میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور ایک منزل کے اسباب و سامان کی تیاری کے بعد دوسری منزل کے وسائل کے تهیه کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہے یہی حال کمال نفس کا ہے طہارت اخلاق و ذاکل و زمام کے ازالہ اور حقائق و معارف کے انکشاف سے اخلاق کو مکمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس تشبیہ میں مال کی مثال موت کی ہی جو اس حجاب کو دور کر دیتی ہے جو انسان اور اس کے رتبہ کے درمیان حائل ہیں اس کے وسیلے سے نفس اپنے کمال اور جمال کی حقیقت سے روشناس ہوتا ہے چنانچہ جب یہ حجاب اٹھ جاتا ہے تو نفس اپنے کمال کو دیکھ لیتا ہے جو اعلیٰ طبین میں اسے حاصل ہے اسے اس نگارے سے ایک ابدی فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور منزل منزل قطع راہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنا خلق بد اخلاقوں کو چھوڑنے اور عوام نظر یہ کو دوسرے علوم کے علاوہ ایک ایک کر کے حاصل کرنے سے مہذب بنالیا ہے۔

توشہ دان اور مشک وغیرہ کی تیاری، اور راہ اور سواری کی خریداری کی مثال کے مطابق وہ تمام علوم ہیں جو فقہ اور لغت جیسے علوم نظر یہ کے خادم ہیں اور جو شخص فقہ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے اس کی حیثیت توشہ دان وغیرہ کی تیاری کرنے والے کی سی ہے اور جو شخص انہیں پر بس کر دیتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص توشہ دان بنا کر بیٹھ رہے۔ علاوہ ازیں جو شخص علم لغت کے اندر ہی محدود ہو جائے وہ اس شخص کی مانند ہے جو توشہ دان کی کھال کو رنگ چھوڑنے پر اکتفا کرے اس لحاظ سے جو شخص اپنے اوقات و فروعات فقہی میں (جن میں اختلافی مسائل اور وہ باتیں شامل ہیں، جو عہد صحابہ میں پاکی ہی نہیں جاتی تھیں) مشغول و مستغرق رہتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی توشہ دان کے احکام اور اسے سینے سنانے کے مسائل میں اپنی زندگی کو وقف کر دیتا ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ اگر تم نے یہ باتیں اعتقادی طور پر کہی ہیں تو اجماع فقہاء اس کے خلاف ہے اور اگر بطور حکایت اور مثال کے کہی ہیں تو ان باتوں کو کون ماننا اور تسلیم کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے یہ باتیں حکایت کے طور پر کہی ہیں ان کا تعلق اس مذہب سے ہے جس پر اس کتاب کا اکثر دار و مدار اور انحصار ہے اور وہ تصوف ہے۔ عام لوگوں نے ان معانی سے اتفاق کیا ہے جو اس مثال سے مستنبط ہوتے ہیں اگر چنانچہ کے نزدیک یہ تشبیہ بعینہ مشبہ ہے کے مطابق نہیں اگر تم پوچھو کہ آج کچھ یہ لوگ کہتے ہیں درست ہے یا نہیں تو جواب یہ ہے کہ یہ کتاب ان امور کے حق و باطل میں تمیز کرنے کے دلائل و دہراہین پیش کرنے کی غرض سے نہیں لکھی گئی بلکہ اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ غفلت و خود فراموشی کے ازالہ کے لئے پھر نصیحت کو قلم بند کیا جائے جن کی تعلیم یہ لوگ دیتے ہیں کہ ابتدائے کار میں یہ بات بعید معلوم نہیں ہوتی اس

لئے جو طالب علم کسی علم و فن کی جستجو میں نکلتا ہے اسے لازم ہے کہ خوب سوچ سمجھ لے تاکہ حقیقت سے واقف کار ہو جائے۔ اور وہ اندھا حد اسی وادی پر خار میں قدم نہ رکھے۔

اس مقام پر یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ جب تم اپنی عمر فقہ کی نذر کر چکے اور تصوف سے تمہیں کوئی شغف اور حسن ظن نہیں علاوہ ازیں تمہارا دل اس قدر وسیع بھی نہیں کہ بدرمبہمی اور ربحی طور پر دیدہ دانستہ اس ادنیٰ بات کے درپے ہو جاؤ تو ہم نے یہ کیوں کہا کہ ان کے مسلک میں یہ بات ضروری ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تم اس کا سبب تحقیق کر لو گے۔

جب تم ان تمام تفصیلات کے باخبر ہو جاؤ گے جو اوپر گزر چکیں اور جن میں ہم نے بتایا ہے کہ سعادت کے حصول کے معنی یہ ہیں کہ تزکیہ نفس کے لئے نامناسب امور کو نفس سے محو کر دیا جائے اور کشف حقائق سے تکمیل نفس کے لئے مناسب امور کو نفس میں جاگزیں کیا جائے۔

اور اس بات کے حصول کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ انعامات الہی اور ملکوت السموات والاارض میں فطر و فکر سے کام لیا جائے تاکہ ان کے اسرار ظاہر ہو جائیں اور فقہ اس کی اسی طرح محتاج ہے جس طرح بدن اس کا دوست مگر ہے بدن کی بقا کا انحصار ضم ابدان یعنی علم طب اور ادیان یعنی فقہ پر ہے باعث یہ کہ آدمی کی خلقت کچھ ایسے نفع اور عنوان پر عمل میں آئی ہے کہ وہ وحشی جانوروں کی طرح تنہائی اور بیحدگی کی زندگی نہیں بسر کر سکتا اسے لازمی طور پر سوسائٹی میں رہنا پڑتا ہے ایک دوسرے کی امداد و اعانت کا وجہ محتاج ہے کھانے پینے اور پہننے اور دوسری ضروریات کے تہیہ میں وہ ایک دوسرے کا دست مگر ہے غرض چونکہ انسانوں کا اجتماع ناگزیر ہے اس لئے ان میں عدل و مساوات قائم کرنے اور آپس میں لین دین اور معاملہ کرنے کے لئے قانون کی بھی اشد ضرورت ہے ورنہ بنی آدم میں ہمیشہ تنازعہ اور جنگ و جدال برپا کر انھیں ہلاک کرتا رہے گا اور فقہ میں اسی قانون کا بیان ہوتا ہے۔ اور نکاح و طلاق، معاملات اور عقوق بات اس قانون کی تفصیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے رستہ میں ہادیہ پیا ہونے والوں کے لئے بدن کی حیثیت ایک ناقہ، اور توشہ دان وغیرہ کی ہے۔ جن کی ضرورت حج میں پڑتی ہے بدن کی مصلحتیں ناقہ اور توشہ دان کی طرح ہیں علم مصالح بدن کا کفیل ہے۔ جس طرح توشہ دان بنانے کے لئے سینا، وضع قطع کرنا، اور ڈھانی کے فنون کفیل ہیں، اس لئے جو تعلق ان چیزوں کو اس مقصد کے ساتھ ہے وہی رتبہ علم کو اپنے مقصد سے ہے۔ سلوک استعداد اور مقصد کے بارے میں ان لوگوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بالکل درست اور بے عیب ہے، ان کا قول ہے کہ اگر خدا کو دنیا کی آبادی منظور نہ ہوتی تو

پروے اٹھ جاتے، غفلت دور ہو کر تمام دنیا کی مخلوق اللہ کی جانب دیوانہ وار متوجہ ہو جاتی۔ اور لوگ ہر اس بات سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتے جو منزل مقصود سے بے تعلق کرنے والی ہے لیکن ہر کس بنیال خویش خطبے وارد اسی بے خبری کے ذریعہ سے کائنات کا قیام ہے ورنہ صنعتیں اور فنون سب راجھاں ہو جاتے۔ تم خود غور کرو کہ اگر درزی، حجام اور دوسرے کاریگروں کے دل سے ان فوائد کا اعتقاد جاتا رہے جو انھیں اپنے فنون کی جانب مائل کئے ہوئے ہے تو وہ فوراً ان سے دست بردار ہو جائیں اور ہر ایک شخص اعلیٰ درجہ کی صنعتوں کی جانب جھک پڑے۔ نتیجہ یہی کہ صنایع سے چیزیں تیار کروائی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہ غفلت اور بے خبری بھی اللہ تعالیٰ کی ایک لحاظ سے رحمت ہی ہے اور بعض حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان (اختلاف امتی رحمت) میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے، کو اسی بات پر محمول کیا ہے۔ یعنی امتیوں کی بہتوں اور رجحانات کا اختلاف باعث رحمت ہے۔ اگر خاک روپ کو معلوم ہو جائے کہ اس کا پیشہ بے سود اور لغو ہے تو وہ اسے آج ہی چھوڑ دے۔ پھر ملّا، خلفا، اور اولیا کو خود اپنی منجاست اٹھانی پڑے۔ یہی حال دباٹی، صداپی زراعت، اور تمام پیشوں کا ہے چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ کو علم فقہ علم نحو، علم مخارج حروف، اور طب کا لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہونا منظور نہ ہوتا تو یہ علوم بالکل بے کار اور معطل ہو جاتے اور نظام عالم درہم درہم ہو جاتا۔ جو شخص کسی علم یا صنعت میں تمام دوسرے خیالات کو چھوڑ کر مصروف ہو اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ اپنے رتبہ اور اپنے فوق کی نسبت کے مطابق اطلاع حاصل کرے۔ بلکہ اپنے سے نیچے والوں کے قدر اور نسبت کے موافق اسے معلومات ہونا چاہئیں علوم کے تمام مراتب سے مطلع ہونا تو صرف اسی شخص کی قسمت میں ہوتا ہے جو تمام علوم کا متکامل ہو یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی ہے اور حقائق اشیاء کا کما حقہ مشاہدہ کروادیا ہے۔ تو یہ جواب ہے ان کا اس کے بعد ہم تمہیں یہ رائے دیتے ہیں۔ کہ جس بات میں تم مصروف ہو، اسی پر اکتفا کرو یا ان لوگوں کے رستہ پر چل پڑو اور اس فن میں حق و صداقت کی شناخت کے لئے بحث و نظر سے کام لو۔

وظیفہ درہم، یہ ہے کہ جو کچھ وہ دیکھے اس سے اس کا مقصود دنیا میں اپنے نفس کا کمال اور فضیلت ہو اور آخرت میں تقرب الی اللہ ریاست و جاہ، مال و منال اور احمقوں کا فخر و مباہات اور علماء کی ریاکاری مطلوب نہ ہو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ وَيُمَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ دَخَلَ النَّارَ جو شخص بے وقوفوں پر فخر کرنے اور علماء کے

دعاؤں کے لئے ستم حاصل کرتا ہے دوزخ میں جائے گا اور گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل تک موم کے ذریعہ سے رسائی حاصل کرنے کے لئے ان کے مختلف مدارج و منازل ہوتے ہیں ان علوم کے ساتھ مضبوطی سے قائم رہنا ایسا ہی ہے جیسے جہاد کے رستہ میں تمہیلانی کے لئے پہرہ دار مقرر کرنا جب کوئی شخص ہر ایک علم کا مرتبہ پہچان لے اس کا حق ادا کرے اور اس سے صرف رضائے الہی مقصود رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر بھی ضائع نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے علم کے درجہ کے مطابق دنیا اور آخرت میں بلندی عطا فرماتا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ اللَّهُ يُمْسِكُ مَنَاسِكَتِ الْمَوْتُونَ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور فرمایا ہے۔ اور درجات عند اللہ ان کو اللہ کے نزدیک مدارج حاصل ہیں موفیوں کا مسلک جو ہم نے موم کے متعلق بیان کیا ہے اسی سے تمہارے دل میں علوم کے متعلق بد فہمی نہ پیدا ہوئی چاہیے کیونکہ ان کا مطلب اس سے حقارت علوم نہیں، بلکہ یہ تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ان کی حرمت اور عظمت کی نگہداشت کرے، انھوں نے علوم کے متعلق اولیاء اور انبیاء کے مرتبہ کی علوشان مد نظر رکھتے ہوئے گفتگو کی ہے بعینہ جس طرح تم اولیاء اور انبیاء کے مقابلہ پر سلاطین و وزراء کو کہتے سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہو، لیکن جب انہیں کے رتبے کو تم خاک کر دو گے اور ہجڑوں کے مرتبے سے قیاس کرو تو انہیں اس طرح ذلیل کہنا درست نہ ہوگا بلند ترین مرتبہ سے اترا آنے سے کسی چیز کی بالکل ہی قدرت و منزلت تو بر باد نہیں ہو جاتی چنانچہ سب سے اوپر کا درجہ انبیاء کا ہے پھر اولیاء کا پھر ملہاء کا اپنے اپنے مراتب کے تفاوت سے پھر نیک عمل کرنے والوں کا مختصر یہ کہ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ جو رائی برابر بھی نیکی کرے گا اس کا اجر پائے گا اور جو شخص قرب الہی کا علوم کے ذریعہ سے قصد کرے گا اسے اللہ تعالیٰ لامحالہ فائدہ دے گا اور رفعت قدر عطا فرمائے گا۔ یہ وظائف تو معلم کے لئے ہیں۔

رہا معلم تو اس کے لئے آٹھ باتیں قابل توجہ ہیں، سب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ انسان کے لئے علم کے لحاظ سے چار حالات ہیں جس طرح مال جمع کرنے کے اعتبار سے چار صورتیں ہیں، اول استفادہ کی حالت جس سے وہ اکتساب کرتا ہے، دوم وہ جو مال اس نے کمایا ہے اسے ذخیرہ کرتا ہے، اس سے دوسرے لوگوں سے سوال کرنے سے بے پرواہ ہو جاتا ہے، سوم اس مال کو اپنی جان پر خرچ کرنے کی صورت ہے اس میں انسان مال سے نفع اٹھاتا ہے یا چہارم کمائے ہوئے مال کو دوسرے لوگوں پر خرچ کرتا ہے، تو صاحب عزت اور بخشنی

کہلاتا ہے یہ چاروں صورتوں میں افضل سے یہی حال علم کا ہے صاحبِ علم کا ایک حال یہ ہے کہ وہ طالبِ علم ہے دوسرے وقت میں جب وہ تحصیلِ علم سے فارغ ہو چکا ہے تو دوسرے لوگوں کا دستِ مگر ہونے سے مستغنی ہے تیسری استبصار کی صورت ہے یعنی جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے اس میں تنظر کرتا ہے، چوتھی صورت جمہیر اور تعلیم کی ہے اور یہ سب صورتوں سے اشرف اور برتر ہے۔

جس شخص کا علم سے سابقہ پڑے پھر وہ خود بھی استفادہ کرے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے تو وہ سورج کی طرح ہے جو خود بھی روشن ہے اور دوسروں کو بھی منور بناتا ہے یا کستوری کی مثال ہے جو خود بھی خوشبودار ہے اور دوسروں کو بھی معطر کرتی ہے اور جو شخص دوسروں کو نفع پہنچائے لیکن خود فائدہ نہ اٹھائے وہ کتب خانہ کی مانند ہے کہ دوسرے اس سے متنتفع ہوتے ہیں لیکن اسے خود کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

وظیفہ اول یہ ہے کہ معلم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ معلم کو اپنے بیٹے کی مانند سمجھے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں تم پر ایسا ہی مہربان ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لئے ہوتا ہے اور معلم کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ استاد کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے کیونکہ باپ تو بیٹے کی حیاتِ فانی کا سبب ہے اور استاد اس کی حیاتِ ابدی کا منہ جب، چنانچہ جب سکندر نے کسی سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک آپ کے استاد کی عزت زیادہ ہے یا باپ کی، تو جواب دیا میرے استاد کی۔

جس طرح ایک باپ کے بیٹوں کا فرض ہے کہ آپس میں محبت اور پیار سے رہیں اور بغض و عناد نہ رکھیں اسی طرح ایک استاد کے بیٹوں کا حق ہے کہ اس سے شاگرد بغض و عناد نہ رکھے۔ اور محبت سے پیش آئے بلکہ ہم تو کہیں گے کہ سب دینی بھائیوں کا یہی حق ہے علماء سب، خدا کی جانب جانے والے مسافر ہیں، اور اس کے رستہ کے سالک اور مسافروں کو جو ایک ہی رستہ پر چل رہے ہیں آپس میں گہرا پیار اور مودت رکھنی چاہیے چنانچہ علمی برادری کو پیدا کئی اخوتِ پر فوقیت حاصل ہے۔

آپس میں تباغض و تحاسد اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انھیں علم سے مال و جاہ کا حصول مقصود ہو جب یہ حالت ہو تو خدا کے رستہ پر چلنے کی منزل سے نکل جاتے ہیں اور ارشادِ الہی کے دائرہ انما المؤمنون اخوة (مسلمان سب بھائی بھائی ہیں) سے خارج ہو کر اور خدا کے اس قول کے اندر داخل ہو جاتے ہیں کہ الاخلاء یومنفذ بعضہم ببعض

عدو الا ملئکین قیامت کے روز دنیا کی دو ہستیاں ختم ہو جائیں گی اور سوائے مقتدیوں کے سب ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔

وظیفہ دوم، یہ ہے کہ شارعِ حق یہی اسلام کی اقتداء سے سرمہ پا رہنا ہو اور نہ ہی تعلیم دینے کا کوئی اجر اور معاوضہ طلب کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ لَا اسئلكم علیہ اجرًا اے رسول! کہہ دو کہ میں تعلیمِ شریعت کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا چنانچہ جو شخص علم سے ذریعہ سے مال و دولت اور اغراضِ دنیا طلب کرتا ہے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے ہاتھوں کی میل پکیل کو اپنے چہرے اور ڈانسی سے مل کر ہاتھوں و صاف کر لیا اس نے مخدوم کو خادم بنادیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لباس اور غذا انہیں بدن کی خدمت گزار پیدا کی ہیں، اور بدن و نفس کا خادم اور مرکب بنایا ہے اور نفس کو علم کا چاکر مقرر کیا ہے علم مخدوم ہے خادم نہیں۔ اور مال خادم ہے مخدوم نہیں۔

اس حقیقت سے عکس کے معنی ہی گمراہی ہیں۔

تغیب ہے کہ حالتِ یہاں تک پہنچ چکی ہے زمانہ اس قدر چلنا کھا چکا ہے اور زمینِ علمائے دین سے اس طرح خالی ہو چکی ہے کہ معلم اب معلم کی تقلید میں تعلیم حاصل کرتا ہے تو احسان جتنا ہے اس کے بالتقابلِ بینہ تھا ہے اور اپنے استفادے سے دنیوی اغراض کا لالچ مد نظر رکھتا ہے، یہ ذلت و پستی کی انتہاء ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ معلمین ریاست و محل کی آرزو میں کثرتِ معلمین کے متعلق ہوتے ہیں ایک تو علم انہیں کم ہوتا ہے دوسرے ذاتی طور پر انہیں اپنے کمال سے کوئی ذوق نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ طالبِ علم بھی ان سے یہی چیز حاصل کرتے ہیں۔

تیسری اہم اور غور طلب بات یہ ہے کہ طالبِ علم کو نصیحت کرنے کے وقت ذلیل و نوار نہ کرے اسے بد اخلاقیوں سے روکنے کے لئے یا اپنے استحقاق سے مافوق رتبہ کے شوق اور اپنی طاقت سے بڑھ کر محنت کرنے سے باز رکھنے کے لئے یا غایتِ علوم سے آگاہی دینے کے لئے تصریح سے کام نہ لے اگر استاد دیکھے کہ کوئی شاگرد صرف طلبِ جاہ و مال اور فخر و مباہات کے لئے تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ تو اسے تعلیم حاصل کرنے سے روکے نہیں تاکہ اس کا علم سیکھنے میں مشغول ہو نا اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے اعراض کرے کیونکہ ممکن ہے کہ جب وہ علم کا اکتساب کرے تو حقیقتِ نفسِ الامری سے آگاہ ہو جائے اور جان لے کہ اغراضِ دنیوی کے لئے علم حاصل کرنے والا زیاں کار ہے علمائے کرام نے اس مفہوم کو اپنے قول و فعل سے واضح

کیا ہے کہ ہم نے جب غیر اللہ کے لئے علم سیکھا تو ہم نے ماسوا اللہ کے لئے ہونے سے انکار کر دیا۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو اللہ کے لئے علم حاصل کرنے کی رغبت نہ ہو تو چاہیے کہ انھیں علم کی کسی ایسی نوع کی طرف دعوت دیں جس سے جاہ و مال حاصل ہو پھر انھیں طبع ریاست کے ذریعہ سے وہ علم سکھائیں یہاں تک کہ علم حاصل ہونے کے بعد بتدریج وہ حق کی طرف آجائیں اسی لئے علم مناظرہ اور علم فقہ کا ترک کرنا مناسب ہے کیونکہ یہ علوم ہمیشہ ابتداء میں طلب مباحثات کے باعث ہیں اور انجام کار فسادِ نیت سے خبردار کر دیتے ہیں اور انسان کو منہاجِ توہیم کی طرف لے آتے ہیں اس مفہوم کے بعینہ مطابق ہے ہماری وہ مثال جس میں ہم نے کہا تھا کہ بچے کو ریاست جاہ و مال کے لالچ دلا کر تعلیم کی جانب مائل کیا جائے ہم اسے چوگان کھیلنے پرندے خریدنے اور بولبول کے اسباب کا طمع دلاتے ہیں اور بعض اوقات ہم اسے ان باتوں میں مطلق مصروف کر دیتے ہیں تا کہ اس کے دل میں تعلیم حاصل کرنے کے داعیے پیدا ہوں اس سے ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ آخر کار وہ ہماری مرضی اور منشا کی طرف بتدریج آجائے۔

اللہ تعالیٰ نے علم سیکھنے کے ارادے کو شریعت اور علم کا نگہبان بنا دیا ہے طبع ریاست اور نیک نامی کے ساتھ متعلمین کے دلوں میں علم کی آگ بھڑکانا ایسا ہی ہے جیسے قتل کو خوب پھیلانے کے لئے باغ بان رسیاں اور گٹر پیاں قریب قریب گاڑتے ہیں، یا جیسے خدا اور نکاح کی خواہش۔

ان دونوں کو خدا نے اس لئے خلقت کیا ہے کہ ان سے داعیہ پیدا ہو جس سے شخصیت اور نوع انسانی کی بقا ہے اور اگر علم مناظرہ کے بارے میں یہ مصلحت پیش نظر نہ ہوتی تو اس کی کسی صورت میں اجازت نہ دی جاتی کیونکہ اس کے ذریعہ سے کبھی تبدیلی مذاہب اور ترک معقولات کی لذت نہیں آتی۔

چوتھی اہم بات یہ ہے کہ جن باتوں سے شاگرد کو روکنا واجب ہے ان سے اسے تعریض کے ساتھ باز رکھنے کی کوشش کرے۔ تصریح کا استعمال نامناسب ہوگا کیونکہ تعریض یعنی اشارے کنائے سے کام لینا زجر و توقیع میں مفید ہوتا ہے۔ اور تصریح یعنی صاف صاف تنبیہ کرنے سے منع کی ہوئی بات کی دل میں اور خواہش پیدا ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لو نهی الناس عن فتن البعر لغتوه وقالوا ما نهينا عنه الا وحيه سىء

اگر لوگوں کو شکوک بکھیرنے سے منع کیا جائے تو وہ اسے ضرور بکھیریں گے اور کہیں گے اس کے اندر کچھ نہ کچھ ہے تو ہمیں اس بات سے باز رکھا گیا ہے آدم و حوا کا قصہ اس حقیقت کی بین مثال ہے بعض اوقات تعریض تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نفوس فاضلہ استنباط غیر معروف باتوں کی کن معلوم کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ وہ تعریض کے معنی معلوم کرنے کے لئے نہایت محبت سے مکمل ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ تعریض استاد کے لحاظ اور رعب کا پردہ بھی چاک نہیں کرتی حالانکہ تصریح کامل طور پر اس کی وجہیاں بکھیر دیتی ہے اور شاگرد اس مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا کرتی ہے۔

وظیفہ پنجم، یہ ہے کہ استاد کو چاہیے کہ علاوہ اس علم کے جو وہ اپنے تلامذہ کو پڑھار رہا ہے دوسرے علوم کی انھیں نفرت نہ دلوائے جیسے معلمین لغت کا قاعدہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے فقہ کی برائی بیان کر کے ان کو اس سے روکتے ہیں اور فقہاء کی عادت ہے کہ علوم عقلیہ کی ہنسی اڑا کر شاگردوں کو ان کے قریب پھٹکنے سے منع کرتے ہیں بلکہ چاہیے کہ طالب علم کے دل میں اوپر کے علم کی قدر و منزلت بٹھائے تاکہ وہ موجودہ علم میں تکمیل کا درجہ حاصل کر کے اس میں مشغول ہو جائے اور اگر استاد وہ علم پڑھا سکتا ہے تو جب شاگرد ایک علم سے فارغ ہو تو دوسرے علم کی حصول کی طرف ترقی کر لے، اور اسی طرح بتدریج اوپر چڑھتا جائے۔

وظیفہ ششم، یہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے وہی چیز پیش کرے جو ان کے افہام و ادراک کے حسب حال ہے چھوٹے ہی انھیں تاہر تو ٹریک وقت جلی سے دقیق کی طرف اور ظاہر سے خفی کی سمت نہ لے جائے بلکہ کافہ نام کے معلم اور مرشد کائنات رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے ان کی استعداد کے مطابق انھیں ترقی دے فرمایا۔ انا معشر الانبیاء امرنا ان ننزل الناس منازلہم ولکلم الناس بقدر عقولہم ہم معشر انبیاء کو حکم ہے کہ لوگوں کے مقام کے مطابق نیچے اتریں اور ان کی عقل کے مطابق گفتگو کریں۔

اور فرمایا احد یحدث قوماً حدیثاً لا یبلغہ عقولہم الا کان ذالک فتنة علی بعض جب کوئی شخص لوگوں کے سامنے کوئی ایسی بات کہتا ہے جس کی بلندی کو ان کی عقلیں نہیں پہنچ سکتیں تو وہ بات ضرور ان میں سے بعض کے لئے باعث فتنہ ہو جاتی ہیں۔

علی کا قول ہے دنیا میں علوم کی ایک کثیر تعداد ہے کاش ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا موقع ملتا۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا۔ کلموا الناس بما یعرفون



وَدَعُوا مَا يَصْنَعُونَ اَتْرِيدُونَ اَنْ يَكْذِبَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ ۔ لوگوں سے وہ باتیں کہو جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں، اور ان باتوں کو چھوڑ دو جن کا وہ انکار کر دیں گے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو جھٹلائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد کیا۔ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فَيُهِمُّ خَيْرًا لَا سَمْعَ اَكْرَمَ اللّٰهَ اَنْ كُنتُمْ عَلٰمًا نَّافِعًا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلْجَبًا بِلُجَامِ النَّارِ جس شخص نے کوئی نفع بخش علم چھپایا تو وہ قیامت کے دن آگ کی لگام منہ میں لٹکے گا تحقیق نے کہا لگام کو پھینک اور یہاں سے چلا جا اگر کوئی سمجھدار شخص آیا اور میں نے اس سے علم چھپایا تو وہ مجھے لگام دے لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وَلَا تَتَّبِعُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ اٰيَةً مَّا لَمْ يَكُنْ دُفْرًا کَرَّاسٍ بات کی تنبیہ کی ہے کہ علم کی حفاظت کرنا اور اسے روک رکھنا اس شخص سے جو اسے خراب کر دے، دلی ہے اور فہان اُنْسْتَم مِنْهُمْ رَشْدًا فَادْفَعُوا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ بَعْرَجَبَانِ كُصَابِ تَمِيزُ مَعْلُومٌ كَرُوْا اَنْ كَالِ اَنْ كُوْدِيْوْ ارشاد کر کے یہ حقیقت واضح کر دی کہ جو شخص علم میں صاحب تمیز ہو جائے تو چاہیے کہ اس کے سامنے حقائق علوم کھول دے ظاہر اور باطنی سے باطن کے دقیق اور ظنی مسائل کی طرف لے چلے چنانچہ مستحق سے کسی چیز کو روک رکھنا غیر مستحق کو وہ چیز دیدینے سے کم ظلم نہیں مستحقین میں سے کسی شاعر کا قول ہے

فَمَنْ مَسَخَ الْجَهَالُ عِلْمًا اَضَاعَهُ وَمَنْ مَنَعَ الْمُسْتَحِقِّينَ فَقَدْ ظَلَمَ  
جو شخص جاہلوں کو علم سکھاتا ہے اسے ضائع کرتا ہے اور جو مستحقین سے اسے روکتا ہے وہ بھی ظلم کرتا ہے۔

حقائق علوم کو مستحق لوگوں سے چھپا رکھنا بھی بہت بری بات ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَ اِذَا خَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِيْنَ اَوْتُوْا الْكِتَابَ لَتَقْبِلْنَهَا لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَ جَبَّ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ وہ تعلیم حق کا اعلان کریں گے اور لوگوں سے نہ چھپائیں گے۔

و غیفہ ہلتم یہ ہے کہ کد فہن اور غنی طابعام سے ایسی گفتگو کرے جو اس کے فہم کو حوصلہ مند کرے اس سے یہ بھی نہ کہے کہ جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ تحقیق اور تدقیق کے لحاظ سے تمہاری پہنچ سے بالاتر ہے اس کے چبھے نہ پڑو کہ اس سے اس کی رائے میں خرابی واقع ہوگی اور

جو کچھ اسے بتایا جائے گا اور علم سے جو کچھ اسے دیا جائے گا وہ اسے قبول کرنے سے نا قابل ہو جائے گا بخلاف اس کے استاد کو چاہیے کہ اس کے دل و دماغ میں یہ بات ڈال دے کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا یہی اصل مقصود ہے پھر جب وہ اس پر مستقل طور پر قائم ہو جائے تو اسے بتدریج دوسری باتوں کی طرف ترقی کرائے اس سے یہ بات بھی جاننے کے قابل ہے کہ عوام میں سے جو شخص قید شرع کے اندر اپنے تئیں بند کرے اور ظاہری طور پر اعتقادات رکھے اور اس کی سیرت کے لحاظ سے اس کا حال پسندیدہ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس کے اعتقاد کو متزلزل اور شوش کرے اور ظواہر کی تاویلات پیش کرے کیونکہ اس سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ آہستہ آہستہ شریعت کی قید سے وہ بے پرواہ ہو جائے گا پھر خواص کی تحقیق کے اندر وہ مقید نہ ہو سکے گا انجام یہ ہو گا کہ اس کے اور برائیوں کے درمیان جو دیوار حائل ہے اٹھ جائے گی اور وہ شیطان اور شریر ہو جائیگا بلکہ چاہیے کہ عبادات ظاہری کے علم اور اس صناعت میں دیانت داری سے کام لینے کی طرف (جس کے وہ قریب ہے) اس کی رہنمائی کرے اور اس کے دل کو ترغیب و ترہیب سے لہریز کر دے اس کے لئے طریقہ وہ استعمال کرے جو قرآن نے کیا ہے اور شاگرد کے دل میں شبہات نہ پیدا ہونے دے لیکن اگر شک و شبہ سر اٹھالے اور اس کا دل ان کے حل کرنے کے شوق میں گرفتار ہو جائے تو اس کے شبہات کا ازالہ اس طرح کرے جس طرح ایک عامی کو سمجھایا جاتا ہے اگر اس سے کام نہ چلے تو دلائل کے خالق کے ذریعہ سے عمل پیرا ہو۔ یہ بھی نامناسب ہو گا کہ اس کے سامنے باب بحث و مطلب کھول دے کہ اس سے اس کی کارگیری اور صنعت کو نقصان پہنچے گا جو صغیر زمین کی رخیمن کے باعث اور خلقت کے نفع کی موجب ہے پھر درک علوم سے بھی وہ قاصر رہیگا۔

اگر استاد اپنے شاگرد کو ذی الطبع اور ذہین پائے اور حقائق عقلیہ کے قبول کرنے کے لئے مستعد دیکھے۔ تو اسے اجازت ہے کہ تعلیم میں اس کی امداد اور حل شبہات میں اس کی امانت کرے اسم سابقہ میں سے کسی کے متعلق حکایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مدت تک حعلم کے اخلاق کی خبر گیری کرتے تھے۔ پھر اگر کوئی اس میں مجیب بات پاتے تو اسے تعلیم دینے سے انکار کر دیتے اور کہتے کہ علم کے ذریعہ سے وہ اپنے برے اخلاق کے تقاضے کے مطابق امداد حاصل کرے گا اور علم اس کے حق میں آل شرارت بن جائیگا اور اگر اسے مہذب اخلاق کا پاتے تو اسے مدرسے میں بند کر دیتے اسے پڑھاتے سکھاتے اور درجہ تکمیل حاصل کرنے سے پہلے اسے نہ چھوڑتے وہ ڈرتے کہ اگر صرف چند علوم پر اس نے اکتفا کر لیا تو اس کی تعلیم کمال حاصل

نہ کر گئی اس کا دل خراب ہو جائیگا اور اس کے ساتھ اس کا اپنا دین اور دوسروں کا دین برباد ہو جائیگا اس کے متعلق کہا گیا ہے نیم ملاحظہ ایمان، نیم حکیم خطرہ جان، نیم مولوی دین میں فساد کرتا ہے اور نیم حکیم زندگی کو برباد کر دیتا ہے۔

وخلیفہ ہشتم معلم کے لئے ضروری ہے کہ علم عملی یعنی شریعات پر خود کار بند ہو، تاکہ اس کے قول کی تکذیب اس کا فعل نہ کرے۔ ورنہ لوگ اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے سے نفرت کر جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ عمل بصارت کو نظر آتا ہے اور علم سے صرف بصیرت واقف ہوتی ہے اور بصارت ظاہری کے مالک اصحاب بصیرت سے زیادہ ہیں اس لئے یہ لازمی بات ہے کہ تذکیر اعمال کی طرف اس کی توجہ پہ نسبت خوبی علم اور اس کے توسیع سے زیادہ ہو چنانچہ جو طیب خود تو ایک چیز کھائے اور لوگوں کو اس سے روکے اور کہے اسے مت کھانا یہ ذہر ہے یہ ذہر ہے تو اس کی یہ بات مذاق اور حماقت سمجھی جائیگی اور لوگ اس شے کو سب سے زیادہ نفع بخش تصور کر چکے ہیں وہ شخص ہے جو لوگوں کو کسی چیز سے باز رکھنا چاہتا ہے لیکن الٹا اسے اور مرغوب اور مطبوع بنا دیتا ہے نصیحت سننے والا شخص واعظ سے وہی حیثیت رکھتا ہے جب کسی چیز میں نفس ہی نہیں تو جسے نفسی خبیثہ حاصل کر گئی اور سایہ کیسا سیدھا ہوگا جبکہ لکڑی میز می ہے اس کے متعلق شاعر نے کہا ہے۔

لا تسنه عن خلق و تأتئی مثله عار علیک اذا فعلت عظیم

جو کام تم خود کرتے ہو اس سے لوگوں کو منع نہ کرو جب تم خود کرو گے تو زیادہ شرم کا مقام ہوگا اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے انامرون الناس بالسبر و تنسون انفسکم کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی ذات کو بھلا دیتے ہو اسی لئے کہا گیا ہے کہ عالم کے گناہوں کا بوجھ پھر عالم کے بوجھ سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ بوجھ پر بوجھ اٹھاتا ہے جیسے سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے من سن سنة سینه فعلیه و زر علو و زر من عمل بھا الی یوم القیامۃ جو شخص کوئی برا طریقہ رائج کرے گا تو اس کا وبال اس پر ہے اور وبال ہر اس شخص کا جو اس پر عمل کرے قیامت تک تو ہر ایک گنہگار کے لئے ہر ایک معصیت میں ایک بات قابل توجہ ہے یعنی ترک معصیت اور ترک اظہار تاکہ لوگ اس کے اتباع میں ہلاک نہ ہوں چنانچہ جب اس نے اس گناہ کا اظہار کیا تو اس نے دوفرانض سے اعتراف کیا اور اگر اس نے اٹھا سے کام لیا تو ایک واجب امر کے ترک کا ارتکاب کیا چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا قصم ظہری رجالن جاہل مستنسک و عالم متہتک فالجاہل بغیر الناس بنسکہ و العالم یغرمہم بمتہتک و

شخصوں نے میری کمر توڑ دی جاہل پرستار اور عالم بے باک نے کہ جاہل لوگوں کو اپنی پرستاری سے فریب میں ڈالتا ہے اور عالم اپنی بے باکی سے ان کا ایمان چھینتا ہے۔

## فصل

### مال حاصل کرنا اور اس کے اکتساب کے ضروری امور

معلوم رہے کہ جب دنیا تمام خرابیوں کی جز اور دنیا و آخرت کی کھیتی ہے تو اس میں بھلائی ہے نفع بخش اور زہر ہے ہلاکت، انگلیں، دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ عرق نکالنے والا اس میں سے تریاق نکالتا ہے اور ناواقف پکڑتا ہے تو بے خبری میں اس کے زہر سے ہلاک ہو جاتا ہے کہتے ہیں مال اوسط درجے کی نیکیوں میں سے ہے کہ ایک لحاظ سے وہ فائدہ مند ہے اور ایک اعتبار سے مصرت رساں اس لئے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اس کے سود مند حصے پر اکتفا کیا جائے اور اس کے ہلاکت آفریں حصے سے احتراز اصل بات یہ معلوم کرنا ہے کہ مقاصد کے لحاظ سے مال کا کیا مرتبہ ہے تمام ملوک، بزرگ، اشراف کا علم ہے اس لئے ہم کہتے ہیں سعادت اخروی کے طالب اور محتاشی کے لئے چند اہم اور ضروری باتیں ہیں جو اسے مال کے طامع میں آمد و خرچ اور استعمال کی مقدار واجب کے اعتبار سے مد نظر رکھنی چاہئیں۔

پہلی بات مال کے مراتب کی پہچان ہے اوپر گزر چکا ہے کہ فرائضی زر کے لحاظ سے تین مرغوب صورتیں ہیں پہلے نفسی پھر بدنی پھر خارجی خارجی سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے ہر قسم کا مال خارجی قسم میں داخل ہے اور اس کی ادنیٰ صورت درہم و دینار اور روپے پیسے ہیں کہ یہ دونوں خادم ہیں اور ان کا خادم کوئی نہیں کیونکہ نفس فضا کی نفسیہ کے لئے مہم کا خدمت گزار ہے اور بدن نفس کا نوکر ہے اور اس کے ہتھیار کا کام ہے اور غذا و لباس کی چیزیں بدن کی چاکر ہیں اوپر گزر چکا ہے کہ غذا کی چیزوں سے مقصود بدن کی بقا ہے اور بدن سے مقصود تکمیل نفس تو جس نے اس ترحیب کو معلوم کر لیا اور اس کی رعایت ملحوظ رکھی اس نے مال کی قدر و منزلت اور اس کے مرتبہ کی وجہ معلوم کر لی اور مال کے شرف و مجد کی لحاظ اس امر کے کہ وہ کمال نفس کے لئے ضروری ہے پہچان حاصل کر لی۔

جو شخص کسی چیز کی غرض و نفعیت سے واقف ہو جائے اور اس مقصد کے لئے اسے

استعمال میں لائے تو وہ شاید کامرانی سے ہم کنار ہو جاتا ہے اس وقت اسے چاہیے کہ صرف اسی قدر طلب کرے جس قدر اس کے مقاصد کے حصول میں امداد و اعانت کے لئے مفید ہو اس مثال سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مال کی مذمت کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کہ

فَرَمَايَا اَمْوَالُكُمْ اَوْلَادَكُمْ فَقَدْ تَهْتَبُوهُنَّ اَمْوَالَ اَوْلَادِكُمْ هَؤُلَاءِ يَنْفِقُونَهَا فِي سُبُلِ الْغِيَةِ فَمِنْهُمْ مَنِ انْفَقَ بِلَهْوٍ مُّغْيًى وَسَفِهَةٍ مِّنْ عِلْمٍ يُّسِرُّهُنَّ اَلَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهِمْ وَنَجْسِهِمْ لَطِيفٌ غَاثٌ ۚ اُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاكِبُونَ ۗ

باموالی و بنین اللہ تمہیں مال اور بیٹوں کے ذریعہ سے امداد دیتا ہے اس لئے مال اس لحاظ سے کہ وہ وسیلہ آخرت ہے پسندیدہ ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ آخرت سے روگردان کر دیتا ہے مذموم ہے اس لئے سرور عالم ﷺ نے فرمایا نِعِمَّ الْمَالُ الصَّالِحُ سَبَّحَ مِنْهُ اَصْحَابُ مَالٍ وَہ ہے جو اعمال صالح میں امداد کرے اور قرآن میں ہے لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَاولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ مسلمانو! تم اپنے مال اور بچوں کی محبت میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جائیے اور جو ایسا کریں گے وہی خاسر و ناکام ہوئے گئے بھلا نامراد و خاسر کیوں نہ ہو وہ شخص جو اپنے سواری کے جانور کے لئے جو خریدا ہے پھر جانور کو بھول جاتا ہے اور جو کسی صفائی اور اسے ماپنے اور اس کے گرد و پاؤں تعمیر کرنے میں مصروف و مشغول ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جانور بھوک کے مارے ہلاک ہو جاتے ہیں یہی مثال ہے اس شخص کی جس کی دنیا اس کی آخرت کو پرے پیچینگ دے اور یہی سب سے بڑا گناہ ہے بلکہ یہ مثال ہے تمام لوگوں کی دنیا کی شغلیگی اور اس کی لذات پر جھکے پڑنے کی جیسے ایک کشتی میں دو شخص سوار ہوں اور وہ کسی مشہور شہر کی طرف روانہ ہوں جہاں کسی اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کی توقع ہو لیکن کشتی انہیں لیکر کسی ایسے جزیرے کے ساحل سے جاگے جہاں حبشیوں کی آبادی ہو وہ انہیں کہیں کہ نہانے دھونے کے لئے کشتی سے نکل آؤ اور ایسا نہ ہو کہ جزیرے کے وحشی تمہیں نقصان پہنچائیں پھر وہ انہیں خوبصورت تجمر اور دلربا چیزیں دکھائیں وہ مسافران پر فریفتہ ہو کر ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور کشتی سے دور ہو جائیں سفر اور مقصد کو بھول جائیں اور کمیل کود اور لبو لعب میں مصروف ہو جائیں یہاں تک کہ کشتی سمندر کی لہروں میں بہ جائے اور رات کی تاریکی اپنی سیاہی روئے عالم پر پھیلا دے پھر حبشی ان پر پل پڑیں انہیں زد کو ب کریں اور مارے طمانچوں کے منہ لال کر دیں اس وقت انہیں وہ خوب صورت تجمر وغیرہ کوئی فائدہ نہیں ان میں سے ایک چلائے یا البیتنسہ گفت تراہا اے کاش میں مٹی ہوتا اور دوسرا در کہے مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيہِ هَلْكَ

عسفی سلطانیہ مجھے مال نے کوئی فائدہ نہ دیا میں برباد ہو گیا وہ پکاریں واحسرتاہم نے کیوں اللہ کے رستہ سے علیحدگی اختیار کی سوائے ابدی حسرت ودامت کے انھیں کوئی چارہ نہ ہو دردوں اور سانپوں کا پڑوس ہو اور ذلت ورسوائی اور عذاب ومصیبت ان کا حصہ جو لوگ متاع دنیوی کے فریب خوردہ ہیں ان کی عینہ یہی مثال ہے اسی خطرہ عظیم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی پناہ مانگی تھی اور کہا تھا اجنبسفی وبنی ان نعبد الاصلنام مجھے اور میری اولاد کو صنم پرستی سے دور رکھو ان کی مراوتہوں سے یہی زرو جو اہر اور چاندی سونا تھی کیونکہ نبوت کا رتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ پتھروں کو خدا سمجھنے لگے ۔

اس کے متعلق حضرت علیؑ نے فرمایا اے سرخ و سفید حسن میرے علاوہ کسی اور کو جا کر فریب دے اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی درہم و دینار اور سم و زر کے متلاشیوں کو پتھروں کے پجاریوں سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا بندگان دینار کے لئے ہلاکت ہے۔

دوسری اہم بات آمد و خرچ کی صورتوں کے متعلق یہ ہے کہ آمدنی یا تو کمانے سے ہوتی ہے یا اتقاق حسد اور خوبی قسمت سے یعنی در شائیں مال و دولت مل گیا یا کوئی خزانہ گڑا و با پایا یا کسی سے بن مانگے کچھ بطور عطیہ مل گیا کمائی کی صورتیں سب لوگ جانتے ہیں غرض اگر مال ایسے طریقے سے ہوتا ہو تو شرعاً مذموم ہے تو چاہیے کہ اسے حاصل نہ کرے کمائی کی صورت وہی اچھی ہے جو شریعت کے مطابق ہو اور حلال و طیب طریقہ شریعت نے سب بتا دیئے ہیں چنانچہ اگر حلال و طیب مال ملے تو لے لے لیکن اگر حرام ہو تو اس سے اجتناب کرے اگر بے رنج و تعب حلال مطلق مال کے حصول کی طاقت ہو تو مشکوک مال کو جس کے متعلق خیال غالب اس کے حلال ہونے کا ہو چھوڑ دے کیونکہ جو جانور چر اگاہ کے گرد چرے اندیشہ ہے کہ کسی وقت اس میں تمس جائے اور اگر حلال مطلق روزی بہت طویل تکلیف و مصیبت اور وقت و محنت خرچ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہو تو دو صورتیں ہیں اگر محنت و مشقت سے کما کر کھانے والا عام اعتقاد کا آدمی ہے اور عزم مصمم رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ طلب حلال میں مشغول ہو اگر اس میں اسے رنج و محنت اٹھانا پڑ گئی تو یہ بھی دوسری تمام عبادتوں کی طرح عبادت ہے کہ اگر تم اصحاب قلم اور ادب اب علوم سے ہو اور حلال مطلق کی تلاش اور کمائی میں وقت خرچ کرنے سے تمہارے شغل علم و عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے تو جو چیز بھی آسانی سے میسر ہو اس میں سے بقدر حاجت لے لو کیونکہ جو چیز محض مضر ہے وہ اس مضر شخص شے کے مقابلہ پر مباح ہو جاتی ہے جو اس سے زیادہ خراب ہے مثلاً جس شخص کے حلق میں لقمہ ایک جائے تو اسے جائز ہے کہ جان

بچانے کے لئے شراب کا گھونٹ پلنے یا در کھولم اور عمل کے برابر کوئی شے نہیں ہر ایک اس کا خادم ہے تو جس طرح کسی غیر شخص کے مال کا نقصان کر لینا جان بچانے کی غرض سے جائز ہے بلکہ خنزیر کا گوشت کھانا بھی حلال ہے اسی طرح مشتبہ موقع پر حقیقت معلوم کرنے کی رغبت میں سستی کر لینا جائز ہے ایسے موقع پر جاہل شخص کسی ایسی چیز کے حاصل کرنے کی طرف بہایت رغبت سے متوجہ ہوتا ہے جسے عالم خود تو لیتا ہے اور جاہل کو روکتا ہے کیونکہ جاہل شخص ان دونوں باتوں کے درمیان کے باریک فرق کا ادراک نہیں کر سکتا، اور عالم کو چاہیے کہ اس بات میں نرمی سے کام لے تاکہ شیطان کے بند نہ کھل جائیں۔

تیسری ضروری بات مقدار کا خیال رکھنا ہے جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ مال حاصل کرنا ناگزیر ہے تو اس کو حاجت مذکور کے مطابق ہونا چاہیے لباس مکان اور غذا کے بغیر چارہ نہیں اور ان تینوں کے لحاظ سے تین مراتب ہیں ادنیٰ، اوسط، اور اعلیٰ مکان کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اتنی جگہ ہو جہاں انسان لیٹ سکے، یا مسہد ہو، یا کوئی وقف شدہ عمارت ہو اوسط درجہ مکان کا یہ ہے کہ اپنی ملکیت کی جگہ ہو کوئی شخص مزاحم نہ ہو اور تم تنہائی اختیار کر سکو اور وہ جگہ تمہاری زندگی بھر تمہارے پاس رہے یہ حسن بنا اور کثرت آسائش کے لحاظ سے کترین درجہ ہے اور یہ کفایت کی حد ہے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک گھر ہو کھلا، وسیع خوبصورت اور بہت ہی آرام دہ۔ اور اس میں قسم قسم کی آسائشیں ہوں جن کا کوئی شمار نہیں جیسے تم دنیا داروں کے ہاں دیکھتے ہو یہ سب اوپر کا درجہ ہے درجہ اول ضرورت کے مطابق ہے کہ مسکن سے مقصود اتنی جگہ ہے جس میں انسان لیٹ سکے اس کے گرد دیوار ہو، جو درندوں کے گزرنے سے محفوظ رکھے اور اس پر چھت ہو جو تمازت آفتاب اور بارش اولوں سے بچائے لیکن اس پر صرف متوکل لوگ ہی قناعت کر سکتے ہیں اوسط درجہ مقدار کافی کی حد ہے اور اس کے اوپر جو کچھ ہے دین سے خارج ہے اور دنیا داری میں شامل اس قسم کے مکان میں بیٹھنا بشرطیکہ اس کی خوبیوں کی طرف توجہ نہ جائے اور اس کی آسائشوں اور دلفریبیوں میں سرور و فخر نہ ہو مباح ہے، رہا اس کی تزئین میں وقت صرف کرنا تو یہ عوام کے لئے جائز ہے فقہاء نے عوام کی جہالت تصور فہم اور ممنوع بات سے نہ رکنے کی عادت کو دیکھتے ہوئے اس کی ضرورت تجویز کی ہے لیکن طریقہ تصوف میں یہ حرام ہے تصوف سے ہماری مراد ہے اللہ کے قرب کی منزل کی طرف کام فرما ہونے عبادات ہے اور اس میں جھگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے کہتے ہیں کہ صوفیہ کی مباحات فرائض ہیں اور اب کے فرائض مباحات یعنی مباح چیزیں سے بقدر ضرورت ہی لیتے ہیں اور فرائض پر اتنی طرح مواظبت کرتے ہیں جس طرح وہ ان مباحات پر مواظبت کرتے ہیں تو وہ ان کے

نزدیک بلحاظ مواعلت کے مباحات ہی ہوتے ہیں اب غذا کا معاملہ آیا یہ بنیادی بات ہے کیونکہ معدہ نیکیوں اور بدیوں کا سرچشمہ ہے اس کے لئے بھی تین ہی مراتب ہیں اولیٰ درجہ بقدر حاجت مقدار ہے یعنی جو زندگی کو باقی رکھے اور بدن اور قوت کو قائم اس کا کم کرنا بھی عادت کے ساتھ ممکن ہے بعض اوقات غذا کو آہستہ آہستہ کم کرتے جانے سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دس بیس روز تک اس کے بغیر گزار کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے بعض زاہدوں نے مقدار غذا کو یہاں تک کم کر دیا تھا کہ روزانہ ایک چنے پران کا گزارہ تھا بعض نے بیس بیس دن تک کچھ نہ کھایا بعض کے متعلق چالیس دن مشہور ہیں اور یہ بہت بلند درجہ ہے کوئی شخص اس سے بھی کم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن اگر اس بات کی قدرت نہ ہو تو درجہ اوسط ہی مناسب ہے اور وہ تیسرا حصہ شکم ہے بہر حال جس مقدار کی شریعت نے حد مقرر کر دی ہے اس سے زیادہ کرنا ہرگز مناسب نہیں اور اس سے زیادہ شکم بیری ہے پھر نوع غذا کے لحاظ سے بھی انسان اوسط درجہ اختیار کرے جس طرح اس کی مقدار میں اس نے کیا تھا وہ شخص کیا ہی خوش قسمت اور سعادت مند ہے جو ہر لحاظ سے غذا میں کفایت کے درجہ کو اپنا مسلک قرار دیتا ہے لیکن قدر کفایت کی تجدید بلحاظ وقت مختلف ہوتی ہے چنانچہ بسا اوقات انسان ایک دن کے کھانے کے لئے بے فکر ہوتا ہے تو دوسرے روز کے لئے دلگیر و یونہی اس کی حرص بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دل میں یہ خیال جاگزین ہو جاتا ہے کہ میں ایک طویل عرصہ تک زندہ رہوں گا۔ اور چاہتا ہے کہ اپنی تمام زندگی فراغت سے بسر کرے پھر اس کی بے شمار آرزوئیں اور حاجتیں برپا ہو جاتی ہیں اور چاہتا ہے کہ میں کثرت کے ساتھ خزانے جمع کر لوں اور یہ گمراہی محض ہے مؤخرہ کرنے والوں کے بھی تین درجے ہیں اولیٰ درجہ تک رات کی قوت ہے، سب سے بڑا درجہ وہ ہے جو ایک سال سے زیادہ ہو اور اوسط مرتبہ ایک سال کی خوراک ہے، سب مدارج سے بلند درجہ یہ ہے کہ انسان کل کی فکر سے آج کے خیال تک آجائے پھر آج کے خیال سے ایک گھڑی تک اور ایک گھڑی سے ایک سانس تک آجائے ہر ایک سانس کے ساتھ خیال کرے کہ میں دنیا سے ابھی کوچ کرنے والا ہوں اور روانگی کے لئے تیار و مستعد رہے جو شخص اس طریق عمل پر کار بند نہ ہو اور جب ایک سال کی خوراک سے بے فکری حاصل کر لے تو اگلے سالوں کی فکر میں پڑ جائے تو اس کا شمار مردودوں میں ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے بحسب ان مبالغہ اخلہ وہ خیال کرتا ہے کہ میرا مال ہمیشہ رہے گا۔

لباس کے بھی تین مدارج ہیں اولیٰ درجہ بلحاظ مقدار کے اتنا ہے جو ستر پوشی کر دے یا



ستر کے جملہ ملطحات کو ڈھانپ لے اور ادنیٰ قسموں کا اور کھر و لہار ہو اور وہ وقت کے اعتبار سے کم از کم ایک دن رات کے لئے ہو جیسے کہ حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے قمیض میں درخت کے پتے کا بیج نہ لگایا لوگوں نے عرض کیا یہ تو قائم نہ رہیگا فرمایا کیا میں اس کے پچھنے تک زندہ رہوں گا لباس کا اوسط درجہ وہ ہے جو انسان کے حال کے مطابق ہو نہ اس میں تنعم اور آرام پسندی کا شائبہ ہو اور نہ حرام لباس جیسے ریشم کا جزو اس میں غالب ہو اعلیٰ درجہ کی چیزوں کا جمع کرنا ہے اور ان سے آرام طلبی کی کوشش ہے جیسے کہ تمام دنیا داروں کا طریق عمل ہے۔ اب نکاح کی باری آتی ہے اس کا اضافہ اس شخص کے بارے میں ہوتا ہے جس کا نفس اسے جماع پر مجبور کرے اور اسی کے مطابق اس کی حاجت بڑھتی ہے ہم نے اوپر بیان کیا تھا کہ نکاح کو نسا پسندیدہ ہے اور کو نسا مذموم، اور جو کچھ ہم نے اس فصل میں ذکر کیا تھا وہی کافی ہے جو شخص ان امور میں کافی مقدار کی مساعدت سے شاد کام ہو پھر اپنے دل کو ان کے علاوہ باتوں میں مشغول کرے تو وہ زیاں کار ہے بلکہ ملعون رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ———  
اصبح اমনا فی سر بد معافاً فی بدنہ ولو قوت یومہ فکانما خیرت  
لہ الدنیا بخیر اخیرہا جو شخص صبح کو بخیریت جاگے اور اس کے گھر میں اس روز کی خوراک  
بھی موجود ہو تو گویا دنیا نے اس کو اپنے دونوں کناروں سے گھیر لیا اور یہ اس لئے ہے کہ دنیا آخرت  
تک پہچانے والی ہے۔ اور پہچانے کے لئے اسی قدر زائد راہ کافی ہے پھر جو کچھ اس سے زائد  
ہے وہ مقدار کفایہ سے زائد اور فضول ہے اور اس کا وجود اور عدم وجود عقلمند کے نزدیک  
برابر ہے۔

چوتھی بات خرچ کرنے کے متعلق ہے جس طرح آمدنی کے وجوہات معین ہیں اسی  
طرح خرچ کے لئے بھی مواقع مقرر ہیں اور ان کے مراتب کا لحاظ رکھنا لازمی ہے آمدنی کی  
طرح خرچ کرنے کی صورتیں بھی بعض پسندیدہ اور بعض مذموم ہیں خرچ کی پسندیدہ صورت وہ  
ہے جو لازمی ہے مثلاً دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دینا ایسے طریقے سے جو شرعاً مستحب ہے  
مذموم خرچ کی دو قسمیں ہیں افراطی اور تقصیری مال الذکر یہ ہے کہ اپنی حیثیت اور طاقت سے  
بڑھ کر صرف کرے ماوراء واجب طور پر جو چیز اہم ہے اس پر خرچ نہ کرنا اور جو چیز غیر اہم ہے  
اس پر مال لٹائے جانا و خرافہ الذکر یہ ہے کہ جس موقع پر خرچ کرنا درست ہو وہاں ہاتھ روک لینا  
اور اپنی وسعت اور مناسبت حال سے کم خرچ کرنا جب بندہ درست طریق سے مال حاصل  
کرے اور درست طریق پر ہی خرچ کرے تو اس کا فعل پسندیدہ ہوتا ہے اور اس کو نیک اجر ملتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال کی وسعت دے اور وہ اس کو نیک کاموں میں خرچ کرے تو کیا یہ اولیٰ ہے یا اس کے حاصل کرنے سے اعراض کرنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ اس بارے میں مختلف خیال ہیں ان کی تین قسمیں ہیں اول وہ جو دنیا میں منسلک ہیں اور عقلی کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ہاں تو لی طور پر زبانی جمع خرچ بہت کہتے ہیں ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے انہیں کتاب اللہ عبد الطاغوت اور شر الدواب وغیرہ کا خطاب دیتی ہے دوسرے وہ لوگ ہیں جو مذکورہ بالا گروہ کے بخلاف مستقیم مخالف ہیں انہوں نے اپنی تمام توجہ عقلی پر صرف کر رکھی ہے اور دنیا کی طرف التفات کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں یہ تارک الدنیا لوگ ہیں صنف سوم ان دونوں کے درمیان ہے وہ دونوں گمروں کو اپنا اپنا حق دیتے ہیں دنیا کو بھی اور عقلی کو بھی، یہ لوگ محققین کے نزدیک افضل ہیں کیونکہ ان پر دنیا اور آخرت کے قواسم کا دار و مدار اور انحصار ہے ان میں تمام انبیاء علیہم السلام شامل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لئے بھیجا ہے کہ معاش اور معاد میں بندوں کے لئے مصالحت قائم کریں بعض کا خیال ہے کہ اس قول خداوندی میں یہی تینوں گروہ مراد ہیں۔ وکنتم ازواجاً ثلثہ فاصحاب المیمنة ما اصحاب المیمنة واصحاب المشنمة ما اصحاب المشنمة والسابقون السابقون اور تم تین گروہ تھے اصحاب میمنہ، اصحاب مشنمہ، اور سابقون، تو جو شخص دین اور دنیا کی جیسا کہ چاہے رعایت رکھتا ہے اور ان دونوں کو جمع کرتا ہے اللہ کا نائب ہے اس دنیا میں اور اسی کا نام سابق ہے اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون میں نے جن و انسان کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کے بندوں کی مصلحتوں کا خیال رکھنا بذات خود عبادت بلکہ تمام عبادتوں سے افضل ہے حضور رسالت پناہ ﷺ کا ارشاد ہے الخلق کلہم عیال اللہ و احبہم الی اللہ انفعہم لعیالہ مخلوق خدا سب اللہ کا قبیلہ اور جو اس کے قبیلہ کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔۔۔۔۔ اقبال

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بتوں میں پھرتے ہیں مارے مارے

میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

اگر تم کہو کہ بعض محققین نے تو کہا ہے کہ لوگوں کے تین گروہ ہیں اول وہ جو معاش

سے بے فکر ہو کر اپنے معاد میں مشغول ہیں یہ کامیاب و ہامرا گروہ ہے دوسرے جو معاد سے بے پروا ہو کر خیال معاش میں غرق ہیں یہ ہلاک ہونے والے ہیں تیسرے جو دونوں میں مشغول

ہیں یہ خطرے میں ہیں اور کامیاب شخص خطرہ کی حالت والے شخص سے افضل ہے تو معلوم ہوتا چاہیے کہ اس بات میں ایک بعید ہے کہ بلند درجے اور اعلیٰ مراتب خطرات و مہلکات میں کودنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتے مذکورہ بالا امر بطور تجویز و تنبیہ کے ہے کہ اللہ کے بندوں کے معاملے میں خلافت الٰہی بہت خطرے کا مقام ہے تاکہ جو شخص مقتدر نہیں رکھتا اس کی خواہش ہی نہ کرے حکایت ہے کہ کسی بادشاہ کے بیٹے کو علم و حکمت کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ حاصل ہوا تو وہ لوگوں کو چھوڑ کر عزت گزین ہو گیا اور دنیا سے بے رغبت، آخرا سے ایک بادشاہ نے لکھا کہ تم نے ہر اس شے کو چھوڑ دیا ہے جس میں ہم مصروف ہیں تو اگر جس حالت میں تم ہو وہ ہماری حالت سے افضل ہے تو ہمیں بتاؤ کہ ہم بھی ڈریں اور بچیں۔ لیکن بے دلیل و حجت قول کو میں کبھی تسلیم نہ کروں گا اس پر اس نے جواب دیا سنو ہم شہنشاہ رحیم کے غلام ہیں جنہیں اس نے دشمن سے لڑنے کے لئے بھیجا ہے اور ہم معلوم کر چکے ہیں کہ مقصد اس سے یہ ہے کہ ہم اسے مغلوب و مقہور کر لیں یا اس سے صلح و سلامت بنائیں جب میدان کارزار پر ہوا تو ہمارے تین گروہ ہو گئے اول خائف اور کمزور جنہوں نے بادشاہ سے معافی طلب کر لی اس نے ان سے درگزر کیا اور ان کو امانت بھی کی مگر وہ تعریف کے مستحق نہ ہوئے دوم بہتر جو بے کھجے ہو گئے دشمن پر ہل پڑے تو اس نے انہیں بچھاڑ لیا اور مجروح کر کے مغلوب کر لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے عذاب اور ناراضی کے مستوجب ہوئے تیسرے شجاع جو دیکھ بھال کرو دشمن پر حملہ آور ہوئے دشمن سے میدان قتال گرم کیا مصیبتیں اٹھائیں جدوجہد کی اور کامیاب اور سرخرو نکلے، اور یہ پوری کامیابی ہے، جب میں نے دیکھا کہ میں کمزور اور ضعیف ہوں تو میں نے اونی صورت قبول کر لی۔ تو اسے بادشاہ تم تینوں گروہوں میں سے افضل فریق میں شامل ہو جاؤ اللہ کے ہاں ان میں سب سے زیادہ صاحب عزت اور محبوب ہو جاؤ گے، معاملہ زیر بحث میں یہ گفتگو حقیقت نفس الامری کا کماحقہ انکشاف کر رہی ہے اور ہمیں اللہ کے اس قول کی صحت سے آگاہ کرتی ہے کہ **وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ** جو کچھ اللہ نے تمہیں دار آخرت سے دیا ہے وہ طلب کرو اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم بھی لوگوں پر احسان کرو اور دنیا میں فساد پھیلانے کی خواہش نہ کرو اب احسان بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں صرف مال کے ذریعہ سے خوشی اور مسرت پیدا کی جائے لیکن اس میں خطرہ بھی بہت بڑا ہے کیونکہ بسا اوقات ضعیف البصیرت آدمی بے خبری میں اس کی مسرورتوں میں منہمک ہو جاتا ہے اسی

خطرے کو ٹھوکر کھٹے ہوئے اس سے باز رکھنے میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے چنانچہ

بدریا در منافع ہے شمار است  
وگر خواہی سلامت برکنا راست

پانچویں بات یہ ہے کہ اخذ و ترک مال و زر میں انسان کی نیت صالح اور نیک ہو کہ جو کچھ حاصل کرے اس لئے کرے کہ اس کے ذریعہ سے عبادت میں اعانت چاہیے اور کھائے تو اس لئے کہ عبادت کرنے کی قوت پیدا ہو، اور کچھ ترک کرے تو اس لئے کہ اس سے بے رغبتی ہو اور اسے حقیر سمجھتا ہو چنانچہ سرور و دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے من طلب رزق علی ماسن فہو جہاد جس نے سنت کے مطابق رزق طلب کیا تو یہ بھی جہاد ہے نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے حضور ﷺ نے ارشاد کیا ان المؤمن لیبوجر فی کل شیء حتی للقمعة یضعہا فی فم امرأۃ مومن ہر ایک بات میں اجر حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جو قمرہ و اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے وہ بھی باعث ثواب ہے مومن سے حضور کی مراد وہ شخص ہے جو حقائق امور سے واقف اور عطیات الہی سے اسے رضائے الہی اور خدا کے رستہ پر چلنے میں مدد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے یہاں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ زاہد وہ نہیں جس کے پاس مال نہ ہو، بلکہ حقیقی زاہد وہ ہے جو مال کی محبت میں مشغول نہ ہو جائے، اگرچہ اس کے یہاں سنت اعلیٰ کے خزانے ہوں اسی لئے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص دنیا و مافیہا کا مال اکٹھا کر لے لیکن اس سے رضائے الہی مقصود رکھے تو اسے مال کی محبت میں گرفتار نہ کہیں گے اس لئے چاہیے کہ تمہاری تمام حرکات و سکنات اللہ کے لئے ہوں یہاں تک کہ تمہاری نقل و حرکت عبادت کے لئے یا عبادت میں امداد حاصل کرنے کے لئے ہو۔

عبادت گزار لوگ ان باتوں سے مستغنی نہیں جیسے کھانا پینا اور قضا حاجت وغیرہ کہ یہ بھی عبادت میں معین و مدد ہیں حالانکہ عبادت کے لحاظ سے یہ بعید ترین باتیں ہیں اس لحاظ سے کامل انفس شخص دنیا حاصل کرنے میں اس ماہر عرق نکالنے والے کی طرح ہے جو سانپ کو ہاتھ میں پکڑتا ہے اور اس کے زہر سے بچ کر اس کا جوہر اور عرق نکالتا ہے اسی تشبیہ کو قائم رکھتے ہوئے جب آدمی اس ماہر راتی کو دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ اس نے سانپ کو اس لئے پکڑا ہے کہ اسے اس کی شکل و صورت پسندیدہ اور دلفریب معلوم ہوتی ہے اس کی جلد نرم و نازک ہے اور چھونے میں اسے بھلی معلوم ہوتی ہے اور سانپ کو پاس رکھنا وہ اچھا سمجھتا ہے چنانچہ جب اس قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں تو وہ سانپ کو پکڑ لیتا ہے اور اس سے ڈس

کر ہلاک ہو جاتا ہے دنیا کو سانپ سے ہی تشبیہ دی گئی ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ دنیا ایک سانپ ہے جو ہلاکت آفرین زہرا نکلتا ہے۔ خواہ وہ چھوٹے میں نرم ہی معلوم ہو جس طرح اندھے شخص کو قلعہ کھائے کوہِ سمندروں کے کناروں اور خارزارِ منزلوں سے گزرنے میں صاحبِ بصارت اور آنکھوں والے آدمی سے تشبیہ دینا محال ہے اسی طرح عامی کو کامل سے دنیا حاصل کرنے میں برابر نہیں کیا جاسکتا جب ملکِ سلیمان اور دوسرے لوازمات کی جو انھیں دیئے گئے مع رتبہ نبوت کے آرزو کی جاسکتی ہے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ زہد، دلِ گہرہ ہے نہ کہ ہاتھ کا خالی ہونا، بھلا انبیاء اور اولیاء کو دنیا کس طرح ضرر پہنچا سکتی ہے جب کہ انھیں اس کے وجود کے منافع مضرات اور مراتب کی خوب شناخت ہے اور انھیں معلوم ہے کہ انسان کو اپنے وجود میں تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں منزلِ اول ماں کے پیٹ میں، منزلِ دوم، فضا کے عالم میں، اور منزلِ سوم موت کے بعد دنیا اس مثال میں سرائے کی سی ہے اور منزلِ اوسط میں مسافر اس میں پہنچتا ہے اس میں اسبابِ برحق اور خوراک کے سامان مہیا کر دیئے گئے ہیں مسافران سے عنایت اور عاریت کے طور پر نفع اور تمتع حاصل کرتا ہے اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے اسے خالی کر جاتا ہے شکر یہ کہ ساتھ ان چیزوں کو قبول کرتا ہے اور فراخ دینی اور انشراحِ صدر کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے اس سرائے فانی میں بعض ایسے یہودِ قوف بھی آڈیرے جاتے ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ یہ منزل اپنا گھر ہی ہے اور یہ تمام ساز و سامان مانگنے کا نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ہمیں دیدیا گیا ہے پھر جب تک ان کے ہاتھ نہ توڑ دیئے جائیں اور ان کا سر نہ پھوڑ دیا جائے وہ اسے چھوڑنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے بعض کا خیال ہے کہ دنیا دانیہا سے جو کچھ انسانوں کو دیا گیا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی ہو جو ایک مکانِ تیار کرے اور اس میں لوگوں کو آنے کی دعوت دے ایک کے بعد ایک علی الترتیب چنانچہ ایک شخص آئے اور مکان میں داخل ہو تو ایک ملائی تھالی اس کے سامنے پیش کیا جائے اس تھالی میں گجور اور خوشبودار چیزیں ہوں تاکہ وہ انھیں سونگھے اور اپنے پاس والے شخص کے لئے چھوڑ دے، اور اس تھالی پر قبضہ نہ بھالے لیکن جو شخص اس رسم کو نہ سمجھے اور خیال کرے کہ یہ تھالی مجھے بطور عطیہ نذر کیا گیا ہے پھر جب وہ تھالی اس سے لوٹا یا جائے تو وہ چیخے چلائے اور وادِ بلا کرے اور جو اس رواج سے واقف ہو وہ اس تھالی سے فائدہ حاصل کرے اور شکر یہ ادا کرے اور فراخِ حوصلگی کے ساتھ اسے واپس کر دے دنیا کے مال و منال سے متمتع ہونے کے متعلق یہ باتیں مد نظر رکھنے کے قابل ہیں۔

## فصل

### غم دنیا کو مٹانے کا طریقہ

جب انسان کو مال کے لحاظ سے اسن، بدن کے لحاظ سے عافیت اور ایک دن کی خوراک میسر ہو تو اس کا ساز و سامان دنیا کے بارے میں رنج و غم کا اظہار کرنا اس کی حماقت اور کوتاہ عقلی کی دلیل ہے کیونکہ اس کا غم تین حال سے خالی نہیں یا تو اسے اس کے لئے غم ہے کہ یہ چیزیں جاتی رہیں گی یا آئندہ کا اسے خوف ہے یا موجودہ حالت پر اسے افسوس ہے پھر اگر گزر جانے والی شے کی وجہ سے ہے تو عقلمند کو معلوم ہے کہ فوت شدہ امر پر جزع و فزع کرنا اسے واپس لا سکتا ہے نہ اسے بنا سکتا ہے اور جس بات کا کوئی علاج اور چارہ ہی نہیں اس پر رنج و غم کرنا عقل کا دامن چاک کرنا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَسْكِيلًا قَسُوْا عَلٰی فَاغْبٰكُمْ جَوْجَ حَیْرٍ مِّنْ رَّحْمٰتِیْ ہُوَ اَسْفٰوٌ لِّمَنۡ اَسْفٰوٰ اَمَّا مَنۡ اَدْبَرَ وَجْہَہٗ فَاَسْفٰوٰ اَمَّا مَنۡ اَدْبَرَ وَجْہَہٗ فَاَسْفٰوٰ اَمَّا مَنۡ اَدْبَرَ وَجْہَہٗ فَاَسْفٰوٰ اَمَّا مَنۡ اَدْبَرَ وَجْہَہٗ فَاَسْفٰوٰ

دنیا کے فقدان کے باعث ہوتا ہے اس کا باعث مصائب دنیا اور اس کی زہر آلودگیوں سے نلواؤ لگی ہے اگر انسان کو کا حق علم حاصل ہو جاتا تو وہ سبکدوش ہونے کو گراں بار ہونے پر ترجیح دیتا، اور خدا کا شکر یہ ادا کرتا اور اگر عاشق اپنے محبوب کے حسن کے انجام کو سوچ لیتا ہے تو اس دام محبت میں گرفتار نہ ہو چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ دنیا اور مصائب لازم و ملزوم ہیں جیسے شراب پینے والوں کو درے پڑتے ہیں مخلوقات قسم قسم کی آزمائشوں اور تکالیف میں گرفتار ہو جاتی ہے اس کا ہر ایک لمحہ خلق میں اکتا ہے یہاں کوئی شخص بھی دنیا کی محبت میں اسیر ہو کر تین باتوں سے خالی نہیں رہ سکتا یعنی غصہ مصیبت اور آرزو، تو جس شخص کو یہ دیکھ کر عبرت حاصل ہو جائے کہ دنیا کی نعمتیں روز بروز ختم ہوتی جاتی ہیں اور ایک سے چھن کر دوسرے کے پاس چلی جاتی ہیں اور جس کو وہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ان پر پے در پے مصائب کا نزول ہوتا رہتا ہے اور ان کے فقدان سے انتہا کا رنج و ملال پیدا ہوتا ہے تو ان کے فوت ہو جانے سے اس کو ذرہ برابر غم

اور تاسف نہ ہوگا، چنانچہ کسی شخص سے کسی نے کہا تم فقدانِ نعمت پر اظہارِ رنج کیوں نہیں کرتے تو اس نے کہا جو چیز جانچ لی ہے اس پر افسوس کرنے سے مجھے واپس نہیں مل سکتی تو میں اس پر رنج ہی کیوں کروں۔

جو جاتا ہو اس کا غم نہ کیجئے۔

غرض جوں جوں انسان اربابِ دنیا کی آخرت سے غفلت و بے پرواہی پر غور کرے گا اور مصائب کا ان پر ہجوم کرنے کو دیکھے گا تو اس کو اس کا دل مطمئن ہوگا۔ اور دنیا کو چھوڑنا اسے آسان ہو جائیگا کسی صوفی کا یہ روزمرہ کا وظیفہ تھا۔ کہ روزانہ ہسپتال جاتا تاکہ بیماروں اور ان کی بیماریوں، اور ان کے رنج و غم کو مشاہدہ کرے، بھر بادشاہ کے جیل خانے میں جاتا تاکہ بحرِ موس کو اور ان کی سزاؤں کو دیکھے، نیز وہ قبرستان میں جاتا اور عزاداروں ان کی ماتم داری اور بے سود رنج و غم اور مرے ہوئے لوگوں کی حالت پر غور و فکر کرتا اور جب گھر واپس لوٹتا تو تمام دن اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتا کہ الہی تو نے مجھے بے حد و حساب نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں کہ میں مصائب و تکالیف اور حزن و ملال سے محفوظ ہوں انسان کا فرض ہے کہ دنیوی طور پر ہمیشہ ان لوگوں کو طرفِ نگاہ کرے جو اس سے کم درجہ پر ہیں تاکہ شکر گزار ہو اور دین کے لحاظ سے ہمیشہ ان کو دیکھے جو اس سے بلند تر مرتبہ پر فائز ہیں تاکہ ترغیب و تحریص حاصل کرے شیطان جب انسان پر مستولی ہو جاتا ہے تو اس کی نگاہ کو پلٹ دیتا ہے اور اس کے برعکس کر دیتا ہے چنانچہ جب اسے کہا جاتا ہے کہ تم برے کام کیوں کرتے ہو تو وہ غمزہ پیش کرتا ہے کہ فلاں شخص تو مجھ سے بھی زیادہ برے کام کرتا ہے حالانکہ معصیت اور گنہگار میں رہیں کرنا درست نہیں اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے تو ادا کر قناعت کیوں نہیں کرتا تو جواب دیتا ہے فلاں شخص مجھ سے زیادہ غنی ہے تو جب وہ اسے کمانے جاتا ہے تو میں کیوں بس کروں یہ خاص گمراہی اور جہالت محض ہے۔ جب اس مارنے کے ساتھ غمگینی بھی شامل ہو جائے تو حسد کا غم بھی باطل ہو جاتا ہے تو جس شخص کو خدا کسی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے تو اگر وہ اس کا مستحق ہے تو اس پر افسوس نہ کرنا چاہیے اگر وہ اس کا غیر مستحق ہے تو اس کا وبال اس کے فائدے سے زیادہ ہے۔ اگر مستقبل کے لئے انسان کو اندیشہ ہے تو اگر کسی بات کا ہونا متیقن ہے یا اس کا ہونا واجب ہے جیسے موت تو اس کا علاج محال ہے اور اس کا ہونا ممکن ہے تو غور کیا جائے گا کہ اگر اس کا دفعہ نہیں ہو سکتا تو غم کرنا حماقت کی دلیل ہے اور اگر اس کا دفعہ ہو سکتا ہے تو افسوس بے معنی ہے بلکہ چاہیے کہ اس کو روکنے کے لئے کوئی عقلی تدبیر عمل میں لائی جائے اور حزن و ملال کا

انگھار نہ کیا جائے پھر جب اپنے مقدور بھرا انسان اس کے دفعی کی تدبیر اور حیلے عمل میں لے آ یا تو اسے سکون خاطر کے ساتھ قضائے الہی اور کرشمۂ تقدیر کا اظہار کرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہیے کہ جو بات اللہ کو منظور ہے اس سے سطر نہیں اور جو مصیبت نفل نہیں سکتی اسے صبر سے برداشت کرنا چاہیے اسے یہ بات تحقیق کے طور پر معلوم ہونی چاہیے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے ہو کر رہے گا اور خدا کے اس فرمان کو یاد کرے۔ مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِى الْأَرْضِ وَلَا فِى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِى كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَن نَّهْبَأَهَا تَصْمِيحًا دُنْيَا میں اور تمہاری اپنی جانوں میں وہی مصیبت آتی ہے جو اس کے پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی گئی ہے ساز و سامان دنیا کی تجارتی کے لالچ وضعیہ بات ہے کہ انسان فریب عقل میں گرفتار ہو جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ آخر کسی روز یہ مصیبتیں ختم ہو جائیں گی غم کی کالی گٹائیں چھٹ کر بیش آرام کا صاف مطلع طلوع کرے گا برے دن چلے جائیں گے اور بھلے دن آئیں گے۔ انفسوس صد انفسوس۔

حضرت علیؓ کا قول ہے جب لوگ کسی کو کسی بات کی خوشخبری دیں تو یقیناً جانو کہ اس پر مصیبت بھی آنے والی ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ان السليالي لم تحسن الي احد الا اساءت اليه بعد احسان  
جب زمانہ کسی سے نیک سلوک کرتا ہے تو ضرور تکلیف بھی دیتا ہے۔

Figure 1

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے

صدا کی لہروں نے آسمان نہیں

الغرض عقلمند شخص وہ ہے کہ جب ان امور میں بگاڑ عین فکر و غور کرے تو غموم و آلام کا اکثر حصہ اس کے دل سے دور ہو جائے۔

یاد رکھو جب انسان کا دل کسی انسان محبوب، مال زمین حرفت، عہدہ، حکومت، یا کسی دوسری شے کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق حزن و ملال سے جیسا رہائی ہو سکتی ہے کہ ان کے تعلق سے دست بردار ہو جائے اور یہ جیسا ممکن ہے کہ ان سے ہمدردی کا ہاتھ کھینچتا چلا جائے اور دوسری چیزوں میں مشغول ہو جائے اگرچہ وہ بھی انہیں چیزوں میں شامل ہو جن سے بعد و ہجر اختیار کرنا واجب ہے کہ خون کو خون سے دھونے میں کچھ حرج نہیں جبکہ اول الذکر خون دوسرے سے نہیں اور جیسا تو میں پڑھ کر ہوں یہ ریاضتوں کے ہار یک اسرار و معارف ہیں۔ کیونکہ



جس چیز سے اظمت اور محبت پیدا ہو سکتی ہے اس سے دفعنا اور بیکٹھنا ہاتھ اٹھالینا مشکل بلکہ ممکن ہے چنانچہ جس لڑکے کو گیند پلے اور کھیل کود وغیرہ میں ترغیب دلانے کے ذریعہ سے ادب سکھایا جائے وہ بہت جلدی ترقی کرتا ہے پھر ثروت مال اور خوبصورت کپڑوں وغیرہ کے شوق کے ذریعہ سے وہ کھیل کود سے دست بردار ہو جاتا ہے پھر ان چیزوں کو چھوڑ کر وہ نیک نامی تعریف و توصیف، عزت اور حکومت کی ترغیب سے ترقی کرتا ہے پھر سعادت اخروی کی ترغیب اور قطع منازل کرتا ہے چنانچہ حکومت کا شوق آخری شے ہوتی ہے جو صدیقین کے دماغ سے نکلتی ہے یہ اس معاملہ کا طریقہ ہے ان باتوں کے لئے جو نفس قابلِ حذر ہیں، لیکن اضافی طور پر ان چیزوں سے زیادہ قابلِ قبول ہیں، جو بدتر ہیں گویا یہ مدارج اور منازل ہیں جن کو ایک ایک کر کے آدمی بتدریج طے کرتا ہے اس تدریجی طریق کے بغیر ان سے خلاصی ناممکن ہے اس طرح ہر اس بات کے متعلق طرزِ عمل اختیار کرے جو نفس پر مستولی ہو گئی ہے۔ اور اس کا تعلق سخت ہو گیا ہے یہ حقیقت ہے کہ قطعِ ملائق سے رنج و غم بخ و بنیاد سے اکٹڑ جاتے ہیں۔

## فصل

### موت کا خوف دور کرنا

انسان کی دو حالتیں ہیں، باقبلِ موت، اور عندِ الموت، باقبلِ موت کے لحاظ سے چاہیے کہ انسان ہمیشہ موت کو یاد رکھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اکثر و امن ذکر ہا زام اللذات فانہ ما ذکرہ احد فی ضیق الاوسعہ علیہ ولا ہی وسبعة الا ضیقہا علیہ موت کو اکثر یاد کیا کرو، کہ جس شخص نے اسے سختی حالت میں یاد کیا وہ وسیع الحال ہو گیا اور جس نے وسعت حالات میں یاد کیا وہ باریک الحال ہو گیا، موت کے باب میں لوگوں کی دو قسمیں ہیں، اول غافل، یہ حقیقی احمق ہے، جو موت اور ما بعدِ الموت کے متعلق غور و فکر سے کام نہیں لیتا، ہاں جب اپنی اولاد اور مترکات کا خیال اسے آتا ہے تو یاد کر لیتا ہے اپنے حالاتِ نفس پر تدبیر نہیں کرتا مگر جب کوئی جنازہ دیکھتا ہے تو اسے موت یاد آ جاتی ہے۔ اور صرف زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ دیتا ہے اپنے افعال کے لحاظ سے اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا یہ جھوٹا ہے اپنے قول کے لحاظ سے اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا یہ جھوٹا ہے اپنے قول کے لحاظ سے کہتا کچھ ہے، کرتا کچھ ہے دوم عاقل و زیرک، وہ

مسافر کی طرح ہمیشہ اپنی منزل مقصود کو یاد رکھتا ہے جیسے حاجی کہ ہر وقت اس کے پیش نظر دیارِ حبیب کا منظر رہتا ہے جو شخص منزلوں میں اترنے اور کوچ کرنے کے خیال میں مشغول رہتا ہے وہ اپنے مقصود کو فراموش نہیں کرتا غرض یہ ہے کہ ہازم اللذات کی یادِ سراب آرزو سے محفوظ رکھتی ہے حواثِ دصائب آسان ہو جاتے ہیں اور انسان سرکش ہونے سے بچا رہتا ہے موت کی یاد سے خدا کی وی ہوئی چیزوں پر قناعت اور توبہ میں جلدی کرنے کا وصف پیدا ہوتا ہے حسد اور حرص و نیا رخصت ہو جاتے ہیں اور عبادت میں نشاط و مسرت حاصل ہونے لگتی ہے۔ جس شخص کو عبادتِ الہی میں لطف نہ آئے اور سستی اور کسلندی آگھیرے اسے چاہیے کہ ہر صبح جاگنے کے وقت غور کرے کہ میں جلدی مر جاؤں گا میری تقصیر آچکی ہے کہ یہ کچھ بعید نہیں جب انسان خیال کرے کہ موت کچھ سالوں کے بعد ہی آئے گی تو عبادت کا شوق کیسے پیدا ہو۔ اور دنیا کی محبت کیوں دور ہو بلکہ چاہیے کہ ایک دن کی مہلت بھی سمجھے کہ میر نہیں، ہر طلوع آفتاب کے ساتھ سمجھے کہ میرا آفتاب حیات غروب ہونے والا ہے۔ چنانچہ جو شخص انتظار میں ہو کہ بادشاہ ابھی سے بلاتا ہے تو اسے چاہیے کہ حاضر ہونے کے لئے ہر وقت مستعد رہے پھر اگر تیار نہ رہے گا تو کچھ عجب نہیں کہ بلانے والا آ جائے اور وہ غفلت کے باعث عنایتِ شامی سے محروم رہ جائے کوئی وقت اور کوئی لحظہ ایسا نہیں کہ جس میں موت ناممکن ہے اگر تم کہو کہ موت دور کا حادثہ ہے تو ہم کہتے ہیں جب مرض حملہ آور ہو جائے تو موت کو قریب ہی سمجھو اور یہ ایک دن سے ہم میں ہو سکتا ہے اور کچھ بعید بات نہیں موت کے خوف سے غم کرنا بھی عقلمندوں کا شیوہ نہیں کہ یہ غم چار حالتوں سے خالی نہیں۔

(اول) شکم اور شرمگاہ کی خواہش۔

(دوم) گزشتہ گناہوں کا خوف۔

(سوم) اس مال کی محبت جو مرنے کے بعد چھوڑنا پڑے گا۔

(چہارم) موت کے بعد کے حال اور اپنے انجام سے ناواقفیت۔

یہی چار صورتیں ہیں جن کی بنا پر انسان کو موت سے پریشانی ہو سکتی ہے اگر شکم و شرمگاہ کی خواہشوں کے باعث موت سے ڈر پیدا ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بیماری کا مقابلہ ویسی ہی دوسری بیماری سے کرتا بولند طعام کے معنی ازائدہ جوغ ہے اسی لئے جب بھوک جاتی رہتی ہے اور پیٹ بھر جاتا ہے تو آنکھ کو وہ چیز ناپسند ہونے لگتی ہے جس کی پہلے اشتہا تھی جیسے کوئی شخص دھوپ میں بیٹھنے کی اس لئے خواہش کرے کہ گرم ہو کر سائے میں بیٹھنے کی

لذت سے لطف اندوز ہو یا جیسے کوئی شخص گرم حمام میں اس لئے بند ہو کہ برغاب پینے کا اسے لطف آئے۔ یہ عین حماقت اور خلاف عقل بات ہے۔

اگر صورت دوم کے باعث ہو تو یہ اس لئے ہے کہ انسان دنیا کے ادنیٰ خسیس اور حقیر چیزوں کے مقابلہ پر ملک کبیر اور نعیم عظیم، (جس کا حقیقوں کے لئے وعدہ دیا جا چکا ہے کہ وہ ادنیٰ سمجھتا ہے، تو اگر یہ حالت موت کے بعد اپنے انجام سے بے صبری کے باعث ہو تو انسان کا فرض ہے کہ علم حقیقت طلب کرے جس سے موت کے بعد کے حالات کا انکشاف ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت حارثؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا حضور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں عرش خداوندی کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں جنت میں اہل جنت میر کرتے دکھائی دیتے ہیں، اور دوزخی دوزخ میں عذاب میں گرفتار نظر آتے ہیں اور یہ علم حقیقت و ماہیت اور اس کے بدن سے تعلق اس کی خاصیتوں اور ان خاصیتوں سے لذت یاب ہونے اور باوجود درزائل مانعہ کے اس کے کمال حاصل کرنے کے متعلق بحث و نظر کرنے سے حاصل ہوتا ہے شریعت نے بہت سے مقامات پر ان امور سے خبردار کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اپنے اندر غور کیا کرو، ملکوتِ اعلیٰ سے قطعاً اور الارض میں تفکر کیا کرو۔

اگر یہ خوف موت سے پیشتر کئے ہوئے گناہوں کے باعث ہو تو اس میں جزا و نزع اور رنج و غم کوئی نفع نہیں دیتا، اس کے برعکس گناہوں کا علاج توبہ میں غفلت اور اپنی زیادتیوں کی اصلاح کرنی چاہیے رنج و غم کرنے اور اس کا تذراک نہ کرنے کے لحاظ سے اس شخص کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص کی کوئی رگ کھل کر اس میں سے خون نکل جائے۔ وہ اس کو بند کرنے اور اپنے خون کو روکنے پر قادر بھی ہو، پھر بھی اسے پہنچے دے، اور پیچھے کر افسوس کا اظہار کرتا رہے، کہ میرا خون بہہ رہا ہے یہ بھی حماقت ہے، کیونکہ جو چیز جا چکی ہے اس کا کوئی تذراک نہیں اس پر تاسف کرنا بے سود ہے اسے چاہیے کہ مستقبل کے حقائق مشغول ہو جائے۔

حالت ثانی یعنی موت کے وقت کی حالت کے لحاظ سے لوگوں کی تین اقسام ہیں (اول) صاحبِ بصیرت، وہ جانتا ہے کہ موت انسان کو آزاو و با عزت بناتی ہے۔ اور زندگی مجرم و گناہ گار ظہیراتی ہے، اور کہ انسان دنیا میں ہزار طویل العمر ہو جائے پھر بھی وہ ایسے ہی ہے جیسے آسمان پر بجلی چمکتی ہے۔ اور غائب ہو جاتی ہے۔ ذوق

ہنگامہ گرم ہستی ناپائیدار کا  
چشمک ہے برق کی قسم شرار کا

اسے دنیا کو چھوڑنا بالکل گراں نہیں گذرتا سوائے اس کے کہ اب خدا کی خدمت کرنے کا موقعہ جاتا رہے گا یا یہ کہ اب میں خدا کے قریب ہوا ہوں اور ذرا رہے معلوم نہیں وہ مجھے کیا کہیں گا جیسے کسی ایسے ہی شخص سے پوچھا گیا تم موت سے گھبراتے کیوں ہو تو جواب دیا، اس لئے کہ میں ایک ایسے رستہ پر چلنے والا ہوں جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی ملتا ہے مجھے کیا کہا جائیگا اور کیا تحکم ہوگا۔ اس قسم کا شخص موت سے بھاگتا نہیں۔ بلکہ جب زیادتی عبادت سے عاجز آ جاتا ہے تو ہر اوقات موت کا مشتاق ہو جاتا ہے کسی ایسے ہی بزرگ نے اپنی مناجات میں کہا تھا الہی اگر اس دار فانی میں زندہ رہنے کی دعا تجھ سے کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تجھ سے دور رہنا چاہتا ہوں اور تیرے قرب سے بے رغبت ہوں چنانچہ تیرے نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن كره لقاء اللہ كره اللہ لقاءہ جو اللہ سے ملنے کا مشتاق ہے خدا بھی اس کا مشتاق ہے اور جو خدا سے ملنے سے گریز کرتا ہے خدا بھی اسے ملنا نہیں چاہتا۔

(دوم) بے بصیرت، گمناہوں سے آلودہ دامن دنیا میں منہمک، اس کے تعلقات میں جکڑا ہوا، آدمی جو دنیا کی زندگی سے راضی ہو چکا ہے اور دارِ آخرت سے ایسا ہی مایوس ہو چکا ہے جیسے کافر لوگ مردوں سے چنانچہ جب وہ دارِ خلود کی جانب روانہ ہوتا ہے تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے اور جب دنیا کی گندگیوں اور آلودگیوں سے علیحدہ ہوتا ہے تو اسے عالم بالا کی ہوا اور ملّا اعلیٰ کی مصباحِ راس نہیں آتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے من کان فی ہذہ اعسمیٰ فہو فی الآخرۃ اعسمیٰ واضل سبیلاً جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور سخت بدراو، جس کو درشنِ خدا اس کو ات نہأت کہ دنیا مذکورہ بالا شخص کے لئے قید خانہ ہے اور اس شخص کے لئے جنت، اول الذکر اس غلام کی مانند ہے جسے اس کا مالک بلائے تو وہ خوش خوش لبیک کہے اور شادیاں و فرحان جو ش خدمت میں حاضر ہو جائے اور مؤخر الذکر اس غلام مفرور کی طرح جو پکڑا جا کر اپنے مالک کے پاس لایا جائے مغلوب و مقبور بیڑیاں پہنا کر اسے اس کی خدمت میں حاضر کیا جائے تو وہ سر جھکائے اپنے آقا کے سامنے ذلیل و خوار اپنے گنہوں پر شرمندہ کھڑا ہو، آہ یہ دونوں حالتیں کس قدر متخالف و متفاوت ہیں۔

(قسم سوم) مذکورہ بالا دونوں مرتبوں کے درمیان کا آدمی، جو اس دنیا کی مصیبتوں اور بلاؤں سے واقف تھا اور اس کی مجلس سے تفرق، لیکن اب اس سے مانوس اور مالوف ہو

چکا ہے تو اس کا رستہ اس شخص کی طرح ہے جو ایک اندھیرے اور گندے گھر سے الفت پذیر ہو گیا ہے اس میں اور کوئی شخص نظر نہیں آتا تو اس میں سے نکلتا بھی پسند نہیں کرتا گو اس کے اندر جانا بھی اسے نامطبووع تھا پھر جب اس سے باہر نکلتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکو کار بندوں کے لئے کچھ تیار کر رکھا ہے تو اسے اس مکان سے نکلنے پر افسوس نہیں ہوتا، بلکہ کہتا ہے الحمد للہ الذی اذهب عن الحزن ان ربنا لغفور شکور الذی احلنا دار المقامة من فضله لا یسما فیہا نصب ولا یمسنا فیہا لغوب، الحمد للہ کہ اللہ نے ہمارا غم دور کیا ہمارا رب غفور و شکور ہے کہ اس نے ہمیں ابدی مسرت کے گھر میں اتارا، جس میں ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ انسان کسی چیز کی مفارقت کو ناگوار سمجھے، پھر جب اسے چھوڑ دے تو افسوس کا اظہار نہ کرے چنانچہ بچہ ولادت کے وقت ایک حالت سے دوسری حالت میں آنے کے غم سے روتا ہے۔ پھر جب اسے عقل آ جاتی ہے تو گزشتہ حالت میں جانے کی تمنا نہیں کرتا، اور موت ولادت ثانویہ ہے جس سے ایک ایسا کمال حاصل ہوتا ہے جو پہلے حاصل نہ تھا، اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کمال سے پہلے ایسی آفات و عوارض لاحق نہ ہوں، جو اس کے قبول کرنے میں نقصان پیدا کریں جس طرح ولادت ایک ایسے قابل رشک کی باعث ہے جو بچے کو جنم کی حالت میں میسر نہ تھا اور اس میں شرط یہ بھی کہ اس با کمال کے مانع امراض و عوارض اس جنین ماں کے رحم میں لاحق نہ ہوں، اور چونکہ موت کمال کا باعث ہے اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہمیں چاہیے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے لئے دعا کریں اور ان کا شکر یہ ادا کریں، جیسے ہم جبرائیل، میکائیل، اور اسرافیل علیہم السلام کے لئے دعا کرتے ہیں، جس کے دو سبب ہیں کہ دنیا سے رستگاری حاصل کرنے کا طریقہ انھوں نے بتایا، اور آخرت میں نجات پانے کا رستہ دکھایا، اور یہ باتیں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے سے عمل میں آئیں، لیکن ملک الموت اس دنیا سے ہمیں نکالنے کا باعث ہے اس لئے اس کا حق بہت بڑا ہے چنانچہ امام سابقہ میں سے حکماء کے ایک گروہ کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ اس شخص کی تقدیس و تحمید اور تسبیح سے تعظیم کرتے تھے جس کو وہ سمجھتے تھے کہ وہ اس عارضی زندگی کے قائم رکھنے میں امانت نہیں کرتا بلکہ وہ ہلاکت کا باعث ہے جس کے ذریعہ سے اس دنیا کے دوں سے رستگاری حاصل ہوتی ہے

## فصل

### رہروان الہی کی پہلی منزل

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے رستہ کے سالک تو تھوڑے ہیں لیکن اس کے مدعی بہت ہیں ہم تمہیں دو علاقے بتاتے ہیں جن کو تم معیار قرار دیکر اپنے متعلق اور غیروں کے متعلق کمرے اور کھونے ہونے کی تمیز کر سکتے ہو۔

(علامت اول) اصلی سالک وہ ہے جس کے تمام اختیاری افعال شرع کی ترازو میں پورے اتریں۔ ہر ایک فعل کا صادر ہونا کم و بیش ہونا یا نہ ہونا شریعت کی حدود کے موافق ہو کیونکہ جب تک شریعت حقہ کے رنگ میں انسان نہ رنگا جاسکے اس رستہ پر کام فرمائیں ہو سکتا اور یہ تہذیب اخلاق کے بعد ہی ممکن ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس مقام کو حاصل کرنا جیسی ممکن ہے کہ انسان جملہ مباحات کو ترک کر دے کیونکہ جو شخص محرمات اور محظورات کو ترک نہیں کرتا، کس طرح منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے اور جو شخص عبادات نظمی پر موانعت اختیار نہیں کرتا شاہد کامرانی سے ہوسکتا نہیں ہو سکتا۔ پھر جو شخص فرائض بلکہ احکام و اعمال شریعت میں جن لوگوں کو مکلف بنایا گیا ہے کو تہائی کرتا ہے۔ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ شریعت نے اپنے احکام اعمال میں سے محظورات اور فرائض میں ہی مکلف کرنے پر حصر کیا ہے اور اس میں عوام الناس بھی مشترک ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان امور میں شغل کو مصروفیت دنیا کی خرابی اور تہائی کا باعث نہ ہو جائے۔

سالک فی سبیل اللہ دنیا سے اس طرح روگردان رہتا ہے کہ اگر تمام دنیا اس کی برابری کرے تو کائنات برباد ہو جائے پھر صرف فرائض و واجبات ہیں محدود رہ کر اور نوافل کو چھوڑ کر کوئی کیسے کامیاب ہو سکتا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَنْتَقِرُ بِاللَّهِ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أَحِبُّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتَهُ كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَبَصَرًا فَسَيُطَاعُ وَيُصْبَرُ میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے تقرب حاصل کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو

میں اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں پھر وہ مجھے سے دیکھتا اور سنتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ ہوس غالب اور پائیدار کسلندی کی وجہ سے ہی انسان فرائض میں کوتاہی کرتا ہے اور مخطورات میں بے دھڑک درآتا ہے پھر جو شخص بار بار ہوس اور کالہی کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ خدا کے رستے پر کیسے چل سکتا ہے۔

پھر اگر تم کہو کہ جب سالک فی سبیل اللہ وہ ہے جو خواہشات اور سستی سے مجاہدہ کرنے میں مشغول ہو تو جوان کو مغلوب کر چکا وہ تو واسل باللہ ہوا، سالک نہ ہوا، تو جواب یہ ہوا کہ یہ عین فریب ہے اور رستہ اور منزل مقصود سے ناواہلی پر شاہد نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص تمام صفاتِ ربیہ اپنی ذات سے دور کر لے تو اس کی نسبت منزل مقصود سے ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اور چند مجبوریاں اور تعلقات ہیں جو انسان کو گردن سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اور خدا کی جانب مائل نہیں ہونے دیتیں تو جب وہ انہیں محو اور دفع کر لے تو اس نے علاقے کو دور کر دیا اور اب وہ سلوک کی منزل میں چلنے کے لئے آمادہ و مستعد ہوا، یا تم یوں سمجھو کہ ایک بیوہ عورت ہے جو چاہتی ہے کہ بادشاہ اس سے شادی کر لے جب وہ عدت جو نکاح سے مانع تھی گذار لیتی ہے تو خیال کرتی ہے کہ سب کام ختم ہو چکے اور میں کام دل حاصل کر چکی، افسوس صد افسوس کہ اس نے تو ابھی نکاح کی استعداد ہی حاصل نہ کی ہے اور صرف موانعات کو دور ہی کیا ہے اور بادشاہ کا قبول کرنا اور رغبت کر کے انعام شادی سے نوازا نا ابھی باقی ہے۔ یہ خدا کی دین ہے ہر وہ شخص جو نہاد جو کہ عطر پھیل لگا لے جمع نہیں پڑھ لیتا اور نہ ہر حسینہ جو عدت گزار لے اپنے محبوب کے وصال سے شاد کام ہو جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا سالک کے رتبہ میں کوئی ایسا مقام ہے جہاں پہنچ کر بعض وظائف عبادات اس سے چھوٹ جائیں اور بعض مخطورات اسے ضرر نہ پہنچائیں جیسا کہ بعض مشائخ کے متعلق کہا گیا ہے جو ان امور میں تساہل برتتے تھے تو جواب یہ ہے کہ یہ عین فریب نفس ہے محقق حکماء نے کہہ دیا ہے کہ خواہ تم کسی شخص کو پانی پر چلتا دیکھا لیکن وہ کسی بات میں شریعت کے خلاف عمل کرتا ہو تو جان لو کہ وہ شیطان ہے اور یہ بالکل حق ہے یہ اسلئے کہ شریعت اسلامیہ فراخ اور وسیع ہے اور جب کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش ہوتی ہے تو شریعت نے پہلے ہی اس کی رخصت دے رکھی ہوتی ہے پھر اگر وہ محل رخصت سے تجاوز کر لے تو یہ ضرورت کے باعث نہ ہوگا بلکہ خواہشات اور شہوت اس کا موجب ہوگی یا درگھوا انسان جب تک اس دنیا میں زندہ ہے اسے ہر وقت اندیشہ ہے کہ کسی روز شہوات مغلوب ہو جانے کے بعد غالب آ جائیں

اس لئے چاہیے کہ ہر وقت ان سے چوکنار ہے اور جب کبھی دیکھے کہ آرام طلبی اور سہل انگاری کی طرف طبیعت مائل ہو رہی ہے تو جان لے کہ شہوات غالب ہونا چاہتی ہیں اور یہ سب باتیں اخلاقِ ربیہ کا تقاضا ہیں۔

پھر جو شخص اپنے تئیں پاکہاز بنالے اور اپنی روح کو علومِ حقیقی کی غذا کھلائے۔ تو اسے عبادت میں مواعظت کا درجہ حاصل ہو جائیگا نماز اس کی آنکھوں کی خشک بن جائیگی اور اسے رات کی تاریکی میں تنہا بیٹھ کر خدا سے دعا کریں کرنے میں تمام چیزوں سے زیادہ لطف حاصل ہو گا پھر منزلِ اول کی علامت ہے اور انتہا تک قائم رہتی ہے اگرچہ خدا کی طرف جانے والے رستہ کی کوئی انتہائی نہیں ہاں موت تمام جدوجہد اور تنگ دو کے سلسلے یک قلم توڑ دیتی ہے پھر انسان موت کے بعد اسی مرتبہ پر قائم رہتا ہے جو اس نے مدتِ حیات میں حاصل کیا تھا کہ ہر شخص اس چیز پر مرتا ہے جس پر اس نے زندگی گزاری تھی۔

(دوسری علامت) یہ ہے کہ انسان کا دل ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کی حضور میں رہے ضروری اور بے تکلف طور پر اسے اس حضور کی میں بے حد لذت حاصل ہو، خشوع، اور خضوع، اکسار تو اضع کے ساتھ اس کا دل خدا سے وابستہ رہے وہ اس حال سے کبھی علیحدہ نہ ہو اگرچہ ضروریات بدن مثلاً کھانا پینا قضا حاجت کو جانا کپڑے دھونا وغیرہ میں مشغول ہی رہے بلکہ چاہیے کہ اس کی مثال تمام حالات میں اس عاشق کی ہی ہو جو ایک مدت تک زحمت انتہا کی کڑیاں جھیلتا رہا ہو ایک عرصہ دراز تک۔ ع

مصیبت پر مصیبت چوٹ پر کھائی ۔ چوٹ اس نے پھر اس کا محبوب اس کے سامنے بدمعاش جلوہ بچا ہو جائے اور اس کے دل کا کنول کھل جائے لیکن اس وقت اسے قضائے حاجت کے باعث مجبوراً تھوڑی دیر کے لئے اپنے محبوب سے علیحدہ ہونا پڑے اور وہ بیتِ افلاک کو جائے تو اس کا دل بے قرار محبوب کے پاس موجود ہو گا بدن البتہ غیر حاضر ہو گا اگر اس حالت میں کوئی شخص اسے مخاطب کرنا چاہے تو وہ شدتِ استغراق کے باعث اس کی بات نہ سنے گا۔ وہ اس مصیبت کو سخت مصیبتناک سمجھے گا اور چاہے گا جتنی جلد کئے اتنا ہی بہتر ہے تو سنا لک کو چاہیے کہ اپنے اشغالِ دنیوی میں اسی طرح مصروف ہو بلکہ سوائے ضروریاتِ بدنی کے اسے کوئی شے بے توجہ نہ کر سکے اور اس حالت میں بھی اس کا دل خدا کی عظمت و جلال کے سامنے نہایت اکساری کے ساتھ حاضر رہے۔ اگر شہوتِ جماع تحریک کے ذریعہ سے حرکت میں آنے سے باز نہ رہے تو یہ اس شخص کی حالت



میں ہو گا جس پر شہوت غالب ہے اور اس کی آنکھوں میں کسی بشر کی صورت جو گندے اور ناپاک نطفے سے پیدا ہوا ہے۔ جاگزیں ہو چکی ہے پھر جب وہ محبوب اس کے قریب آتا ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور اس کے تمام شہوانی خیالات فرو ہو جاتے ہیں اس بے خودی اور کمزور طبیعی کا غدر وہ اس کا حق و جمال قرار دیتا ہے پھر یہ عذر کس طرح قابل قبول ہے جب مقابلہ پر اللہ کا جلال و جمال ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

الغرض اس منزل کو تمام و کمال پورا کرنے کے لئے حرم شدید اور عزم مصمم اور طلب بلیغ کی ضرورت ہے حرم و طلب کا مبداء محبوب و مطلوب کا جمال ہے جو شوق اور محبت کی آگ بھڑکاتا ہے اور اس جمال جہاں آرا کے اور اک کے لئے نگاہ شوق اور مشتاق آنکھ کی ضرورت ہے جو تمام دوسری چیزوں سے منہ پھیر کر صرف اسی کی ہو رہے۔ اللہ تعالیٰ کے جلال کا نظارہ کرنے کے لئے بھی اسی چیز کی ضرورت ہے جو تمہارے شوق کو بھڑکائے اور تمہاری حرم کو برپا کرے۔ اور اسی کے اندازہ کے مطابق تمہاری جدوجہد و جنگ و دو کی مقدار ہوگی۔

پھر محبوب کے ساتھ دیر تک یکجا رہنے کے باعث عشق کا جذبہ اور زیادہ ہوتا ہے چونکہ اس اثنا میں محبوب کے عہدہ اخلاق جو پہلے پوشیدہ تھے ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے محبت کئی گنا اور بڑھ جاتی ہے اسی طرح مبتدی سرید جب پہلے پہل حضرت باری تعالیٰ کے جمال و جلال کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ کرتا ہے تو بسا اوقات ضعف اور اک کے باعث اس کی آنکھوں میں چکا چوند نہیں پیدا ہوتی لیکن آہستہ آہستہ طلب و شوق زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

چنانچہ وہ ہر وقت اسی خیرہ کن جمال کے تصور میں محو رہتا ہے پھر اس پر اس کی خوبیاں اور فضائل روشن ہوتے جاتے ہیں محبت کی آگ اضافہ مضاعفہ شعلہ زن ہوتی ہیں ہر لمحہ اور ہر گھڑی محبت بڑھتی جاتی ہے اور جس طرح عاشق اپنے محبوب کے قرب کا آرزو مند ہوتا ہے اسی طرح مرید اللہ تعالیٰ کے قرب کی تلاش میں پھرتا ہے یہ قرب مکانی نہیں ہوتا یا جسمی طور پر اس کو مس نہیں کیا جاسکتا یا یوں نہیں ہو سکتا کہ اس کی صورت کے جمال کو کمال طور پر اپنے سامنے دیکھ لیں یہ قرب قرب کمال ہے نہ قرب مکان ان باتوں کا مفہوم اجمعی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا اس قرب کمال کی تشبیہ یوں ہے کہ ایک شاگرد ہوا اس کو اپنے استاد سے بے حد محبت ہو اور اس کے قرب کمال کا طالب ہو یہ زیادہ گہنی تشبیہ ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے میں اس کا قرب چاہتا ہے یعنی آہستہ آہستہ اس کے رتبہ کے قریب ہو جاتا ہے بعض حالات میں یہ ممکن ہوتا ہے اور بعض میں محض لیکن ترقی بلحاظ رتبہ کے بالکل ممکن ہے چنانچہ رتبہ کے لحاظ سے اس میں زیادتی ہوتی

ہے اور وہاں پہنچ جانا ممکن ہے لیکن اسفل السفلین سے بلندی کی طرف رخ کرنا ممکن ہے شاگرد اپنی نگاہ میں ایک درجہ مقرر کر لیتا ہے جو محدود ہوتا ہے نہ یہ کہ محبت کے باعث اپنے استاد کا مرتبہ عین پائے بلکہ درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے اور دفعتاً انتہائی منزل کو پہنچنے کا شوق اس کے دل میں نہیں پیدا ہوتا جب ایک درجہ حاصل کر لیتا ہے تو اوپر کے درجے کا مشتاق ہو جاتا ہے یہی حال اس شخص کا ہے جو عالم نہیں اسے چاہئے کہ علماء سے جو درجہ الانبیاء ہیں مشابہت اختیار کرے علماء انبیاء و اولیاء کے ذریعہ سے ملائکہ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ صفات بشری فی طور پرکھو ہو جاتے ہیں، اور وہ انسانی صورتوں میں فرشتے بن جاتے ہیں پھر ملائکہ کے لئے بھی مختلف درجات و مراتب ہیں، اور سب سے بلند درجہ معشوقِ ادنیٰ کا ہے اور یہی نصب العین ہے ملائکہ مقررین وہ ہیں جن کے حق کے درمیان کوئی واسطہ نہیں انہیں جمالِ اطہر اور بہائے اتم حاصل ہے لہذا نسبت کے ان سے جو موجودات کاملہ میں سے ان سے کم ہیں پھر ہر ایک جمال اور کمال حقیر ہو جاتا ہے جب رب العزت کے جمال کی طرف نگاہ جاتی ہے۔

الفرض اسی طرح چاہیے کہ تم قرب الہی کا اعتقاد کرو، اس طرح کہ تم خیال کرو کہ جنت میں ایک گھر ہے، اور اس کے قریب کہیں اللہ تعالیٰ فرودگاہ ہے۔ یہ قرب مکانی ہے؛ اور خدائے رب العزت اس سے بہت بلند ہے؛ اور نہ یہ کہ تم عبادت کا ایک تختہ اس کی خدمت میں پیش کرو، اور اس سے خوش ہو کر اس کی قدر وائی کرے اور تم پر مہربان ہو جائے جیسے بادشاہوں کے دربار میں ان کی رضا مندی اور حصولِ اغراض کے لئے حاضر ہوتے ہیں؛ تو اسے قربِ سلطانی کہتے ہیں؛ تو بہ تو بہ اللہ تعالیٰ بہت بلند اور پاک ہے ان معانی سے جس سے دنیا کے بادشاہ متصف ہوتے ہیں وہ تو خدمت گزاری، عاجزی و تابعداری اور دغا کشی سے خوش ہوتے ہیں گا ہے بسلا سے برخیزد وگا ہے، بدشائے خلعت در جند ان کی مشہور صفت ہے۔

اس قسم کے تمام عقائد جہالت پر مبنی ہیں اگر تم کہو کہ اکثر عوام کا یہی اعتقاد ہے تو کیا جو شخص رنگریز کی دکان سے خبر طلب کرے اسے بلایگا، ہرگز نہیں، جب تمہیں ایک شخص کے متعلق معلوم ہے کہ وہ چیز اس کے پاس ہی نہیں تو وہ چیز اس سے کیسے طلب کر سکتے ہو، عوام کا لانا عام تو گدھے ہیں ان کو سانپ لکھی نے حرمِ مستنصر، قمرت من قسورہ سے تعبیر کیا ہے اور واقعی عوام گدھے ہیں کیونکہ انھوں نے علوم کی مہارت نہیں کی کیا تم نہیں دیکھ چکے کہ یہ لوگ خداوند تعالیٰ کے متعلق کس قسم کے خیالات و عقائد رکھتے ہیں، کہتے ہیں وہ عرش پر بیٹھا ہے، اس پر ایک سبز چھتری سائے کئے ہوئے ہے وغیرہ وغیرہ، یہ لوگ اسی قسم کی تشبیہات سے کام لیتے

ہیں۔ کیونکہ لوگ اکثر تشبیہ کے مادی ہیں لیکن تشبیہ میں درجات ہیں بعض لوگ خدا کی صورت کا خیال کر کے گمان کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھ پاؤں آنکھیں ہیں وہ اترتا ہے، اور چڑھتا ہے بعض لوگ اسے ناراضی، رضا مندی، غصہ اور خوشی کے جغزیات سے متصف کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے، ہاں اس بات کا شریعت نے تاویل کھلور پر استعمال کیا ہے تاکہ لوگوں کو افہام و تفہیم میں آسانی ہو بعض لوگ حقیقت کا اور اک کر لیتے ہیں بعض لوگ نہیں سمجھتے اگر تمام لوگ لحاظ فہم برابر ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد باطل ٹھہرتا۔ رب حاصل فقہ السی من ہوا فقہ منہ و رب حاصل فقہ لیس بعقہ ، ہم ان لوگوں کی اس قسم کی باتوں سے درگزر کرتے ہیں کیونکہ یہ پاگلوں کا سلسلہ ہے اور شیطان کی چیزیاں توڑتا ہے۔

## فصل

### مذہب اور فرقہ بندی

شاید تم کہو کہ اس کتاب میں تم نے یا تو مذہب صوفیا کے مطابق یا اشعریوں کے موافق یا بعض حکمیین کے مطابق گفتگو کی ہے حالانکہ ایک مذہب کے مطابق ہی گفتگو کی جاسکتی ہے اب ان مذاہب میں سے کون حق پر ہے اگر سب ہی حق پر ہیں تو یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے اور ان میں سے بعض حق پر ہیں تو وہ کونسا ہے تو جواب یہ ہے کہ مذہب کی حقیقت کی شناخت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی کیونکہ لوگوں کے اس بارے میں دو گروہ ہیں۔

(اول) وہ لوگ جو کہتے ہیں، کہ مذہب ایک اسم مشترک ہے تین مرتبوں کی بناء پر (اول) جو مناظرات و مباحثات کے ذریعہ سے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

(دوم) جو کچھ تعلیمات و ارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔

(سوم) وہ محققات جو انسان کے دل میں مشاہدات و نظریات کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہر ایک کامل شخص کو اس اعتبار سے تینوں مذاہب حاصل ہوتے ہیں پہلی صورت کے اعتبار سے مذہب یوں ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوا، یا جس استاد سے تعلیم پائی یا جس شہر میں رہائش ہوئی انہیں کے مطابق مذہب بھی ہو گیا یہ علاقہ شہر اور استادوں کے لحاظ سے مختلف

ہوتا ہے چنانچہ جو شخص معتزلیوں یا اشعریہ، یا شافعیہ، یا حنفیوں کے ملک میں پیدا ہوا، اس کے دل میں وہی بات جم گئی بچپن سے ہی وہ ایک مذہب پر قائم ہو گیا اس کے علاوہ جو طریقہ ہے اسے وہ ناپسند اور مذموم سمجھتا ہے۔

چنانچہ اسے معتزلی، شافعی، اشعری، یا حنفی کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ خاص خیالات کے گرد و سے تعلق رکھتا ہے اور ان کی امداد و موالات کرتا ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک قبیلہ ہو اور اس کے مختلف افراد ایک دوسرے کی امداد و اعانت کریں اس خاص تعصب کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک جماعت چاہتی ہے کہ میں عوام کی اتباع حاصل کر کے دوسروں پر غالب آ جاؤں اور عوام کے سامنے جب تک ایک ایسی جماعت کی حیثیت نہ پیش کی جائے جو غلبہ و استیلا کے رنگ میں ہو، ان کو جوش نہیں آتا، چنانچہ تمام دینوں میں مذہب اسی جماعتی رنگ کے باعث پیدا ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ فرقوں میں تقسیم ہو گئے حسد و نفسانیت کی بلائیں حرکت میں آ گئیں ان کا نصب سخت ہو گیا، اور ایک دوسرے کی امداد کرنے کا جذبہ مضبوط بعض شہروں میں جب سب لوگ ایک مذہب پر متحد ہو گئے اور طالبان ریاست و حکومت لوگوں کی تابعداری حاصل کرنے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے بعض ایسی باتیں وضع کیں جن سے متعلق ان کا خیال تھا کہ ان کی ضرورت مخالفت کی جائے گی، اور ان کے برخلاف تعصب کا اظہار کیا جائے گا۔ جیسے علم اسود اور فہم احمر، چنانچہ ایک گروہ نے کہا یہ حق ہے کہ وہ سیاہ ہے اور دوسروں نے کہا نہیں بلکہ زرد ہے چنانچہ ان گمراہوں کے سر کر دوں کا مقصد حاصل ہو گیا، عوام کی اتباع حاصل ہو گئی اور مخالفین کا بازار گرم ہو گیا عوام نے خیال کیا کہ یہ بہت اہم باتیں ہیں وضع کرنے والوں کے سر گرد و ہوں نے وضع کرنے کی غرض جات سے کر لی۔

(مذہب ثانی) جو ارشاد و تعلیم کے مطابق اس شخص کو حاصل ہوتا ہے، جو استفادہ کرے اور ہدایت پائے۔ اس کی کوئی خاص ایک ضرورت نہیں معین کی جاسکتی۔ بلکہ یہ تعلیم حاصل کرنے والے کے مطابق مختلف ہوتی ہے چنانچہ ہر ایک طالب علم و رشد اپنے فہم کے مطابق عقائد قائم کرتا ہے اگر مسترشد ترکی ہے یا ہندی یا کندی بن درشت حراج آدمی ہے اور معلوم ہو کہ اگر اس کے سامنے بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی مقام نہیں، وہ نہ جہاں میں داخل ہے نہ اس سے خارج، نہ کائنات میں متصل ہے نہ منقطع تو وہ جلد ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو جائے گا اور اس کو جھٹلا دیگا تو چاہیے اس کو بیان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے اور یہ کہ وہ بندہ کی عبادت سے خوش ہوتا ہے اور مہربان ہوتا ہے اور اپنے بندوں کو اس

عبادت کے بدلے میں جنت میں داخل کر دیتا ہے اور اگر مسترشد کے متعلق یقین ہو کہ وہ حقیقت کو اخذ کرنے کا اہل ہے تو اس کے سامنے حق یقین ہی کا ذکر کیا جائیگا اس اعتبار سے مذہب متغیر اور مختلف ہو جائیگا اور ہر شخص کے فہم اور سمجھ کے مطابق اس کی کیفیت ہوگی۔

(مذہب ثالث) وہ عقائد جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک روز کی صورت میں ہیں، ان کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا، اور ان کا ذکر صرف اس شخص سے کیا جاتا ہے جو اس کو پہنچا کر مردے اور ان حالات و کیفیات میں اس بندے کا شریک ہے یا اس رتبہ کو پہنچ چکا ہے جو ان باتوں کو قبول کرنے اور سمجھنے کے قابل ہے اس کی صورت یوں ہے کہ مسترشد کی اور ذہن ہو اس کے دل میں کوئی موروٹی یا دوسرا اعتقاد جاگزیں نہ ہو چکا ہو اور نہ اس کا دل کسی خاص رنگ میں رنگا جا چکا ہو، جس کا محو کرنا ناممکن ہو اس کی مثال اس شخص کی مانند کی جاتی ہے جس پر کچھ لکھا جا چکا ہو، اور اس کا ازالہ صرف جلانے یا پھاڑ دینے سے ہو سکتا ہے اس قسم کے آدمی کی طبیعت بگڑ چکی ہے اور اس کی اصلاح کی طرف مایوس ہو جاتا چاہیے چنانچہ جو کچھ اس کے خلاف مرضی کہا جائیگا اسے سننا پسند کے خلاف کی ممانعت کے حیلے تلاش کرے گا اور اگر انتہائی طور پر وہ اور اس کی ہمت اسے سمجھنے پر کمر بستہ ہو جائے تو اسے اپنے فہم کے متعلق شک پیدا ہو جائیگا تو پھر اس بات کا کیا علاج ہے کہ اس کی غرض ہی نہ سمجھنے کی کوشش کرنا ہے، اس لئے آخری طریق کا ان تمام باتوں کے ہوتے سوتے بھی ہے کہ اس کے سامنے سکوت اختیار کر لے اور اسے اپنے حق پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہ پہلا اندھا شخص نہیں جو اپنی گمراہی کے باعث ہلاک ہو چکا ہے، غرض یہ لوگوں میں سے ایک گروہ کا طرز عمل ہے، اب آیا فریق دوم اور اس میں اکثر لوگ شامل ہیں ان کا قول یہ ہے کہ مذہب ایک ہی ہے، یہی وہ اعتقاد ہے جو ہر شخص کے حسب حال اور تعلیم و ارشاد کے مطابق بتایا جاتا ہے اور اسی کا خیال دل میں بٹھایا جاتا ہے اور وہ یا مذہب اشعری ہے یا معتزلی، یا کرامی یا کوئی اور مذہب، پہلے لوگ ان لوگوں سے اس بات میں موافق ہیں کہ اگر وہ مذہب کے متعلق پوچھیں کہ آیا وہ ایک ہے یا تین تو تین کہنا جائز نہ ہوگا بلکہ واجب ہے کہ کہہ دیا جائے کہ وہ ایک ہی ہے اگر تم عقلمند ہو تو تمہاری مذہب کے متعلق زحمت سوال کو باطل کر دے گا کیونکہ لوگ زبانی طور پر اس بات میں متفق ہیں کہ مذہب ایک ہی ہے پھر وہ اپنے باپ کے مذہب یا اپنے معلم کے مذہب یا اپنے اہل شہر کے مذہب پر اڑے رہنے کے متعلق بھی متفق ہیں اگر کوئی شخص اپنے مذہب کا یقین کرے تو تمہیں اس میں کوئی منفعت حاصل نہ ہوگی دوسرا شخص آئے گا تو اس کی مخالفت کرے گا ان میں سے

کسی کے پاس بھی کوئی ایسی محیر العقول سند نہیں۔

جس سے وہ اپنی جانب کا پلڑا جھکا سکے، تم سب مذاہب کو برابر سمجھو اور سچائی کو فکر کے ذریعہ سے تلاش کرو، تاکہ تم خود صاحب مذہب ہو جاؤ اور اندھوں کی طرح نہ بنو کہ اپنے رہنما کے پیچھے اندھا دھند روانہ ہو اور وہ تمہیں ایک راستہ پر چلائے حالانکہ تمہارے ارد گرد ہمارے رہنما کی طرح کے ہزاروں رہنما ہیں جو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ وہ تمہیں گمراہ کر رہا ہے اور ہلاک کر رہا ہے انجام کار اپنے رہنما کی غلطی کو معلوم کر لو گے اس وقت سوائے استقلال کے اور کوئی صورت رہائی کی نہ ہوگی۔

خذ ما نراه ودع شينا سمعت به

ہی طالع الشمس ما یغلیک عن زحل

ہم نے اس قسم کی باتیں اس لئے کہی ہیں، کہ تمہیں اپنے موروثی عقیدے میں شک و شبہ پیدا ہو جائے اور تم طلب و جستجوئے حق میں سرگرم و سرگرواں ہو، کیونکہ شکوک ہی حق کی منزل پر پہنچاتے ہیں۔ اور جو شخص شک نہ کرے گا، نظر و فکر سے کام لے گا اور جو غور و فکر سے کام نہ لے گا بصیرت اندوز نہ ہوگا اور جو بصیرت نہ ہوگا، اندھا رہیگا اور قعر گمراہی میں پڑا رہے گا۔

بعوذ باللہ من ذالک

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم

نماح سرہ



من يهدي الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له

رسالہ مسماۃ بہ

# نہایۃ السعادیۃ

ترجمہ

بداية الهداية

تصنیف حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

مترجم

مولوی غلام احمد صاحب منتظم کمیشن قرضہ علاقہ سرکار نظام

۱۳۰۹ھ





## بدایۃ الہدایۃ

الحمد لله حق حمده والصلوة والسلام على خير خلقه

محمد وآله واصحابه من بعده

بعد حمد و صلوة کے گزارش ہے کہ ان دنوں رسالہ بدایۃ الہدایۃ تصنیف حضرت جتہ الاسلام امام غزالیؒ اس عاجز کی نظر سے گزرا اور اس کے مضامین افادات انگین کے لحاظ سے بے اختیار جی چاہا کہ اس کا ترجمہ بغرض افادہ و نفع نام کے کیا جائے اس رسالہ کے دو حصہ ہیں پہلا حصہ عبادات سے متعلق ہے، اور دوسرا حصہ اخلاق سے عبادات میں جس قدر مسائل بیان ہوئے ہیں وہ سب مذہب امام شافعی کے موافق ہیں اس لئے بالخصوص شافعیوں کیلئے یہ ترجمہ بہت ہی سودمند ہو گا۔ اور دوسرے ائمہ کے پیروی کرنے والوں کے واسطے بھی یہ رسالہ اس واسطے کار آمد ہے کہ اس میں اکثر وہ ادعیہ مندرج ہیں، جو خاص جناب رسالت مآب ﷺ سے ماثور ہیں دوسرا حصہ تو عام مضامین اخلاق سے متعلق ہے جو عموماً مضمر ہے اور یہ حصہ جس قدر دلچسپ ہے اور باوجود اختصار کے کیسے کیسے سودمند ابواب کا اس میں ذکر ہے اس کا امتیاز ذوق سلیم خود کر سکتا ہے ترجمہ میں نفس مضمون کا زیادہ تر خیال رکھا گیا ہے محض لفظی ترجمہ کا چنداں لحاظ نہیں کیا گیا اس واسطے کہ لفظی ترجمہ میں اکثر تعقیدات واقع ہو جاتے ہیں جو عام طلباء کے لئے مفید نہیں ہیں اور بعض جگہ مراقی العبادیہ (شرح اصل رسالہ) کے مضامین بھی مناسبت مقام کے لحاظ سے کچھ کچھ بڑھا دیے گئے ہیں۔

فقط

غلام احمد

## آغاز کتاب

جو شخص کہ تحصیل علم کا حریص اور آرزو مند ہو اس کو پہلے ہی اس بات کا فیصلہ کر لینا چاہیے کہ تحصیل علم سے اس کا مقصد کیا ہے اگر صرف اپنائے جنس میں فخر و مباہات اور امتیاز و خصوصیت کا حاصل کرنا ہے یا اجر متاع دنیوی پیش نظر ہے۔ تو اس کو یقیناً سمجھ لینا چاہیے کہ وہ خود آپ اپنے ہلاک نفس اور تحریب دین کی کوشش میں ہے اور یہ چاہتا ہے کہ عمدہ متاع دین کو فضول نمود و دنیوی کے معاوضہ میں بیچ ڈالے پس اس قسم کا معاملہ بے سود ہے۔ اور ایسی تجارت بے فائدہ۔ بلکہ اس قسم کی تعلیم کا وبال معلمین پر بھی ہے کہ انکی ایسی تعلیم جو بظہر بفساد ہو ان کو بھی اس خسارت میں شریک حال کر دیتی ہے۔ ایسے معلمین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو رہزنوں کے ہاتھ ہتھیار بیچے۔ چنانچہ جناب رسالتؐ فرماتے ہیں، **مَنْ اَعَانَ عَلِيَّ مَعْصِيَةً وَلَوْ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ كَانَ شَرِيكَاهُ** یعنی جو شخص کہ معصیت پر تائید کرے اگرچہ ایک جزو لفظ کے ساتھ بھی ہو تو وہ اس کا شریک ہے اور اگر تحصیل علم سے یہ نیت ہو کہ جہل نفسانی دور ہو جائے جہال کی تعلیم و تربیت کی جائے احیائے دین اور بقائے اسلام میں کوشش کئے جھوٹے نام و نمود کا خیال نہ ہو۔ الحاصل یہ خواہش ہو کہ سارا سامان اپنے پروردگار کی رضا مندی کا فراہم کرے تو ایسی نیک نیتی کے نتائج کا کیا کہنا اس کے فضاائل یہاں تک مروی ہیں کہ جب ایسا شخص تحصیل علم کے لئے چلتا ہے تو ملائکہ اس کے پیچھے چلنے پر اس کو بچھاتے ہیں۔ اور جب تک وہ اس شغل میں مصروف رہتا ہے دریا کی مچھلیاں تک اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتی رہتی ہیں بہر حال سب سے پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ ہدایت جو شمرہ علم ہے اور اس کی ایک ابتداء ہے اور ایک اجتہاد ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اس کی اجتہاد تک پہنچنا بغیر اس کے ابتدا کے استحکام کے محال ہے اور اس کے باطن کا حال معلوم کرنا بدون واقفیت اس کے ظاہر کے دشوار ہے اس لئے ہم یہاں ہدایت کے ابتدائی امور کو ذکر کرتے ہیں تاکہ ہر شخص ان کے ساتھ اپنے نفس کی آزمائش اور قلب کا استحضار کرے اگر کوئی شخص اپنے دل میں ہدایت کے حاصل کرنے کا سچا میلان دیکھے اور نفس میں اس کے حاصل کرنے کی

قابلیت پا ئے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس میں مدارج نہایت کمالات کے حصول کی بھی صلاحیت موجود ہے اور وہ علوم اسرار لدنی سے بھی حد وافر حاصل کر سکیگا اگر برخلاف اس کے نفس میں تجاہل و تساہل پایا جاوے اور بد اقتضائے ہدایت عمل کرنے میں لیت لعل ہو تو سمجھ لے کہ نفس امارہ اس پر اپنا غمگن کرنا چاہتا ہے اور شیطان اس بات کے ور پے ہے کہ اس کو اپنا مطیع و منقاد بنا لے تاکہ اپنے مکرو فریب سے قہر ہلاک میں جھونک دیوے اور بعوض حصول سعادت کے شر و فساد میں مبتلا کر دے یہی نہیں بلکہ ان لوگوں میں شمار ہو جائے جن کے اعمال بدترین اعمال ہیں، اور جس کی سعی و کوشش دنیا میں ضائع گئی ہے اور اپنی کج فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں ایسے لوگوں کے بہکانے کے لئے اگرچہ شیطان فضیلت علم اور مراتب علما کو بھی ظاہر کرتا ہے، اور جو کچھ فضائل کا ذکر اخبار و احادیث میں آیا ہے اس کو سنتا ہے مگر باوجود اس کے اس مضمون حدیث کے سمجھنے سے ان کو غافل رکھتا ہے کہ من ازاد اد علم اولم یزداد ہدیٰ لم یزداد من اللہ الا بعدا یعنی کو کسی نے بہت کچھ علم بھی حاصل کیا ہو لیکن اس پر ہدایت کا پرتو نہ پڑا ہو تو اللہ سے سوائے دوسری کے اور کوئی چیز حاصل نہیں ہے اور نیز وہ شخص اس مضمون سے نااہل ہے کہ اشد الناس عذابا یوم القیامۃ عالم لم ینتفعہ اللہ بعلمہ سخت تر عذاب قیامت کے دن اس عالم پر ہوگا کہ جس کو علم سے فائدہ نہ پہنچے اور وہ جنات رسالت مآب ﷺ کی اس دعا عبرت انگیز سے بھی واقف ہے جو آپ اکثر بارگاہ قدس میں کیا کرتے تھے کہ اے پروردگار پناہ چاہتا ہوں میں ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو اور ایسے دل سے کہ جس میں تیرا اثر نہ ہو اور ایسے عمل سے جو کہ مدارج عالی پر نہ پہنچائے۔ اور اس دعا سے جو مقبول نہ ہو۔ اور نیز فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی شب ایک ایسی جماعت دیکھی کہ جن کے ہونٹ مقرض ہار جہنم سے کٹے ہوئے تھے میں نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو تو انھوں نے کہا کہ ہم وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتے رہے مگر خود اس سے غافل تھے اور ان کو شر سے پرہیز کرنے کا حکم کرتے تھے حالانکہ ہم خود اس میں مبتلا تھے جبکہ علماء کی ہوجہ ترک عمل ایسی درد انگیز حالت ہے تو جہلا کا خدا ہی حافظ ہے۔ پس انسان کو مواخذہ الہی سے بچنے کے لیے جو کچھ حفاظت کرنی ہے وہ ظاہر ہے یہاں تک تو حصول علم کی ضرورت کا ذکر تھا اب مقاصد علم کا حال سنئے کہ بعض تو صرف حصول رضائے الہی اور مراتب اخروی کے لحاظ سے

اصل دعا یہ ہے، اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع و قلب لا یخضع و عمل لا یرفع و دعا لا یسمع۔

تحصیل علم کرتے ہیں جن کا شمار زمرہ فائزین میں ہے اور بعضوں کو دنیوی و جاہت و جاہ کا خیال حصول علم کے طرف مائل کرتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کو عمدہ حالت میں بسر کریں۔ جب ایسی نیت ہو جاتی ہے تو ایک قسم کی رکاکت اور رست مقصود سے متعلق ہو جاتی ہے جس سے ایسے گروہ کی حالت خطرناک ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر قبل تو بہ کے اجل نے تعدیل کی تو سوء خاتمہ کا خوف ہے اور ان لوگوں کے لئے یہ بات بھی مشیت ایزدی سے متعلق ہے کہ فائز بہ تو بہ ہوں اور اعمال نیک اختیار کرنے سے تلافی ماناں ہو جائے اور بمصادیق التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ وہ بھی فائزین میں محسوب ہو جائیں تیسرے درجہ میں وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ظاہر و باطن میں بالکل اغراض نفسانی کی پابندی کی ہے اور علم کو محض حصول و جاہت اور تقاضا دنیوی کا خیال کیا ہے اور باوجود اس کے جو علماء کی حیثیت اور لباس اور گفتگو میں ان کے رسوم اختیار کیے ہوئے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہارگاہ اقدس میں بھی مرتبت حاصل ہے درحقیقت یہ لوگ بالکین سے ہیں اس لئے کہ اس کا یہ خیال ابھنا کہ ہم فائزین سے ہیں ان کو تو بہ کرنے سے بھی محروم رکھتا ہے اور وہ اس آیت کریمہ سے بھی غافل ہیں کہ یا ایہا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون اے ایمان والو ایسی باتیں کیوں کرتے ہو کہ جس پر تمہارا عمل نہیں ہے اور انہیں لوگوں کے مناسب حال جناب رسالت مآب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں انما من غیر الدجال اخوف علیکم فنبیل وما هو یا رسول اللہ فقال علماء السوء یعنی مجھے دجال کے سوائے بھی اور لوگوں سے تم کو مضرت پہنچنے کا زیادہ تر خوف ہے تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دجال کے سوائے اور کس سے مضرت کا اندیشہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ عالمان بے عمل سے یعنی وہ جو صرف برائے نام عالم کہلاتے ہیں جن کا علم زبان پر مہی ہے اور دل نور علم سے منور نہیں ہے یہ بھی منافقین میں سے ہیں جنہوں نے علم کو محض حرفہ کے طور پر حاصل کیا ہے ان کی غرض فقط دنیا حاصل کرنا ہے کیونکہ دجال کا کام تو صرف گمراہ کرنا ہے اور یہ علماء گمراہان سے دنیا کی ہرائیاں سنا کر لوگوں کے دلوں کو اس سے پھراتے ہیں مگر زبان حال و اعمال سے اس میں ہمسے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بہ نسبت اقوال کے افعال کو طبیعت میں زیادہ اثر ہے۔ خاص کر جہال کو امور دنیا کے جانب جو میلان ہو جاتا ہے وہ ایسے ہی علماء کے جرأت دلانے سے ہے پس باوجود اس کے کہ ان کا علم باعث گمراہی عوام الناس ہے کبھی تو یہ حصول جنت کی تمنا میں مبتلا ہیں۔ اور کبھی جمع مال کی آرزو ان کی دامگیر ہے اور کبھی بلحاظ طبیعت اس خط میں بھی مبتلا ہیں کہ ہم اکثر ہند گان خدا سے متشنع و مستاز ہیں۔ لہذا

انسان کو چاہیے کہ حتی الامکان فریق ثانی (مخاطبین) سے پرہیز کرے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ تو یہ کرنے میں جلدی نہ کرے اور تعمیلِ اہل کی وجہ سے اپنی عاقبت بگاڑ لیتے ہیں اور فریق ثالث (ہالکین) میں ہو جانے سے تو بہت ہی احتراز کرنا لازم ہے کیونکہ اس سے سوائے ہلاکت کے مطلقاً نجات کی توقع ہی نہیں ہے بہر حال اب ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی بیان کرتے ہیں کہ ہدایت ہدایت کیا ہے تاکہ ہر شخص اس کو سمجھے اور اس کا تجربہ کرے ہدایت ہدایت ظاہری تقویٰ ہے اور نہایت ہدایت باطنی تقویٰ بہر حال سرمایہ نجات انسان تقویٰ ہے۔ اور جو لوگ مفت تقویٰ سے متصف ہیں وہی فائزین سے ہیں تقویٰ امتثال اور امر الہی اور اجتناب منہائی کو کہتے ہیں پس امتثال و اجتناب کو ظاہری تقویٰ سے جہاں تک تعلق ہے یعنی ادب طاعات اور ادب ترک معاصی اس کا ذکر بطور اختصار کے کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ادب صحبت کا ذکر بھی مناسب ہے تاکہ یہ کتاب جملہ مطالب ضروری کی جامع ہو جائے۔

## قسم اول آداب طاعات

اوامر الہی کی دو قسم ہیں فرائض اور نوافل، فرائض بمنزلہ رأس المال اور اصل تجارت کے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے انسان مہلکات سے نجات پاسکتا ہے اور نفل قائم مقام نفع کے ہیں اور وہی مدارجِ اعلیٰ پر پہنچنے کا ذریعہ ہے چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے قال ﷺ یقول اللہ تبارک وتعالیٰ ما تقرب الی المحقر بون بمثل اداء ما فترضت علیہم ولا یزال العبد ینتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا حببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ ویصرہ الذی یراہ ولسانہ الذی ینطق بہ ویبذہ الی یبطش بہا ورجلہ الی یمشی بہا حضرت رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب باری تعالیٰ شانہ سے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ مقررین نے بارگاہِ قدس میں میرا تقرب ان احکام کے ادا کرنے سے زیادہ اور کسی چیز سے میرا تقرب حاصل نہیں کیا ہے جو ان پر فرض کر دیے گئے ہیں بلکہ ہمیشہ بندہ کا تقرب ادائے نوافل سے زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اور جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو میں خود اس کے کان ہو جاتا ہوں کہ جس کے ذریعہ سے وہ سنتا ہے اور اس کے آنکھ ہو جاتا ہوں

جس کے ذریعہ سے وہ دیکھتا ہے اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اور اس کے پیر بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ سے وہ چلتا پھرتا ہے اس کے درجہ تقرب کے حاصل کرنے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ قلب و جوارح سے اوامر الہی کے حفظان کی پابندی از صبح تا شام رہے کیونکہ خداوند عالم ظاہر و باطن کے حالات سے واقف ہے تمام فطرت اور حرکات و سکنات پر اس کا علم محیط ہے حالات غلوط و خلوت سب اس پر کھلے ہوئے ہیں ہر ذرہ کے سکون و حرکت پر وہ مطلع ہے خیانت چشم اور مخفیات صدور کو وہ جانتا ہے کوئی بھی اس پر پوشیدہ نہیں ہیں لہذا چاہیے کہ اجتنابِ معاصی اور حصولِ آداب طامات میں کوشش لگی رہے جو ذریعہ حصولِ تقرب بارگاہِ ایزدی کا ہے لیکن اس بات کا حاصل کرنا بغیر تقسیمِ اوقات اور دوام و ردو و خاکف کے محال ہے یعنی وقت بیداری سے وقت استراحت تک اوامر الہی کا پابند رہنا لازمی ہے۔

## آداب استیقاظ یعنی بیداری

طی الصباح سونے سے اٹھنے کی عادت کرنی چاہیے اور پہلی جو چیز دل میں خطور کرے یا زبان سے نکلے وہ اپنے پروردگار کا ذکر ہو اس لئے یہ دعا پڑھا کرے **اللہم** **الذی احیاننا بعد ما اماتنا والیہ النشور اصبحنا واصبح الملک** **للہ والعظمة والسلطان للہ والعزة والقدرۃ للہ رب العالمین**۔ سب طرح کی تعریف اسی خدا کے لئے ہیں جس نے موت کے بعد ہم کو زندہ کیا کیونکہ نیند بھی مثل موت کے ہے اور اسی کی طرف **المرثۃ** ہے صبح کی ہم نے اور ملک نے اللہ کے لئے عظمت و شای اسی کے لئے ہے عزت و قدرت بھی اسی خدا کے لئے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے صبح کی ہم نے فطرتِ اسلام پر اور کلمہ اخلاص اور دین پر ہمارے نبی کے جو کلمہ **لا الہ الا اللہ** ہیں اور ملت پر ہمارے باپ ابراہیم کے جو مشقیم ہے اور وہ مشرکین سے نہ تھا۔ پروردگار ہم تیری ہی عنایت سے صبح تک زندہ رہے شام تک زندہ رہنا بھی تیری ہی مرضی پر موقوف ہے تیرے ہی اختیار میں ہماری موت و حیات ہے اور تیرے ہی حضوری میں حاضر ہونا ہے اسی پروردگار سے ہم دعا کرتے ہیں آج کا روز ہر طرح کی نیکی میں بسر ہو جاوے اور بدی سے محفوظ رہیں نہ ہم کسی مسلمان کو نقصان پہنچائیں اور نہ ہم کسی کو عذر پہنچائیں ہم دعا کرتے ہیں کہ آج کا دن ہمارے لئے اچھا ہو۔ اور ابھی حالت میں گزر جاوے آج کا دن ہمارے حق میں برائہ ہو اور اس میں کوئی برائی نہ نکلے۔

اصبحنا على فطرة الاسلام وعلى كلمة الاخلاص وعلى دين  
 نبينا محمد ﷺ وعلى ملة ابينا ابراهيم حنيفا مسلما وماكان من  
 المشركين اللهم بك اصبحنا وبك امسينا وبك نحيا وبك  
 نموت واليك النشور اللهم انا نسألك ان تبعثنا فى هذا اليوم  
 الى كل خير ونعوذ بك ان نحترح فيه سوء، ونجبره الى مسلم  
 او بجبره احد اليهنا نسالك خير هذا اليوم وخير ما فيه ونعوذ بك  
 من شر هذا اليوم وشر ما فيه ، لباس پہننے وقت بھی خدا کے احکام کا یعنی ستر عورت  
 کا خیال رہے کیونکہ جو لباس لوگوں کے دکھانے کے غرض سے پہنا جاتا ہے وہ خسران کا باعث  
 ہے۔

## آداب دخول بیت الخلاء

بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت بایاں پاؤں پہلے رکھے اور واپسی کے وقت  
 سیدھا پاؤں، برہنہ سرنگے پاؤں بیت الخلاء میں نہ جانا چاہیے اور ساتھ کوئی ایسی چیز نہ ہونی  
 چاہیے کہ جس پر خدا یا اس کے رسول کا نام لکھا ہو بیت الخلاء میں جانے کے وقت یہ دعا پڑھے۔  
 بسم اللہ اعوذ باللہ من الرجس النجس الحبیث المخبیث  
 الشیطان الرجیم اور واپس ٹھٹھنے کے وقت پڑھے غفرانک الحمد للہ  
 الذی اذهب عنی ما یؤذینی وابقی فیّ ما ینفعنی ع قضاے حاجت  
 کے وقت کلوغ موجود رکھے قضاے حاجت کی جگہ پانی سے امتحان نہ کرے اور پیشاب کے بعد  
 کھنکارے اور تین دفعہ عضو قاضل کو سونت دے اور اس کے نیچے بایاں ہاتھ پھیرے کہ جس سے  
 قطرات باقی ماندہ خارج ہو جائیں اگر جنگل میں قضاے حاجت کی ضرورت ہو تو ایسی جگہ  
 ایہرکت نام پاک باری تعالیٰ پناہ چاہتا ہوں شیطان پلید سے جو راندہ درگاہ ہے۔

ع مغفرت چاہتے ہیں ہم تجھ سے اسی پروردگار کو تو نے نکالا ہمارے میں سے اس چیز کو جو ہمارے منہ سے تھی  
 اور باقی رکھا اس چیز کو جو نفع بخش ہے۔

اختیار کرے کہ لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کسی چیز کی آڈر کے لئے قضائے حاجت کو بیٹھنے سے پہلے برہنہ نہ ہو چاند اور سورج کے محاذی نہ بیٹھے قبلہ کی جانب رو پشت نہ کرے مجمع سے پرہیز کرے آب غیر جاری میں پیشاب نہ کرے شردار درختوں کے نیچے نہ بیٹھے پتھر اور سخت زمین اور ہوا کے رخ پر پیشاب نہ کرے کہ چھینے نہ آئیں اسی کے متعلق یہ حدیث وارد ہے کیا ان عاصمۃ عذاب القبر منہ اور جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھے تو بائیں پیر کی جانب ذرا جھکا رہے کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرے مگر ضرورت استنجا پہلے کلویں سے اور پھر پانی سے افضل ہے اگر اقتصار مقصود ہو تو صرف پانی پر کفایت کرے اگر کلویں پر اقتصار مقصود ہو تو تین پتھر پاک ہوں بول اور نجاست کو اس ترکیب سے پاک کرے کہ نجاست منقل نہ ہو قصب کو بڑے پتھر پر تین مختلف جگہ چھوانے سے بھی طہارت حاصل ہوتی ہے اگر تین پتھر کافی نہ ہوں تو پانچ سات یا طاق عدد جو کچھ ہو لے سکتے ہیں کیونکہ عدد طاق مستحب ہے استنجا بائیں ہاتھ سے کریں اور بعد طہارت کے اس دعا کو پڑھیں اللھم طہر قلبی من النفاق وحصن فرجی من الفواحش بعد طہارت کے ہاتھ کو زمین یا دیوار پر رگڑ کر پانی سے دھونا چاہیے۔

## آداب وضو

قبل از وضو مسواک کریں کہ منہ پاک ہوتا ہے یہ فعل پسندیدہ خدا ہے شیطان اس سے بھاگ جاتا ہے ایک وقت مسواک کے ساتھ نماز ادا کرنا بلا مسواک کے ستر نماز سے افضل ہے چنانچہ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ قال رسول اللہ ﷺ لولا ان اشق علی امتی لا امرتھم بالسواک فی کل صلاۃ راستما بﷺ فرماتے ہیں کہ اگر دشوار نہ ہوتا میری امت پر تو حکم کرتا کہ ہر نماز کے لئے مسواک کریں وعنہ ﷺ امرت بالسواک حتی خشیت ان یکتب علی اور نیز ارشاد ہوتا ہے کہ مجھے خداوند عالم کا حکم خاص کہ مسواک کے بارے میں اس تاکید کے ساتھ ہوا ہے کہ مجھ کو خوف تھا کہ کہیں فرض نہ ہو جائے وضو کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بلند جگہ بیٹھے تاکہ چھینٹے نہ آئیں عام مذاہب قبر کا باعث ہے۔

جی اے پروردگار پاک کر میرے دل کو نفاق سے اور پچا میری فرج کو فواحش سے۔



اڑیں ہاتھ دھونے سے قبل اس دعا کو پڑھے بسم اللہ الرحمن الرحیم اعوذ بک  
من ہمزات الشیاطین واعوذ بک رب ان یحضر وں پھر ہاتھ تین  
مرتبہ دھوئے اور کہے اللھم انی اسالک الیمن والبرکۃ واعوذ بک من  
الشیوم والہلکۃ رفع حدت یا استباح صلوٰۃ کی نیت کرے مگر نیت نہ دھونے سے قبل  
کرنی چاہیے پھر تین مرتبہ مضمرہ کرے پانی اس صلوٰۃ تک پہنچایا جاوے بشرطیکہ روزہ دار نہ  
ہو کیونکہ روزہ کی حالت میں اس قدر مبالغہ سے افطار کا خوف ہے اور یہ دعا پڑھے اللھم  
اعننی علی تلاوۃ کتابک وکثرة الذکر لک وثبتنی بالقول الثابت  
فی الحیاء الدنیا و فی الآخرة اور پھر تین مرتبہ تاک میں پانی لیوے تو اس  
دعا کو پڑھے اللھم ارحنی رابحۃ الجنة وانت عنی راض اور جب نئی  
پاک کرے تو اس دعا کو پڑھے اللھم انی اعوذ بک من روایح النار وسوء  
السادۃ پھر اسی طرح مذکور پیشانی سے ٹھوڑی تک طول میں ایک کان سے دوسرے کان تک  
دھونا چاہیے تاکہ جہاں کہیں چہرہ پر ہال ہوں جیسے ابرو وغیرہ خوب تر ہو جائیں اور عورات کو  
پیشانی کی ابتدا مانگ کے قریب سے خیال کرنا چاہیے اگر ریش کم ہو تو بالوں کے تہ میں پانی  
پہنچانا واجب ہے گنجان ہو تو انگلیوں سے خلال کیا جاوے نہ دھونے کے وقت یہ دعا پڑھے  
اللھم بیض وجہی بنورک یوم تبیض وجوہ اولیائک ولا تسود  
وجہی بظلماتک یوم تسود وجوہ اعدائک پھر دونوں ہاتھ بعبادت  
معروف کہنی تک دھو دیں بہ ترتیب یعنی پہلے وایاں پھر بایاں اور وایاں ہاتھ دھونے کے وقت یہ  
دعا پڑھے اللھم اعطنی کتابی بیمنی وحاسبنی حساباً یسیراً  
۱ شروع کرنا ہوں نام سے اللہ کے جو صبر مان اور رحیم ہے۔ اے پروردگار بنا چاہتا ہوں میں تجھے دسواں  
شیاطین سے اور نیز یہ کہ ان کی تربیت سے کسی بدی کا ارتکاب نہ ہو۔  
۲ اے پروردگار میری عرض یہ ہے کہ میں زبردست عنایت ہو اور شروء پاکت سے نجات ملے۔  
۳ پروردگار قرآن مجید کے پڑھنے اور تیرے زیادہ ذکر کرنے کی طاقت عطا فرما اور دنیا و آخرت میں قول ثابت  
پر قائم رکھ۔

۴ اے خدا جنت کی خوشبو سونگھا اور مجھ سے راضی ہو جا۔

۵ اے خداوند عالم روزِ رزق سے اور روزِ رزق کی ہوا سے محفوظ رکھ۔

۶ اے خدا روشن کر میرے منہ کو تیرے نور سے اس روز جو تیرے دوستوں کا من روشن ہوتا ہے اور مست سیاہ کر  
میرے من کو تار کچی گناہ سے اس روز جو تیرے دشمنوں کا من کالا ہوتا ہے۔

۷ اے خدا میرے اعمال نامہ کو سیدھے ہاتھ میں دے اور آسانی سے حساب لے

ہا یاں ہاتھ دھونے کے وقت یہ پڑھے اللھم انی اعوذ بک ان تعطنی کتابی  
بشمالی یا شمالی کے جگہ و راء ظہری پڑھے پھر مسح سر بالاستیعاب بطریق معلوم کرے  
اور اس وقت یہ دعا پڑھے اللھم اغثنی برحمتک وانزل علی من  
برکاتک واطلنی تحت ظل عرشک یوم لا ٔطل الا ٔظک اللھم  
حرم شعری وبشری علی النار پھر تازہ پانی لے کر کانوں کا مسح کرے یا بطور  
کے اندر اور باہر سب تر ہو جائے اور انگشت ہائے شہادت سے کانوں کے اندر مسح کرے بیرونی  
جہت کا مسح سر انگشت سے کیا جاوے اور اس وقت یہ پڑھے اللھم اجعلنی من  
الذین یستمعون القول ویدبعون احسنہ اللھم اسمعنی منادی  
الجنت فی الحنتی مع الابرار پھر گریبان کا مسح بطریق معمول کیا جاوے اور اس وقت  
یہ دعا پڑھے اللھم فک رقبتی من النار واعوذ بک من السلاسل  
والاغلاق پھر دونوں پاؤں ٹٹوں تک دھوے اور انگلیوں کا خلال یا بطور کرے مگر ابتداء  
سیدھے پاؤں کی چھوٹی انگلی سے کی جاوے اور پھر غلی ترتیب خلال کرتے ہوئے بائیں پاؤں  
کے خضر پر ختم کرے انگشت خلال کو نیچے کی طرف سے انگلیوں کے بیچ میں پہنچاوے سیدھا  
پاؤں دھونے کے وقت یہ دعا پڑھے اللھم ثبت قدمی علی الصراط  
المستقیم مع اقدام عبادک الصالحین ہا یاں پاؤں دھوتے وقت یہ دعا  
پڑھے اللھم انی اعوذ بک ان تنزل قدمی علی الصراط فی النار  
یوم تنزل اقدام المنافقین والمشرکین پاؤں کے دھونے میں احتیاط یہ ہے کہ نصف

اے خدا پناہ چاہتا ہوں میں کہ بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ نہ دیا جاوے۔

۱۱۔ اے پروردگار وہ چسپالے مجھ کو تیری رحمت میں اور مائل کر مجھ پر تیرے برکتوں کو اور قیامت کے دن تیرے  
سایہ کے نیچے جگہ دے اس روز تیرے سوا کسی کا سہارا نہیں ہے اے خدا میرے ہال اور میرا مدد و دوزخ کی آگ  
سے محفوظ رکھ۔ ۱۲۔ اے خدا مجھ کو ان لوگوں کو میں شامل کر جو بات سنتے ہیں اور اچھی بات کی اطاعت کرتے

ہیں اے پروردگار قیامت کے روز تیرے فرمانبرداروں کے ساتھ منادی جنت اذان سنائے۔ ۱۳۔ اے

خدا مجھ کو دوزخ سے بچا اور پناہ مانگتا ہوں میں طوق دوزخ سے۔ ۱۴۔ اے خدا ثابت رکھ میرے قدم کو

صراط مستقیم پر تیرے پرہیزگار بندوں کے قدم کے ساتھ۔ ۱۵۔ اے پروردگار پناہ چاہتا ہوں میں تجھ

سے کہ متزلزل نہ ہو قدم میرا صراط پر دوزخ کی طرف اس روز جو منافقین اور مشرکین کے قدم متزلزل ہو گئے۔

(یعنی قیامت کے روز)۔

ساق تک ہو بہر حال ہر عضو پر تین تین مرتبہ پانی پہنچایا جائے اور جب وضو سے فراغت ہو تو آسمان کی طرف متوجہ ہو کر یہ دعا پڑھے۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھدان محمد عبیدہ ورسولہ سبحانک اللہم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت عملت سوأ وظلمت نفسی۔ استغفرک واتوب الیک فاغفر وتب علی انک انت التواب الرحیم اللہم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین واجعلنی من عبادک الصالحین واجعلنی صبوراً شکو راً واجعلنی اذکرک ذکر اکثیراً واسبحک بکرة واصیلاً۔ وضو میں ان دعاؤں کے پڑھنے سے کل خطیات متعاقبہ اعشاء معاف ہو جاتے ہیں وضو پر مہر ہو جاتی ہے۔ اور عرش کے نیچے جگہ دی جاتی ہے کہ ہمیشہ وہ تسبیح و تقدیس میں مصروف رہے ایسے وضو کا ثواب قیامت تک لکھا جاتا ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص وضو کے وقت اُمید نہ کرے پڑھے اس کا تمام جسم پاک ہو جاتا ہے ورنہ صرف اسی قدر پاک ہوگا جہاں پانی پہنچا ہو۔

فرائض وضو یہ ہیں۔

(۱) منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا۔

(۲) مسح کرنا۔

(۳) پاؤں ٹخنوں تک دھونا۔

(۴) نیت۔

(۵) ترتیب وضو میں سات چیزوں سے احتراز چاہیے۔

(۱) ہاتھوں کو نہ جھٹکا کہیں کہ پانی دور ہو جاوے۔

۱۔ گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی سوائے اللہ کے وہ ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں جن کی تحقیق محمد بندہ اور رسول اس کے ہیں پاک ہے تو اسے خدا اور قسم ہے تیرے حمد کی کہ گواہی دیتا ہوں میں کہ نہیں ہے کوئی خدا مگر تو میں نے گناہ کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا مغفرت چاہتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں پس بخش میرے گناہ کو مٹھ کر دے تو توبہ قبول کئے والا مہربان ہے اے خدا گناہ کو ترک کرنے والوں میں تجھ کو شامل کر دے اور پاک لوگوں میں ملادے تیرے پر بیخ نگار بندوں میں میرا شمار ہو جاوے مجھ کو صابر و شاکر بنا اور ہر انت دے مجھ کو کہ تیری یاوز یا دہ کروں اور تسبیح کروں تیری صبح اور شام۔

(۲) منہ دھوئے اور مسح سر کے لئے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر نہ کھیلے رہیں بلکہ ایک بار دونوں ہاتھ سے پانی لیکر منہ بھی دھوئے اور مسح بھی کرے۔

(۳) وضو کے وقت گفتگو نہ کرے۔

(۴) کسی عضو کو تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھویا جائے۔

(۵) حاجت سے رائد پانی صرف نہ کرے۔ اکثر بوجہ وسوسا ایسا کیا جاتا ہے مگر اس سے احتراز لازم ہے کہ اہل وسوسا کا شیطان مضحکہ کرتا ہے اور اس مضحکہ کنندہ شیطان کا نام دلہان ہے۔

(۶) جو پانی کہ تابش آفتاب سے گرم ہوا اس سے وضو نہ کرے۔

(۷) کانسر کے ظرف سے بھی وضو نہ کرے۔

## آداب غسل

اگر احتلام و جماع سے آدمی مجب ہو تو غسل کرے آداب غسل یہ ہیں۔

پہلے دونوں ہاتھ کو تین بار دھو ڈالے۔ نجاست بدن سے دور کرے اور وضو کرے مگر پاؤں نہانے کے بعد دھوئے اس وجہ سے کہ (پاؤں دھو کر پھر اس کا زمین پر رکھنا پانی کا ضائع کرنا ہے جب وضو سے فراغت ہو سر پر تین بار پانی ڈالے اور رفع حدث خباثت کی نیت کی ہو

الہائیس کے ٹولہ کے ہیں ہر ایک کا نام اور محل حسب ذیل ہے۔

(۱) خنزب، وسوسہ انداز نماز۔

(۲) دلہان، نقل طہارۃ۔

(۳) زلہو، رزائے مفتوحہ اور لام مشددہ ت۔ نچ و شائیں برائی پیدا کرنے والا جیسے ہاسین کا جھوٹی قسم کھانا کیل و میزان کا تفرقہ وغیرہ ان سب الجواب کا بھی محرک ہے۔

(۴) اعمو، ترغیب و ہند و زنا۔

(۵) وسنان، بو اور مفتوحہ دین مہملہ ساکنہ۔ نیند کا تلبہ اور نماز میں سستی اسی کی ترغیب سے ہے۔

(۶) شریغوفیہ، دانشہ مصیبتوں اور لڑائیوں میں جتا کرنے والا شیطان۔

(۷) واسم، بدال و سین مہملتیں۔ زن و شوہر جس بھرا ڈالنے والا۔

(۸) مطو، میم مفتوحہ اور طامہ ملہ سے محرک کہ ب۔

(۹) ابیش، یہ انبیاء اور اولیاء کے خدمت میں رہتا ہے انبیاء اس سے محفوظ ہیں اولیاء اس سے بچنے کی

ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں اگر اللہ نے بھائی ترخیرہ کر نہ دی آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

پھر سیدھے موٹے سے پر تین بار اور بائیں موٹے سے پر بھی تین بار اور بدن آگے اور پیچھے سے تین تین بار ملے اور سر اور داڑھی کے بالوں میں خلال کرے اور بدن کے سلونوں میں اور بالوں کی جڑوں میں عام اس سے کہ وہ گھٹنے ہوں یا تھوڑے پانی پہنچا دے وضو کے بعد اپنے ذکر کو چھونے سے احتراز کرے کیونکہ اس سے وضو کا اعادہ لازم ہوتا ہے فرائض غسل یہ ہیں۔

(۱) نیت۔

(۲) ازلاء نجاست۔

(۳) کامل جسم کا ترک نہ۔

## آداب تیمم

اگر پانی ڈھونڈنے سے بھی میسر نہ آئے یا بیماری یا درندہ جانور یا جس کا ڈر ہو یا پانی اس قدر ہو کہ صرف تنگی کے لئے کافی ہو (تنگی خود کو ہو یا کسی رفیق کو ہو) یا پانی بہ قیمت معمولی نہ ملے یا ایسا رزم ہو کہ پانی کے استعمال سے فساد وضو کا خوف ہو تو ان سب صورتوں میں اس وقت تیمم جائز ہے جس وقت کہ فرض نماز کا وقت آئے حجیم کے لئے چاہیے کہ ایسی زمین دیکھے جس پر پاک اور خالص و نرم مٹی ہو اور اس پر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں جوڑ کر ہنجر مارے اور فرض نماز مباح ہونے کی نیت کر لے اور ان کو اپنے تمام چہرہ پر پھیرا دے غبار کو بالوں کے نیچے پہنچانے میں خواہ وہ تھوڑے ہوں یا بہت وقت نہ اٹھائے پھر انگلی میں اگر انگلی ہو تو انگلی نکال دے اور انگلیاں مکمل رکھ کر دوسری ضرب مارے اور ہاتھوں کا مسح کہنی تک کرے اگر یہ ضرب کافی نہ ہو تو دوسری ضرب مارے تاکہ کامل مسح ہو جائے پھر ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی سے ملے اور انگلیوں کے درمیان خلال کرے ایک تیمم ایک وقت کی فرض نماز اور نوافل جتنے چاہیں پڑھ سکتے ہیں دوسری فرض نماز کے لئے جدید تیمم چاہیے۔

## آداب روانگی مسجد

جب طہارت سے فارغ ہو چکے اگر صبح ہو گئی ہو تو صبح کے دو رکعت نماز سنت مکان میں پڑھ لے کہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ پھر مسجد کو جاوے جماعت کو ترک نہ کرے خصوصاً نماز صبح میں کیونکہ تنہا نماز سے جماعت کی نماز ستائیس درجہ افضل ہے مسجد کو

جائے تو جلد جلد نہ چلے وقار اور آہستگی کے ساتھ جائے اور راست میں یہ دعا پڑھی اللہم  
انی اسألك بحق السائلین علیک وبحق الراغبین الیک  
وبحق ممشای ہذا البک فانی لم اخرج اشرأولا بطرا ولا رياء  
ولا سمعة بل خرجت ابتغاء لسطحک وابتغاء مرضاتک فاسألك  
ان تغفر لی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت .

## آداب دخول مسجد

مسجد میں داخل ہونے کے وقت سیدھا پاؤں آگے بڑھائے اور یہ دعا پڑھے  
اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد وصحبہ وسلم اللہم  
اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک ۔ مسجد میں بیٹھ شرائع ہے اور گشودہ  
چیز کی تلاش بھی ۔ اگر کوئی ان باتوں میں مشغول ہو تو کہے خدا نہ تمہارے معاملہ میں برکت  
دیوے اور نہ تمہاری گشودہ چیز تمہیں ملے حدیث میں یوں وارد ہے کیونکہ مسجد عبادت کے لئے  
ہے نہ ایسے ابواب کے لئے مسجد میں داخل ہونے کے بعد بغیر دو رکعت تحیمہ مسجد پڑھنے کے نہ  
بیٹھے اگر طہارت نہ ہو یا تحیمہ مسجد کے پڑھنے کا ارادہ نہ ہو تو تین مرتبہ دعا باقیات الصالحات یعنی  
بحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر (اور بعض اس کے بعد ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی  
العظیم بھی زیادہ کرتے ہیں) پڑھے اور بعض کہتے ہیں کہ چار بار اور بعضوں کا قول ہے کہ بے  
وضو تین بار پڑھے اور وضو سو تو صرف ایک بار اور اگر سنت دو رکعتیں گھر پر نہ پڑھی ہوں تو انھیں  
دو رکعتوں کا پڑھ لیا تا تحیمہ المسجد کے لئے بھی کافی ہے جب یہ دو رکعت پڑھ لے تو پھر اعتکاف  
کی نیت کرے اور یہ دعا جو جناب رسالت مآب ﷺ پڑھا کرتے تھے پڑھے ۔

۱۱ خدا اہل بیت چاہتا ہوں میں تجھ سے بظہیر ان لوگوں کے جو تجھ سے سوال کرتے ہیں اور تیری طرف  
رغبت رکھتے ہیں اور بوسیلا اس میری رفتار کے جو تیری طرف ہے تحقیق نہیں نکلا میں ہدی کے لئے اور  
نہ سبیل کراہت اور لوگوں کو دکھانے اور شہرت کے لئے بلکہ نکلا میں تیرے عذاب سے بچنے اور تیری  
خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پس میں چاہتا ہوں کہ بچاؤے تو مجھ کو دوزخ سے اور بخش دے  
میرے گناہ کہ نہیں معاف کرتا ہے کوئی گناہ مگر تو ۔

۱۲ اللہ رحمت کاملہ نازل کر محمد پر اور انکی آل و اصحاب پر سلام ۔ اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے  
سے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے ۔

اللهم انی اسالک رحمة من عندک تھدی بہا قلبی وتجمع بہا شملی وتلم بہا شعئی وترد بہا الفتی وتصلح بہا دینی وتحفظ بہا غایبی وترفع بہا شاعدی وتزکی بہا عملی وتبیط بہا وجهی وتلمنی بہا رشدی وتقضی لی بہا حاجتی وتعصمی بہا من کل سوء۔ اللهم انی اسالک ایماناً خالصاً دایماً یبایر قلبی ویقیناً صادقاً حتی اعلم انه لن یصبنی الا ما کتبتہ علی ورضینی بما فسمہ لی اللهم انی اسالک ایماناً صادقاً ویقیناً لیس بعدہ کفر و اسالک رحمة انال بہا شرف کرامتک فی الدنیا والآخرۃ۔ اللهم انی اسالک الفوز عند اللقاء والصبر عند القضاء ومنازل الشہداء وعیش السعداء والنصر علی الاعداء ومرافقة الانبیاء اللهم انی انزل بک حاجتی وان صعب دانی وقصر عملی وافتقرت الی رحمتک فاسالک یا قاضی الامور ویا شافی الصدور کما تجیر بین البھور ان

الحی میں تجھ سے تیرے پاس کی رحمت کا سوال کرتا ہوں جس سے تو میرے دل کو ہدایت کرے اور میرے امور متفرق کو جمع کرے اور میری پریشانی کو دور کرے اور میری الفت کو بھلا دے اور میرے دین کی اصلاح کرے اور میرے غائب کی حفاظت کرے اور میرے ظاہر کو بلند کرے اور میرے عمل کو مستقر کرے اور میرے مزہ کو روشن کرے اور میری راہ پالی دل میں ڈالے اور میری حاجت کو بر لا دے اور تمام برائیوں سے مجھ کو روکا دے۔ اے خدا میں مانگتا ہوں تجھ سے ایمان خالص اور دائم جو اوست رکھے میرے دل سے اور سچائی تاکہ میں سمجھوں کہ نہیں پہنچی مجھ کو کوئی بات مگر وہ جو تو نے میرے لئے لکھا تھا اور راضی ہوں میں اس بات سے جو تو نے میرے حصے میں دیا۔ اے خدا سوال کرتا ہوں میں تجھ سے سچے ایمان اور یقین کا کہ جس کے بعد کفر نہیں ہے اور تیری رحمت چاہتا ہوں تاکہ پوسیلہ اس کے حاصل کروں میں تیری بندگی کے شرف کو دینا اور آخرت میں اے خدا مانگتا ہوں رسائی رفت لقا اور مہر دقت انصاف کے اور منزلت شہداء کی اور خوشی نیک بختوں کی اور غلبہ دشمنوں پر اور رفاقت انبیاء کی اے خدا تیرے پاس اپنی حاجت پیش کرتا ہوں اگرچہ ضعیف ہے میری رائے اور کی ہے عمل میں احتیاج ہے مجھ کو تیری رحمت کی پس چاہتا ہوں تجھ سے اے فیصلہ کرنے والے کاموں کے اور شفا دینے والے دلوں کے جس طرح غلجہ دہکتا ہے، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملنا خط فرمائیں۔

تجیرنی من عذاب السعیر ومن فتنۃ القبور ومن دعوة الثبور۔  
 اللہم ما قصر عنه رانی وضعف عنه عملی ولم تبلغه نیتی  
 وامنیبتی من خیر وعدتہ احداً من عبادک او خیر انت معطیه  
 احداً من خلقتک فانی ارغب الیک فیہ واسالک ایاہ یارب  
 العالمین اللہم اجعلنا ہادین مہتدین غیر ضالّین ولا مضلّین  
 حرباً لا عدانک سلماً لا ولیانک نجب بحیک الناس ونعادی  
 بعد اوتک من خالفک من خلقتک اللہم ہذا الدعاء وعلیک  
 الاجابۃ وھذا الجہدہ وعلیک التکلان وانا الیہ راجعون  
 ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اللہم ذالھل الشدید

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ ضرور پڑھیں کہ آپس میں ملنے لگے ایسا ہی بچا مجھ کو خذاب و دوزخ سے  
 اور قبر کے فتنے سے اور خواستگاری جلاکت سے اے خدا جس بات کے بگھنے میں میری رائے قاصر ہو  
 اور جس کام کے کرنے میں میرے عمل میں کوتاہی ہو یا اس نیکی کا قصد و ارادہ نہ ہو جو تو نیکی اپنے بندہ  
 کے ساتھ وعدہ کیا ہو یا کسی کو عطا کرنے والا ہو میں خواہش کرتا ہوں اس کی تجھ سے اور مانگتا ہوں اس کو  
 تجھ سے اے پروردگار عالم اے خدا مجھ کو ہدایت کرنے والا اور  
 گمراہ کرنے والے اور گمراہوں میں مت ملا تو اپنے دشمنوں کا دشمن اور دوستوں کا دوست بننا ہم تیری محبت کے  
 لئے لوگوں سے دوستی اور تم سے خلافت کرنے والوں سے دشمنی اے خدا یہ دعا ہے اور تجھ سے اس کے  
 قبول کی امید ہے یہ کوشش ہے اور تجھ پر بھروسہ ہے ہم ملک ہیں اللہ کی اور اس کے طرف پھرنے والے ہیں  
 طاقت گناہ سے باز رہنے اور قوت عبادت کرنے کی مگر خدا عظیم الشان ہے۔ اے خدا تو اتنا توفیق دہندہ  
 مانگتا ہوں تجھ سے اس زجر کے دن اور رحمت بروز مشر مقررین کے ساتھ جو کثرت سے نماز پڑھنے والے ہیں  
 اور تیرے عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔ تحقیق کہ تو رحیم ہے اور انتہاء درجہ کی محبت کرنے والا ہے جو  
 چاہتا ہے تو وہی کرتا ہے پاک ہے موصوف ہے عزت کے ساتھ اور غالب ہے اس میں پاک ہے  
 مصطفیٰ ہے کبریائی کے ساتھ اور بزرگ ہے اس میں وہ پاک ہے اور میں قبول کرنے والوں کے سوا کوئی نہ  
 صلح نہیں ہے پاک ہے اور صاحب فضل و نعمت ہے پاک ہے صاحب قدرت و احسان ہے پاک ہے تمام  
 چیزیں اس کے علم میں مکی ہوئی ہیں اے خدا میرے دل کو قبر کو سمجھ کو لے کر مال کو، دوست کو، دوست کو گوشت کو خون کو  
 ہڈیوں کو آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے سب کو منور کر اے خدا زیادہ کر میرے نور کو اور عنایت فرما نور  
 اور مجھ کو نور ہی نور کرو سے تیری رحمت سے ہے رحم الراحمین۔



والامر الرشید اسالک الامن يوم الوعيد والجنة يوم الخلود مع المقربين الشهود الركع السجود الموفين لك بالعهد انك رحيم ودود انت تفعل ما تريد سبحان من تعطف بالعزوق قال به سبحان من ليس المسجدو تکره به سبحانه من لا ينبغي التسبيح الا له سبحان ذي الفضل والنعم سبحان ذي القدر والاکرم سبحان الذي احصى كل شيء بعلمه اللهم اجعل لی نوراً فی قلبی ونوراً فی قبری ونوراً فی سمعی ونوراً فی بصری ونوراً فی شعری ونوراً فی بشری ونوراً فی لحمی ونوراً فی دمی ونوراً فی عظامی ونوراً من بین یدئ ونوراً من خلفی ونوراً عن شمالي ونوراً من فوقی ونوراً من تحتي اللهم زدنی نوراً واعطني نوراً واجعل لی نوراً برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اس کے بعد فرض نماز کے پڑھنے تک ذکر اور تسبیح اور قرأت میں مشغول رہے اس اثنا میں جب مؤذن اذان شروع کرے تو اس کا جواب دے یعنی اگر وہ اللہ اکبر کہے تو آپ بھی اللہ اکبر کہیے اسی طرح ہر ایک کلمہ تکمیل میں یعنی جب وہ کہے جی اصلوۃ وحی علی الفلاح تو لا حول لا قوۃ الا باللہ اعلیٰ اعظمی کہے اور بجا جواب اصلوۃ خیر من النوم کے کہے صدقت و ہر رت انا علی ذالک من الشاہدین کے کہے قامت میں بھی اسی طرح کہنا چاہیے مگر قد قامت اصلوۃ کے جواب میں اقامہا اللہ و ادامہا ما دامت السموات الارض کہے اور جب جوابات مون سے فراغت ہو تو یہ دعا پڑھی اللہم انی بذلک عند حضور صلواتک واصوات دعائک وادبار لیلک

پہنچنا گناہوں سے اور نہ طاقت عبادت پر مگر اللہ کی مدد سے جو عظیم الشان ہے نماز بہتر ہے نیند سے۔

بچہ کہا اور نیک ہوا تو اور میں اس بات پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔  
قائم رکھے اس کو اللہ اور ہمیشہ رکھے جب تک کہ آسمان وزمین قائم رہیں۔

سے خدا مانگتا ہوں تجھ سے تیرے نماز کے وقت اور آواز دعا کی وقت شب کے چانے اور دن کے تے وقت یہ شکر بخش مجھ کو، وسیلہ اور فضیلت اور درجہ عالی اور عطا کر ان کو مقام محمود جس کا تو نے وعدہ ہے اور تو خلاف وعدہ نہیں کرتا اے ارحم الراحمین۔

واقبال تھارک ان توتسی محمدًا الوسيلة والفضيلة  
والدرجة الرفیعة والبعثة المسمومة المحمود الذی وعدته انک  
لا تختلف الميعاد یا ارحم الراحمین اگر نماز کلمات میں اذان کی آواز آوے تو  
پہلے نماز تمام کرے اور پھر اداۓ جواب کی طرف مشغول ہو اگر نماز باجماعت ہو تو کچھ تکبیر  
تحریر امام کے مشغول باقتدا ہو اور بعد اتمام نماز کے یہ دعا پڑھے اللھم صل علی  
محمد وعلی آل محمد وسلم اللھم انت السلام وادخلنا دار  
السلام تبارکت یا ذا الجلال والاكرام سبحان ربی العلی الا علی  
الوہاب لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له له الملك وله الحمد  
یحیی ویمیت وهو حی لا یموت بیدہ الخیر وهو علی کل شیء  
قدیر لا الہ الا اللہ اہل النعمة والفضل والثناء الحسن لا الہ  
الا اللہ ولا نعبد الا اياه مخلصین له الدین ولو کرہ الکافرون ۔ بعد  
اس کے دعائے جامع انکم یعنی وہ دعا پڑھے جو جناب رسالت مآب ﷺ نے حضرت عائشہ کو  
تعلیم فرمائی تھی جو یہ ہے اللھم انی اسالک من الخیر کلہ عاجلہ و آجلہ  
ما علمت منه وما لم اعلم واعوذ بک من الشر کلہ عاجلہ  
و آجلہ ما علمت منه وما لم اعلم واسالک الجنة وما تقرب الیہا  
من قول وعمل ونیة واعتقاد واسالک من خیر ما سئلک منه  
عبدک ونبیک محمد ﷺ واعوذ بک من شر ما استعاذک منه عبدک  
ونبیک محمد ﷺ اللھم وما قضیت علی من امر فاجعل  
لے خدا رحمت نازل کر مگر پر اور ان کی آل پر اور سلام ۔ الھی تو محبوب سے پاک ہے اور گناہوں  
سے سلامت رہتا تیری ہی ذات سے ہے اور سلامتی تیری ہی طرف پھیرتی ہے زندہ رکھ ہم کو اے خدا  
سلامتی کے ساتھ اور داخل کر جنت میں بڑائی اور بزرگی تیرے ہی لئے ہے پاک ہے میرا رب سب  
سے زیادہ بڑا اور بخشش والا ۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جو ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے اس  
کے لئے ملک ہے اور ستائش ہے جو زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اس کو موت نہیں ہے اسی کے  
ہاتھ میں ہے نیکی اور ہر چیز پر وہ قادر ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جو صاحب نعمت وفضل و ثناء ہے نیز  
ہے معبود مگر اللہ اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں غلوں نیت کے ساتھ اور اسی کے لئے ہے بندگی اگرچہ  
کفار برا چاہیں ۔

عاقبتہ رشداً اس کے بعد وہ رہا پڑھے جس کے پڑھنے کی وصیت رسالت مآب ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی تھی یعنی یا حی یا قیوم یا ذالجلال والاکرام لا الہ الا انت برحمتک استغیث ومن عذابک استجیر لا تکلنی الی نفسی ولا الی احد من خلقک طرفۃ عین واصلاح لی شانی کلہ بما اصلحت بہ الصالحین ع پھر دعا بھی میرا علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھے یعنی اللھم انی اصبح لا استطیع دفع ما اکرہ ولا املک تنع ما ارجو فاصبح الامر بیدک لا بید غیرک واصبحت مرتھنا بعملی فلا فقیر افقر منی الیک ولا غنی اغنی منک عنی اللھم لا تشمت بی عدوی ولا تسوی صدیقی ولا تجعل مصیبتی فی دینی ولا تجعل الدنیا اکبر همی ولا مبلغ علمی ولا تسلط علی بذنبی من لا یرحمنی ع اس کے بعد دعوات مشہورہ سے جو میسر ہو پڑھے بہر حال نماز صبح پڑھنے کے بعد طلوع آفتاب تک اوقات چار کاموں کے لئے منقسم ہوں اس ترتیب سے۔

(۱) دیکھو دعوات۔

الحی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان کل نیکیوں کا جو سر دست ملے والے ہوں یا آئمہ ملیں جس کا مجھ کو علم ہے اور نہیں ہے اور پناہ چاہتا ہوں حال اور آچہ کی تمام برائیوں سے جس کا مجھے علم ہے اور نہیں ہے اور سوال کرتا ہوں جنت کا اور ایسے قول و عمل و نیت و اعتقاد کا جو جنت کے نزدیک کر دے اور اس نیکی کا جس کا سوال تیرے بندہ اور نبی محمد ﷺ نے کیا ہے اور پناہ چاہتا ہوں ان برائیوں سے کہ جن سے تیرے بندہ اور نبی محمد ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ اے اللہ جو بات میری تقدیر میں تو نے لکھی ہو اس کا انجام بخیر کر۔

اے زندہ و توانا اے صاحب عزت و کرم نہیں ہے کوئی لائق عبادت مگر تو۔ میری ہی رحمت سے حل مشکل چاہتا ہوں اور تیرے طبیب سے پناہ مانگتا ہوں مت پر در کھ کھو میرے نفس کے اور کسی مخلوق کے دم بھر۔ اور درست کر دے میرا حال اس چیز سے جس سے کہ تو نے نیکیوں کی حالت درست کی ہے۔

حی میں ایسا ہوں کہ جو بات مجھے بری معلوم ہوتی ہے اس کو نال نہیں سکتا اور اس نفع کو حاصل نہیں کر سکتا جس کی توقع کرتا ہوں کام تیرے ہاتھ میں ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے اور میں اپنے عمل میں پھنسا ہوں تیرے پاس مجھے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے اور تجھ سے زیادہ تر بے نیاز کوئی نہیں ہے الہی خدمات اہل میں مت جھٹلا کر اور میرے دوستوں کو میری وجہ سے رنجیدہ مت کر اور مجھ کو دین میں مصیبت زدہ مت کر اور دنیا کو میرا مقصود و اعظم اور میرے علم کا انتہائی نتیجہ مت بنا اور میرے گناہ کی وجہ سے ایسے شخص کو مجھ پر غالب مت کر جو رحم نہ کرے۔

(۲) وظیفہ اذکار و تسبیحات۔

(۳) وظیفہ قرأت قرآن۔

(۴) وظیفہ تفکر۔

وظیفہ تفکر میں جن باتوں کا خیال ضروری ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ذنوب (۲) خطیئات (۳) قصور عبادت (۴) خوف عذاب (۵) فضیلت اوقات تدارک مافات تاکہ کوئی برائی سرزد نہ ہو۔ طاعات ممکنہ کے ادا کرنے کا خیال رہے اور اس میں بھی افضلیت کا لحاظ ہو اور نیز قرب اجل اور امیدوں کو کاٹنے والی موت کو نہ بھولے، یہ بھی پیش نظر رہے کہ قریب تر سب اختیارات سلب ہو جائیں گے۔ طول امید سے سوائے حسرت و ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا اذکار و تسبیحات میں ادعیا بعد کا درود چاہیے۔

(۱) لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحییٰ یمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قذیر۔

(۲) لا الہ الا اللہ الملک الحق المبین۔

(۳) لا الہ الا اللہ الواحد القہار السموات والارض وما بینہما العزیز الغفار۔

(۴) سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۵) ھیسبح قدوس رب الما ئکۃ والروح۔

(۶) سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

(۷) یا استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ھو الھی القیوم

انہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ ایک ہے وہ اور اس کا کوئی شریک نہیں سب تعریف اسی کے لئے ہیں زائد کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زائد ہے اور اس کو کٹا نہیں ہے اسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے وہ برحق ہے اور ہے۔

انہیں ہے معبود مگر اللہ جو قادر اور ثابت ہے اور ہدایت کا اظہار کرنے والا ہے۔ سب نہیں ہے معبود مگر اللہ جو ایک اور قہار ہے مالک آسمان و زمین کا اور جو کھان کے درمیان ہے غالب اور جنتی والا۔

سچ پاک ہے اللہ اور اس کے لئے حمد ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی اور وہ بہت بڑا ہے نہیں ہے قوت اور طاقت مگر خدا عظیم الشان ہے۔ سچ پاک و خیر ہے اور فرشتوں اور روح کا صاحب ہے۔ سچ پاک ہے اللہ اور تعریف اسی کے لئے ہے پاک ہے وہ خدا ہے بزرگ۔ بے مغفرت چاہتا ہوں اس اللہ سے جو بڑا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ زندہ اور ہمیشہ رہنے والا ہے اس سے نہایت اور مغفرت عابتا ہوں۔

واسالہ التوبۃ والمغفرة۔

(۸) لا الہم لا مانع لما اعطیت ولا معطى لما منعت ولا راد لما قضیت ولا ینفع ذلک منک الجدد۔

(۹) اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد وصحبہ وسلم۔

(۱۰) بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السماء، وهو السميع العليم۔

ہر ایک دعا کو سو مرتبہ ستر یا اقل مرتبہ دس بار پڑھے۔ قبل طلوع آفتاب کے سکوت اولیٰ ہے حدیث شریف میں ہے کہ ان اذکار کا ورد آٹھ بندے (اولاد اسماء علیہ السلام سے) آزاد کرنے سے افضل ہے۔

## ذکران آداب کا جو طلوع آفتاب

### سے زوال تک لازمی ہیں

بعد طلوع کے جب آفتاب بقدر ایک نیزہ کے بلند ہو تو دو رکعت نماز پڑھیں مگر احتیاط یہ ہے کہ کراہت کا وقت زائل ہو جائے۔ کیونکہ فرض نماز صبح کے متصل کسی اور قسم کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جب آفتاب بلند ہو اور چوتھائی دن نکل آئے تو نماز ٹہنی پڑھے۔ چار یا چھ۔ یا آٹھ رکعت مگر وہ گاندہ و گاندہ ادا کرے۔ بہر کیف چونکہ نماز عمل نیک ہے اس میں کمی و زیادتی اپنی اپنی ہمت اور مرضی پر متوقف ہے۔ طلوع آفتاب سے زوال تک سوائے نماز مذکورہ کے اور کوئی نماز نہیں ہے ان سب عبادتوں کے بعد جو وقت بچا رہے اس کی تقسیم حسب ذیل تفصیل چار طرح ہوئی چاہیے۔

۱۔ یا تو وہ وقت طلب علم دین میں صرف ہو کہ بیکار وقت کا ضائع کرنا محض فضول ہے علم الہی خدا تیرے دین کا کوئی مانع نہیں ہے اور جس چیز کو تو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں ہے تیرے ارادہ کو کوئی پھینکنے والا نہیں۔ مگر تو نگروں کی تو نگری تیرے پاس کا رآمد نہیں ہے۔

۲۔ اے خدا رحمت نازل کر محمد اور ان کے آل و اصحاب پر۔

۳۔ اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں کہ جس کے نام کے ساتھ آسمان و زمین میں کوئی چیز ضرر نہیں پہنچاتی وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

دین وہی ہے کہ جس سے خدا کا خوف زائد ہو۔ اور عیوب ذاتی پر اطلاع ہو۔ خداوند عالم کی خواہش پیدا ہو۔ دنیا کی رغبت گھٹے آخرت کا لگاؤ بڑھے۔ کردار بد سے ڈرتا رہے۔ مکر و کید شیطان سے خائف ہو کیونکہ اس کے مکران علما کو خدا کے غضب میں مبتلا کر دیا ہے۔ کہ جن کا ظاہر دباطن یکساں نہیں ہے اور جو محض گندم نما اور جو فروش ہیں یعنی وہ جو دنیا کے مقابلہ میں دین کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے بلکہ علم کو ایک عمدہ ذریعہ حصول اموال سلاطین اور اوقاف بتائی و مساکین کا خیال کرتے ہیں اور اپنے تمام اوقات عزیز کو طلب جاہ و مہابات و نبوی یا فضول مجاہد اور مناقبہ میں صرف کر دیتے ہیں جو وقت کہ تعلیم سے بچے رہے وہ کتاب فقہ کے مطالعہ میں صرف کرنا چاہئے کیونکہ اس سے عبادات اور خصوصاً شفق کے جانچ کا ایک عمدہ ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور ایسے عجیب و غریب مسائل معلوم ہوتے ہیں کہ جو انسانی معاشرت کے لئے بہت ہی کارآمد ہیں یہی علم حق و باطل کے امتیاز کا معیار ہے اور انصاف کا ترازو مگر اس علم کا حصول بھی بعد فراغ ان علوم کے ہے جو تملکہ کفایہ ہیں جیسے علم طب وغیرہ۔

فائدہ:

۱۔ اور اداؤں کا رد کورہ بالا کے توغل میں اگر کسی قدر طبیعت پر پہچ معلوم ہو اور رغبت کم پائی جائے تو سمجھ لو کہ شیطان کا توغل دل میں ہو گیا اور ہلاکت کا وقت آ گیا پس اس سے ضرور بچو کیونکہ شیطان جب ایسی غفلت میں انسان کو مبتلا دیکھتا ہے تو پھر خود ہی اس کے حال پر ہنسا کرتا ہے برخلاف اس کے اگر تحصیل علوم نافع میں دلچسپی ہو کسل و کہالت عاید حال نہ ہو نیت بھی محض خیر ہو یعنی یہ کہ اعمال و اقوال سے احیائے احکام دین کی کوشش کی جائے گی تو یہ ہر قسم کے نوافل عبادات سے افضل ہے اگر نیت میں فتور ہو۔ اور تحصیل علم حصول غرور کا ذریعہ ہو جائے جیسا کہ اکثر جہال میں یہ مفت پائی جاتی ہے تو ایسا عمل باعث مرگت اقدام ہے۔

(۲) اگر تحصیل علم نافع کی قدرت نہ ہو اور ذکر و تہجد و قرأت قرآن اور نماز میں مشغول ہو تو یہ درجہ بھی عابدین کا اور سیرت صالحین کا ہے کہ اس سے بھی نجات پاسکتا ہے۔

(۳) اگر اس سے بھی فرصت ہو تو ان ابواب کے طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ جس سے عامہ مؤمنین کو فائدہ اور مسرت پہنچے اور اعمال صالحین میں تائید ہو۔ جیسے فقہاء اور صوفیائے کرام کی خدمت بیمار پرسی، بیمار داری، مسکینوں کو کھانا، معاشیعت، جنازہ کے ایسے کام ادا کرے نوافل سے افضل ہیں۔

(۴) اگر احتمال امور متذکرہ بالا کی توفیق نہ ہو تو اپنے اہل و عیال کے فقہ کے حصول کی

ہی کوشش کرے کہ وہ بھی عبادت ہے اور تاباں مکان مسلمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے کہ یہ اصحاب یمنین کا درجہ ہے اور اقل مدارج دین سے ہے اب ان ابواب کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے کہ جس سے احتراز واجب ہے کہ وہ شیطان کے مغلوب ایہ ہیں العیاذ باللہ۔ (۱) ایسے افعال کا ارتکاب کہ جس سے دین کی بربادی ہو۔ (۲) مخلوق کو ایذا پہنچانا کہ یہ ہالکین کی صفت ہے۔ اور بدترین اعمال سے ہے۔ بہر کیف بالفاظ مدارج امور دینی کے انسان کی حالت تین قسم پر ہے۔

(۱) سالم وہ جو صرف ادائے فرائض اور ترک معاصی پر اکتفا کرے۔

(۲) رائج۔ کہ جو ادائے نوافل پر بھی قادر ہو۔

(۳) خاسر۔ وہ جو ادائے امور متذکرہ بالا سے مقصر ہو۔

پس انسان کو چاہیے کہ حتی الامکان رائج ہونے کی کوشش کرے۔ بالفرض اگر اس درجہ پر نہ پہنچے تو سالم تو ہو۔ لیکن معاذ اللہ خاسر نہ ہو جائے۔ اور نیز بمقابلہ سایر عباد کہ انسان کی حالت تین قسم پر ہے۔

(۱) بندگان خدا کے حصول اغراض میں بدل ساعی ہو اور ان کے اسباب مسرت کے مہیا کروینے میں کوتاہی نہ کرے۔ یہ درجہ ملائکہ کرام البرہہ کا ہے۔

(۲) اقل گنس قدر ہو کہ۔ مراد خیر تو امید نیست شرمرسان یہ درجہ بہائم و جمادات کا ہے۔

(۳) عقارب و سہاگن کا درجہ ہے یعنی۔ فیض اقرب نہ در پے کین ست۔ مقتضای طبعیتش ایست۔ بہر حال اگر درجہ ملائکہ تک عروج نہ کرے تو درجہ بہائم و جمادات سے بھی نہ گزر جائے اس بیان سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وقت یا تو امور معاش کے حاصل کرنے میں صرف کیا جائے یا معاد کے اگر امور معاش میں تو غل ہو تو نیت ناسید امور معاد کی بھی ضرور ہے۔ اگر لوگوں کے میل جول کے ساتھ امور دین کی حفاظت معرض خطر میں ہو تو عزلت بہتر ہے۔ عزلت میں بھی اگر دوسواں چھپا نہ چھوڑے اور درود و وظائف سے بھی اس کے دفع کرنے پر قادر نہ ہو سکے تو ایسے عزلت و بیداری سے نوم ادلی ہے۔

## آداب نماز

نماز ظہر کے لئے زوال سے پہلے آلودہ رہنا چاہیے نماز تہجد وغیرہ کے لیے جاگنے کی

عادت ہو تو قیلول مناسب ہے بشرطیکہ زوال کے پہلے فارغ ہو جائے۔ قیلول مثل سحر کے ہے یعنی جیسا کہ سحر کرنے سے روزہ میں مدد ملتی ہے ایسا ہی قیلول سے عبادت شب میں تائید ہوتی ہے بغیر عبادت شب کے قیلول کرنا گویا سحر کر کے روزہ نہ رکھنا ہے بہر حال اگر قیلول کیا گیا ہو تو زوال کے قبل اٹھ کر وضو کرے اور مسجد میں داخل ہو کر نماز تہجد پڑھے اور فجر اذان کے چار رکعت نماز ادا کرے۔ جناب رسالت مآب ﷺ اس نماز کو طول قرأت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ اور یہ ارشاد ہوا کرتا تھا کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھلا رہتے ہیں۔ میں دوست رکھتا ہوں کہ اس وقت اعمال نیک کا صعود ہو۔ یہ چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس نے یہ چار رکعت پڑھے اور رکوع و سجود کو اچھی طرح سے ادا کیا تو ستر ہزار فرشتے اس کی نماز میں شریک ہوتے ہیں اور شام تک دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں پھر امام کے ساتھ چار رکعت فرض پڑھے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت مؤکدہ۔ بعد فراغت نماز کے عصر تک ادائی امور مفصلہ ذیل میں مشغول رہے۔ (۱) تعلیم (۲) اعانت مسلمانان (۳) قرأت قرآن (۴) تحصیل معاش بہ نیت تائید دین۔ پھر قبل از عصر چار رکعت سنت پڑھے۔ (اس کے مؤکد وغیرہ مؤکد ہونے میں اختلاف ہے) مگر اس سنت کے بہت بڑے فضائل ہیں حدیث شریف میں وارد ہے کہ قال رسول اللہ ﷺ رحمہ اللہ امرأصل اربعاً قبل العصر۔ فرمایا سرور کائنات ﷺ نے کہ رحم کرے اللہ اس شخص پر کہ جس نے عصر کے قبل چار رکعت نماز پڑھا پس ضرور ہے کہ اس دعا میں فریک ہونے کی کوشش کی جائے عصر کے بعد مغرب تک اپنے اوقات کی حفاظت اسی ترتیب سے کرے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اذکار کا وقت مضاعف نہ ہو یہی قائم و حفظ اوقات شبانہ روز کا ہے مگر عمدہ ترتیب حفظ اوقات کی یہ ہے کہ ہر وقت کے لئے ایک خاص شغل مقرر ہو کہ اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ اگر اس قسم کا التزام رہے تو وقت کی برکت معلوم ہو سکتی ہے اگر حفظ اوقات کا خیال نہ ہو اور مہمل اوقات مثل جانوروں کے (کہ جن کو اپنے وقت کی قدر و قیمت ہی نہیں ہوتی) صرف ہوں تو بڑی حسرت و اندامت کی بات ہے کیونکہ عمر اس لہلہ ہے اس کا ہر لحظہ حفاظت کے لائق ہے بجز تحفظ اوقات کے نعیم دارالابد کے حصول کا کوئی عمدہ ذریعہ نہیں ہے ہر لحظہ ایک جوہر ہے بہا ہے کہ جس کا بدل نہیں۔ اگر رائگاں کھود یا چائے تو پھر اس کا ملنا دشوار ہے پس مثل احتیوں کے طلب جاہ و مال دنیوی میں اچھے اوقات کو ضائع کرنا بے وقوفی میں داخل ہے سب سے بہتر ذریعہ حفظ اوقات کا یہ ہے کہ



از دیارِ علم و عمل صالح میں صرف ہو یہ دونوں ایسے رفیق ہیں کہ کبھی انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتے  
 بخلاف اہل و عیال اور احباب و مال کے کہ جن سے مجرد قبض روح کے مفارقت ہو جاتی ہے مگر  
 علم و عمل کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ الحاصل جب آفتاب مائل بہ زردی ہو تو نماز مغرب کا تہیہ شروع کیا  
 جائے مسجد میں داخل ہو کر تسبیح و تحلیل میں مشغول رہے کیونکہ یہ وقت بھی مثل وقت صبح کی  
 فضیلت رکھتا ہے۔ پھر اٹھ کر یہ سورہ بقرہ سبوح بحمد ربک قبل طلوع  
 الشمس و قبل غروب بھلا۔ اور قبل غروب آفتاب کے سورہ اہل الشمس اور اللیل  
 اور معوذتین پڑھا کرے۔ پھر حال غروب آفتاب تک استغفار میں مشغول رہے جب اذان  
 کہی جاوے تو جواب اذان کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اللھم انی استلک عند اقبال  
 لیلک و ادبار نہارک و حضور صلاتک نحو اصوات دعائک  
 عن توتی محمداً الوسیلة والفضیلة والدرجة الرفیعة وابعثہ  
 المقام المحمود الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد یا ارحم  
 الراحمین

پھر نماز فرض پڑھے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت مؤکدہ اس کے بعد چار رکعت  
 سنت ادائیجین طول قیام کے ساتھ پڑھے اگر ممکن ہو تو نماز عشاء تک اعتکاف کی نیت کی جاوے  
 قرآن و نماز پڑھتے ہوئے عشاء تک وقت صرف کرنا بے حد فضائل کا باعث ہے۔  
 (سلوۃ اوابین کو ناشیتہ الیل بھی کہتے ہیں کہ جس کی فضیلت کلام باری عزاسمہ میں وارد ہے ان  
 ناشتۃ الیل ہی اشد وطناً و اقوم قبلاً سرور کائنات ﷺ سے صحابہ رضوان  
 اللہ تعالیٰ علیہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ کرمہ تتجافی جنوبہم عن  
 المضاجع کے معنی ارشاد فرمائے تو آپ نے کہا کہ یہ وہی نماز ہے جو ماہین عشاء اور مغرب  
 کے پڑھی جاتی ہے کہ جس سے تمام دن کے لغویات محو ہو جاتے ہیں اور وقت مابعد کی حفاظت  
 ہوتی ہے) جب عشاء کا وقت ہو تو قبل فرض کے چار رکعت نماز پڑھے اذان و اقامت کے  
 درمیان جو دعا کی جائے رو نہیں ہوتی پھر فرض نماز پڑھے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت مؤکدہ  
 تسبیح کر اپنے پردہ گار کی حمد کے طلوع و غروب آفتاب کے قبل۔

۱۲۔ اے خدا سوال کرتا ہوں میں تجھ سے شب کے آنے کے وقت دن کے جانے کے وقت اور نماز کے  
 وقت مثل آواز اذان لوگوں کے جو تیری بارگاہ میں دعا کرتے ہیں یہ کہ بخش محمد کو وسیلہ فضیلت اور درجہ  
 عالی اور ان کو اس مقام محمود جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اور تو خلاف وعدہ نہیں کرتا اے ارحم الراحمین۔

اور ان دو رکعت میں سورہ الم سجدہ تبارک الملک، یا سنین شریف یا سورہ دخان پڑھے کہ آنحضرت ﷺ سے اس طرح مروی ہے پھر چار رکعت مستحب پڑھے کہ حدیث شریف میں اس کی بہت بڑی فضیلت مذکور ہے پھر نماز وتر کہ تین رکعت پڑھے خواہ ایک سلام سے یا دو سلام سے اکثر جناب رسالت مآب ﷺ اس طرح اس نماز میں سورہ صبح اسم ربک الاعلیٰ قل یا ایہا الکافرون، اخلام، معوذتین، پڑھا کرتے تھے اگر قیام کا عزم ہو تو وتر کو سب کے آخر میں پڑھے اس کے بعد سوائے مذاکرہ علم و مطالعہ کتب کے دوسرے لبوالب میں مشغول نہ ہو کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ انما الاعمال بالخشوات یعنی اعمال میں امور عواقب کا اعتبار ہے اس میں کسی برائی کا شریک ہو جانا اچھا نہیں ہے۔

## آداب نوم

سونے کے لئے بچھونا ایسی ترکیب سے بچھایا جائے کہ جس پر رو بہ قبلہ سونا ممکن دابنے باز و ایسا سوائے جیسا کہ میت کو لحد میں لٹایا کرتے ہیں اور یہ بات پیش نظر رہے کہ نوم مثل موت کے چھ اور بیداری مانند بھٹ کے ممکن ہے کہ حالت نوم میں روح قبض ہو جاوے لہذا مشاقق لقائے جمال کبریا عزا سہ کو چاہیے کہ با وضو آرام کرے جو کچھ وصیت ہو لکھ کر سراجے رکھے گناہوں سے توبہ کرے اور یہی عزم بالجزم ہو کہ پھر گناہ کا ارتکاب نہ ہو گا تمام مسلمانوں کے ساتھ نیکی کا خیال رکھے اور یہی سمجھے کہ قریب تر لحد میں ایسا ہی تنہا سونا ہے کہ جہاں سوائے اعمال کے کوئی ساتھ نہ ہو گا اور ثواب بغیر سعی کوشش کے نہ ملے گا اور تکلیف نیند کو اپنے اوپر طاری کر لینا نہ چاہیے کیونکہ نیند کیا ہے حیات کو معطل کرنا ہے الا اس صورت میں کہ جاگنے سے صحت میں خلل آتا ہے کہ اس حالت میں سونا سلاحتی دین کا ذریعہ ہے رات دن کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں ان میں سے رات دن آٹھ گھنٹوں سے زیادہ نہ سونا چاہیے یہ بھی کچھ کم نہیں ہیں کیونکہ کوئی شخص ساٹھ برس زندہ رہا تو اس میں بیس برس سونے میں گزر گئے جو اس کی عمر کا تیسرا حصہ ہے سونے کے وقت سر اپنے سواک اور وضو کے لئے پانی مہیا رہے قیام لیل کا عزم بھی ہو یا قبل صبح کے اٹھے آدمی رات کو دو رکعت نماز کا پڑھنا ایک ایسے خزانہ خیر کا جمع کرنا ہے جو کمال احتیاج کے وقت (یعنی قبر میں) کام دے گا کہ جہاں دنیا کا سب مال بے کار

ہو جاتا ہے سونے کے وقت یہ دعا پڑھ لیجئے باسمک ربی وضعت جنبی  
وباسمک ارفعه فاغفر لی ذنبی اللهم قنی عذابک یوم تبعث  
عبادک اللهم باسمک احیی واموت اعوذ بک اللهم من شر کل  
ذی شر ومن شر کل دابة انت آخذ بناصیتها ان ربی علی صراط  
مستقیم اللهم انت الاول فلیس قبلك شیئی وانت الآخر  
فلیس بعدک شیئی وانت الظاہر فلیس فوقک شیئی وانت  
الباطن فلیس دونک شیئی اقضی عنی الدین واغننی من الفقر  
اللهم انت خلقت نفسی وانت تتوفایا لک محیابا ومماتہا ان  
امتنہا فاغفرلہا وان احیتہا فاحفظہا بما تحفظ بہ عبادک  
الصالحین اللهم انی اسئلك العفو والعافیۃ فی الدنیا والآخرة  
اللهم ایتظنی فی احب الساعات الیک واستعلنی باحب  
الاعمال الیک لتقربنی الیک زلفی وتبعدنی عن سخطک بعدا  
اسئلك فتعطنی واستغفرک فتغفر لی وادعوك فتستجیب لی  
اس کے بعد آیۃ الکرسی، آمین الرسول آخر سورت تک، اخلاص، معوذتین، الملک پڑھے اور

ایک تائید تیرے نام کے میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور اسی کے بدولت اللہ اس کا اس کو پس بخشدے  
میرے گناہ اے خدا بچا خدا ب سے اپنے اس روز جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اے خدا تیرے نام  
پر اٹھا اور مار مجھ کو اے خدا چنا مانگتا ہوں تجھ سے شر سے ہر صاحب شر کے اور ہر ایک چار پایہ سے تو  
بچانے والا ہے چوٹی ان کی تحقیق کے خدا راہ راست اٹھانے والا ہے اے اللہ تو اول ہے سو نہیں ہے تیرے  
پہلے کچھ اور تو آخر ہے سو نہیں ہے بعد تیرے کوئی چیز اور تو بلند ہے سو نہیں اوپر تیرے کوئی چیز تو باطن ہے سو  
نہیں سوا تیرے کوئی چیز پورا کریم سے قرض کو اور بے نیاز کریم کو کفر سے الٹی تو نے پیدا کیا میرے نفس کو اور  
تو ہی مارے گا اس کو تجھ سے ہے اس کا زندہ رکھنا اور مارنا اگر مارے تو اس کو تو بخشدے تو اس کو اور اگر زندہ  
رکھے اس کو تو حالت کر اس کی ان چیزوں سے جس سے تو اپنے پرہیزگار بندوں کو بچاتا ہے اے خدا میں  
تجھ سے عضو چاہتا ہوں اور عاقبت دین اور دنیا اور آخرت میں اے خدا مجھ کو اٹھا ایسے ساعت میں جو تیرے  
سے زیادہ پسندیدہ اور مصروف رکھا ایسے عمل میں جو تیرے پاس محبوب تر ہوتا کہ تیرے پاس میرا اقرب زیادہ  
ہو اور اپنے مذاب سے تو مجھ کو دور کر تجھ سے سوال کرتا ہوں پس عطا کر مجھ کو تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں پس  
بخشدے مجھ کو اور دعا کرتا ہوں میں تجھ سے پس قبول کر تو میری دعا کو۔

یوں ہی اللہ کا ذکر کرتا ہوا سو جائے با وضو سونا بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے کہ روح عرش کی سیر میں مصروف رہے گی، بیدار ہونے تک وہ مثل نماز پڑھنے والے کی طرح سمجھا جائے گا اور جب بیدار ہو تو ان باتوں کو عمل میں لائے جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور عمر بھر اس ترکیب کا پابند رہے اور جو اس کی پابندی اور مداومت شاق گزرے تو اس طرح صبر کرے جس طرح کوئی بیمار شفا کے انتظار میں سختی و دوا پر صبر کرتا ہے اور کوتاہی عمر کا خیال کرے اور سمجھے کہ اگر مثلاً میں سو برس زندہ رہا تو یہ مدت نسبت اس مدت کے جو مجھے خدا آفریت میں رہنا ہے اور جس کی انتہا نہیں ہے بہت ہی کم ہے اور یہ سوچے کہ جب میں اس امید پر کہ دنیا میں مثلاً بیس برس تک راحت اور آرام میں رہوں گا مہینہ یا سال بھر کی مشقت و ذلت کی پروا نہیں کرتا تو اس امید پر کہ اب دالہ اور راحت و آرام میں رہوں گا اس کی دنیوی زندگی کے چند روزہ مشقت سے (جو عبادت میں ہو) کیوں اکتا جاؤں اور اس کی برداشت کیوں نہ کروں اور زندہ رہنے کی امید کو طول نہ دے بلکہ یوں سمجھ لے کہ موت قریب ہے اور دل میں کہے کہ مجھ کو آج کے دن کی عبادت کی مشقت اٹھانی چاہیے اس لئے کہ شاید آج رات میں مر جاؤں اور رات پانے تو کہے کہ آج رات کے عباد کی مشقت پر صبر کرتا رہوں اس لئے کہ شاید کل مر جاؤں کیونکہ موت کے آنے کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے کوئی خاص حالت نہیں ہے کوئی مخصوص عمر کی قید نہیں ہے بہر حال وہ آنے والی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کب آئے گی اس صورت میں زواۃ آخرت کی فکر بہ نسبت دنیا کی فکر کے اولیٰ و انسب ہے اور نیز جانے کے مجھے دنیا میں بہت تھوڑے دن زندہ رہنا سے سو ممکن ہے کہ میری عمر کا ایک ہی دن باقی رہا ہو ایک ہی لمحہ غرض کہ ہر روز ہی خیال کرے اور مشقت عبادت پر صبر کرتا جائے بخلاف اس کے اگر یہ جانے کہ میں مثلاً پچاس برس زندہ رہوں گا اور پھر مشقت عبادت پر صبر کرنے کا ارادہ کرے تو دل عبادت سے اکتا جائے گا اور عبادت دشوار معلوم ہونے لگے گی اگر اس طرح عمل کیا جائے گا جس طرح کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں تو مرنے کے وقت بے اعتناء و سرت ہوگی اگر عبادت ایک وقت سے دوسرے وقت پر ڈالی جائے اور اس میں سستی کی جائے تو موت اچانک آ جائے گی اور سخت سے سخت حسرت ہوگی صبح کو وی مسافر منزل پر پہنچ کر آرام و چین سے رہتے ہیں جو رات کو راہ طے کرتے ہیں اس طرح وہی لوگ مرتے دم سرت حاصل کرتے ہیں جو اپنی عمر عبادت میں گزارتے ہیں یہ باتیں اچھی طرح معلوم ہونے کا ایک دوسرا وقت ہے یعنی موت۔ جب ہم ترتیب اور راہ کو جتا چکے ہیں تو اب نماز اور روزہ کی کیفیت اور ان کے آداب اور نیز امامت اور جمعہ کے آداب بیان کرتے ہیں۔

## آداب الصلوٰۃ

جب وضو سے اور بدن اور کپڑے اور جگہ کی نجاست پاک کرنے سے فارغ ہو جاؤ اور ناف سے زانو تک ستر کر چکو تو قبلہ رخ دونوں پاؤں میں کچھ فاصلہ دیکر اس طرح کھڑے ہو کہ وہ مل نہ جائیں اور سیدھے کھڑے رہو اور شیطان سے محفوظ رہنے کے لئے قفل الحمد للہ رب الناس پڑھ لو اور دل کو خدا کی عبادت کے لئے حاضر رکھو اور اس کو دوسو سوں سے خالی رکھو اور اس بات پر نظر ڈالو کہ کس کے حضور میں کھڑے ہو اور کس سے مناجات کر رہے ہو اور اپنے مالک کی عبادت ایسے دل سے کرنے پر شرماء جو اس سے غافل رہے اور دنیاوی وساوس اور نفسانی خواہش سے بہرا ہو اور یہ سمجھو کہ خدا تمہاری دلی کیفیات پر مطلع ہے۔ اور تمہارے قلب کو دیکھ رہا ہے اور خدا کی درگاہ میں تمہاری نماز کی مقبولیت بقدر تمہارے دلی خشوع و خضوع و عجز و نیاز کے ہوتی ہے اس لئے نماز ایسے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو کیوں کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تم کو دیکھتا ہے اور اگر اس وجہ سے کہ تم خدا کے جلال کی معرفت سے قاصر ہو نماز میں تم کو حضور قلب میسر نہیں ہوتا اور تمہارے اعضاء تمہارے قابو میں نہیں رہتے تو یہ خیال کرو کہ ایک صالح آدمی جو تمہارا بزرگ ہے تمہاری نماز کی کیفیت معلوم کرنے کی غرض سے تمہاری طرف دیکھ رہا ہے جب یہ خیال کرو گے تو تمہارا دل حاضر اور تمہارے اعضاء ساکن ہو جائیں گے اب اپنے نفس کی طرف خطاب کر کے کہو کہ اے نفس بدکار کیا تو اپنے خالق اور مالک سے اس بات پر نہیں شرماتا کہ جب تو نے اس بات کا خیال کیا کہ اس کے بندوں میں سے ایک ذلیل بندہ جس کے ہاتھ میں نہ تیرا نفع ہے نہ نقصان تیری طرف دیکھ رہا ہے تو تیرے اعضاء متواضع ہو گئے اور نماز اچھی طرح سے ادا کی گئی پس بڑے غضب کی بات ہے کہ تو یہ جانتا ہے کہ خدا دیکھ رہا ہے اور پھر خشوع و خضوع نہیں کرتا کیا تیرے نزدیک خدا تعالیٰ کا رتبہ اس کے بندوں سے بھی کمتر ہے دیکھ یہ کس درجہ کی سرکشی ہے اور کیسا کچھ جہل ہے اور کیسا بڑا ظلم غرض یہ کہ ان خیالات اور حیلوں سے دل کا علاج کرے تاکہ وہ لفظہ میں حاضر رہے اور دولت حضور قلب میسر ہو کیوں کہ نماز کا اسی قدر حصہ کار آمد ہے جو سوچ سمجھ کر ادا کیا گیا ہو اور جو حصہ کہ سہو

اور غفلت کے ساتھ ادا ہوا ہو وہ استغفار اور کفارہ کا محتاج ہے جب قلب کو حاضر کر چکے تو تہا فرض نماز کے لئے پہلے اقامت کہے اگر جماعت کے ساتھ ہو تو اذان اور اقامت ہر دو (منفرد شخص کے لئے اذان کا مستحب نہ ہونا اس لئے ہے کہ اذان سے صرف اعلان مقصود ہے تہائی میں سوائے اپنی ذات کے دوسرے پر اعلان کا موقع ہی نہیں ہے تو پھر اذان کی ضرورت ہی کیا یہ امام شافعی کا قدیم قول ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مفرد کے لئے بھی اذان کا کہنا مستحب ہے مگر فرق یہ ہے کہ جنگل و صحراء میں تو پکار کر کہے (وگرنہ آہستہ) پھر نیت اس نماز کی کرے جسکا ادا کرنا مقصود ہے (پہلے وقت، خواہ فرض ہو یا سنت یا قصر و غیرہ مقتدیوں کو اقتداء کی بھی نیت کرنی چاہیے استحضار صلوٰۃ کے ساتھ۔ استحضار دو قسم پر ہے حقیقی اور عرفی استحضار حقیقی وہ ہے کہ نماز کی ترکیب بہ تفصیل اجزاء پیش نظر رہے یعنی ہر ایک جز کا یکے بعد دیگرے متخضر رہنا ضروری ہے استحضار عرفی وہ ہے کہ بہ ہیئت اجتماعی نماز کے ترکیب متخضر رہے۔ چونکہ نماز نیت کے ساتھ مقترن ہے لہذا مقارنت بھی دو قسم پر ہے حقیقی اور عرفی مقارنت حقیقی وہ ہے کہ ادائے صلوٰۃ کا خیال شروع تکبیر سے اوائیک برابر رہے کسی جز میں غفلت نہ ہو مقارنت عرفی وہ ہے کہ تکبیر کبھی کسی ایک جز کے ساتھ اقتران ہو) یعنی یہ نیت کرے کہ میں اس وقت کی مٹھا ظہر اللہ کے لئے پڑھتا ہوں تکبیر کے وقت یہ نیت دل میں ہو اور تکبیر سے فارغ ہونے کے قبل دل سے محو نہ ہو جائے نیت کے بعد رفع یدین شانوں تک کرے بایں طوہ کہ ہاتھ اور انگلیاں بحالت معمولی کھلی رہیں ضم اور تفرج میں کوئی تکلف نہ ہو بہر حال دونوں ابہام کا نوں کی لو تک پہنچیں اور سر انگشت کان کے اوپر تک ہتھیلیاں کہنیوں کے محاذی ہوں جب ہر چیز اپنی اپنی جگہ پہنچ جائے تو تکبیر اولی کہیں اور آہستگی کے ساتھ ارسال کریں رفع یدین اور ارسال میں تغیل نہ کیجائے اور دائیں بائیں طرف بھی نہ مڑیں ارسال سینہ پر تمام کیا جائے جب سینہ پر ہاتھ رکھیں تو سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ہو خضر و ابہام سے بایاں پہنچا تھا ما جائے دوسری انگلیاں پہنچے پر کھلی ہوئی رکھیں اور تکبیر کہ اللہ اکبر کبیرا والحمد لله کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا اور پھر وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا مسلما وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکبى ومحیای ومماتى لله رب العالمین لا شریک له وبذا لک امرت وانا من المسلمین پڑھے اور اس کے بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کبکر سورۃ فاتحہ شروع کرے مگر ادائے تشہیدات کا خیال رہے کیونکہ حرف مشدو کو جب تخفیف

کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک حرف ساقط ہو جاتا ہے ضاد اور طاء کے تلفظ میں بھی جہد ملے کیا جائے کہ تبدیل حرف سے قرأت باطل ہو جاتی ہے اور لفظ آمین کو دلائل الضالین کے ساتھ نہ ملائیں اگرچہ نماز ہو تو صبح مغرب اور عشاء میں پہلی دو رکعت جہر کے ساتھ ادا کریں اگر ماموم ہو تو جہر کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ امام خود جہر سے پڑھ لگا صبح کی نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد طوال مفصل اور مغرب میں قصار مفصل ظہر اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھا کرے طوال مفصل میں سورۃ حجرات، حق والمرسلات وغیرہ داخل ہیں اور قصار مفصل میں سورۃ الفصحی سے آخر قرآن تک کوئی سورت بھی ہو اوساط مفصل میں دالسماء ذات البروج یا کوئی دوسری سورۃ جو اس کے مساوی ہو اگر سفر ہو تو نماز صبح میں قل یا ایہا الکفرون، قل هو اللہ احد پڑھے ضم سورۃ کے بعد قل از تکبیر رکوع کے بقدر سبحان اللہ وقفہ افضل ہے حالت قیام میں سر جھکا رہے اور نظر مصلے پر ہو کہ یہ حضور قلب کا باعث ہے سیدھے یا بائیں طرف ملتفت نہ ہوں پھر رکوع کے لئے تکبیر کہے اور رفع یدین بطریق مذکور کرے تکبیر کو اس قدر کھینچے کہ انتہائے رکوع تک پہنچ جائے (تا کہ کوئی جز نماز کا ذکر الہی سے خالی نہ ہو) رکوع میں بتیلیوں کو گھٹنوں پر رکھے انگلیاں ٹھکی رہیں اور دونوں گھٹنوں کے درمیان (بقدر ایک بالشت کے) فرق ہو پشت اور گردن اور سر کو ایسا برابر کر دے کہ ایک سطح مستوی معلوم ہو، کہنیاں پہلو سے جدا رہیں مگر عورتوں کو اس کے خلاف کرنا چاہئے رکوع میں تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہے اگر منفرد ہو تو سات یا دس بار تک بھی تسبیح کا زیادہ کرنا مستحسن ہے پھر سر اٹھاوے اور سمع اللہ لمن حمد کہتے ہوئے رفع یدین کرے جب پورا قیام ہو جائے تو ربنا لک الحمد ملء السموات وملء الارض وملء ما شئت من شیئی بعد کہے نماز صبح کی رکعت ثانی کے رکوع کے اعتدال میں قنوت پڑھے پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ کرے مگر اس تکبیر میں رفع یدین کی ضرورت نہیں ہے تکبیر سجدہ کی یہ ہے کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ بھر پیشانی رکھے مگر سب اپنی اپنی حالت پر ٹھکی رہیں ناک بھی پیشانی کے ساتھ زمین کو لگاوے کہنیاں پہلو سے جدا رہیں پیٹ کو رانوں کے ساتھ نہ ملاوے مگر عورتوں کو اس کے خلاف کرنا چاہئے ہاتھ زمین پر اس وقت ر قاصد سے رکھیں کہ کاندھوں کے محاذی ہو جائیں دونوں بازو زمین پر نہ بچھائے جا میں سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے اگر منفرد ہو تو سات سے دس تک بھی اس تسبیح میں زیادتی ہو سکتی ہے پھر سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھاوے یہاں تک کہ تعدیل سجدہ ہو جائے جلسہ میں بائیں جہر پر تکیہ کر کے بیٹھے اور سیدھا پاؤں کھڑا رہنے دے دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے

انگلیاں کھلی رکھے اور کہے رب اغفر لی وارحمنی وارزقنی واہدنی واجبرنی وعافنی واعف عنی پھر اس طرح دوسرا سجدہ کرے علی ہذا ہر رکعت میں سجدہ وغیرہ کے اعتدال کا لحاظ رہے پھر قیام کے لئے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر اس ترکیب سے اٹھے کہ دونوں پاؤں برابر انھیں تقدیم و تاخیر نہ ہو اسی طرح ہر ہر رکعت ادا کی جائے مگر رکعت ثانی کی ابتداء میں بھی تعوذ کا اعادہ مسنون ہے جب رکعت ثانیہ کے بعد تشہد پڑھنے کے لئے بیٹھے تو سیدھا ہاتھ سیدھے گھٹنے پر رکھے سوائے ایہام اور انگوٹھے کے انگلیاں بند رہیں اور اللہ کہنے کے وقت انگشت شہادت کو اٹھائیں مگر کچھ ایک مالہ کے ساتھ تاکہ سمت قبلہ سے خارج نہ ہو جائے بائیں ہاتھ کھلی ہوئی انگلیوں کے ساتھ بائیں گھٹنے پر رکھیں اور بائیں پیر پر زور دیکر بیٹھیں تشہد کے آخر میں بعد درود کے دعائے مانورہ پڑھیں اور بعد از فراغ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ ودرجہ دونوں طرف کہہ کر اس طرح منہ پھیرے کہ رخساروں کی سپیدی دکھائی دے سلام کے وقت نیت خروج از صلوٰۃ کیجائے اور نیز جائن کے ملائکہ اور مسلمانوں پر سلام کی نیت کی جائے خشوع اور حضور قلب ترتیل قرأت فہم معنی کے ساتھ بہت ضروری ہے کہ یہ عماد الصلوٰۃ کہلائے جاتے ہیں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جس نماز میں حضور قلب نہ ہو تو وہ عقوبت کے قریب ہے جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آدمی نماز پڑھتا ہے تو اس کا چھنا حصہ یا دسواں حصہ نہیں لکھا جاتا بلکہ صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے جس قدر کہ اس نے سمجھا

## آداب امامت

امام کو چاہئے کہ بلحاظ حالات اعلیٰ جماعت کے چھوٹی چھوٹی سورتیں نماز میں پڑھا کرے اس سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح میں نے اختصار اور تکمیل کے ساتھ جناب رسالت مآب ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے ایسی کسی کے ساتھ نہیں پڑھی بہر حال جب صفیں برابر ہو جائیں اور مؤذن اقامت سے فارغ ہوئے تو امام بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہے مقتدی کو صرف اس قدر آواز سے تکبیر کہنا چاہئے جو وہی سنے امام کو امامت کی بھی نیت کرنی چاہئے تاکہ اس کا ثواب ملے اگر نیت نہ کی ہو تو نماز صحیح ہو جائیگی مگر صرف منفرد کی ہی نماز ہوگی مقتدیوں نے اگر اقامت کی نیت کی ہے تو ان کو اقامت کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا امام کو بھی



چاہئے کہ مثل منفرد کے اپنی نماز کو دعاء استفتاح اور تہود سے شروع کرے صبح، مغرب اور عشاء میں پہلے دو رکعت جہر سے پڑھے اور لفظ آمین بھی جہرا کہے اسی طرح مقتدی بھی مگر مقتدی کو چاہئے کہ امام کے ساتھ خود بھی آمین کہے تقدیم و تاخیر نہ ہو امام کو چاہئے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد تہود اساکوت کرے تاکہ مقتدی بھی نماز جہر یہ میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے اگر امام کی آواز سننے میں نہ آئے تو مقتدی کو سورہ پڑھنے کی بھی ضرورت ہے امام کو تسبیحات رکوع و سجود میں تین بار سے زائد نہ پڑھنی چاہئیں اور تشہد اول میں السلام صلی علی محمد کے بعد کچھ نہ پڑھے دو رکعت ثانی میں صرف سورۃ فاتحہ پر اکتفاء کرے ملحوظ جماعت کے تشہد کے آخر میں دعاء طول نہ پڑھے سلام کے وقت امام کو یہ نیت کرنی چاہئے کہ یہ سلام مقتدیوں کی جانب ہے اور مقتدیوں کو جواب سلام امام کی نیت کرنی چاہئے بعد سلام کے تہود اساکوت کرے اور مقتدیوں کے مقابل بیٹھے اور ٹھہرا رہے تاکہ اگر جماعت میں عورات ہوں تو وہ چلی جائیں امام اپنی جگہ سے جب تک ناٹھے مقتدیوں کو بھی انتظار کرنا چاہئے امام سیدھے بابائیں جس طرف سے چاہے جاسکتا ہے مگر افضل یہ ہے کہ سیدھی طرف سے جائے قنوت میں امام صرف اپنی خصوصیت نہ کرے بلکہ السلام اعدنا کہے یعنی ہمیں جمع، امام کو دعائے قنوت پڑھنے کے وقت ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے (لیکن یہ قول ضعیف ہے صحیح یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانا چاہئے) بقیہ قنوت یعنی انک تقضی ولا یقضی علیک سے مقتدی آہستہ پڑھ لے، مقتدی کو چاہئے کہ جماعت کے ساتھ کھڑے رہیں اگر تنہا ہو تو کسی کو اپنے ساتھ لے لے کر نیت باندھنے کے بعد مقتدی کو کوئی فعل امام سے پہلے یا اس کے ساتھ ساتھ نہ کرنا چاہئے مثلاً جبکہ امام رکوع میں پہنچ جائے تو اس وقت قصد رکوع کا کرے علی ہذا سجدہ میں بھی۔

## آداب جمعہ

جمعہ عید المؤمنین ہے یہ مبارک دن اس امت کی خصوصیات میں سے ہے اس تبرک روز میں ایک ساعت سمجھ ایسی ہے کہ اس وقت جو حاجت خدا سے مانگی جائے وہ فوراً مقبول ہوگی پنجشنبہ ہی سے جمعہ کا اہتمام کرنا چاہئے جیسے کپڑوں کی صفائی وغیرہ کثرت تسبیح و استغفار وغیرہ اس قسم کے افعال تو پنجشنبہ کے عصر سے اختیار کئے جائیں کیونکہ پنجشنبہ کے عصر کے بعد بھی ایک ایسی ساعت ہے کہ اس کی فضیلت بھی ساعت سمجھ جمعہ کے برابر ہے جمعہ کا روزہ بھی افضل

ہے علیٰ ہذا پیشینہ اور شبہ کا روزہ، مطلب یہ ہے کہ صرف جمعہ کا ایک روزہ نہ رکھا جائے بلکہ اس کے ساتھ دوسرا روزہ بھی رکھے کیونکہ حدیث میں اس کا اقتناع ہے! قال ﷺ لا یصوم احد یوم الجمعة الا ان یصوم قبله او یصوم بعده (رواہ شیخان) بعد طلوع کے غسل کرے یہ غسل ہر ایک مکلف پر واجب ہے اور سفید کپڑے پہنیں کیونکہ سفید کپڑا خدا کو مرغوب ہے حسب مقدور خوشبو بھی لگائیں سر موٹہ حائیں، ناخن تراشیں، مسواک کریں، بلی الصباح جامع مسجد جائیں کہ مسجد میں بیٹھنے سے انسان کی طبیعت میں سکون پیدا ہوتا ہے اور آدمی عبث افعال سے بچ سکتا ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو پہلی ساعت مسجد میں داخل ہوا گویا اس نے ایک اونٹ قربانی دی اور جو دوسری ساعت میں گیا ایک بکرا قربانی دیا اور جو تیسری ساعت میں گیا اس نے ایک سفید شاندار گوہ قربانی دیا اور جو چوتھی ساعت میں گیا اس نے ایک مرغ قربانی دیا اور جو پانچویں میں گیا اس نے ایک بیضہ دیا۔ جب امام منبر پر چڑھتا ہے تو ملائکہ نامہ اعمال کو پلیٹ دیتے ہیں اور قلم پھینک دیتے ہیں اور اس مبارک وقت میں وہ خود بھی منبر کے پاس خطبہ سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں جو شخص جس قدر پہلے نماز کو جایگا اسی قدر اس کا مرتبہ اللہ کے ہاں زائد ہوگا پہلی صف میں شریک ہونا بہتر ہے لیکن جب لوگ جمع ہو جائیں تو دوسروں کو دھکا دیتے ہوئے نہ جائے اگر کوئی نماز پڑھتا ہو تو اس کے سامنے بھی نہ جائے کسی دیوار یا ستون کے قریب بیٹھیں تاکہ دوسرے لوگ اپنے سامنے سے بھی نہ جانے پائیں جب مسجد میں داخل ہوں تو بدون نماز تحیۃ المسجد پڑھنے کے نہ بیٹھیں مستحسن یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اس کا عادی ہوگا وہ ضرور جنتی ہے امام اگر خطبہ بھی پڑھتا ہو تب بھی تحیۃ المسجد ادا کرے مسنون یہ ہے کہ ان چار رکعتوں میں سورہ انعام، کہف، طہ، اور یس پڑھا کرے اگر اس کا پڑھنا ناممکن ہو تو سورہ یس، دوخان، المجدہ، سورہ ملک پڑھے ان آخری سورتوں کا جمعہ کی شب میں پڑھنا بہت ہی احسن ہے، بصورت مجبوری سورہ اخلاص اور کثرت سے درود شریف پڑھا کرے خطبہ بالادب خاموش تھمکے سنے اور اس کے مضامین سے متاثر ہوا اگر دوسروں کو گفتگو سے منع کرنے کی ضرورت ہو تو اشارہ سے منع کرے الفاظ سے منع نہ کرنے کہ یہ فعل عبث ہے اور فعل عبث کے ارتکاب سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے یہی مضمون حدیث شریف میں بھی وارد ہے بہر حال فرض نماز جمعہ کے بعد سات سات مرتبہ سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھے اور اس وقت گفتگو نہ کرے

ایک مایہ ناز کتاب ﷺ کے کہ روزہ رکھے کوئی شخص جمعہ کے روزہ مگر یہ کہ روزہ رکھے قبل یا بعد اس کے۔

اس کی برکت سے امید ہے کہ دوسرے جمعہ تک آفات سے محفوظ رہے اور شیطان کا تسلط اس پر نہ ہو اس کے بعد یہ دعا پڑھے یا غنی یا حمید یا مبدیٰ یا معید یا رحیم یا ودود اعظمی بحلالک عن حرامک وبطاعتک عن معصیتک عمن سواک جمعہ کے بعد دو یا چار یا چھ رکعت ضرور پڑھے مگر دو گانہ دو گانہ کہ سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ سے اس باب میں (رکعتوں کی تعداد میں) مختلف روایات آئی ہیں نماز جمعہ کے بعد عصر یا مغرب تک مسجد ہی میں رہنا افضل ہے جب تک ٹھہرے رہیں اور سماعت مسجد کے حصول کے بھی خوشگوار رہیں جس کی فضیلت مذکور ہو چکی ہے قبل نماز جمعہ کے فضول اور بیکار لوگوں کا مسجد میں جمع ہونا منع ہے لیکن تعلیم و تعلم علم نافع کے لئے جمع ہوں تو مضائقہ نہیں ہے۔ طلوع اور غروب آفتاب، زوال آفتاب، اقامت امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت اور جب سب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو اکثر دعا کیا کرے کیونکہ ان اوقات میں اس سماعت مسجد کے وقوع کا احتمال ہے۔ جمعہ کے روز کچھ صدقہ بھی دیا جائے اگرچہ کم ہو ہفتہ میں ایک روز صرف نیک کاموں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

## آداب صیام

صرف ماہ رمضان ہی کے روزوں پر اکتفاء نہ کرنا چاہیے بلکہ نفل روزے بھی رکھنے چاہئیں کہ وہ بمنزلہ رأس المال کے ہیں اور یہ بمشابہ نفع کے جس سے فردوس میں درجات عالیہ حاصل ہوتے ہیں جو لوگ روزہ نہ رکھیں گے وہ روزے داروں کے مراتب کو دیکھ کر حسرت کریں گے عرفہ کا روزہ (غیر حاجی کو) یوم عاشورہ کا روزہ، عشرہ اول ذی الحجہ، محرم، رجب اور شعبان میں روزہ رکھنا بہت ہی ثواب کا باعث ہے اور اس کے فضائل بیشمار ہیں اور وہ جو شہور حرام میں روزہ رکھنے کے فضائل مرقوم ہیں اس میں یہ چار مہینے داخل ہیں ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم و رجب اور ہر مہینے میں تین روزے یعنی پہلے پندرہویں، سچ کا روزہ، رکنے اور نیز ایام بیض میں یہ تاریخات شامل ہیں تیرہویں، چودہویں، پندرہویں ہر مہینے کے اور ہفتہ میں دوشنبہ، پنجشنبہ، جمعہ کا روزہ رکھنا نہایت ہی افضل ہے، ہر مہینے کی پہلی تاریخ کا روزہ اس مہینے کی تمام سیرتات کو منادیتا ہے اور باقی روزے سال بھر کے غلو گناہ کے باعث ہیں روزہ کے معنی صرف کھانا پینا

۱۔ اے ہے نماز، اے حمید، اے مبدی، (پہلی بار پڑھ کر نے والے) ۲۔ اے معید (پھر دو بار پڑھ کر نے والے) ۳۔ اے

\* غالباً اپنے حلال کے حرام سے اور باعث، پتی عبادت کے گناہ کے۔

چھوڑ دینے کے نہیں ہیں بلکہ تمام جوارج کی حفاظت بھی مقصود ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارو ہے کم من صائم لیس له من صیامہ الا الجوع والعطش اکثر روزہ دار تو ایسے ہیں کہ ان کو روزہ سے سوائے بھوکے اور پیاسے رہنے کے کوئی فائدہ نہیں ہے، پس روزہ کی حالت میں آنکھ کو نظر شہوت سے بچائے اور زبان کو لغویات سے اور ایسی آواز کانوں سے نہ سنے کہ جس کا سنا حرام ہے اسی طرح سب اعضاء کی نگہبانی کرنی چاہئے حدیث شریف میں وارو ہے کہ پانچ چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جھوٹ کہنے سے، طبیعت سے، نہای سے، جھوٹی قسم سے، نظر شہوت سے اور نیز وارو ہے کہ روزہ برائیوں سے بچنے کے لئے ہے لہذا حالت صوم میں فحش کام، فسق اور افعال جہال کا ارتکاب جیسے تمسخر وغیرہ نہ کیا کرے بلکہ اگر کوئی شخص لڑنے یا گائی دینے کا قصد کرے تو کہے کہ میں روزہ دار ہوں۔ افطار حلال چیز سے ہو اور وہ بھی اختصار کے ساتھ کیونکہ روزہ سے مقصود تو یہ ہے کہ قوائے شہوانی ضعیف ہوں اور تقویٰ کی رغبت ہو بخلاف اسکے اگر معمول سے زائد کھائے تو پھر روزہ سے جو مقصود ہے وہ مفقود ہو جائے گا خوب سیری سے کھانا اگرچہ طعام حلال ہو غضب الہی کا باعث ہے کہ اس سے فساد کا احتمال ہے پس جب سیری سے کھایا جاوے تو ایسا روزہ کیونکر مقبول ہو سکتا ہے بہر حال جب روزہ کی حقیقت پر مطلع ہو چکے تو لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ روزے رکھا کرے کہ اساس عبادت ہے قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ تعالیٰ کل حسنة بعشر امثالها الی سبعمأة ضعف الا الصوم فانه لی وانا اجزی به حضرت رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب باری سے ارشاد ہوتا ہے کہ ہر ایک نیکی کا ثواب دس گناہ سے سات سو تک ہے مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا وقال ﷺ وا لذی نفسی بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس پروردگار کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے پاس بوئے مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے بقول اللہ تعالیٰ عزوجل انما یذر شہوته وطعامه وشرابه من اجلی فالصوم لی وانا اجزی به، جناب باری عزاسمہ سے ارشاد ہوتا ہے کہ جبکہ کھانا پینا اور لذات شہوانی روزے میں میری خوشنودی کے لئے ترک کئے جاتے ہیں تو یہ عمل خاص میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا وقال ﷺ للجنة باب یقال له الریحان لا یدخله الا الصائمون فرمایا بخیر خدا ﷻ نے جنت میں ایک دروازہ ہے جسکا نام ریحان ہے اس میں

کوئی داخل نہ ہوگا مگر روزہ دار۔

## قسم ثانی اجتناب معاصی کے بیان میں

امور دینی دو قسم پر منقسم ہیں ایک وہ جو ترک منہائی سے متعلق ہیں دوسرے کسب طاعات سے، عبادت کرنا تو آسان ہے مگر منہائی سے بچنا بہت مشکل ہے کہ خاص صدیقین کا حصہ ہے، چنانچہ جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ المہاجر من ہجر النساء والمجاہد من جاہد ہواہ یعنی مہاجر وہ ہے جو برے افعال کو چھوڑ دے اور مجاہد وہ ہے جو اپنی خواہشات کا مقابلہ کرے، یہ تو ظاہر ہے کہ تمام اعضاء نعمات الہی میں سے ہیں اور اس کی امانت ہیں پس اللہ تعالیٰ کی نعمت و امانت کو برے افعال میں لگانا کفران نعمت اور خیانت ہے، اعضاء بمنزلہ رعیت کے ہیں انکی نگہبانی کرنی چاہئے اگر حاکم رعیت کی حفاظت نہ کرے گا تو باز پرس میں مبتلا ہوگا اور یہ بھی ہے کہ ہر ایک عضو اپنے اپنے کردار کی قیامت کے دن ایسے صاف اور صریح الفاظ میں گواہی دے گا کہ جس سے نہایت شرمندگی ہوگی چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے تشهد علیہم السننہم وایدیہم وارجلہم بما کانوا یعملون اس دن گواہی دیں گی زبانیں اور ہاتھ پاؤں ان افعال کی جو ان سے سرزد ہوئے الیوم نختم علی افواہہم وتکلمنا یدیہم وتشهد ارجلہم بما کانوا یكسبون ان کی زبانوں پر مہر کر دی جائیگی خود ان کے ہاتھ پاؤں اپنے اپنے افعال کی گواہی دیں گے اس لئے ہر عضو کی حفاظت ضروری ہے خصوصاً ان سات اعضاء کی یعنی آنکھ، کان، زبان، شکم، فرج، ہاتھ، پاؤں کی دوزخ کے سات دروازے ہیں ہر ہر دروازے کیلئے عاصیوں کا ایک ایک گروہ خاص ہے۔ عاصیوں سے یہاں وہ گناہگار مقصود ہیں کہ جن کے اعضاء متذکرہ سے گناہ سرزد ہوئے ہوں شارح نے لکھا ہے کہ اول مرتبہ اہل توحید دوزخ میں داخل ہوں گے اور بعد گناہ معذب ہوں گے اور نجات پائیں گے دوسرے درجے میں نصاریٰ تیسرے میں یہود چوتھے درجے میں مسلمانین پانچویں درجے میں نجس چھٹے درجے میں مشرکین ساتویں میں منافقین آٹھویں اب اعضاء سب کے فوائد پر غور کرو۔

(۱) انکھیں اس واسطے دی گئی ہیں کہ اندھیرے میں رہبری کریں انصرام حواج میں مدد دیں عجائبات آسمان و زمین کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں پس اس کی حفاظت خاصہ چار چیزوں سے ضروری ہے غیر حرم کا دیکھنا، خوبصورت کو بری نگاہ سے دیکھنا، مسلمان کو بظہر حقارت دیکھنا، مسلمان کا عیب دیکھ کر ظاہر کر دینا۔

(۲) کان اس لئے دیئے گئے ہیں کہ خدا اور رسول کے کلام کو سنیں کہ جس سے نجات ہو اور بزرگوں کے اقوال سنیں نہ یہ کہ راگ یا نفیبت و فحش اور لغو باتوں اور برائیوں کے سننے میں انکو صرف کر دیں اور صرف یہ خیال نہ کریں کہ قائل ہی گناہگار ہے بلکہ مستمع بھی شریک گناہ ہے (۳) زبان اس لئے دی گئی ہے کہ اللہ کا ذکر کریں قرآن پڑھیں، لوگوں کو ہدایت کریں امور دینی اور دنیوی میں اس سے مدد لیں برخلاف اس کے اکثر برائیاں زبان سے ایسی پیدا ہوتی ہیں کہ جن سے بلا تلک انسان دوزخ میں ڈالا جائیگا جیسے کذب، مہذوف، دشنام، نمامی وغیرہ جو شخص بیہودہ اور تمسخر آمیز کلمات کہنے کا عادی ہے شخص اس لحاظ سے کہ جو لوگ اس کی باتوں کو سنکر ہنسا کریں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ روایت ہے کہ ایک شخص پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں معرکہ جنگ میں شہید ہوا تو ایک دوسرے شخص نے کہا هیضالہ بالجدۃ یعنی سہارک ہو جنت اس کو تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ بات تجھ کو کیوں کر معلوم ہوئی کہ وہ جنتی ہے شاید کہ وہ ایسے کلام کا عادی ہو کہ جو جنت میں داخل ہو چکے مانع ہو۔ یعنی انوار فضول، پس زبان کو اٹھ چیزوں سے بچانا چاہئے۔

۱۔ جھوٹ بولنے سے گو تمسخری کیوں نہ ہو کیونکہ کذب امہات کھائے سے ہے اس سے انسان کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے آدمی لوگوں کی نظر سے گر جاتا ہے، اگر جھوٹ کی برائی معلوم کرنا چاہو تو کسی جھوٹ بولنے والے کو دیکھو اور پھر خیال کرو کہ تم کو اس سے کیسی نفرت ہوتی ہے جب تمہارا یہ حال ہے تو اس سے صاف ظاہر ہو سکتا ہے کہ اگر تم میں بھی جھوٹ بولنے کی عادت ہو تو تم کو بھی لوگ ایسے ہی کراہت کی نظر سے دیکھیں گے۔

۲۔ وعدہ خلافی مت کرو جب وعدہ کرو تو اس کی وفا کا ضرور خیال کرو بلکہ اصلی احسان تو وہ ہے جو بلا افشاء ہو اگر کبھی ضرورت شدید یا بچہ ریزی خلاف وعدہ کی ہو تو خیر و گرنہ یہ نفاق کی علامت ہے اور بدترین خصائل سے ہے قال النبی ﷺ ثلاث من کن فیہ فہو منافق وان صام وصلی من اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا انت من خان جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ تین خصالتیں جس میں

ہوگی وہ منافق ہے اگرچہ کہ وہ شخص روزہ رکھے اور نماز پڑھے ایک تو جھوٹ بولنا دوسرا خلاف وعدگی تیسرا امانت میں خیانت کرنا

۳۔ غیبت بڑی بلاء ہے اس سے بچنا چاہئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم میں مرتبہ زنا کرنے سے بھی غیبت کرنا زیادہ بدتر ہے۔ غیبت کی معنی یہ ہے کہ کسی انسان کا غائبانہ اس طرح ذکر کرنا کہ جس کے سننے سے اس کو تکلیف پہنچے غیبت میں دو برائیاں ہیں ایک تو یہ کہ جو بات غائبانہ کہی جائے گو وہ سچی ہو جب بھی غیبت کی معنی میں داخل ہے دوسرا یہ کہ اگر وہ بات اس میں نہ ہو تو گویا بہتان ہے سب سے بدتر غیبت نمائشی ہے یعنی مطلب کو ایسے چیرائے میں بیان کرنا کہ جس سے اپنی عفت اور پاکبازی ظاہر ہو اور دوسروں کی برائی مثالیوں کہنا کہ (اصلحہ اللہ) خدا فلا نے شخص کا بھلا کرے کہ جس نے میرے ساتھ اس قسم کی برائی کی۔ خدا ہم کو اور اس کو ایسی برائیوں سے بچا دے۔ یا اس کے مماثل جو کچھ ہو اس میں بھی دو قسم کی برائیاں ہیں ایک تو غیبت اور دوسرے اپنی ستائش اگر مقصود اصلحہ اللہ سے محض دعاء ہے تو پوشیدہ ہونا چاہئے تاکہ کسی کی بدنامی نہ ہونے پائے غیبت کی نسبت جو زجر قرآن مجید میں وارد ہے وہ انسان کی مہرت کے لئے کافی ہے قول تعالیٰ وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا اِذَا حُكِمَ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيهِ مِمَّا فُكِّرَ مَقْمُوْهُ غیبت نہ کرے کوئی شخص کسی کی کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو درست رکھتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے دراصل ایک دوسرا ہوا ہو پس کراہت کرو گے تم اس سے۔ اس تشبیہ سے مقصود یہ ہے کہ غیبت سے انسان کے دل کو ویسے ہی تکلیف پہنچتی ہے جیسا کہ گوشت کو جسم سے جدا کرنے سے بہر حال غیبت سے سخت احتراز کرنا چاہئے غیبت سے بچنے کا عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ انسان اپنے مصائب ظاہری اور باطنی پر غور کرے اور سمجھے کہ جو اسباب خود اپنی خرابی کے باعث ہیں وہی دوسرے کے لئے بھی ہیں پس جب کہ کوئی شخص اپنی غیبت کو گوارہ نہیں کرتا ہے تو دوسرے کے اظہارِ مہربان سے بھی محترز رہنا چاہئے بلکہ اگر تم کسی کی عیب پوشی کرو گے تو خدا تمہارے عیبوں کو چسپاں دیگا۔ اگر تم دوسرے کو رسوا کرو گے تو اس کے بدلے میں خدا تم کو دین و دنیا میں رسوا اور شرمسار کر دے گا اگر انسان کو اپنا ظاہری یا باطنی کوئی عیب معلوم ہی نہ ہو تو سمجھ لیا جاوے کہ یہ حماقت کی علامت ہے اور کوئی عیب حماقت سے بڑھ کر نہیں ہے اگر خدا کو تمہاری بھلائی منظور ہو تو وہ تم کو تمہارے عیبوں پر مطلع کر دے گا اس صورت میں اپنے آپ کو بے عیب خیال کرنا غباء و جہل ہے بالفرض اگر کسی میں

کوئی عیب دینی یا دنیوی نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس نعمت کا شکر بجالائے یہ کہ لوگوں کی عیب چینی اور بدگوئی سے سرمایہ خسران فراہم کرے۔

۴۔ طعن اعتراض خصوصیت سے احتراز چاہئے۔ کیونکہ اس فعل سے مخاطب کو ایذا پہنچتی ہے اور اپنی خود نمائی ہوتی ہے علاوہ اس کے ان امور کے ارتکاب سے مفت اپنے عیش کو تلخ کرنا ہے کیونکہ اگر مخاطب جاہل ہے تو وہ بھی فوراً بدلہ لینے پر آمادہ ہو جائے گا اور اگر سلیم الطبع ہے تو اس وقت ٹال جائے گا مگر اس کے دل میں برائی رہے گی اور ضرور بھی نہ کبھی نقصان پہنچائے گا قال ﴿مَنْ تَرَكَ السَّوَاءَ وَهُوَ مُبْطِلٌ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي رِبْضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ السَّوَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ﴾ فرمایا جناب رسالت مآب ﷺ نے کہ جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑ دے اس حالت میں کہ وہ باطل پر ہو تو خدا تعالیٰ اس کے لئے وسط جنت میں گھر بنائے گا اور جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑ دے اس صورت میں کہ وہ حق پر ہو تو خدا تعالیٰ اس کے لئے اعلیٰ جنت میں جگہ دیگا ایسے موقع میں شیطان کے فریب سے بھی بچنا چاہئے کہ وہ اکثر اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ سچی بات کے ظاہر کرنے میں تامل کیا جائے گو یہ سچ ہے مگر وہیں تک جبکہ وہ بطریق فصاحت ہو اگر اس میں بھی نمائش شریک ہوگئی تو یہ شیطان کی ہنسائی کا باعث ہے جو شخص اس زمانے کے علماء سے مخالفت پیدا کرے اس کی طبیعت میں تو ان امور کا زیادہ اثر ہو جاتا ہے بغیر لڑائی جھگڑے کے اسے فرصت ہی نہیں ہوتی کیونکہ وہ اسی کو سرمایہ فضل و کمال سمجھتے ہیں۔

۵۔ تزکیہ نفس یعنی انسان اپنے آپ کو بطریق ستائش آرائش دنیوی سے پاک خیال نہ کرے قال اللہ تعالیٰ ﴿لَا تَزْكُوا انْفُسَكُمْ هُوَ اعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى﴾ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے نفوس کو پاک نہ سمجھو وہ تم سے زیادہ جانتا ہے کہ کون زیادہ پرہیزگار ہے ایک حکیم سے پوچھا گیا کہ وہ کوئی بات ہے جو سچی ہو مگر بری تو اس نے کہا کہ اپنی آپ تعریف کرنا کو سچی ہو خود ستائی میں دو تباہیں اور بھی ہیں ایک تو یہ کہ آدمی اپنے جنس میں ذلیل ہو جاتا ہے دوسرا خدا کے پاس گنہگار خود بینی کی برائی تو انسان کو اس وقت معلوم ہو سکتی ہے جب دوسرے خود پسندوں کو چشم عبرت دیکھے کہ کسی کراہت طبیعت میں پیدا ہوتی ہے پس ایسے فعل قبیح کے ارتکاب سے خود وہ دوسروں کے پاس کیسے مقبول ہو سکتا ہے۔

۶۔ لعنت سے انسان کو بہت ہی بچنا چاہئے خواہ کسی انسان کی نسبت ہو خواہ حیوان و اجناس کے جیسے فلد و غیرہ اہل قبلہ کی نسبت شرک، کفر یا منافق کا اطلاق منع ہے کیونکہ بندوں



کے بھید جاننے والا خدا ہے خدا اور بندوں کے درمیان میں دخل نہ دینا چاہئے لعنت کوئی ضروری چیز نہیں ہے جس سے باز پرس کا خدشہ ہو بلکہ شیطان پر بھی لعنت کرنے سے سکوت کیا جائے کچھ سوال نہ ہوگا برخلاف اس کے اگر کسی چیز پر لعنت کر دے تو ضرور مواخذہ عقبی میں گرفتار ہو جاؤ گے خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی مذمت نہ کرنی چاہئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ برے سے برے کھانے کی بھی کبھی شکایت نہیں کرتے تھے۔

بلکہ عادت شریف یہ تھی کہ اگر رغبت ہوتی تو تناول فرمایا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے تھے۔  
۷۔ کسی کے لئے بدو عائد نہ کرنی چاہئے کو کسی نے ایذا بھی پہنچائی ہو کہ ظالم سے خدا خود سمجھ لے گا حدیث شریف میں وارد ہے کہ مظلوم اپنے ظالم کے ہلاک کی خواہش کرے گا تا کہ اس مظلوم کا بدلہ ہو جائے جو ظالم سے سرزد ہوا تھا اس بدلے میں ظالم کا حق مظلوم پر باقی رہ جائے گا جس کا مواخذہ قیامت کے روز مظلوم سے ہوگا بعض لوگوں نے حجاج بن یوسف کی نسبت اس کے ظلم کے لحاظ سے زبان درازی کی ہے اس کی نسبت بھی علماء سلف کا بیان ہے کہ اس زبان درازی کا ان لوگوں سے قیامت میں مواخذہ ہوگا گو اس سے بھی اس کے ظلم کی باز پرس ہوگی۔

۸۔ تحسّر اور مزاح سے حفاظت لازم ہے یہ ایسی بری چیز ہے کہ اس سے بہرہ شرمندگی لوگوں کا مدفق ہو جاتا ہے اور رعب و داب میں فرق پڑ جاتا ہے، مسخری آدمی سے لوگوں کو وحشت ہوتی ہے تحسّر اکثر دلکشی کا باعث اور خصومت و برہمی مزاج اور قطع محبت کی جڑ ہے دلوں میں اس سے حسد کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے بہر حال اس سے جہاں تک ممکن ہو احتراز کریں بلکہ انسان کو چاہئے کہ اس مضمون پر عمل کریں اذاعصروا بالليل صروا کراہا، یعنی کلام لغو سے درگزر و امر معروف اور نہی منکر کی ہدایت کرو حقیقت میں یہ بڑی آفت کی چیز ہے اس سے زبان کا بچنا نہایت ہی دشوار ہے اس سے بچنے کیلئے عزالت یا خاموشی سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہے جناب صدیق اکبر اکثر منہ میں پتھر رکھا کرتے تھے تاکہ ایسی باتوں سے بچیں اور زبان کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے کہ یہی چیز ہے کہ جس سے مجھ کو اندیشہ ہے جس قدر ہو سکے اس کی حفاظت کرو کہ اس سے بڑھ کر انسان کیلئے کوئی مہلک چیز نہیں ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔

(۴) حفاظت شکم۔ مشتبہ اور حرام کھانے سے بچنا چاہئے رزق حلال کی کوشش کریں جب بقدر ضرورت مل جائے تو تھوڑی پر ہی کفایت کریں سیری سے کھانا دل کو سخت بنا دیتا ہے

قوت حافظہ میں فساد و عبادت اور علم کے حصول میں کہالت اسی کی بدولت پیدا ہوتی ہے یہی باعث پہچان شہوت ہے۔ اسی سے لشکر شیطان کو تقویت پہنچتی ہے جب طعام حلال کا یہ حال ہے تو وائے بر حرام خوری، جو شخص کہ حرام کھائے اور عبادت و تحصیل علم میں مشغول ہو تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص سرگھن سے گھر بنائے، اگر آدمی مونے کپڑے اور کھانے پر راضی ہو جاوے اور لذات شہوانی کو ترک کر دے تو ارتکاب حرام کی ضرورت ہی نہیں ہوتی طلب حلال سے مقصود یہ ہے کہ تاہ حد علم حرام چیز کا ارتکاب نہ ہو اجرت نوحہ، قیمت شراب، ہمد، آلات لہو یعنی عزائمیر کے ذریعہ سے جو حاصل ہو سب حرام ہے وقف کا مال بغیر شرط وقف کنندہ کے کھانا حرام ہے طالب علم کے لئے جو چیز وقف ہو وہ غیر طالب العلم کے لئے ناجائز ہے مردود الشہادت کے پاس کھانا حرام ہے اور جو چیز صوفیائے کرام کے نام سے لی جائے خواہ از قبیل وقف ہو یا نہ ہو اس میں تصرف حرام ہے۔ مصنف کتاب امام غزالی نے احیائے علوم میں اس کی تفصیل ایک خاص باب میں لکھی ہے اگر اس سے زیادہ تفصیل معلوم کرنی ہو تو احیاء علوم دیکھیں کہ حلال و حرام کی معرفت بھی فرض ہے۔

(۵) فرج۔ ارتکاب حرام سے فرج کا بچانا ضروری ہے دیکھو خداوند عالم کا کیا ارشاد ہوتا ہے والسذین لغرو جہم حافظون الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین (جو لوگ اپنی شرکاؤں کی نگہبانی کرنے والے ہیں مگر اپنے جرموں یا جن پر ان کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے ہیں پس تحقیق وہ نہیں ملامت کئے گئے) ارتکاب حرام سے آدمی اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک کہ وہ اپنی نظر کی حفاظت نہ کرے اور حسن و جمال کا خیال دل سے نہ نکالے اور حرام کھانے سے اپنے ظلم کو محفوظ نہ رکھے کہ یہ چیزیں شہوت کی محرک ہیں۔

(۶) ہاتھ مسلمانوں کے مارنے اور حرام مال کے لینے سے ہاتھوں کو بچانا چاہئے اور نیز مخلوق کو ایذا دینے سے امانت و دیت میں خیانت کرنے سے اور مضامین ناجائز کے لکھنے سے بھی اسکی صیانت ضروری ہے۔

(۷) پاؤں کا حرام کاموں کے کرنے کے لئے جانے سے جیسے کسی کی غیبت کرنے اور مسلمان عورتوں کا تعاقب کرنے اور بادشاہ ظالم کے دروازے تک جانے سے پاؤں کو بچائے، بغیر ضرورت شدید کے ظالم بادشاہ کے دروازے تک جانا کبیرہ گناہ میں داخل ہے کہ یہ خوشامد و چاہلوسی میں شامل ہے اور نیز اس کے ظلم کو ماننا اور اس کی ترغیب دلانا ہے حالانکہ خداوند عالم

نے اس کی ممانعت کی ہے ولا تركزوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار مت رغبت کرو تم ان لوگوں کی طرف جو ظلم کرتے ہیں تاکہ تم کو دوزخ کی آگ سے گزند نہ پہنچے حدیث شریف میں وارد ہے قال ﷺ من تواضع لغنى صالح لغناه ذهب ثلثا دينه جو شخص کہ تو نگر صالح کی تواضع صرف اس کی مالدارى کے لحاظ سے کرے تو اس کے دین کا تیسرا حصہ کم ہو جاتا ہے جبکہ تو نگر صالح کی تواضع کا یہ حال ہے تو تو نگر ظالم کی تواضع اور خوشامد کا کیا نتیجہ ہوگا الحاصل تمام اعضاءے انسانی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں ان سے کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جو موجب معصیت ہو اور تاہم مکان اس بات کی کوشش کی جائے کہ یہ عبادت الہی میں مستعمل ہوں اگر کوئی شخص اس کا خیال نہ کرے تو وہ اس وبال میں مبتلا ہوگا جو ان اعضاء کے استعمال نا جائز سے واقع ہو بہر کیف نیکی اور بدی کے نتائج تمہارے ہی لئے مفید اور مضر ہیں خداوند عالم تم سے اور تمہارے اعمال سے مستغنی ہے اس کو کسی چیز کی پروا نہیں ہے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے رحم و عنایت پر بھروسہ کر کے نیک اعمال ترک کر دیتے ہیں اگرچہ

خدا رحیم و کریم ہے مگر صرف اس خیال سے نیک اعمال کا ترک کر دینا حماقت میں داخل ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تخطئ وہ شخص ہے جو اپنے نفس پر ملامت کرے اور طاعت میں مشغول ہو تاکہ اس کا نتیجہ آخرت میں ملے اور احمق وہ ہے جو اپنی نفس پرستی میں مصروف رہے اور خدا سے جھوٹی امید رکھے، کیونکہ اگر خدا سے سچی اور نیک امید ہوتی تو اس کے احکام کی تعمیل کرتا، اور نیک اعمال کی رغبت بھی ضروری ہے بغیر اس کے صرف اس قسم کا خیال کر لینا ایسا ہے جیسے کوئی شخص عالم ہونے کا تو خواہشمند ہو مگر کھینے پڑھنے کی کوشش نہ کرے اور فقط یہ بات دل میں قرار دے لے کہ خداوند عالم رحیم و کریم ہے اور اس بات پر قادر ہے کہ بغیر کسب علوم کے بھی دولت سے سرفراز کرے جیسا کہ خاص خاص بندوں کے ساتھ سلوک کیا ہے یہ بات ایسی ہے کہ حصول مال کی تو خواہش ہو مگر کسب و تجارت کا کچھ بھی خیال نہ ہو اور صرف یہ مان لیا جائے کہ ہر گاہ خدا خزانہ سادات مراض کا مالک ہے ممکن ہے کہ کوئی خزانہ ہم کو بھی دیدے مگر ہر شخص کو اس طرح کا خیال کر کے کوشش کا چھوڑ دینا محض احمق ہے خداوند عالم کا ارشاد ہے، ليس للانسان الا ما سعى یعنی انسان صرف اپنی سعی سے مستحق ہو سکتا ہے اور پھر ارشاد ہوتا ہے انما تجزون ما كنتم تعملون یعنی تمہارے اعمال کی جزاء تم کو ملے گی ان الابرار لفي نعيم وان الفجار لفي جحيم نیک بندے بہشت میں ہیں اور بدکار جہنم میں جب یہ حال ہے تو انسان کو زادا آخرت کے جمع کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرنی

چاہئے۔ دنیا و آخرت کا مالک وہی رحیم و کریم ہے ہماری طاعت سے کچھ اس کا کرم یا دہ نہیں ہوتا اس کا غایت کرم یہی ہے کہ تم کو نعیم دائم کے حصول کی راہ بتلا دے اور نعیم دائم یہی ہے کہ انسان اس چند روزہ دنیا میں ترک شہوات پر قادر ہو لے اور ہوس باطل کے در پہ نہ ہو یعنی یہ خیال نہ کرے کہ بغیر عمل کے بھی نجات ہو جائیگی کیونکہ بغیر حتم کے بونے کے درو کی امید کرنا عبث ہے اس لئے ضروری ہے کہ انبیاء و صالحین کی اتباع کی جائے کہ سوائے عمل صالح کے مغفرت کی آرزو ہے فاکدہ ہے من کان یسرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً جو شخص اپنے رب کی لقاء کا مشتاق ہو تو اس کو عمل نیک کرنا چاہئے اور نیز اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ اعمال جوارح کا خشاء دل ہے اگر برے افعال سے اپنے جوارح کی حفاظت منظور ہو تو پہلے دل کی صفائی کی کوشش کرے دل کی صفائی کے لئے باطنی تقویٰ کی ضرورت ہے کیونکہ دل ایک ایسا جز ہے کہ اگر یہ پاک ہو تو سب جسم اس کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے اگر یہ خراب ہو اور اس میں فساد پیدا ہو جائے تو تمام جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے پس اس کے لئے مراقبہ کا التزام ضروری ہے

## دل کے گناہوں کے بیان میں

یہ بات ظاہر ہے کہ صفات مذمومہ بہت ہیں اور اس سے دل کو صاف کرنے کے طریقے بھی بے انتہاء ہیں مگر وہ طریقہ اس وجہ سے کہ انسان اپنے سب اوقات زینت دنیا کے حاصل کرنے میں کھودیتا ہے بالکل مشکل ہو گئے ہیں اور اس کا علم بھی بالکل یہ مندرس ہو گیا ہے (گو کتاب احیاء علوم کے رابع ثالث اور رابع رابع میں اس کا ذکر بہ تفصیل ہے) تاہم دو چیزیں جو بالکل خباثت قلب سے ہیں اور جن سے احتراز بہت ضروری ہے ذکر کی جاتی ہیں یعنی حسد، ہیا اور عجب ان سے بہت ہی اپنے دل کو بچانا چاہئے اگر ان سے نجات ہوگئی تو دوسرے مہلکات سے بھی بچنے کی توقع ہے اگر اس پر دسترس حاصل نہ ہو تو پھر اللہ ہی حافظ ہے جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں ثلاث مہلکات شح مطاع و ہوی متبع و اعجاب المرء بنفسہ تین چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں ایک نکل ہے یعنی خدا اور خلق کا حق ادا نہ کرنا دوسرا خواہش نفسانی کی اطاعت کرنا، تیسرے خود بینی، حسد بھی نکل کا شعبہ ہے کیونکہ بنخل وہ ہے جو اپنی چیز غیر کو نہ دے اور شح اس کو کہتے ہیں جو نعمات الہی پر قادر ہو اور

اس کے صرف کرنے میں نکل کرے حاسد جب دیکھتا ہے کہ کوئی شخص نعمات الہی سے (یعنی علم و مال سے) مالا مال ہے تو اس کو بہت ناگوار ہوتا ہے بلکہ ہمیشہ اس کے زوال منزلت کی خواہش کرتا رہتا ہے اگرچہ کسی کی زوال منزلت سے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے مگر اس بات کی ضمن ضرور ہوگی اس واسطے حدیث شریف میں آیا ہے الحمد یا کل الحمدات کما تاكل النار الحطب یعنی جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے ایسے ہی حد نیکوں کو چٹ کر جاتا ہے۔ حاسد ایسا بد بخت ہے کہ اس پر کبھی رحم نہ ہوگا ہمیشہ عذاب و دنیا میں جگہ رہے گا کیونکہ دنیا میں اکثر بندے ایسے ہیں جو انعام الہی سے سرفراز ہیں ان کا دیکھنا ہی اس کے لئے جھنم کا کام دیا جب دنیا کے عذاب کا یہ حال ہو تو آخرت کا اللہ ہی نگہبان ہے انسان اس وقت تک حقیقت و لذت ایمان سے مستفیض نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس چیز کو جس کو اپنے لئے پسند اور درست رکھتا ہے تمام مسلمانوں کے لئے دست نہیں رکھتا۔ ظاہر و باطن سب کے ساتھ ایک قسم کا برتاؤ کرنا چاہئے کیونکہ سب مسلمان مثل بنائے واحد کے ہیں اور ایک کو دوسرے سے تائید ملتی ہے چنانچہ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے قطعہ۔

بنی آدم اعضای یکدیگر اند کہ درآفرینش ز یک جو ہر اند،  
چون مصنوعی بدو آ و در و ز کار، در عضو ہار انما نہ قرار،

پس جب تک اس قدر ہمدردی اور محبت انسان میں نہ پیدا ہو اس وقت تک شرہ اعمال کی امید رکھنا اور ہلاکت سے بچنے کا خیال کرنا بے سود ہے

۲۔ ریاء یہ تو شرک غفی ہے قال رسول اللہ ﷺ انتقوا الشرك الا صغر قالوا وما الشرك الا صغر قال الرياء فرمایا جناب رسالت ﷺ نے کہ شرک اصغر سے بچو تو حاضرین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ شرک اصغر کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ ریاء ہے اصل معنی ریاء کے یہ ہیں کہ باطن ہر خاص نیک لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ پیدا کرنا تاکہ نمائش و منزلت حاصل ہو جب جاہ انسان میں صرف بوجہ اتباع خواہش نفسانی پیدا ہو جاتی ہے اس میں اکثر لوگ جاہ و برباد ہو چکے ہیں اور ہوتے جا رہے ہیں لوگ اگر انصاف کریں تو سمجھیں کہ عادی اعمال تو رہے درکنار انکے علوم و معادلات کی محرک بھی ریاء و نمائش ہے اور یہ ایسی بری بلا ہے کہ اعمال حسہ کے ثواب کو برباد کئے دیتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بعض شہید قیامت کے دن دوزخ کی طرف کھینچے جائیں گے تو عرض کریں گے کہ اے پروردگار یہ فعل تو ہم نے تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا کیا اس کی یہی جزاء ہے تو جناب

باری سے حکم ہوگا کہ نہیں تمہاری یہ خواہش تھی کہ لوگ تم کو جو ان مرد کہیں سوتہاری یہ خواہش پوری ہو چکی یعنی تم لوگوں میں شجاع کہلائے گئے پس تمہارے لئے یہی اجر تھا یہی حال علماء، تاجان و واعظین وغیرہ کا ہوگا عجب و کبر و فخر یہ تو بڑی سخت بیماری ہے عجب وہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو منظر عظمت اور دوسرے کو منظر ذلت و حقارت دیکھے اور ہر بات میں منہ منہ (میں میں) زبان پر ہو جیسا کہ ابلیس لعین کا دعویٰ ہے کہ انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین میں آدم سے اچھا ہوں کیونکہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ عجب سے غرض یہ ہے کہ لوگوں میں اپنی توقیر و اور ہر کام اور ہر بات میں لوگ اپنی عزت کریں کبر کہے یہ معنی ہیں کہ ہدایت نیک کے قبول کرنے سے نفس میں گریز ہو اور تردد و قول سے رنج۔ المختصر کہ جو شخص اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھے وہ تکبر ہے بلکہ انسان کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نیک وہ شخص ہے جو خدا کے پاس بھی نیک ہو مگر اس کا معلوم کرنا محال ہے کیونکہ وہ متعلق بعالم غیب ہے اس کا حال وقت اخیر ہی معلوم ہو سکے گا یہ خیال کر لینا کہ ہم ہی سب سے اچھے ہیں جہالت ہے بلکہ چاہئے تو یہ کہ ہر شخص کو اپنے سے اچھا سمجھے مثلاً بچوں کو دیکھیں تو یہ خیال کریں کہ یہ کم سن ہیں انہوں نے معصیت نہیں کی ہے اور ہم گناہ میں مبتلا ہیں چٹک یہ ہم سے اچھے ہیں۔ اگر بزرگوں کو دیکھیں تو یہ خیال کریں کہ انہوں نے بوجہ کم سنی ہم سے زیادہ عبادت کی ہے اس لئے یہ ہم سے بہتر ہیں۔ اگر عالم ہوں تو یہ سمجھیں کہ ان کو خدا نے ایسی بزرگی دی ہے جو ہم میں نہیں ہے تو ہم ان کے برابر کیونکر ہو سکتے ہیں اگر کسی جاہل کو دیکھیں تو یہ سمجھیں کہ اس نے بوجہ لاعلمی برائی کی اور ہم نے جان بوجہ کر معصیت کی ہے ہم ہی پر سخت عذاب ہوگا۔ اگر کافر ہو تو یہ خیال کرے کہ شاید یہ کبھی نہ کبھی مسلمان ہو جائے اور اس کا خاتمہ بخیر ہو ممکن ہے کہ وہ مقبول بارگاہ ہو جائے اور ہم مردود رہیں۔ الحاصل تکبر اس وقت تک دفع نہیں ہو سکتا جب تک کہ پورے طور پر یہ یقین نہ ہو جائے کہ بزرگ وہ ہے جو خدا کے پاس بزرگ ہے اور اس کا معلوم کرنا خاتمہ پر موقوف ہے جب یہ بات بالکلہ خاطر نشیں ہو جائے تو رفتہ رفتہ تکبر دفع ہو سکتا ہے کیونکہ خاتمہ کا کس کو علم ہے خدا مقلب القلوب ہے جس کو چاہا ہدایت پر لایا اور جس کو چاہا گمراہ کیا۔ حسد وغیرہ کی برائیوں میں تو بہت سی احادیث وارد ہیں مگر یہاں صرف ایک حدیث کا نقل کرنا بقضائے مقام کافی ہوگا راوی

ابن المبارک باسنادہ عن رجل انه قال لمعاذ یا معاذ حدثنی حدیثا سمعته من رسول اللہ ﷺ فیکرم معاذ حتی ظننت

انه لا يسكت ثم سكت ثم قال واشوقاه الى رسول الله ﷺ والى لقائه ثم قال سمعت رسول الله ﷺ يقول يا معاذ احذثك بحديث ان انت حفظته نفعك عند الله وان انت ضيعته ولم يحفظه انقطعت حجتك عند الله تعالى يوم القيامة يا معاذ ان الله تعالى خلق سبعة املاك قبل ان يخلق السموات والارض فجعل لكل سماء من السبع ملكا يراها عليها فتصعد الحفظة بعمل العبد من حين اصبح الى حين امسى له نور كنور الشمس حتى اذا صعدت به الى السماء الدنيا زكته وكثرته فيقول الملك الموكل بها للحفظة اضربوا بهذا العمل وجه صاحبه انا صاحب الغيب امرني ربي ان لا ادع عمل من اغتاب الناس يجاوزني الى غيري قال ثم قال الحفظة بعمل صالح من اعمال العبد فزكته وكثرته حتى تبلغ به الى السماء الثانية فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه انه اراد بعمله عرض الدنيا انا ملك الفخر امرني ربي ان لا ادع عمله يجاوزني الى غيري انه كان يفخر على الناس في مجالسهم قال وتصعد الحفظة بعمل العبد يبتهج نوراً من صدقة وصلاة وصيام قد اعجب الحفظة فيجاوزون به الى السماء الثالثة فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه انا ملك الكبر امرني ربي ان لا ادع عمله يجاوزني الى غيري انه كان يتكبر على الناس في مجالسهم قال وتصعد الحفظة بعمل العبد يزبوا كما يزبوا الكوكب الدرى له دوى من تسبيح وصلاة وصيام وحج وعمره حتى يجاوزوا به الى السماء الرابعة فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه وظهره وبطنه انا صاحب العجب امرني ربي ان لا ادع عمله يجاوزني الى غيري انه كان اذا عمل عملاً يدخل العجب فيه قال وتصعد الحفظة بعمل العبد حتى يجاوزوا به الى

السماء الحامسة كانه العروس المزفوفة الى بعلها فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه واحملوه الى عاتقه انا ملك الحسد انه كان يحسد من يتعلم ويعمل بمثل عمله وكل من كان ياخذ فضلا من العبادة كان يحسدهم ويقع فيهم امرنى ان لا ادع عمله يجاوزنى الى غيرى قال وتصعد الحفظة بعمل العبد له ضوء كضوء الشمس من صلاة وزكاة وحج وعمرة وجهاد وصيام يجاوزون به الى السماء السادسة فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه انه كان لا يرحم انساناً قط من عباد الله اصابه بلاء او مرض بل كان يشمت به انا ملك الرحمة امرنى ربى ان لا ادع عمله يجاوزنى الى غيرى قال وتصعد الحفظة بعمل العبد من صوم وصلاة ونفقة وجهاد وورع له دوى كدوى النحل وضوء كضوء الشمس ومعه ثلاثة الاف ملك فيجاوزون به الى السماء السابعة فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه واضربوا جوارحه واقفلوا به على قلبه فانى احجب عن ربى كل عمل لم يود به وجه ربى انه انما اراد بعمله غير الله تعالى انه اراد به رفعة عند الفقهاء وذكره عند العلماء وصيقتا فى المذائن امرنى ربى ان لا ادع عمله يجاوزنى الى غيرى وكل عمل لم يكن لله تعالى خالصا فهو رياء ولا يقبل الله عمل الرأى قال وتصعد الحفظة بعمل العبد من صلاة وزكاة وصيام وحج وعمرة وخلق حسن وصمت وذكر الله تعالى فتشيعه الملائكة السماوات السبع حتى يقطعوا به الحجب كلها الى الله تعالى فيقفون بين يديه ويشهدون له بالعمل الصالح المخلص لله تعالى فيقول الله تعالى انتم الحفظة على عمل عبدي وانا الرقيب على ما فى قلبه انه لم يردنى بهذا العمل وانما اراد به غيرى فعليه لعنتى فتقول



الملائكة كلها عليه لعنتك ولعنتنا فلعنه السماوات السبع  
ومن فيهن فبكى معاذ وانخبا انتخبا شديدا وقال معاذ يا رسول  
الله انت رسول الله وانا معاذ فكيف لي بالنجاة والخلاص من  
ذلك قال اقتد بي وان كان في عملك نقص يا معاذ حافظ على  
لسانك من الوقیعة في اخوانك من حملة القرآن خاصة واحمل  
ذنوبك عليك ولا تحملها عليهم ولا تنزل نفسك بدمهم ولا  
ترفع نفسك عليهم ولا تدخل عمل الدنيا في عمل الآخرة ولا  
تراه بعملك ولا تتكبر في مجلسك لكي يحذر الناس من سوء  
خلقك ولا تناج رجلا وعندك آخر ولا تتعظم على الناس  
فتقطع عنك خيرات الدنيا والآخرة ولا تمزق الناس بلسانك  
فقدزفك كلاب النار يوم القيامة في النار قال الله تعالى  
والناشطات نشطا هل تدري ما هن يا معاذ قلت ما هي بابي انت  
وامي يا رسول الله قال كلاب في النار تنشط اللحم من العظم  
قلت بابي انت وامي يا رسول الله من يطبق هذه الخصال ومن  
ينجو منها قال يا معاذ انه يسير على من يسره الله تعالى  
عليه انما يكفيك من ذلك ان تحب للناس ما تحب لنفسك  
وتكره لهم ما تكره لنفسك فاذن انت يا معاذ قد سلمت ۔

ابن مبارک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے معاذ سے کہا کہ اے معاذ وہ حدیث  
بیان کیجئے جو آپ نے جناب رسول مقبول ﷺ سے سنی ہے سائل کہتا ہے کہ یہ سنتے ہی معاذ اس  
قدر رو بہ شروع ہوئے کہ میں سمجھتا تھا کہ وہ سکوت نہ کریں گے محروہ یک ہارساکت ہوئے اور  
داشوقا والی رسول اللہ والی لقاؤں کے بیان کیا کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے معاذ میں  
تجھ سے ایک حدیث کہتا ہوں اگر تو اکر یاد رکھے تو نفع دے گی تجھ کو اللہ کے پاس اگر تو اس کو ضائع  
کروے یا بھول دے تو پھر قیامت کے روز خدا کے سامنے تو کوئی دلیل پیش نہ کر سکے گا اے  
معاذ قبل پیدا کرنے زمین و آسمان کے خداوند عالم نے سات فرشتوں کو پیدا کیا اور ہر ایک کو  
ایک ایک آسمان پر دربان مقرر کیا جو فرشتے کہ تحریر اعمال کے لئے متعین ہیں وہ صبح سے شام تک  
ہر شخص کے اعمال کو جمع کر کے آسمان پر لے جاتے ہیں تو آسمان اول پر دربان کہتا ہے کہ اس

عمل کو صاحب عمل کے پاس پھر لیجاؤ میں صاحب غیبت ہوں مجھ کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ جو شخص دوسروں کی غیبت کرتا ہے اس کے اعمال کو روک دوں پھر یہ فرشتہ دوسرے شخص کے نیک اعمال کو لیکر تعریف کرتے ہوئے آسمان پر جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو وہاں کا دربان کہتا ہے کہ میں فرشتہ فخر ہوں مجھ کو ایسے شخص کے اعمال کو آگے بڑھانے کی اجازت نہیں ہے کہ جس نے یہ اعمال صرف منفعت دنیا کے لحاظ سے کئے ہیں کیوں کہ یہ شخص اپنے اعمال کے گھمنڈ پر مجلسوں میں فخر کیا کرتا تھا پھر وہ فرشتہ ایک اور شخص کے نیک اعمال (جو اذقیل صدقہ و صلاۃ و صوم کے ہیں) نہایت تعجب کے ساتھ لئے ہوئے ان آسمانوں پر سے عبور کرتے ہوئے تیسرے آسمان تک پہنچے گا تو وہاں کا دربان کہے گا کہ میں فرشتہ کبر ہوں مجھ کو حکم ہے کہ منکبرین کے اعمال کو نہ چھوڑوں یہ شخص منکبر تھا اس کے اعمال اسی کے پاس پھر لیجاؤ۔ پھر ایک اور شخص کے اعمال نیک اسی طرح فرشتے بڑے فخر کے ساتھ آسمان چہارم پر لے جائیں گے مگر موکل آسمان چہارم کہے گا کہ میں صاحب جب ہوں اس شخص کے اعمال میں عجب یعنی غرور شریک ہے مجھ کو ایسے شخص کے اعمال کے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور شخص کے اعمال حسنہ مثل عروس کے لئے ہوئے آسمان پنجم پر پہنچیں گے تو وہاں کا فرشتہ کہے گا کہ میں صاحب حسد ہوں پس اس شخص کے اعمال کو لیجاؤ کہ یہ جب کسی کو ذی علم یا مثل اپنے کام کرتے ہوئے دیکھتا یا کسی کو اچھی حالت میں پاتا تو حسد، عیب چینی کیا کرتا تھا علی ہذا پھر ایک کے اعمال حسنہ کو جس کی چمک چاند کی سی ہوگی (اذقیل نماز، روزہ، حج، عمرہ، جہاد، روزہ لئے ہوئے آسمان ششم پر پہنچیں گے تو موکل آسمان ششم کہے گا کہ میں صاحب رحمت ہوں یہ شخص کبھی کسی مصیبت زدہ و بلا رسیدہ پر رحم نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی عادت تھی کہ ایسے لوگوں کی شامت کرے لہذا میں ایسے شخص کے اعمال کو اوپر جانے دینے سے ممنوع ہوں اس کے اعمال پھر لیجاؤ۔ اسی طرح پھر ایک کے نیک اعمال (مثل نماز، روزہ، نفلہ، جہاد) کہ جنگی چمک دمک مثل آفتاب کے ہونگے لیکر ساتویں آسمان تک عروج کریں گے لیکن جو موکل وہاں متعین ہے کہے گا کہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ ایسے شخص کے اعمال کو چھوڑ دوں کہ جو اللہ کی خوشنودی کے لئے تو نہیں کئے گئے صرف علماء و فقہاء کے پاس اپنے علو مرتبت کے لحاظ سے کئے گئے ہیں اس سے تو فقط شہرت منظور تھی۔ بہر حال جو عمل کہ محض بہ نیت رضائے الہی نہ ہو وہ ریاء ہے اور عمل ربانی اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول نہیں ہے اسکے سوا بعض لوگوں کے اعمال ایسے بھی ہوں گے جو ان سب مراتب سے گزر کر خاص بارگاہ قدس میں پہنچ جائیں گے اور کل ملا کر اس نیک عمل کی

گو اسی دیں گے یا اس جناب باری سے ارشاد ہوگا کہ تم تو صرف محققین اعمال ہو اور میں اس کا رقیب ہوں مجھ کو اس شخص کے دلی قصد سے آگاہی ہے، اس نے یہ عمل خاص میرے لئے نہیں کیا بلکہ دوسروں کے دکھانے کے لئے کیا ہے اس واسطے میں اس شخص پر لعنت کرتا ہوں یہ سننے ہی بکل ملائکہ لعنت کریں گے بلکہ آسمان اور زمین اور اس میں رہنے والے بھی لعنت کریں گے یہ سننے ہی معاذ رونا شروع ہوئے اور ایک چیخ ماری اور جناب رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ تو رسول ہیں اور میں معاذ ہوں تو پھر فرمائیے کہ میری نجات کی کیا سبیل ہے آپ نے فرمایا کہ میری اقتداء کرو گو تمہارے اعمال میں نقص ہو۔ اے معاذ انا نے جس کی غیبت سے (خاصاً مسلمانوں کی اور عموماً سب کی غیبت سے) اپنی زبان کو بچاؤ اپنی برائی کو اپنے ہی تک محدود رہنے دوسروں کے افتراک میں مت پاندھو اوروں کی مذمت کر کے تم اپنے آپ کو رسوا مت کرو اعمال دنیا کو اعمال آخرت میں مت شریک کرو ہر یاہ مت کرو تکبر کو چھوڑ دو کہ تمہاری بد خلقی سے (جو لازماً کبر ہے) خائف نہ ہو جائیں لوگوں کو دشنام مت دونا کہ دوزخ کے کتے تم کو نہ کاٹ کھائیں وہ جو خداوند عالم کا ارشاد ہے والذین شططوا خطا اے معاذ تم جانتے ہو کہ ناشطیات کیا ہیں تو معاذ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ آپ ہی فرمائیے کہ وہ کیا ہیں تو آپ نے کہا کہ وہ دوزخ کے کتے ہیں ہڈیوں سے گوشت کو جدا کرتے ہیں تو معاذ نے کہا کہ یا رسول اللہ ایسی خصلتوں کا اختیار کرنا تو بہت دشوار معلوم ہوتا ہے معلوم نہیں کہ نجات کیسے ہوگی تو ارشاد ہوا کہ اے معاذ اگر اللہ چاہے تو سب کچھ آسان ہے مگر انسان کو اس تدبیر کا غلط ضروری ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی غیر کے لئے بھی عزیز رکھے اور جو چیز اپنے لئے ناپسند رکھے وہ غیر کے لئے بھی اچھی نہ سمجھے اگر یہ بات ہو جائے تو پھر سلامتی ہے۔ خالد بن معدان کہتے ہیں کہ اس حدیث کے سننے کے بعد میں نے کسی کو معاذ سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بہر حال ان ابواب کے حصوں کا خیال لازم ہے یہ سب خرابیاں اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں کہ اکثر لوگ علم کو صرف جاہ و منزلت کے لئے حاصل کرتے ہیں اور اسی وجہ سے اس بلا میں پھنس جاتے ہیں بلکہ ان سے تو جاہل ہی اچھے کہ ایسے امور سے کوسوں بھاگتے ہیں اس واسطے ایسے مہلکات سے حذر کرنا اور اپنے قلب کی صفائی کرنا بہت ضروری ہے یہ تینوں خصلتیں جو ذکر ہو چکیں امہات خباثت قلب سے ہیں اور اس کی جز حب دنیا ہے اس واسطے جناب رسالت مآب فرماتے ہیں حب الدنیا اس کل خطیئہ اور وہ جو الدنیا مزرعۃ الآخرة ہے صرف اس شخص کے لئے ہے جو دنیا کو اسبقہ را اختیار کرے جس سے

امور دینی میں تائید ہو اور جس کی یہ نیت ہو کہ صرف تعذبات دنیا میں پھنسے رہیں اس کے لئے تو باعث ہلاکت ہے۔ یہاں تک تو ظاہر تقویٰ کا ذکر بقدر ضرورت بیان ہو چکا پس اب اولاً ان معاملات کا امتحان انسان اپنے نفس کے ساتھ کر لے اگر اس میں کامیابی ہو تو پھر احیاء العلوم کا مطالعہ کرے کہ جس میں باطنی تقویٰ کا ذکر ہے جب باطنی تقویٰ سے بھی دل آراستہ ہو جائے تو اس وقت بندہ اور خدا کے درمیان جو قیاب ہے رفع ہو جائے گا انوار معارف مشکشف ہوں گے چشمہ ہائے علوم نافذ دریائے دل سے جاری ہوں گے اسرار ملک و ملکوت ظاہر ہو جائیں گے اور اس وقت ان علوم باطنی پر بصیرت و قدرت حاصل ہو جائے گی کہ جس کے مقابلہ میں یہ علوم ظاہری کہ چمکا ذکر تک صحابہ و تابعینؓ کے زمانے میں نہیں تھا نظر سے گر جائیں گے اگر بایں تم کو اسی قیل و قال اور جھگڑے میں مبتلا رہنا پسند ہو تو بڑی ہی مصیبت کی بات ہے اور بے انتہاء حسرت و ندامت کا معاملہ ہے۔

## آداب صحبت و معاشرت با خدا و بندگان خدا

انسان کے سفر و حضر اور خواب و بیداری بلکہ موت و حیات میں جو رفیق ہے وہ وہی پروردگار ہے جو سب کا مالک و خالق ہے اور رفیق بھی ایسا کہ جب تم اسے یاد کرو تو تمہارے ساتھ ہے چنانچہ کس مہربانی سے ارشاد ہوتا ہے کہ انا جلیس من ذکرنی اور جب بوجہ قصد عبارت و ظہور محسوس ہے کہ کسی کا دل شکستہ ہو تو اس کی عنایت کا رموز پائی کرے گی چنانچہ حکم ہوتا ہے انا عند المنكسرة قلوبہم من اجلیؑ اگر انسان ذرا اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لے تو کیا سوائے اللہ کے اور کسی کو اپنا معین اور حامی خیال کر سکتا ہے ہرگز نہیں پس تمام اوقات ای ملازمت و فکر میں صرف ہونا سرمایہ نجات ہے اگر اس کا التزام محال ہو تو جب کبھی رات دن میں موقع ملے اپنے صاحب کی طرف رجوع کرنا اور بجز و الحاح اپنی حاجت کا پیش کرنا بہت ضروری ہے اسی کو خلوت کہتے ہیں اور اس صلت میں آداب مع اللہ کا لحاظ چاہئے جو چودہ ہیں۔

۱۔ سر جھکائے رہیں اور آنکھیں بند ہوں۔

۲۔ بالکل یہ خداوند عالم کی طرف متوجہ ہوں۔

۳۔ اس شخص کے ساتھ ہوں جو مجھ کو یاد کرے۔

۴۔ جن لوگوں کے دل میرے خوف سے شکستہ ہیں میں ان کے پاس ہوں

- ۳۔ ساکت رہیں۔
  - ۴۔ جو ارج میں سکون ہو۔
  - ۵۔ اقبال ادا مرئی پابندی ہو۔
  - ۶۔ اور نیز اجتناب از نواہی کی بھی۔
  - ۷۔ راضی پر ضائع الہی ہو۔
  - ۸۔ اوست فکر کہ قلب و لسان سے رہے۔
  - ۹۔ فکر نعمات الہی ہو۔
  - ۱۰۔ حق بات کا اختیار کرنا اور باطل کو ترک کرنا۔
  - ۱۱۔ مخلوقات سے ہر حال میں قطع امید کرنا۔
  - ۱۲۔ خضوع بخوف الہی و ہیبت الہی۔
  - ۱۳۔ انکسار مع الحیاء۔
  - ۱۴۔ ہیلہ کسب سے ہاتھ دھونا کیوں کہ خدا رزق کا ضامن ہے۔
  - وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقہا
  - ۱۵۔ اللہ کے فضل پر تو قی کرنا کیوں کہ سوائے خدا کے کوئی مربی نہیں ہے۔
- یہ آداب اس طرح اختیار کئے جائیں کہ گویا عادات میں داخل ہو جائیں کیونکہ یہ آداب اس مالک کے ساتھ ہیں جو ایک لحظہ اپنے بندوں سے دور نہیں ہوتا مخلوقات کی محبت و ملاقات ایسی نہیں ہے کیونکہ وہ کبھی ملتے ہیں اور کبھی جدا رہتے ہیں اگر کوئی عالم ہے تو اس کو معلوم کرنا چاہئے کہ عالم کے سترہ آداب ہونے چاہئیں۔

## آداب عالم

- ۱۔ بردباری ۲۔ لزوم حلم ۳۔ مجلس میں وقار اور آئین کے ساتھ بیٹھنا ۴۔ ہند گان خدا کے ساتھ تکبر نہ کرے مگر ظالم کے ساتھ تاکہ اس کو زجر ہو ۵۔ محافل و مجالس میں تواضع کا لحاظ رکھنا ۶۔ ترک ہزل و مزاح ۷۔ شاگردوں پر مہربانی کرنا اور جہاں سے درگزر کرنا ۸۔ نیک تفہیم سے بلید الطبع کی اصلاح کرنا ۹۔ بلید الطبع پر غضب کرنا ۱۰۔ جو بات معلوم نہ ہو اس سے صاف انکار کرنا اور کچھ شرم نہ کرنا ۱۱۔ سائل کی تفہیم میں جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنا ۱۲۔ دلیل کو ماننا گو

دعوت بھی پیش کرے ۱۳۔ سچی بات ماننا اگر چاہئے سے کم مرتبہ شخص کے ۱۴۔ طالب علموں کو مضمر علم کے حاصل کرنے سے جیسا کہ سحر و نجوم و مثل وغیرہ منع کرنا ۱۵۔ طلباء کو اس بات سے منع کرنا کہ وہ علوم نافع یعنی علوم دین سے دنیوی اغراض متعلق نہ کریں ۱۶۔ طلباء کو قبل از ادائے فرض عین فرض کفایہ کی طرف رجوع کرنے سے منع کرنا۔ فرض عین یہ ہے کہ ظاہر و باطن تقویٰ سے آراستہ ہوئے۔ پابندی عمل کیوں کہ بغیر عمل کے دوسروں پر نصیحت مؤثر نہیں ہوتی

## آداب طلباء

۱۔ استاذ کو سلام کرنا اور باجائز انکی خدمت میں حاضر ہونا ۲۔ استاذ کے سامنے زبان درازی نہ کرنا جب تک استاذ کسی بات کو نہ پوچھے اپنی طرف سے کچھ بیان نہ کرے ۳۔ جب تک استاذ کی اجازت نہ ہو کوئی چیز طلب نہ کرنا ۵۔ استاذ کے قول سے تعارض نہ کرنا یعنی یہ کہنا کہ فلاں شخص نے آپ کے برخلاف اس طرح بیان کیا ہے ۶۔ خلاف رائے استاذ کے کوئی کام نہ کرنا ۷۔ جس کمرے میں استاذ موجود ہو پھر دوسرے شخص سے سوال یا مشورہ کرنا منع ہے ۸۔ استاذ کے سامنے باادب بیٹھے اور تبسم وغیرہ نہ کرے ۹۔ اگر استاذ غمگین یا فکر مند ہو تو زائد سوالات نہ کرنے چاہئیں ۱۰۔ جب استاذ اٹھے تو آپ کھمبھی تھکسما اٹھ کھڑے ہونا چاہئے ۱۱۔ جب استاذ مجلس سے اٹھے تو ان سے باتیں اور سوال کرنا ہوا چھپے چھپے نہ چلے ۱۲۔ راستے میں چلتے چلتے سوال نہ کریں الا یہ کہ وہ اپنی قیام گاہ کو پہنچ جائیں ۱۳۔ استاذ سے بدظنی نہ کرے گواستاذ سے کوئی فعل مکروہ سرزد ہوا ہو اگر اس قسم کا خیال بھی ہو تو وہ قول جو موسیٰ نے خطر سے کہا تھا یاد کرے جو یہ تھا کیا تم نے بغرض ہلاکت اہل کشتی کے کشتی کو توڑ دیا تھا۔ گواسطرح موسیٰ نے ابتدائاً حضرت کی حرکت کو مکروہ خیال کر کے کہا مگر درحقیقت چونکہ وہ فعل شریعت باطن کے موافق تھا لہذا آخر پھر اسی کی تصدیق کی۔

## اولاد کے آداب والدین کے ساتھ

۱۔ جو بات ماں باپ کہیں اس کو مانیں ۲۔ والدین کی تعظیم ہر وقت ملحوظ رہے ۳۔ اطاعت اگرچہ مضمر ہو (مگر یہ کہ حد معصیت تک نہ پہنچ جائے) لازم سمجھے ۴۔ چلنے میں ماں باپ پر سبقت نہ

کرے ۵۔ والدین کے سامنے ہا آواز بلند گفتگو نہ کرے ۶۔ اگر والدین بلائیں تو کہے کہ جی حاضر ہوا یعنی بالفاظ تعظیم جواب دے ۷۔ ہر بات اور ہر کام میں والدین کی رضامندی کا خیال رہے ۸۔ والدین کے ساتھ بجز و تواضع پیش آئے ان کی خدمت خود کرے ۹۔ والدین پر کسی بات کی منت نہ رکھے ۱۰۔ کبھی ان پر نظر غضب نہ دیکھے ۱۱۔ قرش روئی سے نہ پیش آئے ۱۲۔ بغیر اذن والدین کے سفر نہ کرے۔ ہر ایک انسان کے لئے استاذ و والدین کے بعد دوسرے لوگ تین قسم کے ہیں دوست۔

۲۔ جان پہچان والا اور تیرا اجنبی۔

### آداب معاشرت اصناف خلق کے ساتھ

پس اگر انسان کو اجنبیوں سے معاملہ پڑ جائے تو اسور ذیل کا لحاظ رکھے۔ انکی گفتگو میں دخل نہ دیا جائے ۲۔ ان کی بیہودہ باتیں مانی نہ جائیں ۳۔ اگر ان کی زبان سے کچھ غلط الفاظ نکلایم بھی سننے تو اس سے درگزر کرے ۴۔ ان سے یادہ ربط و ضبط نہ بڑھاویں اور نہ اپنا کوئی راز یا حال ان سے بیان کریں ۵۔ اگر کوئی فعل بد ان سے سرزد ہو تو بشرط امید قبول اس پر متنبہ کرے۔ احباب و اخوان کے ساتھ ملاقات رکھنے میں دو باتوں کا لحاظ چاہئے اول یہ کہ آیا وہ محبت و محبت رکھنے کے لائق ہیں کہ نہیں کیوں کہ ہر شخص دوستی کے لائق نہیں ہو سکتا جناب رسالت ﷺ فرماتے ہیں المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل یعنی یہ کہ انسان اپنے دوست کا طریقہ اختیار کرتا ہے اس لئے جس سے دوستی کی جائے پہلے اسکی حالت دریافت کی جائے بہر حال جب ایسا کوئی رفیق مل جائے تو پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ اس میں شرائط مفصل ذیل ہیں کہ نہیں۔ عاقل ہو کیوں کہ احمق کی محبت سے بجز وحشت اور قطع محبت کے کوئی نتیجہ ہی نہیں ہے اور نیز یہ کہ احمق سے سوائے مضرت کے نفع کی توقع نہیں کو اس کی نیت میں نفع پہنچاتا ہو جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ،

ولا تصحب احبا الجہل وایاک محبت مت رکھ جاہل سے اور بچا اپنے کو اس

وایاہ فکم من جاہل اوردی۔ سے، بہت سے جاہلوں نے ہلاک کیا ہے۔

حکیمیا حین و اخاہ بقاس کحذو النعل بالنعل

المرء بالمرء اذا ما المرء ما شا اذا ما النعل حاذاه۔

وللشیء من الشیء، مقایس و استنباط،

وللقلب علی القلب دلیل حسن یلتقاہ

اشتمہ کہ جبکہ ان سے دوستی کی گئی، قیاس کیا جاتا ہے آدمی کے ساتھ، جبکہ اس کے ساتھ ہوتا ہے، جیسا کہ مقابلہ نفس کا نفس سے کیا جاتا ہے جبکہ نفس مقابل ہو نفس کے، ایک چیز کو دوسری چیز سے، قیاس اور مماثلت کا موقع ہے، ملور دل کو دل سے راہ ہوتی ہے جب آپس میں ملاقات ہو۔

۲۔ خلق۔ بدخلق سے قطع تعلق کرنا چاہئے بدخلق وہ ہے جو غضب و شہوت کے وقت اپنے نفس پر حاوی نہ ہو سکے۔ چنانچہ علقمہ عطاروی نے وفات کے وقت اپنے صاحب نواہے کو کیا خوب نصیحت کی ہے کہ اے فرزند تو ایسے شخص سے دوستی اختیار کر کہ جس سے تیرے مال و آبرو کی حفاظت ہو اور جس کی صحبت تیری زہنت کا باعث ہو اور وہ ایسا شخص ہو کہ بوقت حاجت تیری اعانت کر سکے اگر تو اس کے ساتھ نیکی سے پیش آئے تو وہ بھی تیرے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے تیری نیکیوں کا اعتراف کرے اور بدیوں کو چھپائے اور جس کو تیرے قول و فعل پر اعتبار ہو اور تیری ترقی مناسب کا خواہاں ہو اور بالفرض اگر اختلاف رائے بھی ہو تو تیری رائے کو مقدم سمجھے جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

ان اخاک الحق من کان معک ومن یضر نفسه لیبتعک

ومن اذاریب الزمان صدعک شنت فیک شملہ لیجمعک

سچا دوست وہ ہے جو تیرے ساتھ ہو اور تیرے نفع کے لئے اپنے نقصان کو گوارہ کر لے اگر زمانے سے تجھ کو کچھ گزند پہنچے تو وہ ہر طرح کی پریشانی تیرے اطمینان کے لئے برداشت کرے ۳۔ مرد صالح ہو قاسم کی صحبت اختیار نہ کرنی چاہئے کیونکہ جس شخص کے دل میں خدا کا خوف ہو گا وہ کبھی گناہ کبیرہ پر اصرار نہ کرے گا اور جس کو اللہ کا ڈر نہ ہو گا وہ نفس کی شرارت سے بچ نہیں سکتا اور بہت جلد اس کی حالت بدلتی جاتی ہے قال اللہ تعالیٰ لنہیبہ ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ہواہ وکان امرہ فرطاً جناب باری عز اسما کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد تم مت اطاعت کرو اس شخص کی کہ جس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل ہے اور صرف خواہش نفسانی میں جلا، ہے کہ ایسے شخص کا انجام جانی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ قاسم لائق صحبت نہیں ہے ہمیشہ فسق اور معصیت کا دیکھنا دل کو سخت بکرویتا ہے کیوں کہ کثرت فحور سے گناہ کی ہیبت دل سے جاتی رہتی ہے چنانچہ نصیحت کو بھی کچھ



لوگ نظر عظمت سے نہیں دیکھتے حالانکہ وہ بڑی بلاء ہے اور بدترین معائب گناہ سے ہے حتیٰ کہ ایک عالم کو حریرو تفتے کا استعمال جس طرح ناجائز ہے اس سے بھی نفیست بری ہے حریص نہ ہو، حریص کی صحبت بھی سم قاتل ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے؛ کیوں کہ انسان بالطبع تکبر اور اقتدار پر مجبور ہے اور صاحب طبع سلیم کو اس کے خیر نہیں ہوتی پس اگر حریص کی صحبت اختیار کر دے تو تم بھی حریص ہو جاؤ گے اور اگر زاہد کی صحبت اختیار کر دے تو تم بھی زاہد بن جاؤ گے جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے احيوا الطاعات بمجالسة من يستحي منه یعنی زندہ کرو تم عبادت کو ان لوگوں کی صحبت سے جو عبادت سے زندہ ہیں یعنی اپنے اوقات کو عبادت میں بسر کرتے ہیں۔

۵۔ صادق ہو جھوٹے کی صحبت مت رکھو کیونکہ جھوٹے آدمی سے اکثر دھوکا ہوتا ہے جھوٹی بات مثل سراب کے ہے کہ جس سے امور بعید قریب نظر آتے ہیں اور قریب بعید، ان تخلصوں کے اختیار کرنے میں اکثر صحبت اہل مدارس (یعنی علماء و خطباء) و اہل مساجد (زاہدین) ہامچ ہوتی ہے پس دو باتوں میں سے ایک اختیار کرو یا تو عزالت و تنہائی کہ جو موجب سلامتی ہے یا دوستوں کے اخلاق کا اندازہ کر کے ان سے صحبت اختیار کرو۔

دوست تین قسم کے ہیں ایک دوست عقی کہ جس میں سوائے وینداری کے تم کچھ نہ دیکھو گے دوسرا دوست دنیا کہ جو اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو تیسرا دوست مونس کہ جس میں کسی قسم کا شر و فساد نہ ہو ابو ذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے الوحدة خیر من جلیس النساء والجلیس الصالح خیر من الوحدة تنہائی بد صحبت سے اچھی ہے اور اچھی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔ عوام الناس تین قسم کے ہیں ایک تو مثل غذا کے ہیں یعنی ان سے طبیعت سیر نہیں ہوتی یہ تو علماء ہیں اور دوسرے مثل دوا کے ہیں کہ کبھی ان کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی نہیں تیسرے مثل بیماری کے ہیں ان کی احتیاج تو نہیں ہے مگر کبھی آدمی ان میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ کہ جن سے نہ تو کچھ نفع ہو اور نہ موانست جیسے فاسق، مبتدع، کذاب وغیرہ ایسے لوگوں سے تو بلحاظ دفع شر مدارات کرنی چاہئے چنانچہ جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں مداراة الناس صدقة تالیف قلوب صدقہ ہے یعنی تالیف قلوب کا ثواب مثل ثواب صدقہ کے ہے۔ مگر جو لوگ کہ مثل بیماری کے ہیں ان کا وجود بھی مصلحت سے خالی نہیں ان کے دیکھنے سے انسان کو برے افعال سے آگاہی ہوتی ہے اگر انسان میں مادہ عبرت ہو تو ایسے لوگوں سے بہت کچھ اثر پذیر ہو سکتا ہے سعید وہی ہے جو دوسروں کی نصیحت قبول کرے المومن مرآة المومن کے یہی معنی

ہیں بیسی سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس نے ادب سکھایا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو کسی نے ادب نہیں سکھایا مگر یہ کہ میں جاہلوں کو دیکھتا تھا اور مہرت حاصل کرتا تھا۔ حقیقت میں آپ کا قول بہت سچا ہے اگر لوگ برے اقوال و افعال سے بچیں تو ان کا ادب مکمل ہو جائے گا اور کبھی ان کو تعلیم کی حاجت نہ رہے گی۔

## بیان رعایت حقوق صحبت

جب حلو کسی سے مصاحبت و محبت ہو تو تم کو آداب صحبت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے اگرچہ آداب صحبت بہت ہیں مگر مختصراً کچھ ذکر کئے جاتے ہیں رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے مثل الاخوان مثل الیذین تغسل احذہم الاخری و دوست مثل دو ہاتھ کے ہیں جو ایک دوسرے کو دھو رہا ہے ایک مرقبہ حضرت ایک ہاتھ میں تشریف لے گئے اور وہاں سے سواک لیے ایک سیدھا اور ایک ٹیڑھا۔ ٹیڑھا تو اپنے لئے رکھا اور سیدھا بعض اصحاب کو جو آپ کے ساتھ تھے عنایت فرما دیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کے تو آپ ہم سے زیادہ تر مستحق تھے تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی کو کسی سے ملاقات اور مصاحبت ہوتی ہے تو اگرچہ وہ صحبت ایک سماعت کی بھی ہو مگر اس کی نسبت حقوق اللہ کی نگہبانی یا عدم نگہبانی کا سوال ہوگا یعنی حقوق صحبت کا اور نیز جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جب دو شخص آپس میں دوست ہوں تو خدا کے پاس زیادہ تر محبوب وہ شخص ہے جو اپنے دوست کے ساتھ زیادہ رعایت سے پیش آتا ہو

## آداب صحبت

- ۱۔ ایثار مال اگر ایثار نہ ہو سکے تو جس قدر ممکن ہو حاجت کے وقت مدد کرے
- ۲۔ اعانت ذاتی بظہیر خاطر بلا درخواست ۳۔ حفاظت راز ستر عیوب اور ایسی چیز کے معلوم

کرانے سے سکوت کرنا کہ جس سے اپنے دوست کی ناخوشی کا احتمال ہو ۴۔ اگر لوگ اپنے دوست کی تعریف کریں تو اس کا اظہار اپنے دوست پر کرنا اور خود بھی اس سے خوش ہونا ۵۔ اگر اپنے دوست کے متعدد نام ہوں تو جو نام اس کو مرغوب ہو اس سے پکارنا اور اس کے محاسن کا ذکر بلا افراط و تفریط کرنا ٹیک افعال کی ستائش کرنی اور برائیوں سے درگزر کرنا اور بشرط ضرورت جملطف و مداراۃ نصیحت کرنا ۶۔ دوست کے قصور سے (باوجود قدرت انتقام) درگزر کرنا اور کسی قسم کی ملامت نہ کرنا ۷۔ غائبانہ اپنے دوست کے لئے (خواہ زندگی میں ہو یا بعد موت) دعائے خیر کرنا کہ ایسی دعا کبھی رو نہیں ہوتی ۸۔ دوست کے اہل و عیال سے (بعد وفات دوست) اور عزیز و قریب سے اسی محبت و مروت سے پیش آنا جیسا کہ زندگی میں عادت ہو ۹۔ دوست کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا تاہم مکان و دوست کی مشکلات میں مدد کرنا جاہ و مال کے حاصل کرنے میں اپنے دوست سے استمداد نہ چاہنا کہ اس سے اکثر متعسر پیدا ہوتا ہے جس بات میں اپنے دوست کی خوشی ہو اس میں اپنی بھی خوشی سمجھنا اور جس میں اس کی ناخوشی ہو اس سے خود بھی ناخوش ہونا۔ پس جب تک اس قسم کا برتاؤ سرا و علانیہ نہ ہو اس وقت تک آدمی درجہ اخلاص میں کامل نہیں ہوتا حاصل یہ کہ محبت و مروت خاصا لوجہ اللہ ہو کیونکہ بغیر اس کے اس قسم کی رعایتوں کا ملحوظ رکھنا از قبیل محالات ہے

۱۰۔ اگر دوست سے ملاقات ہو تو پہلے آپ سلام کرنا مجلس میں اپنے دوست کو اچھی جگہ دینا ۱۱۔ جب دوست سے ملاقات ہو تو حالت دوست کی اتباع کرنا مثلاً اگر دوست کھڑا ہو تو خود بھی تعظیم کھڑے رہنا ۱۲۔ جب تک دوست گفتگو کرتا رہے آپ خاموش رہنا اور قطع سخن نہ کرنا حاصل کلام اپنے دوست کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جو کسی صورت ناگوار نہ ہو پس اس طرح جو شخص اپنے دوست کے ساتھ مدارات نہ کرے وہ دنیا اور آخرت کے دہال میں مبتلا ہوگا یہاں تک تو عوام الناس اور اصحاب کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ذکر ہوا۔ اب ان لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن سے فقط تعارف ہو یعنی وہ لوگ جو نہ بمرتبہ اصداقاء ہوں اور نہ عوام بلکہ شناسا ہوں ایسے لوگوں سے ہمیشہ ڈرنا چاہئے کیونکہ دوست تو ہر حال میں معین ہوگا اور جس سے کسی قسم کا تعارف ہی نہ ہو وہ تو کسی معاملہ میں دخل ہی نہ دے گا جو لوگ شناسا ہیں اور بظاہر دوستی کا دم بھرتے ہیں انہیں سے ہر قسم کے نقصان کا اندیشہ ہے ایسے لوگوں سے جہاں تک ممکن ہو اپنی صحبت کو کم کرنا چاہئے اگر بالفرض آدمی ایسے لوگوں میں کہیں (مثلاً درسگاہوں میں یا مساجد اور بازاروں وغیرہ میں) پھنس جائے تو کبھی ان کو بظہر حقارت نہ دیکھے گو بظاہر وہ خفیف و حقیر ہی

ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ ان کی منزلت خدا کے پاس زیادہ ہو اور ایسے لوگوں کو انکے حصول اور وجاہت و نبوی کے لحاظ سے بظہر عظمت و یکتا بھی منع ہے کہ جب دنیا میں گرفتار نہ ہو جائے جو باعث ہلاکت ہے جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ من تواضع لغنی لغناہ ذہب ثلثا دینہ جو شخص کسی توغر کی مدارات صرف اس کی مالداری کی وجہ سے کرے تو اس کے دین سے دو ٹکٹ گھٹ جائیگے۔ خدا کے پاس دنیا و مافیہا کی کچھ بھی قدر و منزلت نہیں ہے پس انسان کو اس بات پر سے پرہیز رہنا چاہئے کہ حصول دنیا کی فکر میں کہیں دین برباد نہ ہو جائے ورنہ خدا کے پاک کے سامنے خفت و رسوائی ہوگی اور اس طمع سے خود اہل دنیا کے پاس تم و میل ہو جاؤ گے اور ان سے تمہیں کوئی نفع نہ ہوگا اور جو لوگ کہ صرف مالداری کے لحاظ سے تمہاری خاطر و مدارات کریں اور یہ تعظیم و تکریم پیش آئیں وہ بھروسے کے لائق نہیں ہیں کیونکہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سچی محبت کرنے والے بہت کم ہیں اور امید نہیں کہ حاضر و غائب لوگ کسی سے یکساں لطف و مہربانی کے ساتھ برتاؤ کریں اکثر غائبانہ شکایت ہو جاتی ہے اور ایسا ہونا بعید از قیاس بھی نہیں ہے کیونکہ جب ہم انصاف کی نظر سے دیکھیں تو ضرور اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ ہم بھی دوسروں کی نسبت ایسا ہی پیش آتے ہیں بلکہ اپنے والدین عزیز و اقارب اور اساتذہ کے ساتھ بھی ایسے ایسے امور کا اقتساب جو شاید کبھی بالمشافہ ذکر نہ کر سکیں گے پس اگر کوئی ہماری بھی شکایت کرے تو کیا عجب ہے۔

اہل دنیا سے مال و جاہ اور اعانت کی توقع بھی قطع کرنا چاہئے کیوں کہ طامع اپنے مقاصد کو کم حاصل کرنا ہے بلکہ جس قدر طمع زائد ہوگی اسی قدر دولت حاصل ہوگی اگر کسی نے انجراح مرام میں تائید کی ہو تو خدا کا بھی شکر ادا کرو اور اس متوسل کا بھی کیونکہ بغیر ادا کرنے شکر متوسل کے خدا کا شکر بھی مکمل نہیں ہوتا حدیث شریف میں آیا ہے کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ تعالیٰ جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر ادا نہیں کرتا اور اگر کوئی تائبہ سے پہلو تہی بھی کرے تو اس سے نہ تو ناخوش ہونا چاہئے اور نہ شکایت کرنی چاہئے کیونکہ مسلمان کی تو یہ تعریف ہے کہ دوسروں کے عذر کو قبول کرے اور منافق وہ ہے جو محض لوگوں کی عیب چینی کرے ایسی حالت میں تو صرف یہ خیال کر لینا مناسب ہوگا کہ یہ عدم تائید شاید کسی ایسے عذر خاص پر محمول ہے کہ جس سے ہمیں آگہی نہیں ہے اور جب تک کہ اس بات کا ثبوت یقینی نہ ہو کہ ہماری نصیحت غیر کے حق میں اثر پذیر ہوگی اس وقت تک کسی کو نصیحت بھی نہ کرنی چاہئے والا تھاخص پیدا ہو جائیگا اور لوگ بے فائدہ دشمن بن جائیں گے اگر اہل

تعارف کسی مسئلہ میں خطا کریں اور پھر تم سے اس کے معلوم کرنے میں بھی تنگ و عار کریں تو ان کو تعلیم بھی نہ دینا چاہئے کیوں کہ ایسے لوگ اس شعر کے مصداق ہیں کہ؟  
 نفس نیا موخت علم تیرا زمن کہ میرا عاقبت نشانہ نکرد۔

اور اگر کسی مسئلہ کی لامعلیٰ محض کسی معصیت کی وجہ سے ہو جس کا ارتکاب معصیت کی وجہ سے ہو گیا ہے تو ضرور ایسے لوگوں کی تنقید بلطف و مدارات کرنی چاہئے۔ اگر کسی اہل ملاقات سے تمہارے حق میں کوئی نیکی ہو تو خدا کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے شخص کو دوست بنایا اور اگر کچھ برائی دیکھو تو اللہ پر سوچ دو اور اس سے کنارہ کر دو کہ عتاب مت کرو اور نہ یہ کہو کہ تم نے ہمارے ساتھ اس طرح کا سلوک کیوں کیا اور ہمارا لحاظ کیوں نہ کیا گیا کہ یہ محض حماقت کی علامت ہے بڑا احمق وہ ہے کہ اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھے جب کوئی شخص تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے تو سمجھ لو کہ یہ یا تو تمہارے افعال بد کی پاداش ہے جو تم سے کبھی (چشت) سرزد ہوئی ہیں اس لئے انسان کو اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہنا چاہئے یا خدا کا عذاب تم پر دنیا میں نازل ہوا ہے اس کا علاج بھی ہے کہ حق بات کو گو تلخ ہو بوسع قبول سنا کرو اور کلام باطل پر سکوت کیا کرو لوگوں کی نیکیوں کو نگاہ رکھ دو اور برائیوں سے چشم پوشی اختیار کرو علماء کی محبت سے عذر کرو خصوصاً ایسے عالموں کی محبت سے جو مجاہدہ میں جلاء ہیں کہ یہ لوگ اکثر اپنے حسد کی وجہ سے دوسروں کے لئے حوادث و ہرجا کا انتظام کرتے رہتے ہیں اور اپنے وہم کے پردے میں قطع محبت بھی کر دیتے ہیں اور تمہاری رسوائی کا اپنی مجلس صحبت و مجلس میں مضحکہ کیا کرتے ہیں حتیٰ کہ ان خیالی ذلتوں کا استعمال اس شہرت سے کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے سنگ ملامت تمہارے منہ پر پھینک مارا یہ لوگ مناظرہ کے وقت کبھی دوسرے کی بات کو فروغ نہ ہونے دیں گے اور کبھی کسی کی خطاء سے درگزر نہ کریں گے اور کسی کے عیب کو معاف نہ فرمائیں گے بلکہ ادنیٰ ادنیٰ عیب کو ظاہر کریں گے غیر کی تھوڑی سی منفعت پر انکا دل جلے گا اور اقسام کی تہمتیں اور بہتان اس کے فتراک میں باندھیں گے بظاہر تو یہ نفع رساں معلوم ہونگے اور باطن ان سے مضرت پہنچے گی بہر حال جو کچھ اب تک ذکر ہو چکا ہے سب بدیہی امور ہیں ان مہلکات سے وہی بچ سکتا ہے جس کو خدا بھائے بس ایسے لوگوں کی محبت سے سوائے نقصان و خسارت کے کوئی فائدہ ہی نہیں ہے اور یہ ایسی کھلی ہوئی باتیں ہیں کہ چکا ہر شخص اعتراف کر سکتا ہے قاضی ابن معرفؒ نے اس مضمون کو کیا خوب لفظ کیا ہے،

فاحذر عدوك مرة واحذر صديقك الف مرة

فلربما انقلب الصديق عدوك من صديقك مستفاد فان السداء اكثر ما تراه لما عفوت ولم احقد على احد انى احى عدوى عند رويته واطهر البشر للانسان ابغضه ولست اسلم ممن لست اعرفه للناس داء ذواء الناس تركهم فسالمت الناس تسلم من غوانهم وخالق الناس واصبر ما بليتهم اصم ابكم اعمى ذا تقنيات

دشمن سے تو ایک بار خوف کر۔ اور دوست سے ہزار بار۔ پس جب دوست اپنی دوستی سے بھر جائے تو۔ مضرت پہنچانے کے عمدہ طریقہ کو وہ جانتا ہے۔ اسی طرح ابن تمام نے بھی کیا خوب لکھا ہے۔ تیرے دشمن تیرے دوستوں ہی سے ٹھیکس کے۔ پس دوستوں کی تعداد کو مت بڑھا اکثر بیماریاں جو تم دیکھتے ہو۔ کھانے پینے ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر بھلائی چاہتے ہو تو ہلال بن علاقائی کے قول پر کار بند رہو۔ جب میں کسی کی خطا و معاف کرتا ہوں۔ اور کسی پر حسد نہیں کرتا۔ تو میرا نفس دشمنی کی تکلیفات سے محفوظ رہتا ہے۔ بد رستیکہ میں دشمن کو خوش کرتا ہوں۔ بحر داس کے دیکھنے کے اظہار شرم و خوشی سے۔ تاکہ بلا دفع ہو جائے۔ کشادہ روی سے پیش آتا ہوں اس شخص کے ساتھ جس سے مجھے شغری ہے۔

اس طرح کہ گویا اس نے میرے دل کو خوشی سے مالا مال کر دیا

جبکہ ہم کو اجنبیوں سے ہی بچنا محال ہے تو۔ دوستوں سے کیونکر نجات ملے گی لوگ مشکل بیماری کے ہیں اس کا علاج ترک محبت ہے۔ کیونکہ ان سے ذرا بھی کنارہ کرو تو عداوت پیدا ہو جائے۔

جو شخص انکی شرارتوں سے بچا رہا محفوظ رہا۔ اس واسطے گوشہ گیری زیادہ اختیار کرو لوگوں کے موافق رہو اور ان سے جو کچھ واقع ہو اس پر صبر کرو۔ چپ رہو بھرے اور اندھے بن جاؤ بہر کیف اپنے کو بچاؤ۔

اور نیز حکماء کے بعض ان اقوال پر عمل کرو دوست دشمن سے یکساں بخوشی ملا کرو نہ ان

کے لئے کوئی ذلت کا سامان مہیا کرو اور نہ ان سے کچھ خوف کرو و قار اور تو اضع کو ہاتھ سے مت جانے دو و قار میں کبر اور تو اضع میں ذلت نہ ہو چیز کا برتاؤ اعتدال کے ساتھ کرو افراط اور تفریط مذموم ہے کما قیل۔

علیک با وساط الامور فانہا طریق الی نہج الصراط قویم  
ولا تک فیہا مفرط او مفرطاً فان کلا حال الامور ذمیم  
لازم کرو تم اعتدال کرو۔ راہ راست پر پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اپنے کاموں میں افراط و تفریط مت کرو۔ کہ یہ دونوں باتیں مذموم ہیں۔

چلنے کے وقت غرور کے ساتھ سیدھے بائیں طرف اور پیچھے پلٹ پلٹ کر مت دیکھو اگر کہیں مجمع دیکھو تو بغیر حاجت کے مت ٹھہرو۔ اگر کسی مجلس میں بیٹھو تو اطمینان کے ساتھ بیٹھو متوحشانہ مت بیٹھو۔ ہاتھوں کی انگلیوں کو ہائیکہ گیر مت ملاؤ کہ اس سے اکثر اذیتیں آتی ہے جو فعل شیطانی ہے علی حد ادا و احمی میں بیجا کدہ انگلیاں ڈالنا اور انگشتری کو پھیلاتے رہنا ہمیشہ و انتوں میں خلال کرنا ناک میں انگلیاں ڈالنا کثرت سے تھوکنا بار بار انگڑائیاں لینا منہ پر سے کھیاں اڑانا منع ہے ریٹ اور بٹم کے دفع کرنے میں بھی احتیاط چاہئے۔ مجلس میں یہ بھی ضروری ہے کہ بالکل سکوت ہو اور کسی قسم کا بلوا نہ ہو گفتگو بھی سنجیدہ اور مناسبت کے ساتھ ہو مخاطب کے ساتھ توجہ رہے استماع کلام کے وقت استجاب ظاہر نہ ہو بار بار مخاطب سے ایک ہی بات کا استدراک بھی نہ ہو کہ عیب میں داخل ہے فضول و مصححہ آمیز گفتگو سے محترز رہے اپنی اولاد یا شعر و سخن یا تصنیف و تالیف کی ستائش خود آپ کرنا معیوب ہے بلکہ جو چیز اپنی ذات کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو اس کی بھی تعریف نہ کرنی چاہئے عورتوں کی طرح تزئین لباس کی خواہش یا معجزہ لباس پہننا ہر مرد کا زیادہ استعمال، بالوں میں زیادہ تیل نہ لگانا چاہئے لوگوں کے پاس ہمیشہ حاجت پیش نہ کرنا چاہئے کسی کو ظلم کی ترغیب بھی مت دوا اپنے عیال کو دوسروں کے تشغیص مراتب کا رجحان مت دلاؤ کہ اس میں دو قباحتیں ہیں ایک تو یہ کہ مثلاً وہ جب کسی کو اپنے سے حقیر سمجھیں گے تو دوسرے کو بظہر استخفاف دیکھیں گے دوسرا یہ کہ اگر کسی کو ذی مرتبت پائیں گے تو اس سے اپنے دل میں کھنچاؤ کریں گے اور نیز اگر ان سے کچھ خطاء ہو جائے تو نرمی کے ساتھ درگزر کرو اور مہربانی بھی اعتدال کے ساتھ کرو خدمت کا رد و حاشی کے ساتھ شخصاً مت کرو کہ اس سے رعب و دبدبہ میں فرق آتا ہے کسی سے جھگڑا ہو جائے تو حلم کو اپنے ہاتھ سے مت جانے دو جہالت کو کام میں مت لاؤ تعیل کار سے پرہیز کرو جواب سمجھ کر دیا کرو جھگڑے کے وقت ہاتھ

سے بار بار اشارہ مت کرو اور اگر کوئی پس پشت ہو تو اس کی طرف التفات مت کرو اور نیز بھٹکے کے وقت پنڈلیوں پر مت بیٹھو جب تک طے نہ ہو بات مت کرو تقرب سلطانی سے ڈرو وہ دُست جو تمہاری خوشحالی کا ریشہ ہو (جیسے تو نگری اور صحت) اور برے وقت میں کام نہ آئے (یعنی حالت افلاس و مرض میں) اس سے پرہیز کیا کرو کہ وہ بڑا دشمن ہے مال کو جان سے لیا وہ عزیز مت رکھو۔ المختصر یہاں تک جن ابواب کا ذکر ہوا وہ ہدایت ہدایت کے لئے کافی ہے اگر مرض کچھ باقی ہے تو صرف یہی ہے کہ ان کا تجربہ کیا جائے ہدایت ہدایت کے متعلق گویا تین باتیں بیان ہوئی ہیں (۱) آداب طاعات (۲) ترک معاصی (۳) مخلطہ خلق ان تینوں چیزوں کے مجموعہ کو تقویٰ دین کا کل اور زادِ آخرت سے بھی تعبیر کرتے ہیں پس اگر ان امور کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور نفس میں ان کے حصول اور عمل کی جانب رغبت پائی جائے تو سمجھئے کہ مادہ عبودیت ہے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ ایمان کامل سے دل کو منور کر دے چونکہ اس کتاب میں ہدایات و نہایات دونوں باتوں کا ذکر ہو چکا ہے تو نہایت ہدایت کے بعد اسرار و غوامض اور امور باطنیہ اور مکاشفات کا مرتبہ ہے جس کا ذکر احیاء علوم میں موجود ہے اگر شوق ہو تو اس کی طرف رجوع کرو اور اگر صرف انہیں اعمال و وظائف کا اختیار کرنا جو اس کتاب میں مذکور ہوئی ہیں گراں معلوم ہو اور تحضر پایا جائے اور نیز یہ خیال پیدا ہو کہ بھلا اس علم سے ہمیں منافع و غیرہ میں کیا مدد ملے گی اور اپنائے جنس پر کیا سراسائی ہو سکے گی حصول تقرب و زراء و مسلمین اور مقاصد و غیرہ میں اس سے کیا تائید مل سکے گی تو سمجھ لو کہ شیطان تم کو غارت کرنا چاہتا ہے آخرت کی بھلائی سے محروم رکھنے کے درپے ہے اور برے علوم کی ترغیب دینا چاہتا ہے کہ جس کو تم اپنے خیال میں مفید سمجھتے ہو مگر یقین جانو کہ وہ سرمایہ بربادی و تباہی ہے اور فہم دائم یعنی جوار رب العالمین سے باز رکھنے کی تدبیر ہے

والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ والحمد للہ  
وآخر اظہار و باطننا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم  
وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔



المقالة الحقة والكلمة الصادقة  
ترجمة التفرقة بين الاسلام والزندقة  
للامام العمام أبي حامد محمد غزالي رحمة الله عليه  
جسکو

مولوی محمد حیدر اللہ خان لہمی

نے

زبان عربی سے ترجمہ کیا

مع اکثر حواشی مفیدہ از مترجم

طبع ہوا ۱۳۳۲ھ





سبحانک ما اعظم شانک یا من فی کتابک وسعت  
رحمتی کل شیء فساکتبها للذین یتقون وصلواتک وسلامک  
علی رسولک محمد منبع الرحمة مالک الشفاعة لقوم یومنون  
وعلی آلہ وصحبہ ائمة الهداء لرہط یوقنون ۔

جبکہ میں مجکم نواب معظم، امیر کرم، مخدوم امراء، خادم فقراء، صاحب سیف و قلم  
نائب علم و علم نواب آغا مرزا بیگ خان سرور جنگ سرور الدولہ سرور الملک بہادر معتدل قتل سبحانی  
میر محبوب علی خان بہادر شاہ دکن خلد اللہ ملکہ و لدہ محمد عبدالکریم شہرستانی کی کتاب  
”الملل والنحل“ کے ترجمہ سے فارغ ہو چکا کہ جو حقیقت میں ابتدائے آدم  
سے اس وقت تک کہ جمع ادیان سادہ اور غیر سادہ کی ایک جامع تاریخ ہے بلکہ قیامت  
تک کے کل مذاہب اور مناہل مشعہ اس سے باہر نہیں ہو سکتے تو میں نے چاہا کہ  
بحصول اجازت ایک ایسی کتاب بھی ترجمہ کر کے نواب صاحب موصوف کی انگریزی کا نگینہ  
بنادوں کہ جس سے ان کل مذاہب کے احکام کفر و اسلام معلوم ہو سکیں لہذا میں نے حجۃ الاسلام  
امام محمد غزالی کی کتاب التفرقة بین الاسلام والزندقہ کا ترجمہ سلیس اردو  
زبان میں لکھ کر ہدیہ کرنا چاہا کہ جو کفر و اسلام کی حقیقت میں جامع و مانع ہے تاکہ ہمارے بعض  
علماء کرام کی جن کی طبیعت میں غلٹ اور جسارت ہے عامہ مومنین کے حق میں زبان درازی  
سے محفوظ رہیں اور کسی اہل قبلہ کی تکفیر اور تھلیل میں بغیر قطعی برہان کے جرأت نہ کریں اور  
میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ نواب صاحب موصوف ایسے نیک کاموں کے اجراء میں  
موفق رہیں، اور ان دونوں کتابوں میں سے کتاب الملل والنحل کے ترجمہ کو معنون بنام  
نای دہم گرامی، اعلیٰ حضرت ظل سبحانی و کتاب التفرقة بین الاسلام  
والزندقہ کو منسوب ہام گرامی نواب مستطاب معلی القاب نواب وقار  
الامرا بہادر وزیر اعظم ملک دکن کر کے امیدوار ہوں کہ یہ ہدیہ محترمہ مقبول باریافتگان

در بارہ بار شاہ و وزیر ہو، و هو ولی فی الدنیا والاخرۃ وانا عبدہ محمد حیدر اللہ خان  
اسارگ زکی المجدد الشہید الوارث فی بلدۃ حیدرآباد وکن الملازم فی حضرۃ محل اللہ۔  
ترجمہ

## التفرقة بين الاسلام والزندقة

### لِلْإِمَامِ غَزَالِي رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میں اللہ کے لئے حمد کہتا ہوں درالحالیکہ میں اس کی عزت کو مانتا ہوں اور اس کی  
نعمتوں کا پورا ہونا چاہتا ہوں اور اس کی توفیق کو نصیبیت جانتا ہوں اور اس کی بے فرمانی سے بچاؤ  
کا خواستگار ہوں اور اس کی وسیع نعمتوں کے جاری رہنے کا طلبگار ہوں اور درود بھیجتا ہوں میں  
اس کے بندے اور رسول اور کل مخلوقات سے بہتر محمد ﷺ پر تاکہ اس کی شفاعت کو کشش کروں  
اور اس کے حق رسالت کو ادا کروں اور اس کے مبارک نفس کی برکت کے ساتھ محفوظ رہوں اور

لِلَّهِ ایک قصبہ اہل اللہ ہے کہ جو ملک پنجاب خلع جہلم میں دریائے جہلم کے شمالی کنارہ پر واقع ہے  
وہاں ایک بزرگ غلام احمد علیا امام قصبہ طریقہ مجددیہ گزرے ہیں کہ جو مترجم کے استاد علم ظاہر و باطن  
ہیں اور جن سے ہزار ہا لوگوں کو علم ظاہری اور باطنی کا استفادہ ہوا اور دور دور ملکوں سے طالبان علم  
ظاہر و باطن دنیا سے تامل و انتفاع کر کے اپنے اپنے مقاصد کو بدرجہ علیا قارئ ہوئے اور ادنیٰ ادنیٰ زمانہ  
میں مقامات طریقہ سے مشرف ہوئے ۲۱ ماہ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں حضرت نے  
انتقال فرمایا اب حضرت کے فرزند ارجمند حافظ مولوی دوست محمد صاحب کا نہر لابیہ سند ارشاد پر  
موجود ہیں اور برکات و تسلیک مقامات طریقہ میں اپنے والد بزرگوار کی مثیل بلکہ اسیل ہیں۔ اور  
طالبان حق تعالیٰ کی تربیت میں مشغول ہیں۔

بس چون قلب بطلای و خسرو است در کوئل تاجیق بر زبان ہر گزنی مانند دہانی  
ہے بدلتی خود نامہ کہ خون گرے سے بختے دران کوئی ست و دراصل سوی عالم تانی  
زہدہ ناکر دہان درش رہا و جد زہدہ ذلک نہادہ آن اکسیر آعظم رہا تانی  
تنائی کوئل درم و درم کہ عالم مدد و مدد شاہ کشند ان غوث گیلانی

دروہ بھیجتا ہوں میں اس کی آل اور سحاب اور عترت پر۔

بعد حمد و صلوة کے اے میرے مشفق بھائی اور غضبناک دوست میں تجھے سینہ پر کینہ اور براگندہ فگروں دیکھتا ہوں اس لئے کہ تیرے کانوں کو حاسدوں کے ایک طائفہ کے ان طعنوں نے ٹھکرایا ہے کہ جو انہوں نے ہماری ان بعض کتابوں پر کئے ہیں کہ جو علامات دین کے اسرار میں تصنیف کی گئی ہیں اور انہوں نے یہ زعم کیا ہے کہ ان کتابوں میں بعض ایسے امور ہیں کہ جو اصحاب حقد میں اور مشائخ متکلمین کے مذہب کے مخالف ہیں اور نیز انہوں نے زعم کیا ہے کہ اشعریوں کے مذہب سے کنارہ کش ہونا گواہیک بالشت کی مقدار میں ہو کفر ہے اور اس سے

لا اشعری یہ وہ لوگ ہیں جو امام ابو الحسن اشعری کے اصحاب ہیں اور یہی لوگ اہل سنت ہیں اور چاروں مذہب اسی امام کے تابع ہیں اور اسی جماعت کا نام صفائیہ ہے۔ کتاب السلسل میں ہے کہ سلف کی ایک جماعت خدائے تعالیٰ کے لئے صفات ازلیہ ثابت کرتی ہے جیسے علم اور قدرت اور حیات اور ارادہ اور سمیع اور بصیر اور کلام اور جلال اور اکرام اور جود اور انعام اور عزت اور عظمت اور یہ لوگ صفات ذاتی اور صفات فعلی کے درمیان امتیاز نہیں کرتی بلکہ ہر دو اقسام میں یکساں گفتگو کرتے ہیں اور اسی طرح خدائے تعالیٰ کے لئے صفات خبریہ کا اثبات کرتے ہیں جیسے یدین اور جہ اور ان کی تاویل نہیں کرتے لیکن اس قدر کہتے ہیں کہ چونکہ یہ صفات شرع میں وارد ہیں لہذا انہم ان کا نام صفات خبریہ رکھتے ہیں مگر جبکہ فرقہ معتزلہ صفات باری تعالیٰ کی بالکل نفی کرتا ہے اور سلف انکا اثبات کرتے ہیں اس لئے سلف کا نام صفائیہ ہوا اور معتزلہ کا نام معطلہ لیکن اس کے بعد بعض سلف نے صفات کے اثبات میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس نے ان صفات ازلیات کو ممکنات کی صفات کے ساتھ تشبیہ ویدی اور بعض نے انہیں صفات پر اکتفاء کیا کہ جن پر باری تعالیٰ کے افعال نے والالت کی یا جو صفات کہ خبر میں وارد ہیں پس ان سلف کے دوفرقت ہو گئے ایک فرقہ تو وہ ہے کہ جس نے ان صفات خبریہ کی اس حد تک تاویل کی کہ جہاں تک ان صفات کا لفظ اس تاویل کا احتمال رکھتا ہے اور دوسرا فرقہ وہ ہے کہ جس نے تاویل میں توقف کیا اور کہا کہ ہم نے باقتضائے عقل معلوم کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی شئی نہیں اور نہ وہ مخلوقات میں سے کسی شئی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور نہ کوئی شئی اس کے مشابہ ہے اور ہم اس امر کو قطعی طور پر جانتے ہیں لیکن جو لفظ کس کی نسبت وارد ہے الرحمن علی العرش استوی یا جیسے خلقت بیدی و غیرہ ہم اس کی معنی مراد ہی نہیں جانتے اور نہ ہم ان الفاظ کی تفسیر کے جاننے کے مکلف ہیں بلکہ تکلیف اس اعتقاد کی نسبت وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی شریک نہیں اور نہ اس کی مثل کوئی شے ہے اور ہم اس امر کو یقیناً ثابت کرتے ہیں پھر متاخرین بقیہ ماثیۃ کندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

طیعت کی کو ایک تھوڑی سی شے ہے جو گمراہی اور گھانا ہے۔ پس اسے میرے مشفق بھائی اور غضبناک دوست اپنے نفس پر سہولت اختیار کر اور اس سے اپنے سینہ کو تنگ نہ کر اور کسی قدر اپنی چیز کو کند کر اور جو کچھ کہہ کہتے ہیں اس پر صبر کر اور ان سے زبیا طریقہ سے ترک اختیار کر اور جو کوئی کہ حسد اور دشنام کے لائق نہیں اس سے اپنے نفس کو حقیر خیال کر اور جو کفر اور گمراہی کا مستحق نہیں اس سے اپنے نفس کو قاصر جان کیونکہ سید المرسلین علیہ السلام سے کامل تر کو نہاد دعوت کرنے

... بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کی جماعت نے سلف کے قول پر کس قدر زیادتی کر کے کہا ان الفاظ کو اپنے خواہر پر جاری رکھنا چاہیے اور اس کی تفسیر ضروری ہے بغیر اس کے کہ ان کی تاویل میں تعرض کریں یا ظاہری معنی میں توقف کریں لہذا وہ لوگ تشبیہ خالص کے تاکہ ہوئے اور یہ تشبیہ خالص ابتداء میں یہود کے بعض ان لوگوں میں تھی کہ جو تورات کے قاری تھے پھر شریعت محمدیہ میں شیعہ نے افراد تفریط اور غلو اور تفسیر کی غلو تو انھوں نے یوں کہا کہ انھوں نے اپنے بعض اماموں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی اور تفسیر اس طرح پر کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات میں سے کسی ایک کے ساتھ تشبیہ دی اور جب کہ سلف میں سے معتزلہ اور متکلمین کا ظہور ہوا تو بعض رہ انھوں نے افراد اور تفریط کو چھوڑ دیا اور اعتزال کے گڑھے میں جا کرے اور سلف کی ایک جماعت نے تفسیر ظاہری کی طرف قدم بڑھایا لہذا تشبیہ کے وسط میں جا پہنچے لیکن وہ سلف کے جنہوں نے تاویل کے لئے تعرض نہ کیا اور نہ تشبیہ کے نشانہ بنے بعض ان میں سے مالک بن انس اور احمد بن حنبل اور سفیان اور داؤد وصنہانی اور ان کے تابعین ہیں یہاں تک کہ عبد اللہ بن سعید کلابی اور ابی العباس قلاسی اور حرث بن اسد مجاہسی کا زمانہ آیا یہ لوگ سلف میں سے تھے لیکن انھوں نے علم کلام میں شغل کیا اور سلف کے عقائد کو انھوں نے کلامی دلائل اور اصولی برہانوں سے تائید دی اور بعض نے کتابیں تصنیف کیں اور بعض نے درس دیا یہاں تک کہ ایک روز ابی الحسن اشعری کو اپنے استاذ کے ساتھ صلاح اور اصلاح کے مسئلہ میں مناظرہ کا اتفاق ہوا اور دونوں میں خصومت ہوئی چنانچہ اشعری نے ان سے سلف کے اس طائفہ کی طرف رجوع کیا اور ان کے مقالات کو اشعری نے نکالی طرز سے تائید دی اور یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب قرار پا گیا اور صفایہ کا لقب اشعریہ کی طرف انتقال کر آیا چنانچہ اشعری نے صفات باری تعالیٰ کے اثبات میں کہا کہ انسان جب کاپی پیدا کرائے میں غور کرتا ہے کہ ابتدا اس کی کس شے سے ہوئی ہے اور وہ کیونکر پیدا کئے گئے اس کے اطوار میں ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف ترقی کرتا گیا ہے اور اس سے اس کو یقین ہو جاوے کہ وہ بذاتہ اس امر کی قابلیت نہیں رکھتا کہ اپنے میں تدبیر کرے اور ایک ذیہ سے دوسرے ذیہ کی طرف اپنے کو پہنچاوے اور نقص سے کمال کی طرف ترقی دیوے تو اس وقت بالضرور جان لیتا ہے کہ اس کے لئے ایک ایسا سامع ہے کہ جو قدرت اور علم اور ارادہ والا ہے جسے حاشیہ سہ صفحہ ۳۸۷ء مدفون

والا ہوگا حالانکہ ان کی نسبت انہوں نے کہا کہ وہ دیوانوں میں سے ایک دیوانہ ہے اور رب العالمین کے کلام سے کونسا کلام زیادہ تر جلالت اور صداقت والا ہوگا حالانکہ اس کی نسبت انہوں نے کہا کہ وہ مقدسین کا افسانہ ہے پس تجھے لازم ہے کہ تو ان لوگوں کے ساتھ خصوصت اور مباحثہ سے پرہیز کرے اور ان کو لا جواب کرنے میں ملع نہ کرے کیونکہ تیرا یہ طمع بے عمل اور اضطراب بے موقع ہوگا۔ کیا تو نے نہیں سنا۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ۔ اس لئے کہ ایسے محکم افعال کا صدور محض طبیعت سے متصور نہیں کیونکہ فطرت میں ہی اختیار اور پیدائش میں یہی احکام اور اتقان کے آثار ظاہر ہیں پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی صفات ہیں کہ جن پر اس کے افعال دلالت کرتے ہیں اور جیسے کہ اس کے افعال اس کے عالم اور قادر اور مرید ہونے پر دلالت کرتے ہیں اس طرح علم اور قدرت اور ارادہ پر بھی دلالت کرتے ہیں اس لئے کہ عالم اور قادر اور مرید کا معنی مجزوی علم اور ذی قدرت اور ذی ارادہ کے نہیں پس علم کے ساتھ احکام اور اتقان حاصل ہوتا ہے اور قدرت کے ساتھ وقوع اور حدوث اور ارادہ کے ساتھ تخصیص وقت اور فصل اور ان صفات کے ساتھ ممکن نہیں کہ مجزوات و واجبات کے کوئی اور موصوف ہو سکے اور اشعری نے صفات کے متکثر کو ایک ایسا الزام دیا ہے کہ جس سے ان کو کبھی خلاصی ملتی ممکن نہیں اور وہ یہ ہے کہ جبکہ اللہ تعالیٰ کے عالم اور قادر ہونے پر دلیل قائم ہو چکی تو ہم کو ضرور ہمارے ساتھ اس امر میں موافقت کرنی پڑتی پس ہم کہتے ہیں کہ عالم اور قادر کا مفہوم یا ایک ہوگا یا مختلف، پس اگر ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہو تو واجب ہے کہ صفت قادریت کے ساتھ عالم اور صفت عالمیت کے ساتھ قادر ہو اور نیز جو شخص کہ ذات مطلقہ کو معلوم کرے وہ اس کا عالم اور قادر ہونا بھی معلوم کر لے حالانکہ یہ امر باطل ہے پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں صفتیں از روی اعتبار کے مختلف ہیں، پھر ان کا اختلاف تین وجوہ سے خالی نہیں یا تو فقط لفظ کی طرف رجوع کرے گا اور یا حال یا صفت کی طرف، لیکن فقط لفظ کی طرف رجوع کرنا تو باطل ہے اس لئے کہ عقل حاکم ہے کہ وہ مفہوم معقول کے درمیان اختلاف ہوگا الفاظ کو معدوم کیوں نہ فرض کیا جاوے تا ہم عقل اپنے تصور میں شبہ نہیں رکھتی اور حال کی طرف بھی رجوع کرنا باطل ہے۔ اس لئے کہ ایک ایسی صفت کا ثابت کرنا کہ جو وجود اور عدم کے ساتھ متعین نہیں ہو گیا وجود اور عدم اور نئی اور اشبات کے درمیان واسطہ کا ثابت کرنا ہے حالانکہ یہ محال ہے پس متعین ہوا کہ اس اختلاف کا رجوع ایک ایسی صفت کی طرف ہے کہ جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور یہ مذہب اشعری کا ہے لیکن اشعری کے اصحابوں میں سے قاضی ابوبکر باقلانی نے صفت بقا میں اشعری سے مخالفت کی ہے اور بقا کو عین ذات کہا پھر ابوالحسن نے کہا کہ باری تعالیٰ علم کے ساتھ اور قدرت کے ساتھ قادر اور حیات کے ساتھ حی اور ارادہ کے ساتھ مرید اور کلام کے۔۔۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

کل العداۃ قد ترجی سلامتها

الاعداۃ من عداک عن حسد

یعنی ہر عداوت سے سلامتی کی امید کی جاتی ہے مگر اس شخص کی عداوت سے سلامتی کی امید نہیں کی جاتی کہ جو حسد سے ہو اور اگر کسی کو اس طمع کا موقع ہو تو ان سے بلند مرتبہ والے پر خوف کی آستیں کیوں پڑھی جاتیں کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا جو فرماتا ہے کہ اے محمد اگر

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... ساتھ حکم اور مع کے ساتھ سمجھ اور ہر کے ساتھ ہمسر ہے اور یہ صفات ازلیہ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں نہ ان صفات کو ہمیں باری تعالیٰ کا بولا جاتا ہے اور نہ غیر اور نہ لائین کہا جاتا ہے اور نہ لا غیر مگر فرقہ معتزلہ کو جو اپنے کو اصحاب عدل اور توحید بولتے ہیں اور قدریہ کے لقب کے ساتھ ملقب ہیں عدل اور توحید اور وعدہ امید اور مع اور عقل میں اشعریہ سے بالکل مخالف ہیں چنانچہ ہم یہاں پر ان دونوں مذہبوں کے مسائل اصولیہ بطور تقابل ذکر کرتے ہیں۔ اشعریہ یعنی اہل سنت کہتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں وہ اپنی صفات ازلیہ میں واحد ہے اس کا کوئی نظیر نہیں وہ اپنے افعال میں واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اہل عدل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد یوں ہے، کہ اس کی ذات میں قسمت نہیں اور نہ اس کے لیے کوئی صفت ہے اور اپنے افعال میں واحد یوں ہے کہ اس کے لئے کوئی شریک نہیں پس اس کی ذات کے سوائے کوئی قدم نہیں اور نہ اس کے افعال میں کوئی ہمسر ہے اور وہ قدمیوں کا وجود اور ایک مقدمہ کا دو قادروں کے درمیان ہونا محال ہے اور یہی توحید اور عدل ہے اور افعال میں عدل کا ہونا اہل سنت کے نزدیک اس معنی سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ملک اور ملک میں تصرف ہے بفعل مایشاء و یحکم مایرید پس عدل یہی ہے کہ ایک شے کو اس کی جگہ پر رکھنا اور یہ اپنے ملک میں بمختصائے مشیت اور علم کے تصرف کرنا ہے اور ظلم اس کی ضد ہے لہذا اللہ تعالیٰ سے نہ ظلم میں جو تصور ہے اور نہ تصرف میں ظلم اور اہل عدل کے مذہب پر عدل اس حکمت کا نام ہے کہ جو اقتضائے عقل ہے یعنی فعل کا ثواب اور مصلحت پر صادر کرنا لیکن اہل سنت وعدہ اور وعید میں یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی امر کی اطاعت پر وعدہ ہے اور نہ پنہ کی محصیت پر وعید پس جو کوئی کہ نجات پاویگا اور ثواب کا مستوجب ہوگا تو اسی کے وعدہ سے اور جو کوئی ہلاک ہوگا اور عذاب کا مستوجب تو اسی کے وعید سے پس عقل کے ظن سے اس پر کوئی شے واجب نہیں اہل عدل کہتے ہیں کہ ازل میں کوئی کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اور وعید اور امر اور نہی کا اصدار فرمایا ہے تو یہ کلام محدث کے ساتھ ہے پس جو شخص کہ نجات پاویگا تو وہ اپنے ہی فعل سے ثواب کا مستحق ہوگا بدین مابینہ ہر مطر ہر ماحظ فرمائیں



تجھ پر کافروں کی روگردانی گران ہے پس اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ کوئی سوراخ زمین میں ڈھونڈے یا کوئی سیزمی آسمان کے بیچ پیدا کرے اور پھر کوئی ایک نشانی ان کے لئے لاوے تاکہ وہ اس کو دیکھ کر ایمان لاویں تو کر اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو سیدھی راہ پر جمع کرتا پس اسے محمد (ﷺ) نادانوں میں سے نہ ہو۔ اور نیز فرمایا کہ اگر ہم ان لوگوں پر آسمان سے ایک دروازہ کھولیں پھر ان لوگوں کی نظر میں تمام دن فرشتے آسمان میں چڑھتے اور اترتے دکھائی دیں تو پھر بھی یہ لوگ اسی طرح کہیں کہ بجز اس کے نہیں کہ ہماری آنکھوں کو نظر بندی کی گئی ہے بلکہ ہمیں جادو کیا گیا ہے اور نیز فرماتا ہے کہ اے محمد اگر ہم تیرے اوپر نامہ کو کاغذ کے بیچ اتاریں پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھویں تو البتہ کافر لوگ کہیں کہ یہ صریح جادو ہے اور نیز فرماتا ہے کہ اگر ہم با تحقیق کافروں کی طرف فرشتوں کو نازل کرتے اور مردہ ان سے باتیں کرتے اور ان پر تمام چیزوں کو گرد و گردہ کر کے جمع کرتے جو دنیا میں ہیں تاکہ وہ وحدانیت اور رسالت پر شہادی دیویں تو بھی کافر ایمان نہ لائے بغیر اللہ کے چاہنے کے مگر بہت کافر لوگ جہالت کرتے ہیں۔

جان لو کہ کفر اور ایمان کی حقیقت اور تعریف اور حق اور ضلالت اور انکا بھید ان دلوں پر جلوہ گر نہیں ہوتا کہ جو مال اور مرتبہ کی طلب اور محبت میں گندھے ہوئے ہیں بلکہ اس کا انکشاف ان دلوں کے لئے ہوتا ہے کہ جو اول دنیا کی میل سے پاک ہوں دوم کامل ریاضت کے ساتھ عقل کے گئے ہوں سوئم صفائی بخش ذکر کے ساتھ منور ہوں چہارم فکر مصائب اور دوست سے غذا پانے والے ہوں پنجم حدود شرع کے التزام سے مزین کئے گئے ہوں یہاں تک کہ نبوت کے چراغ اندان سے ان پر نور کا اضافہ ہوا اور وہ دل اسطرح چھو جاوے کہ گویا ایک روشن آئینہ ہے اور ایمان کا چراغ دل کی قندیل میں اس طرح پرانوار کی چمک دیوے کہ قریب ہے بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... اور جو پاک ہو گا وہ اپنے ہی فعل سے اور عقل حکمت کے لحاظ سے اس کا اقتضا کرتی ہے لیکن اہل سنت صحیح اور عقل کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ کل واجبات کا وجوب صحیح سے ہے اور کل معارف کا حصول عقل سے، پس عقل کسی شے کی نہ حسیں کر سکتی ہے اور نہ تعین اور نہ اس کا اقتضا اور ایجاب اور نہ صحیح سے معرفت کا حصول ہو سکتا ہے بلکہ اس کو واجب کرتی ہے اہل عدل کہتے ہیں کہ کل معارف عقل کے ساتھ عقل کئے جاتے ہیں اور نظر عقلی سے ہی واجب ہوتے ہیں اور شمع کا شکر و روح صحیح کے قبل واجب ہے اور حسن اور قبح حسن اور قبح شی کی دو ذاتی معنی ہیں اور ہم عقرب اشعری کے عقائد میں اہل عدل کا جواب بیان کریں گے۔ مترجم

کہ اس کا روغن بغیر آگ کے چھونے کے روشنی پکڑے لیکن اس قوم کے لئے ملکوت اور عالم بالا کے اسرار کہاں جلوہ گر ہوتے ہیں کہ جن کا خدا ان کی خواہشیں ہیں اور جن کا معبود ان کے پادشاہ ہیں اور جن کا قبلہ ان کے درہم اور دینار ہیں اور جن کی شریعت ان کی رعونت ہے اور جن کی اراستہ انکا جاہ اور مرتبہ ہے۔ اور جن کی عبادت اغنیا اور دولت مندوں کی خدمت ہے اور جن کا ذکر ان کے دوسواں اور جن کا فکر ان حیلوں کا اقتباس ہے کہ جن سے حشمت اور جاہ کا حصول ہوتا ہے پس ان لوگوں کے لئے کفر کی تار کی ایمان کی روشنی سے کہاں ممتاز ہو سکتی ہے کیا الہام الہی سے؟ حالانکہ انھوں نے اپنے دلوں کو دنیا کی کدورتوں سے خالی نہیں کیا اور یا کمال علمی سے؟ حالانکہ ان کا علمی سرمایہ فقط آب زعفران سے نہاست کا زائل کرنا ہے۔ ہا ہا یہ مطلب اس سے زیادہ تر تفتیش اور عزیز ہے کہ فقط آرزو اور خواہش سے حاصل کیا جاوے پس تو اپنی حالت میں مشغول رہو اور ان لوگوں میں اپنی باقی عمر کو ضائع نہ کر پس تو اس شخص سے روگردانی کر کہ جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی ہے اور اس نے فقط حیات دنیوی کی آرزو کی ہے یہی ان کا مبلغ علمی اور یہیں تک ان کے عقل کی رسائی ہے اور بیشک حیرت ارب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ کو بھولا اور جو سیدھے راہ پر ہے۔

## فصل

پس اگر تو خواہش رکھتا ہے کہ تو اس کانٹے کو اپنے لور اس شخص کے سینہ سے نکالے کہ جس کی حالت تیرے مثل ہے کہ نہ اس کو حاسدوں کا بہکاؤ حرکت میں لاتا ہے اور نہ عقید کی تاریکی اس کو مقید رکھ سکتی ہے بلکہ وہ مشکلمین کہ جن کو فکر اور نظر نے پیدا کیا ہے بسبب سوزش دل کے اس کو بصارت کی طرف تفتیشی دلاتی ہیں پس تو اپنے نفس اور اپنے صاحب کی طرف مخاطب ہو اور اس سے کفر کی تعریف دریافت کر، پس اگر اس نے کفر کی تعریف وہی زعم کی کہ جو اشعری کے مذہب کے مخالف ہے یا معتزلی یا حنبلی

اعتزلی سے مراد واصل بن عطاء اور اس کے تابعین ہیں کہ جنہوں نے اصول اہل سنت سے اعتزال اور کنارہ کشی کی یہ شخص حضرت حسن بصری کا شاگرد تھا اور ان سے احادیث اور دیگر علوم پڑھا کرتا تھا اور اس کے اعتزال کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ ایک شخص نے حسن بصری کے پاس آکر سوال کیا کہ اے دین کے امام ہمارے زمانہ میں ایک ایسا فرقہ ظاہر ہوا ہے کہ جواہل کبیرہ کو کافر کہتا ہے اور گناہ کبیرہ ان کے نزدیک کفر ہے کہ جس سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔ جبرماتہ بعد مصلحت مدعا ملتا ہے۔

وغیرہ کے مذہب کے تو اس وقت تو یقین کر لے کہ وہ شخص مغرور احمق ہے کہ اس کو ابھی تہلید نے متید کیا ہوا ہے پس وہ ان اندھوں سے بھی زیادہ تر اندھا ہے تو اس کی اصلاح اور درستی میں اپنا وقت ضائع نہ کر اور تجھے اس کے لاجواب کرنے میں فقط یہی ایک جہت کافی ہے کہ تو اس کے دعویٰ کو اس کے مخالفین کے دعویٰ سے مقابلہ کرے اس لئے کہ وہ اپنے نفس اور باقی مقلدوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتا اور میں امید کرتا ہوں کہ شاید وہ باقی مذاہب میں سے فقط اشعری کے مذہب کی طرف مائل ہے اور زعم کرتا ہے کہ اشعری کی مخالفت ہر امر صادر اور وارد میں کفر جلی ہے پس میں اس سے سوال کرتا ہوں کہ اشعری کو یہ کہاں سے ثابت ہوا ہے کہ امر حق اسی پر وقف ہے حتیٰ کہ اس نے باطلانی کے کفر پر فتویٰ دیا جب کہ باطلانی نے اللہ تعالیٰ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... ہو جاتا ہے یہ فرقہ دمدید ہے اور ایک دوسرا گروہ ایسا ہے کہ جو صاحب کبیرہ کو امید دلاتا ہے کہتا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کبیرہ سے کوئی ضرر نہیں بلکہ عمل انکے نزدیک ایمان کے لئے جزو نہیں جیسے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی طاعت ان کے نزدیک سودمند نہیں (یہ فرقہ مرجیہ ہے) پس تو اس اعتقاد کی نسبت ہمیں کیا حکم دیتا ہے حسن بصریؒ اس میں متفکر ہوئے اور جواب دینے کے لئے واصل بن عطاءؒ اٹھا کہ میں نہیں کہتا کہ صاحب کبیرہ مومن مطلق ہے اور نہ کافر مطلق بلکہ وہ دونوں مرتبوں کے درمیان ہے یعنی نہ کافر ہے اور نہ مومن پھر واصل اٹھا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کی طرف الگ کھڑے ہو کر یہی تقریر حسن بصریؒ کی دوسرے اصحابوں کو سنانے لگا اس پر حسن بصریؒ نے فرمایا کہ واصل نے ہم سے کنارہ کشی کی ہے لہذا وہ اور اس کے اصحاب اس روز سے معتزلہ کے نام سے موسوم ہوئے پھر ان کے کئی فرقے ہو گئے چنانچہ ہر ایک کا بیان کتاب السلسل میں وسط کے ساتھ مذکور ہے۔

عربی سے مراد امام احمد بن حنبل اور اس کے تابعین ہیں۔ مترجم

ایہاں تہلید سے مراد اس شخص کی تہلید ہے کہ جو باوجود قوت نظری اور اجتہادی کے تہلید کرتا ہے اس لئے کہ جو شخص قوت اجتہادی رکھتا ہو اور باوجود اس کے اجتہاد نہ کرے اور تہلید سے کام لے تو وہ شخص بے شک اندھوں سے بھی زیادہ تر اندھا ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں نے کہ وہ قوت اجتہادی رکھتے تھے بعض مسائل اجتہاد یہ میں امام صاحب کا خلاف کیا اور یہ خلاف کرنا ان کے لئے مقام اجتہادی میں ضروری اور محمود ہے جیسے کہ سمت قبلہ کے اختلاف کے وقت ہر ایک کے لئے اجتہاد ضروری ہے اور ہر ایک کا اجتہاد اس کے لئے سمت قبلہ قرار دی جاتی ہے۔

ایہا تعالیٰ سے مراد قاضی ابوبکر باطلانی ہے کہ جو باری تعالیٰ کی صفت جاکوہین کہتا ہے۔ مترجم

کی صفت ہذا میں اشعری سے مخالفت کی اور زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت بقاء ذات باری تعالیٰ پر زائد نہیں اور کیوں باقلانی کو اشعری کے ساتھ مخالفت کرنے میں اشعری سے زیادہ تر کفر کی اولیت ہوئی حالانکہ جیسے باقلانی نے اشعری سے خلاف کیا ہے اسی طرح اشعری نے باقلانی سے اور کیوں امر حق فقط ایک پر وقف ہوا نہ دوسرے پر، کیا یہ اس وجہ سے ہے؟ کہ اشعری باعتبار زمانہ کے باقلانی سے مقدم ہے تو کئی ایک معتزلہ اشعری سے بھی مقدم گزرے ہیں پس اس وجہ سے ضروری ہے کہ حق اس کے لئے ہو جو اشعری سے مقدم ہے (یعنی معتزلہ کے لیے) اور یا اس وجہ سے ہے؟ کہ ان دونوں کے درمیان علم اور فضل میں تفاوت ہے تو کس ترازو اور پیمانہ سے اس نے فضل کے مراتب کا انداز لیا ہے کہ اس کے لئے ظاہر ہو گیا ہے کہ وجود میں اشعری کے کوئی شخص افضل نہیں پس اگر باقلانی کو اشعری کی مخالفت میں رخصت دیتا ہے تو باقلانی کے سوائے دوسروں کو کیوں منع کرتا ہے اور باقلانی اور کراہیں اور قلائی وغیرہ کے درمیان کیا فرق ہے اور خاص کر اس رخصت کو اس نے کہاں سے معلوم کیا ہے اور اگر وہ یہ زعم کرتا ہے کہ باقلانی کا اختلاف فقط عقلی ہے جیسے کہ بعض حصصوں نے تاسف کیا ہے اس زعم پر کہ اشعری اور باقلانی وجود کے دائمی ہونے پر باہم موافق ہیں اور اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا یہ دوام ذات باری تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا کسی وصف زائد کی طرف ایسا قریب ہے کہ کسی تشدید کو واجب نہیں کرتا تو پھر معتزلی کے لغوی صفات کے قول پر کیوں تشدید کرتا ہے حالانکہ معتزلی اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے اور تمامی معلومات پر محیط ہے اور کل ممکنات پر قادر ہے اور اشعری سے فقط اس امر میں مخالف ہے کہ آیا باری تعالیٰ اپنی ذات سے کل مخلوقات کا عالم ہے یا کسی ایسی صفت سے کہ جو اس کی ذات پر زائد ہے پس باقلانی اور معتزلی کے اختلاف میں کیا فرق ہے اور کونسا مطلب حق تعالیٰ کی صفات اور ان کی لغوی اثبات میں نظر کرنے سے بزرگ تر ہے پس اگر کہے کہ میں معتزلی کو اس لئے کافر کہتا ہوں کہ وہ یہ زعم کرتا ہے کہ ذات واحدہ سے علم اور قدرت اور حیات کا فائدہ صادر ہوتا ہے اور یہ صفات باعتبار تعریف اور حقیقت کے مختلف ہیں اور محال ہے کہ مختلف حقیقتیں اتحاد کے ساتھ متصف ہوں یا ذات واحدہ ان کے قائم مقام ہو تو پھر کیوں اشعری سے اس کے اس قول کو بعید نہیں جانتا کہ کلام ایک ایسی صفت ہے کہ جو اللہ

اے کراہیں سے مراد حسین کراہیں ہے۔ م۔

ع قلائی سے مراد ابی العباس قلائی ہے کہ جو ان بزرگان مطلق کی تابعین میں سے ہے کہ جنہوں نے نصوص کو اپنے ظاہر پر رکھا جیسے مالک بن انس اور احمد بن حنبل۔ م۔

تعالیٰ کی ذات پر زائد اور اس کے ساتھ قائم ہے اور باوجود واحد ہونے کے وہ تورات سے اور انجیل اور زبور اور قرآن اور یہ امر اور نبی اور خبر ہے اور استہار اور یہ مختلف حقیقتیں ہیں کیونکہ خبر کی تعریف یہ ہے کہ جو صدق اور کذب کی محمل ہو حالانکہ یہ احتمال امر اور نبی کی طرف راجع نہیں ہو سکتا پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی حقیقت کی طرف تصدیق اور تکذیب راجع ہو اور نہ ہو اور نفی اور اثبات کا اجتماع محمل واحد میں ہو پس اگر اس کے جواب میں خطہ کرے اور اس کا پردہ اٹھا نہ سکے تو جان لو کہ وہ شخص اہل اجتہاد اور اہل استدلال سے نہیں بلکہ وہ مقلد ہے اور شرط مقلد کی یہ ہے کہ وہ خود بھی خاموش رہے اور اس کا جواب بھی نہ دیا جاوے (کسی نے کیا خوب کہا ہے مع جواب جاہلان باشد خوشی) اس لیے کہ وہ شخص طریق حجت اور مباحث کی رفتار سے بالکل قاصر ہے اور اگر وہ اس امر کی ہمت رکھتا تو وہ متبوع ہوتا نہ تابع اور امام ہوتا نہ ماموم پس اگر کوئی شخص مقلد گفتگو اور دلائل میں خوض کرے تو یہ امر اس کا فضول اور عبث ہے اور جو شخص کس اس کی طرف متوجہ ہے گویا سردلو ہے میں ضرب لگاتا ہے اور بگڑی ہوئی شے کے درست کرنے کا طالب ہے کیا اس شے کو عطا درست رکھ سکتا ہے کہ جس کو زمانے نے فاسد کر دیا ہو اور امید ہے کہ اگر تو نے انصاف کیا تو جان لیا کہ جو شخص اہل استدلال اور جاہل اجتہاد میں سے خاص کر کسی ایک امر پر حق کو وقف کرتا ہے تو وہی شخص کفر اور تاقص کی طرف زیادہ تر قریب ہے لیکن کفر کی طرف تو اسلئے کہ اس نے اس شخص خاص کو ایسے ہی معصوم کی جا بجا ٹھہرا دیا ہے کہ صرف اس کی موافقت سے ایمان کو ثابت کرتا ہے اور کفر کو اس کی مخالفت سے لیکن تاقص کی طرف تو اس لئے کہ اہل استدلال اور اہل اجتہاد میں ہر ایک شخص اجتہاد اور استدلال کو واجب کہتا ہے اور تقلید کو حرام پس وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تجھے باوجود میری تقلید کے اجتہاد کرنا لازم ہے اور یا تجھے اجتہاد کرنا لازم ہے لیکن ساتھ ہی اس کے تجھے لازم ہے کہ تو اپنے اجتہاد میں وہی امر قرار دے جو میں نے قرار دیا ہے اور جو کچھ کہ میں نے قرار دیا ہے وہ حجت ہے پس تجھے لازم ہے کہ اس کو حجت اعتقاد کرے اور جس امر کو کہ میں شبہ اعتقاد کروں تجھے بھی لازم ہے کہ تو اس کو شبہ اعتقاد کرے اور کیا فرق ہے اس شخص کے درمیان جو کہتا ہے کہ تو میری تقلید میرے مذہب اور میری دلیل دونوں میں کر اور یہ بجز اس کے نہیں کہ ہر امر تاقص ہے۔

## فصل

میں امید کرتا ہوں کہ اب تجھے خواہش اس امر کی ہوگی کہ تو کفر کی تعریف کو معلوم

کرے بعد اس کے کہ تیرے نزدیک اصناف مقلدین کی تعریفیں متقاضی نہیں ہیں پس جان لے کہ اس کی شرح بہت طویل ہے اور اس کا مد اعظم بہت گہرا لیکن میں تجھے ایک ایسی صحیح علامت تعلیم کرتا ہوں کہ جو اپنے افراد کو جامع ہے اور غیر کے لئے مانع تاکہ تو اس کو اپنا مد نظر نہ بنا لے اور یہ سب اس کے باقی فرقوں کی تکلیف اور اہل اسلام میں زبان درازی کرنے سے بچنے کو ان کے طریقے مختلف ہوں جب تک کہ کہلے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ صدق دل سے چنگل مارے رہیں اور اس نکلہ شریف کی منافقت اور شکست نہ کریں۔ پس میں کہتا ہوں کہ کفر رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے ان اشیاء میں سے کسی ایک شے میں کہ جن کو رسول علیہ السلام لائے ہیں۔

ایسے کہ مسلم میں ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہم کئی اصحاب کہ جن میں ابو بکر اور عمرؓ تھے رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے کہ اسنے میں آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان سے قیام فرما کر کہیں تشریف لے گئے اور اس میں دیر ہو گئی اور ہم کو خوف ہوا کہ مبادا آنحضرت ﷺ کو ہم سے الگ ہو جانے سے کوئی دشمن مدد دے پہنچا دے اور فریاد کرتے ہوئے اٹھے اور میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی تلاش میں فریاد کرتے ہوئے نکلا یہاں تک کہ میں بنی نجار کے باغ کو آیا اور میں اس باغ کے گرد گھوما تاکہ کوئی دروازہ ملے لیکن مجھے دروازہ نہ ملا اس وقت دیوار کے جوف میں ایک پانی کی نالی دیکھی کہ جو باہر کے کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی اس میں سے لومڑی کی طرح سست کر نکلا اور آنحضرت ﷺ کے پاس گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا ابو ہریرہؓ ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ آنحضرت ﷺ نے

پوچھا تیرا کیا حال ہے میں نے یہ سب گزشتہ حقیقت جان کی اور عرض کیا یہ سب لوگ بھی میرے پیچھے آپ کی تلاش میں ہیں تو اس پر آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنی نعلین مبارک عطا کر کے فرمایا کہ تو میری یہ نعلین لے کر جا کہ جو کوئی تجھے اس دیوار کی آڑ میں لے لے اور لا الہ الا اللہ کی شہادت یقین دل سے دیتا ہو تو اس کو جنت کی بشارت دے، پس سب سے پہلے میری عمرؓ سے ملاقات ہوئی اور اس نے پوچھا کہ اے ابی ہریرہؓ یہ نعلین کیسی ہیں میں نے کہا یہ نعلین رسول اللہ ﷺ کے ہیں یہ نعلین مجھے دے کر حضرت ﷺ نے بھیجا ہے کہ جو کوئی مجھے ایسا شخص ملے کہ جو صدق دل سے لا الہ الا اللہ کی شہادت دے تو میں اس کو جنت کی بشارت دوں تو عمرؓ نے یہ نکلہ میرے سینہ میں مار لگائی اور میں چوڑے گل گر اور پھر عمرؓ نے کہا اے ابی ہریرہؓ واپس چلا جانا چھپ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس گیا اور فریاد و زاری کی کہ اسنے میں عمر بھی میرے پیچھے کھڑا تھا پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابی ہریرہؓ تجھے کیا ہوا تو میں نے عمر کی ملاقات اور مار کا قصہ عرض کیا تو پھر آنحضرت ﷺ نے عمر سے جیسا شیئہ کہہ دیا وہاں سے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... فرمایا کہ اسے مرنے کیوں ایسا کیا تو عمر نے عرض کیا اے رسول اللہ ﷺ میرے ماں اور باپ تجھ پر فدا ہوں کیا تو نے ابی ہریرہؓ کو نظنیں لیکر بھیجا ہے؟ کہ جو یقین دل سے لا الہ الا اللہ کہتا دیکھے اس کو جنت کی بشارت دے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں اس پر عمر نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ﷺ لیانہ کہ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ مبادا آدمیوں کو اس بشارت اجمالی پر کالی ہولہذا ان کو عمل کرنے دے تو پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کو عمل کرنے دے ابھی۔ اور دوسری حدیث میں ابی ذرؓ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سفید کپڑا اوڑھے ہوئے ہیں پھر دوسری دفعہ میں آیا تو دیکھا کہ بیدار ہیں ابھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہے پھر اس پر اس کی موت ہو تو وہ شخص جنت میں ضرور داخل ہو گا میں نے عرض کیا اگر چودہ روز اور چوری کرے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اگر چہ روزا اور چوری کرے اور اس کا حکم ارجمین بارہ روز اور اخیر دفعہ میں اتنا لفظ آنحضرت ﷺ نے بڑھا کر کہا کہ ابی ذرؓ کا خاک آلودہ ہونے پر اور ابیذر جب کہ اس کا بیان کیا کرتا تھا تو اس لفظ کا بھی اعادہ کیا کرتا تھا۔

فصل۔ جاننا چاہیے کہ ان احادیث مذکورہ بالا سے جیسے کہ بعض محدثوں نے اعتقاد کر لیا ہے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ایمان فقط اقرار تو حید ہے اور فقط ایک دفعہ لا الہ الا اللہ کا زبان سے چڑھ لینا موجب دخول جنت ہے اس لئے کہ تو حید شرعی کا ثبوت بغیر تصدیقی رسالت کے ممکن نہیں لہذا ضرور ہوا کہ رسالت کی تصدیق جزو ایمان ہو جیسے کہ صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبکہ اونٹ پر سوار تھے اور معاذؓ آنحضرت ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے حضرت معاذؓ کو تین بار فرمایا اور انہوں نے بھی تین بار جواب دیا کہ بیک یعنی حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ اس وقت حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ماسمن احد يشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله صدق من قلب الا حرمه الله على النذر یعنی کوئی ایسا نہیں جو صدق دل سے وحدانیت خدا اور رسالت محمد ﷺ کی شہادت دیتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے اس پر حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ کیا میں لوگوں کو اس خبر کی بشارت دوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اس بشارت کے باعث عمل میں سستی کریں گے لہذا معاذؓ نے یہ بشارت اپنی موت کے وقت ظاہر کی پس معلوم ہوا کہ نجات کا ذریعہ شہادتیں ہیں نہ فقط شہادت وحدانیت ورنہ لازم آئے گا ہر منکر رسالت جیسے ہندو اور صابئہ بھی مؤمن نامی ہوں پس جب کہ تصدیقی رسالت اور تصدیق تو حید دونوں جزو ایمان کے ٹھہرے تو ضرور ہوا کہ ان ہر دو جزو کے قطعی احکام کی تصدیق بھی داخل ایمان ہو تو جزو میں سے کسی جزو کا انکار یا کسی جزو کے قطعی حکم کا انکار نہ کیا جاوے اور اگر زمین موت تک ان میں سے کسی امر کا انکار ہو تو اس سے نہ ایمان کا بقا ہے اور نہ جنت کا لقا اور یہی نتیجہ حاشیہ مدظلہ اقدس فرمائیے۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... مفاد احادیث بالا ہے اور اس بیان سے واضح ہوا کہ اعمال کا حصول داخل ایمان نہیں اس لئے کہ اس میں منافق اور مومن دونوں مشارک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ اعمال کا ذکر ان احادیث میں مطروح اور مصل امر کو ذکر فرمایا کہ جو موجب تکمیل اعمال ہے اور حضرت عمرؓ نے انکا ذکر کیا کہ جو تکمیل ایمان اور علامت کاملہ اہل ایمان ہے۔ امام ابو الحسن اشعری کا قول ہے کہ ایمان فقط تصدیقِ قلبی ہے اور قولِ زبانی اور ارکان پر عمل کرنا یہ کل ایمان کے فروعات سے ہے پس جس شخص نے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور کل رسولوں کا اعتراف کیا اور جو کچھ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں دل کے ساتھ اس نے اس کی تصدیق کی تو اس شخص کا ایمان صحیح ہے یہاں تک کہ اگر وہ شخص اسی تصدیق پر فی الحال مرتجاوے تو وہ شخص مومن نجات والا ہوگا اور ایمان سے خروج بجز اس کے نہیں ہوتا کہ ان اشیاء بالا میں سے کسی شے کا انکار کرے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب جب کہ دنیا سے توبہ کے بغیر فوت ہو جاتا ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے خواہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ بخش دے خواہ اس کے حق میں نبی ﷺ شفاعت کرے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے اور خواہ اس کو اس کی گناہ کی مقدار پر عذاب دے اور پھر اپنی رحمت کے ساتھ اس کو جنت میں داخل کرے اور جائز نہیں کہ کبیرہ گناہ والا کافروں کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رہے اس لئے کہ حدیث مبارک میں وارد ہے کہ جس کے دل میں ایک ذرہ کا مقدار بھی ایمان ہو تو وہ شخص دوزخ سے نکالا جاوے گا پھر اشعری کہتا ہے کہ اگر گنہگار شخص توبہ کرے تو میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے توبہ کا قبول کرنا محکم عقل واجب ہے اس لئے کہ باری تعالیٰ خود واجب کرنے والا ہے پس اس پر کوئی شے واجب نہیں بلکہ اتنا امر شریعت میں بطور سب کے وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اضطرار والوں کی دعا کی اجازت کرتا ہے لیکن وہ اپنی مخلوقات کا مالک ہے جو چاہے فعل کرے اور جو چاہے حکم کرے پس اگر کل مخلوقات کو جنت میں داخل کر دے تو کوئی افسوس نہیں اور اگر سب کو دوزخ میں ڈال دے تو کوئی غم نہیں اس لئے کہ ظلم اس تصرف کا نام ہے کہ جو ملک غیر میں کیا جاوے یا ایک شے کو غیر محل میں رکھا جاوے لیکن اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے نہ اس سے ظلم محصور ہے اور نہ اس کی ظلم کی طرف محصور کیا جاسکتا ہے پھر اشعری کہتا ہے کہ کل واجبات کا وجوب سب کے ساتھ ہے اور عقل کسی شے کو واجب نہیں کرتی اور نہ کسی شے کی حسین اور کجی کا اقتضا کرتی ہے پس اللہ تعالیٰ کی معرفت عقل سے حاصل ہوتی ہے اور سب کے ساتھ واجب ہوتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا" اور اسی طرح منہم کا شکر اور اعلا مت مگر ان کو عذاب اور بہ فرمان کو عذاب سب کے ساتھ واجب ہے نہ عقل سے اور نہ تعالیٰ پر کوئی شے عقل کے ساتھ واجب نہیں نہ صلاح نہ صالح اور نہ۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔



پس یہود اور نصاریٰ دونوں کافر ہیں اس لئے کہ ان دونوں نے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی ہے اور یہ بھی بطریق اولیٰ کافر ہے اس لئے کہ ان دونوں نے مع اپنے رسول کے باقی رسولوں کا انکار بھی کیا ہے اور یہ بھی بطریق اولیٰ کافر ہیں اس لئے کہ اس نے رسول کے علاوہ مرسل یعنی خدا کا بھی انکار کیا ہے اور وہ اس کی یہ ہے کفر بھی عہدیت اور حریت کے مانند ایک حکم شرعی ہے اس لئے کہ کفر بقید حاشیہ گزشتہ صفحہ... لطف کیونکہ جس حکمت موجب کا اقتضائے عقل ایک جہت سے کرتی ہے تو دوسری جہت سے اس کی نفیض کا بھی اقتضائے کرتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کا مکلف فرمانا واجب ہے اس لئے کہ اس سے اس کو نفع حاصل ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی ضرر دروہوتا ہے اور وہ قادر ہے کہ بندوں کو ثواب اور عذاب کی جزا دیے اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ابتداء ہی سے... محرم اور مفضل کے بندوں پر فضل و کرم کرے اور ثواب و فضل اور نعیم اور لطف یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل ہے اور عذاب سب کے سب عدل ہے وہ اپنے فضل سے سوال نہیں کیا جاسکتا لیکن بندوں کو سوال کیا جائیگا جیسے کہ فرماتا ہے لا یسئل عما یفعل و ہم یسئلون اور انبیاء علیہم السلام کا مبعوث ہونا ایک قضیہ جائزہ ہے نہ واجب یا مستحیلہ لیکن مبعوث ہونے کے بعد معجزات کے ساتھ تائید اور ہلکات سے ان کا بچاؤ امر واجب ہے اس لئے کہ سننے والے کے لئے کوئی طریق ضروری ہے کہ اس پر چلے اور اس سے مدعی کا صدق معلوم کرے اور کلی غلطیوں اور موانع کا دور کرنا ضروری ہے تاکہ حکم تکلیف میں تاقص واقع نہ ہو اور معجزہ ایک ایسا فعل ہے کہ جو عادت کے لئے خارق، و دعویٰ کے ساتھ متعارف معارضہ سے سالم اور وقت قرینہ کے جائزہ تصدیق قوی کے ہوتا ہے اور یہ دو قسم ہے ایک تو خرق عادت سے اور دوسرا غیر عادت کا اثبات، اور اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں اور ایک وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق اور معجزات کے لئے تاکید ہیں اور ایمان اور طاعت کا حصول اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ہوتا ہے اور کفر اور معصیت عدم توفیق اور توفیق کا معنی یہ ہے کہ قدرت کا طاعت پر پھیرا کرنا۔ اور خدا ان کا معنی معصیت پر قدرت کا پھیرا کرنا اور جو کچھ کہ قرآن میں اسور جائید جیسے قلم اور لوح اور عرش اور کرسی اور جنت اور نار کے اخبار وارد ہیں ان کا اجرا ان کے ظاہر پر واجب ہے اور اسی کے موافق ان کے ساتھ ایمان واجب ہے اس لئے کہ ان کے اثبات میں کوئی محال لازم نہیں آتا اور جو اسور مستقبلہ جیسے قبر کا سوال اور ثواب اور عذاب اور جیسے میزان اور حساب اور صراط اور ایک فریق کا جنت میں جانا اور ایک کا دوزخ میں جانا وارد ہے یہ سب حق ہے ان کا اقرار واجب ہے اور ان کو اپنے ظاہر پر نہ دینا واجب اس لئے کہ ان کے وجود میں کوئی محال لازم نہیں۔ مترجم۔

یہود اور نصاریٰ یہ اہل کتاب کی اعظم امتوں میں سے دو بڑی امتیں ہیں اور ان دونوں میں سے یہود کی امت اعظم ہے اس لئے کہ شریعت ابتداء میں بتقدیر محدود و مطلقہ خدا کی

کا معنی خون کی اباحت اور آگ میں ہمیشہ رہنے کا ہے اور اس کا ادراک شریعت سے ہے پھر یہ ادراک یا تو نص سے ہوگا اور یا منصوص پر قیاس کرنے سے لیکن یہود اور نصاریٰ کے بارے میں تو منصوص وارد ہو چکی ہیں لہذا ابراہم اور عیسیٰ اور زنا دقہ اور ہر یہ بطریق اولیٰ ان سے لاحق ہوئی اور یہ کل فرقہ مشرک ہیں اس لیے کہ یہ کل رسول علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہیں اور جو کوئی کہ تکذیب کرتا ہے وہ کافر ہے پس یہی جامع اور مانع علامت ہے۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... موسیٰ علیہ السلام کی بھی اور کل بنی اسرائیل اسی کے پیرو تھے اور اسی کے احکام کے مکلف تھے اور انجیل جو کہ مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے نہ کسی حکم کے ساتھ مختص ہوئی اور نہ اس نے حلال و حرام کا بیان فرمایا بلکہ وہ فقط رسوا اور امثال اور چند نصاب اور ترفیہ و تزیین ہے اور باقی جتنے احکام کہ اس نے بیان کیے ہیں وہ کل تورات کی طرف منسوب ہیں چنانچہ یہود نے اسی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت قبول نہ کی اور انھوں نے دعویٰ کیا کہ عیسیٰ عم خود تورات کی متابعت کے لئے مامور ہے لیکن اس نے تورات میں تعبیر اور تبدیل کر دی ہے اور انھوں نے عیسیٰ پر ان تعبیرات کا الزام لگایا اول یہ کہ اس نے یوم سبت یعنی شنبہ کو یکشنبہ کے ساتھ بدل کر دیا۔ اور دوسرا خنزیر کا کھانا حلال کہا حالانکہ تورات میں حرام ہے اور سوئم ختنہ اور خسل وغیرہ۔ لیکن اہل اسلام نے انھیں کی کتابوں سے ثابت کر دکھایا ہے کہ ان دونوں امتوں نے اپنی اپنی کتابوں میں خود تحریف اور تبدیل کی اور اسی بناء پر امت یہود کے ۱۷ فرقہ ہوئے اور امت نصاریٰ کے ۷۲۔ اور ہر ایک فرقہ دوسرے فرقے کا مخالف اور اس کو مخرف بتلاتا ہے۔ ورنہ عیسیٰ علیہ السلام تو انھیں احکام کا ثابت کرنے والا تھا کہ جو موسیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا تھا اور ان دونوں انبیاء علیہما السلام نے ہمارے رسول نبی رحمت محمد ﷺ کی مقدم شریف کی بشارت دی اور ان امتوں کو ان کے اماموں اور انبیاءوں اور کتابوں نے اس امر کا حکم کیا اور اسی بناء پر ان کے اسلاف میں قبل ظہور نبوت محمد ﷺ کے قرب و جوار میں قلعوں اور مکانات کو بنا کیا تاکہ رسول آخر الزمان کو نصرت و دعویٰ اور ان اسلاف نے ان امتوں کو حکم یا کہ وہ اپنے شام کے وطنوں کو چھوڑ کر وہاں جا کر پیش قدمی کریں اور رسول آخر الزمان کو جب کہ قارآن کی پہاڑی پر حق کا ظہور ہو اور دار ہجرت یعنی یثرب اور مدینہ کی طرف ہجرت کرے تو اس کی نصرت اور مدد کریں لیکن جب اس کا ظہور ہوا تو خود اس کے منکر ہو گئے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ہم ماعرفوا کفروا بہ فلعلتہ اللہ علی الکافرین تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ طور سینا سے آیا اور سامع پر ظاہر ہوا اور قارآن پر کمال اور علو کو پہنچا۔ اور سامع بیت المقدس کی پہاڑیاں ہیں۔ جب مایا کہ وہ صفحہ ۴۰۱ نظر فرمائیں

## فصل

جان لو کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے باوجود اس کے کہ ظاہر اور جلی ہے تاہم اس کے تحت میں گمراہ بلکہ تمام گمراہ ہے اس لئے کہ جو فرقہ اپنے مخالف کی تکفیر کرتا ہے تو اس کی طرف تکذیب رسول کی نسبت کرتا ہے چنانچہ ضلیٰ اس زعم پر اشعری کی تکفیر کرتا ہے کہ اشعری نے اللہ تعالیٰ کے لئے جانب فوق اور عرش پر استواء سنئے ثابت کرنے میں رسول کی تکذیب کی ہے اور بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... کہ جہاں محمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور کمال ہوا اور جب کہ اسرار الہی اور انوار ربانی کے تین مراتب ہیں یعنی وحی اور تنزیل اور مناجات اور ان کے تاویل کے بھی تین مراتب یعنی مبدا اور وسط اور کمال، اور آئے کو مبدا کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے اور ظہور کو وسط کے ساتھ اور علو کو کمال کے ساتھ لہذا تورات نے صبح شریعت کے طلوع اور اس کے نزول کو طور سینا پر آنے کے ساتھ تعبیر کیا اور طلوع آفتاب کو ساعر پر ظاہر ہونے کے ساتھ اور درجہ کمال اور استواء پر پہنچنے کو فاران پر۔۔۔ کے ساتھ، اور اس کلمہ سے مسیح کے ساتھ اور محمد ﷺ دونوں کا نبوت کا اثبات اور محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر پوری دلیل سے نصاریٰ کے دین اختراعی کی حقیقت ان کے تین فرقوں کے مقالات کے دیکھنے سے بخوبی واضح ہو سکتی ہے، ایک فرقہ ملائکہ، یہ ملائکہ اصحاب ہیں کہ جو روم میں ظاہر ہوا اور اس کا حاکم بنان کا قول ہے کہ مسیح نے حواریوں کو بلا کر کہا کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں کو دوست رکھو اور جو تمہیں لعنت کہے اس کو دعائے برکت دو اور جو تم پر غصہ کرے تم اس کے ساتھ احسان اور نیکی کرو اور جو تم کو ایذا دے دے تم اس کے لئے دعائے خیر مانگو کہ تم اپنے اس باپ کے بیٹے ہو کہ جو آسمان میں ہے اور اس کا آفتاب صالحین اور فاجرین پر چمک رہا ہے اور اس کی رحمت کے قطرے پاؤں اور ناپاؤں پر نازل ہو رہے ہیں اور تم کامل بنو جیسے کہ تمہارا باپ کامل ہے اور کہا کہ تم اپنے صدقات کے طرف نظر کرو، اور دکھائی کے لئے مقدم اور معلم آدمیوں کو مت دو سبابت تمہارے باپ کے نزدیک جو کہ آسمان میں ہے اس کا کوئی اجر نہ ہو اور رسولی کے وقت کہا میں تمہارے اور اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں اس بناء پر جبکہ اریوس باشندہ قسطنطنیہ نے کہا کہ قدیم فقط اللہ ہے اور مسیح اس کا بندہ مخلوق ہے تو بطارقہ اور مطارنہ اور اساقفہ یہ کل نصاریٰ کی قوم کے معظم قبیلے شہر نیس میں اپنے پادشاہ قسطنطنین کے پاس جمع ہوئے اور انھوں نے حضور پادشاہ میں دین نصاریٰ کے گھڑنے کے لئے ایک کونسل ۳۲۵ عیسوی میں تین سو تیرہ ۳۱۳ء میں کی منعقد کی جس میں یہ اعتقاد قرار پایا کہ ہم اللہ واحد کے ساتھ جو کہ باپ ہے اور ہر شے کا مالک اور ظاہر، بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.....

اشعری اس زعم پر ضللی کی تکفیر کرتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات سے تشبیہ دی ہے اور اس امر کے انکار میں کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں رسول کی تکذیب کی ہے، اور اشعری نے معتزلی کی تکفیر اس زعم پر کی ہے کہ اس نے رویت باری تعالیٰ کے جواز اور اس کے لئے علم اور قدرت باقی صفات کے نہ ثابت کرنے میں رسول کی تکذیب کی ہے اور معتزلی نے اشعری کی تکفیر اس زعم پر کی ہے کہ صفات کے ثابت کرنے میں کثرت قدماء کی لازم آتی ہے اور اس سے امر تو حید میں فتور آنے سے رسول کی تکذیب لازم آتی ہے پس اس درطاوہ بخنور سے تجھے بغیر اس کے نجات

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... اور پوشیدہ کا صانع اور نیز اہلن واحد کے ساتھ ایمان لاتے ہیں کہ جو ایثو شمع اللہ کا بیٹا اور تمام مخلوقات سے مقدم اور اول ہے اور وہ مصنوع نہیں بلکہ خدائے حق سے خدائے حق ہے اور وہ اپنے اس باپ کے جوہر سے ہے کہ جس نے کل عالم کو اور نیز ہر شے کو ہمارے لئے محکم بنایا اور وہ ہماری خلاصی کے لئے آسمان سے نازل ہوا اور روح القدس سے جسد میں آیا اور مریم ناکتھار سے متولد ہوا اور فیلاطوس کے زمانہ میں سولی پر چڑھایا گیا اور دفن کیا گیا پھر تیسرے دن قبر سے نکلا اور آسمان کی طرف صعود کر گیا اور اپنے باپ

انہیں ہاتھ کی طرف جابٹھا اور وہ دوسری دفعہ آنے کے لئے مستعد ہے تاکہ مردوں اور زندوں کے درمیان قضا کرے اور ہم روح القدس پر ایمان لاتے ہیں جو کہ واحد ہے اور وہ روح الحق جو اپنے باپ سے نکلے گا اور نیز معبود یہ واحدہ پر ایمان لاتے ہیں تاکہ ہماری خطا معاف ہو اور نیز جماعت واحدہ قدسیہ مسیحیہ جاثلیقیہ پر ایمان لاتے ہیں اور نیز ایمان لاتے ہیں کہ ہمارے بدن قائم رہیں گے اور ابد الابد تک زندہ رہیں گے یہ ان کلمات پر پہلا اتفاق اور پہلی کونسل متبلیث پر ہے جس کو پادری مہین صاحب نے بھی قال آف رومن پر کونسل یعنی تنزل سلطنت رومنہ الکبریٰ میں مفصل لکھا ہے پھر اس کے بعد کئی کونسلیں ہوتی رہیں کہ جو ان کلمات کے برخلاف ہیں پس اس دین نصاریٰ کی حقیقت ناظرین اصل معاملہ پر واضح ہو سکتی ہے کہ کیا ہے۔ اور اب کے پادری کس شریعت مخرف کو آسمانی بتلا کر اس کی طرف لوگوں کو بھلا رہے ہیں۔

(۲) دوسرا فرقہ نسطور یہ ہے کہ جو حکیم نسطور کے اصحاب ہیں اور وہ مامون کے زمانہ میں ظاہر ہوا اور اس نے اپنی رائے سے انجیل میں تعمیر اور تحریف کی اور اسکودین نصاریٰ میں ایسی نسبت ہے جیسے کہ معتزلہ کو شریعت محمدیہ میں تیسرا (۳) فرقہ یعقوبیہ ہے جو یعقوب کے اصحاب ہیں اور متبلیث کے قابل ہیں اور ان کے ہم مذہبوں میں بڑا اسی خطا ہے جس کا ذکر مفصل کتاب السطل میں ہے۔ مترجم ایراہم اہل ہند کا ایک فرقہ ہے کہ جو ایک شخص برہما۔ بچہ شیخ سکھو بھلا بھلا رہا

نہیں کہ تو کلمہ یب اور تصدیق کی تعریف اور ان دونوں امور کی حقیقت کو دریافت کر لے پھر حیرے لئے اس سے ان کل فرقوں کی زیادتی اور فضولی کہ جو ان کے بعض نے بعض کے حق میں کی ہے ظاہر اور منکشف ہو جائیگی پس میں کہتا ہوں کہ تصدیق کا رجوع خبر بلکہ خبر کی طرف ہوتا ہے اور حقیقت اس کی اس شے کے وجود کا اقرار کرنا ہے کہ جس کے وجود کی نسبت رسول علیہ السلام نے خبر دی ہے مگر وجود کے لئے پانچ مرتبہ ہیں اور انہیں پانچ مرتبوں کی وجہ سے ہر فرقہ نے اپنے مخالف کی طرف کلمہ یب کی نسبت کی ہے اس لئے کہ وجود ذاتی بھی ہے اور حسی اور خیالی اور عقلی اور شہسی بھی، پس جو شخص کہ ان پانچوں وجود میں سے کسی ایک وجہ سے اس شے کا اعتراف کرے کہ جس کی وجود کی نسبت رسول علیہ السلام نے خبر دی ہے تو وہ شخص مطلق طور پر کلمہ یب نہیں ہے پس ہم وجود کے ان پانچوں اوصاف کی شرح کر کے ہر ایک کی مثال الفاظ تاویلات میں ذکر کرتے ہیں پس وجود ذاتی یہ وہی وجود حقیقی ہے کہ جو حس اور عقل سے خارج میں ثابت ہے لیکن حس اور عقل اس کو اخذ کرتی ہے اور اس اخذ کا نام ادراک ہے جیسے آسمان اور زمین اور حیوانات اور نباتات کا وجود کہ ظاہر ہے اور حس اور عقل سے خارج میں ہے لیکن حس اور عقل اس کا ادراک کرتی ہے بلکہ وجود کی معنی معروف بھی ہے کہ جس کو اکثر لوگ جانتے ہیں اور اس کے سوا کوئی دوسرا معنی وجود کے لئے ان کے نزدیک معروف نہیں اور وجود حسی وہ ہے کہ جو آگہ کی قوت باصرہ میں متماثل ہوتا ہے اور جس کے لئے آگہ سے خارج میں کوئی وجود نہیں پس گویا وہ وجود حس میں ہی موجود ہوتا ہے اور قوت حاسہ ہی اس کے ساتھ مختص ہے اور جس کے ساتھ دوسری کوئی چیز اس وجود میں شرکت نہیں رکھتی جیسے کہ سوا ہوا شخص خواب میں دیکھتا ہے اس لئے کہ کبھی مریض کی آگہ میں ایسی صورت متماثل ہونے لگتی ہے کہ جس کے لئے مریض کی حس سے خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس کو اس طرح پردہ کیسے لگتا ہے ہے جیسے کہ باقی موجودات کو جو اس کی حس سے خارج میں ہیں بلکہ کبھی انبیاء اور اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو جاہر ملائکہ کے لئے تھا کی اور مشابہ ہوتی ہیں اور ایسی جلیلہ صورتوں کے واسطے سے ان بقیہ ماشیہ کثرۃ صلی..... نام کی طرف منسوب ہے اس شخص نے اپنی قوم کو خاص کرنی نبوت کی تعلیم دی اور یہ کئی اشخاص ہیں ایک وہ جو ہڈ کے قائل ہیں اور دوسرے اصحاب فکر اور تیسرے اصحاب تخاص، مگر جو قوم کما ہل ہند میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی قائل ہے اس کا نام مہویہ ہے اور انہیں میں سے ایک قوم وہ ہے کہ جو نور اور غلست کو ذہیم اور ازلی قرار دیتی ہے برخلاف فرقہ نجوس کے کہ وہ غلست کو حادث کہتے ہیں۔

کی طرف الہام اور وحی کی تبلیغ ہوتی ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بسبب اپنی صفائی باطن کے ان امور خبیثہ کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں کہ بھکو دوسرے لوگ خواب کی حالت میں دیکھتے ہیں جیسے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے حضرت جبرئیل کا بشری صورت میں متشکل ہونا اور جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کا حضرت جبرئیل کو اکثر حالات میں دیکھنا لیکن باوجود اس کے آنحضرت نے جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں فقط دو دفعہ ہی دیکھا اور جیسا کہ آنحضرت کا جبرئیل علیہ السلام کو مختلف صورتوں میں متشکل دیکھنا اور جیسے کہ خود ذات شریف آنحضرت ﷺ کی خواب میں دکھائی دیتی ہے اور باوجود اس کے فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے با تحقیق مجھے دیکھا اس لئے کہ شیطان میری صورت کے ساتھ متشکل نہیں ہوتا حالانکہ آنحضرت ﷺ کا خواب میں دکھائی دینا اس طرح پر نہیں ہوتا کہ آنحضرت کا شخص مبارک چہرہ مدینہ منورہ کے روضہ مبارک سے خواب دیکھنے والے کے مقام خواب میں منتقل ہو کر آتا ہو بلکہ آنحضرت ﷺ کا دکھائی دینا اس طریقہ پر ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کی فقط حس میں آنحضرت ﷺ کی صورت مبارک موجود ہو جاتی ہے اور اس کا سبب اور اس کا سبب ایک امر طویل ہے کہ جس کو ہم نے اپنی بعض کتابوں میں شروع طور پر بیان کیا ہے پس اگر تو اس امر کی تصدیق نہ کرتا ہو تو اپنی آنکھ کی تصدیق کر اس لئے کہ تو آگ کی چنگاری کو دیکھتا ہے کہ کو یا وہ ایک نقطہ ہے پھر تو اس کو سرعت کے ساتھ مستقیم طور پر حرکت دیتا ہے تو اس کو ایک خط آگ کا دیکھتا ہے اور پھر

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ حقیقت روح میں تحریر فرماتے ہیں کہ شاید خواب میں دیکھنے والا یہ کہے کہ وہ آپ کی مثال کو دیکھتا ہے جسم مبارک نہیں دیکھتا اب وہ یا تو مثال جسم علیہ السلام کی کہے گا یا مثال روح کی جو صورت اور شکل سے پاک ہے تو ہم صورت اول میں کہتے ہیں کہ جسم تو بذات خود محسوس ہے اس کی تشکیل کی کیا حاجت ہے پھر جس نے موت کے بعد رسول مقبول ﷺ کی جسم مبارک کی مثال کو دیکھا اور روح کو نہ دیکھا اس نے نبی ﷺ کو تو نہ دیکھا بلکہ جسم کو دیکھا کیونکہ نبی ﷺ روح سے مراد ہے نہ کہ ہڈیوں اور گوشت سے بلکہ حق یہ ہے کہ وہ رسول مقبول ﷺ کی روح مقدس کی مثال ہے کہ جو کل نبوت سے اور جو اس نے دیکھی ہے وہ حقیقت میں روح کی مثال ہے اور وہ حضرت ﷺ کی روح اور اس کا جوہر ہے جسم نہیں اور حدیث سن رآنی فی منام فقد رآنی سے یہ مراد ہے کہ جو اس نے دیکھا وہ مثال ہے کہ جو معرفت حق کے لئے میرے اور دیکھنے والے میں واسطہ ہو گئی پس جو ہر نبوت یعنی روح مقدس حضرت ﷺ کی جو بعد مفارقت حضرت ﷺ کے باقی ہے رنگ اور شکل اور صورت سے تو پاک ہے۔ وجہ ثانیہ محسوس ہونا لہذا نہیں

اس چنگاری کو مستدیر طور پر حرکت دیتا ہے تو اس کو آگ کا دائرہ دیکھتا ہے اور یہ دائرہ تاری اور خط تاری دونوں دکھائی دیتے ہیں حالانکہ ان دونوں کا وجود فقط تیری حس میں ہے نہ کہ حس سے خارج میں اسلئے کہ ہر حالت میں موجود خارجی فقط ایک نقطہ ہے لیکن اس نقطہ کا خط ہو جانا اوقات متعاقبہ میں ہوتا ہے لہذا خط کا وجود ایک ہی حالت میں ثابت ہوگا حالانکہ وہ تیرے مشاہدہ میں ایک ہی حالت میں نقطہ ثابت ہے۔ اور وجود خیالی انھیں محسوسات کی صورت ہے جب کہ وہ تیرے حس سے غائب ہو جاتی ہیں اس لئے کہ تجھے اس امر کی قدرت ہے کہ تو اپنے خیال میں ہاتھی اور کھوڑے کی صورت اخراج کر لے گواہی آنکھوں کو بند کیوں نہ کر لے یہاں تک کہ تو اس کو اس حالت میں دیکھنے لگتا ہے کہ وہ اپنی کمال صورت کے ساتھ تیرے دماغ میں موجود ہوتا ہے نہ خارج میں اور وجود عقلی اس طرح ہے کہ ایک شے کے لئے روح یعنی حقیقت اور معنی جدا ہو اور صورت جدا لیکن عقل فقط اس شے کے مجرد معنی کا القا کرے اور اسکی صورت کو خیال یا حسن یا خارج میں ثابت نہ کرے جیسے (ید) یعنی ہاتھ کو اس کے لئے ایک صورت یہی ہے کہ جو محسوس اور متخیل ہے اور نیز اس کے لئے ایک معنی بھی ہے کہ جو اس کی حقیقت اور روح

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... لیکن مثال مطاہی کے واسطے امت کو اس روح کی معرفت وصل ہو جاتی ہے اور وہ مثال ایک ایسی شکل ہے کہ جس کے لئے رنگت اور صورت ہے۔ قول ممکن ہے کہ وہ صورت آنحضرت ﷺ کی روح کی مثال نہ ہو خود ذات شریف آنحضرت ﷺ کی ہواں لئے کہ روح ایک ایسا جو ہر لطیف ہے کہ جس کے لئے قرب اور بند مقدر نہیں اور چونکہ آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک حکم روح کہتا ہے چنانچہ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا تو ممکن ہے کہ خواب میں ہزار ہا کس کو ایک ہی وقت میں آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک کہ جو مدینہ منورہ کے روضہ مبارک میں ہے مع روح نکھائی دیوے اور ایک ہی وقت میں ہزار ہا آدمیوں کی آنکھ میں اس کا جلوہ چلی دیوے لیکن مختلف اشکال میں دکھائی دینا اس رستہ ایک امر عام ہے کہ جو دیکھنے والوں کی قوت ایمانیہ اور مناسبت روحانیہ کی طرف راجع ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام جنکا یہ قول ہے کہ ارواحنا اجسادنا اجسادنا ارواحنا وہ بھی مختلف صورتوں میں مختلف دیکھنے والوں کی نظر میں ایک ہی وقت دکھائی دیتے ہیں اور ایک ہی آن میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق جا پہنچتے ہیں فیدمرون اعدانہم وینصرون اولیانہم پس اے میری دانش یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا روح مع جسم مبارک کشف حجاب کے وقت نہ دکھائی دیوے حالانکہ اس کا ثبوت اکثر اولیاء اللہ کے مشاہدہ سے ثابت ہے۔ مترجم

ہے اور وہ حقیقت کیا ہے یعنی پکڑنے کی قدرت کہ جو کہ ہاتھ عقل ہے اور جیسے قلم اس لئے کہ اس کے لئے بھی ایک صورت جدا ہے لیکن حقیقت اس کی وہ ہے کہ جس سے علوم کے نقوش نکھے جاتے ہیں اور یہی معنی عقل کو حاصل ہوتا ہے اس کے کہ لکڑی یا کانے کی صورت خیالی یا حسی سے مقرون ہو اور وجود بھی وہ ہے کہ نفس شے فقط باعتبار صورت کے موجود ہونہ باعتبار حقیقت کے نہ خارج میں اور نہ حس میں اور نہ خیال میں اور نہ عقل میں لیکن حقیقت میں کوئی دوسری شے موجود ہو کہ جو شے اول کے ساتھ کسی ایک خاصہ اور صفت میں مشابہت رکھتی ہے اور عنقریب کہ جب میں تاویلات میں تیرے لئے اس کی مثال ذکر کروں گا تو تجھے وجود بھی کی سمجھ آ جائے گی پس وجود اشیا کے یہی مراتب ہیں۔

## فصل

اب تو ان پانچوں درجوں کی مثالیں الفاظ تاویلات میں استماع کر پس وجود ذاتی چند ان تاویل کی طرف محتاج نہیں اور یہ وہی وجود ہے کہ جو اپنے ظاہر پر حاوی رہتا ہے اور تاویل نہیں کیا جاتا اور یہی وجود مطلق حقیقی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کا عرش اور کرسی اور ساتوں آسمانوں کی نسبت خبر دینا اس لئے کہ یہ اجسام فی نفسہا موجود ہیں۔ حس اور خیال سے اور اک کئے جاویں اور۔ وجود حسی کی مثالیں تاویلات میں کثرت سے ہیں اور میں اس جگہ پر فقط دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ ایک یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز موت کو ایک خوبصورت میزڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور بہشت اور دوزخ کے درمیان اس کو ذبح کیا جائے گا۔ پس جس شخص کے نزدیک برہان اور دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موت عرض ہے یا غیر عرض۔ اور عرض کا جسم ہو جانا محال اور قدرت سے خارج ہے تو وہ شخص اس حدیث کی یوں تاویل کرتا ہے کہ اہل قیامت کو وہ میزڈھا دکھایا جائے گا۔ اور ان کو اعتقاد دلایا جائے گا کہ یہی موت ہے



اور یہ مینڈ حالانکہ جس میں موجود ہوگا بغیر اس کے کہ خارج میں موجود ہو اور اس کا فوٹ کیا جانا ان کے لئے موت ہے یا اس اور نامید کی کا باعث ہوگا اس لئے کہ جو فوٹ کیا جاتا ہے اس کے عموماً پھر امید نہیں رہتی اور جس شخص کے نزدیک یہ برہان قائم نہیں ہے تو وہ اعتقاد کر لے گا کہ نفس موت فی ذاتہ مینڈ حابن جاوے گی۔ اور پھر فوٹ کی جائے گی۔

(۲) دوسری مثال یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے بہشت اس دیوار کی پہنائی میں میرے سامنے کیا گیا پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر برہاں ثابت ہے کہ اجسام میں داخل نہیں ہو سکتا اور چھوٹی چیز میں بڑی چیز نہیں ساسکتی تو وہ شخص اس حدیث کو اس معنی پر حمل کرے گا کہ نفس جنت تو اس دیوار کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا لیکن جس کے لئے جنت کی صورت اس دیوار میں اس طرح متمثل ہوئی کہ گویا جنت دکھائی دے رہا تھا اور یہ منع نہیں کہ بڑی شے کی مثال ایک جزو صغیر میں دکھائی دے جیسے کہ آسمان ایک چھوٹے سے آئینہ میں دکھائی دیتا ہے اور یہ دکھائی دینا صورت جنت کے مجرد تخیل کے لحاظ سے اس سے جدا ہے کہ جو آئینہ میں دکھائی دیتا ہے اس لئے کہ تو ان دو صورتوں میں فرق کر سکتا ہے کہ آسمان کا آئینہ میں دکھائی دینا جدا شے ہے اور آنکھوں کو بند کر کے آسمان کی صورت کا بطریق تخیل آئینہ میں اور اک کرنا جدا شے ہے اور (۳) وجود خیالی کی مثال جیسے آنحضرت ﷺ کا فرمانا کہ میں گویا یونس بن مثنیٰ کی طرف نظر کر رہا ہوں کہ وہ دو قفلوانی عبائیں اوڑھے ہوئے تلبیہ (یعنی کلمہ لبیک اللہم لبیک) کہہ رہا ہے اور پہاڑ اسکو جواب دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ لبیک اے یونس۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول بظاہر اسی پہننی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خیال مبارک میں یہ صورت متمثل ہوئی اس لئے کہ اس حالت کا وجود آنحضرت ﷺ کے وجود مبارک کے قتل ہو کر منعدم بھی ہو چکا ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے اس فرمانے کے وقت موجود نہ تھا اور یہ بھی کہنا بعید نہیں کہ اس حالت کا متمثل آنحضرت ﷺ کی حس میں ہوا ہو حتیٰ کہ اس حالت کا دکھائی دینا آنحضرت کو اس طرح پر ہو گیا ہو جیسے کہ سویا ہوا شخص مختلف صورتوں کو دیکھتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ گویا میں نظر کر رہا ہوں اس امر کی خبر دیتا ہے کہ نظر حقیقی نہ تھا بلکہ اس کی مثال تم مگر غرض ہماری آنحضرت کے اس قول کے ذکر کرنے سے فقط مثال کا سمجھنا ہے نہ کہ خاص اس صورت کا بتلانا اور حاصل یہ ہے کہ جو شے کہ عمل خیال میں متمثل ہوتی ہے عمل ابصار میں اس کا متمثل ہونا تصور کیا جاتا ہے اور یہ متمثل مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر بہت ہی کم ہے کہ جس شے میں تخیل کا ہونا تصور کیا جاتا ہے اس میں مشاہدہ کا محال ہونا برہان کے ساتھ تمیز کیا جاوے۔ اور (۴) وجود عقلی کی مثالیں

تو بہت ہیں لیکن یہاں پر ہم فقط دو مثالوں پر قیامت کرتے ہیں۔

(اول (۱)) یہ جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے آخر جو شخص کہ دوزخ کی آگ سے نکالا جاوے گا اس کو اس دنیا سے دس گنا بڑا بہشت دیا جائے گا اس لئے کہ اس قول سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت قول اور عرض اور مساحت کے اعتبار سے دس گنا ہوگا حالانکہ یہ ایک حسی اور خیالی تفاوت ہے پھر کبھی تعجب سے کہا جاتا ہے کہ بہشت تو حسب دلالت اخبار ظاہرہ آسمان میں ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آسمان میں اکنکے دس گنا ہڈی شے سما سکے حالانکہ آسمان بھی تو دنیا ہی میں سے ہے۔ اور کبھی تاویل کرنے والا اس تعجب کو قطعی جان کر کہتا ہے کہ اس تفاوت سے معنوی اور عقلی تفاوت مراد ہے نہ حسی اور خیالی تفاوت جیسے کہ کہا جاتا ہے مثلاً یہ موتی اس گھوڑے سے دس گنا ہے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ معنی مالیت میں دس گنا ہے کہ جو عقلاً اور اک کیا جاتا ہے نہ باعتبار مساحت کے کہ جو حس اور خیال سے اور اک کی گئی ہے۔

(دوم (۲)) یہ جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے چالیس روز تک خمیر کیا۔ پس گویا آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ کا ہونا ثابت کیا لیکن جس شخص کے نزدیک یہ امر برہان سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ہاتھ کا ہونا محال ہے کہ جو عضو محسوس یا متخیلہ ہے تو وہ اللہ کے لئے روحانی اور عقلی ہاتھ ثابت کرتا ہے کہ جو اس کی روح اور معنی اور حقیقت ہے نہ صورت۔ اس لئے کہ ہاتھ کی روح اور معنی وہ شے ہے کہ جس کے ساتھ ملائکہ کے واسطے سے کچلا تا اور دیتا ہے اور فعل کرتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا اور پھر کہا کہ میں تیرے ہی واسطے سے دو نکا اور تیرے ہی واسطے سے پھیر لوں گا اور ممکن نہیں کہ اس سے وہ عقل مراد ہو کہ جو ایک عرض ہے جیسے کہ شککمین کا اعتقاد ہے اس لئے کہ ممکن نہیں کہ سب سے پہلے عرض کی پیدائش ہو بلکہ اس عقل سے مراد ملائکہ میں سے اس ایک فرشتہ کی ذات ہے کہ جس کا نام عقل ہے اس لحاظ سے کہ یہ فرشتہ کل اشیاء کا تعلق اپنی جو ہر اور اپنی ذات کے ساتھ کرتا ہے بغیر اس کے کہ کسی تعلم خارجی کے طرف محتاج ہو اور اس فرشتہ کو قلم بھی بولتے ہیں اس لحاظ سے کہ اسی کے واسطے سے انبیاء اور اولیاء اور باقی ملائکہ کے لوح قلوب میں وحی اور الہام کے طریقہ سے علوم کے حقائق نقش کیے جاتے ہیں اس لئے کہ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پس اگر اس کو عقل کی طرف رجوع نہ کرایا جائے تو ان

دونوں حدیثوں میں تنافس لازم آئے گا پس جائز ہے کہ ایک شے کے لئے مختلف اعتبارات کے لحاظ سے متعدد نام ہوں چنانچہ عقل باعتبار اپنی ذات کے ہو۔ اور ملک اس اعتبار سے ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف اللہ اور مخلوقات کے درمیان واسطہ ہونے کی نسبت ہے۔ اور قلم اس اعتبار سے کہ اس کو ایسی نقش علوم کی طرف اضافت ہے کہ جو اس سے بواسطہ الہام اور وحی صادر ہوتا ہے جیسے کہ حضرت جبرئیل کو روح باعتبار اس کی ذات کے بولا جاتا ہے اور امین اس اعتبار سے کہ اسرار ربانی اس کے پاس بطور امانت رکھے گئے ہیں اور ذمہ دار باعتبار اس کی قدرت کے اور شدید القوی باعتبار اس کی کمال قوت کے اور یکتا عند ذی العرش باعتبار قرب منزلت کے اور مطاع اس اعتبار سے کہ بعض ملائکہ کے حق میں وہ متبوع ہے پس اس شخص نے قلم اور ہاتھ کو عقل ثابت کیا ہے نہ حسی اور خیالی اور اسی طرح اس شخص نے کہ جس نے یہ یعنی ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے قدرت ہو یا کوئی دوسری صفت جیسے کہ متکلمین کا اس میں اختلاف ہے۔ اور (۵) وجود شعنی جیسے غضب اور شوق اور فرح اور صبر وغیرہ کے جو اللہ تعالیٰ کے حق میں وارد ہوئی ہیں اس لئے کہ مثلاً غضب کی حقیقت یہ ہے کہ ارادہ نفسی کے لئے خون دل کا ابلنا لیکن یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں نقصان اور الم سے جدا نہیں پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نفس غضب کا ثبوت ذاتی اور حسی اور خیالی اور عقلی محال ہے تو وہ اس کی تاویل ایک دوسری صفت کے ثبوت پر کرتا ہے کہ جس سے وہی شے صادر ہوتی ہے کہ جو غضب سے صادر ہوتی ہے جیسے عذاب کا ارادہ کرنا حالانکہ ارادہ کو غضب سے حقیقت ذاتیہ میں کوئی مناسبت نہیں بلکہ ایک صفت میں ہے کہ جو اس سے قریب قریب ہے اور ایک اثر میں جو اس سے صادر ہوتا ہے اور وہ کیا ہے یعنی ایلام یعنی دکھانا۔ پس یہ مراتب تاویلات کے ہیں جو ذکر ہو چکے۔

## فصل

جان لو کہ جو کوئی شخص شائع کے اقوال میں سے کسی قول کو ان مراتب کے کسی ایک مرتبہ کے موافق تاویل کرے تو وہ شخص بھی مصدقین میں سے ہے اس لئے کہ تکذیب اس صورت میں ہے کہ ان تمام معانی کا انکار کرے اور زعم کرے کہ جو کچھ کہ شائع نے کہا ہے اس

کا کوئی معنی نہیں بلکہ کذب محض ہے اور فرض اس کی اس قول میں فقط فریب دہی یا کوئی دنیا کی مصلحت ہے پس یہی کفر محض اور زندقہ ہے اور تاویل کرنے والوں کو جب تک کہ وہ قانون تاویل کی پاس کرتے ہیں کفر نہیں لازم آسکتا جیسے کہ ہم مختصر یہ اس امر کی طرف اشارہ کریں گے اور کیونکر کفر لازم آسکتا ہے حالانکہ اہل اسلام کا کوئی ایسا فریق نہیں کہ جس کو تاویل کی طرف اضطراب نہ ہو، چنانچہ سب سے زیادہ تر تاویل سے احتراز کرنے والا شخص احمد بن حنبلؒ ہے اور سب تاویلات میں حقیقت سے زیادہ تر بعید اور کلام کو مجاز یا استعارہ کی طرف زیادہ تر قریب کرنے والا وجود عقلی اور وجود شہمی ہے حالانکہ اسی کی طرف حنبلؒ کو اضطراب ہے اور وہ اس کا قائل ہے چنانچہ میں نے حنبلؒ مذہب کے معتبر اماموں سے کہ جو بغداد میں ہیں سنا کہ احمد بن حنبلؒ نے فقط ذیل کی تین حدیثوں کی تاویل پر تصریح کی ہے۔

(۱) یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے۔

(۲) یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں

کے درمیان ہے۔

(۳) یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، کہ میں یمن کی جانب سے نفس رخص اور اک کرتا ہوں۔

پس تو غور کر کہ احمد بن حنبلؒ نے ان احادیث کی کس طرح تاویل کی جب کہ اس کے نزدیک ان احادیث کی ظاہری معنی کھ محال ہونے پر برہان قائم تھا لہذا اس نے اس طرح پر تاویل کر کے کہا کہ داہنا ہاتھ چونکہ بطور عادت کے صاحب ہاتھ کی تقرب کے لئے چومنا جاتا ہے اور حجر اسود بھی اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کے لئے چومنا جاتا ہے تو گویا وہ بھی داہنے ہاتھ کی مثل ہے لیکن یہ مماثلت کوئی ذات اور صفات میں نہیں بلکہ ایک امر عارضی میں ہے اور اسی وجہ سے حجر اسود کو یحییٰ اللہ بولا گیا اور یہ معنی جو امام احمدؒ نے بیان فرمایا ہے یہ وہی معنی ہے کہ جس کو ہم وجود شہمی بولتے ہیں اور یہ معنی تمام وجود تاویلات میں سے بعید تر ہے۔ پس غور کر کہ اس بعید تر تاویل کی طرف وہ شخص جو کہ سب سے زیادہ تر تاویل سے احتراز کرتا ہے کیونکر مضطر ہوا اور اسی طرح جبکہ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے دو جسی انگلیوں کا ہونا محال ثابت ہوا اس لئے کہ جو شخص اپنی وجدان میں تفتیش کرتا ہے تو اس میں دو انگلیوں کا ہونا نہیں دیکھتا لہذا امام احمد بن حنبلؒ نے ان دو انگلیوں سے ان کی روح اور حقیقت کے ساتھ تاویل کی اور وہ کیا ہے یعنی انکی عقلی روحانی کہ جس سے اشیاء کی تخلیق اور تحویل حاصل ہوتی ہے اور چونکہ انسان کا دل فرشتہ اور شیطان کے دوسرے میں ہے اور انہیں دونوں سے دلوں کو پھیرتا ہے لہذا دو انگلیوں کے ساتھ

ان دو دوسو سوں سے تعبیر کی، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فقط ان تینوں احادیث کی تاویل پر اس لئے اکتفا کیا کہ ان کو فقط اسی قدر میں استعمال معلوم ہوا اس لئے کہ نظر عقلی میں ان کو تحقق نہ تھا اور اگر وہ کو تحقق ہوتا تو باری تعالیٰ کے لئے جہت فوق کے اختصاص وغیرہ میں بھی کہ جس کی انہوں نے تاویل نہیں کی استعمال ظاہر ہو جاتا۔ اور اشعری اور معتزلی نے بسبب زیادہ تفصیل اور مباحثہ کے اکثر ظواہر کی تاویل کی طرف بھی قدم بڑھایا۔ اور سب سے زیادہ حائلہ کی طرف قریب تر امور آخرت میں اشعریہ کی جماعت میں ہے اس لئے کہ انہوں نے سوائے چند ظواہر کے اکثر ظواہر کو اپنے ظاہر پر ثابت رکھا ہے لیکن معتزلی کی جماعت نے تاویلات میں نہایت سخت توغل کیا اور باوجود اس کے اشعری بھی کئی ایک امور کی تاویل کی طرف مضطر ہے جیسے کہ ہم نے رسول علیہ السلام کے اس قول کو ذکر کیا ہے کہ موت قیامت کے روز ایک بلخ مینڈھے کی صورت میں لائی جاوے گی اور جیسے کہ اعمال کا میزان سے وزن کیا جانا وارد ہے اس لئے کہ اشعری نے اعمال کی تاویل کر کے کہا کہ اعمال سے مراد ان کے صحیفہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان صحیفوں میں درجات اعمال کے موافق وزن اور گرائی پیدا کر دے گا اور یہ تاویل گویا وجود شہی کے ساتھ کی گئی کہ جو سب وجوہات میں سے بعید ہے اس لئے کہ صحیفہ ایسے اجسام ہیں کہ جن میں رقیں نکلی جاتی ہیں پس اصطلاحاً ثابت ہوا کہ اعمال اعراض ہیں لہذا جو شے کہ وزن کی جاوے گی وہ عمل نہیں بلکہ وہ ایسے نقش کا مثل ہے کہ جو اصطلاحاً عمل پر دلالت کرتا ہے اور معتزلی نفس میزان کی تاویل کرتا ہے اور اس کو ایک ایسے سبب سے تعبیر کرتا ہے کہ جس کے ذریعے سے ہر ایک کے لئے اپنے عمل کی مقدار منکشف ہو جائے گی حالانکہ اس میں اس قدر تصحیف نہیں جتنا کہ تاویل وزن صحائف میں ہے اور ہماری غرض اس بیان سے یہ نہیں کہ ایک تاویل کو صحیح بتلائیں اور دوسرے کو غلط بلکہ ہماری غرض فقط اس امر کا معلوم کرنا ہے کہ ہر ایک فریق نے اگرچہ ظواہر کی ملازمت میں مبالغہ کیا ہے تاہم تاویل کی طرف مضطر ہے مگر اس شخص سے بحث نہیں کہ جو عبادت اور تجاہل میں حد سے بڑھ گیا ہو اور کہے کہ حجر اسود یا تحقیق اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے اور موت اگرچہ عرض ہے لیکن بطریق انقلاب مینڈھا بنجاوے گی اور اعمال اگرچہ اعراض ہیں اور معدوم بھی ہو چکے ہیں لیکن تاہم میزان پر رکھی جاوے گی اور ان میں ثقل ہوگا۔ اور جو شخص کہ اس حد تک جہالت کو پہنچ جاتا ہے گویا وہ شخص عقل کے رشتہ سے الگ ہے۔

## فصل

اب تو تاویل کا قانون سماعت کر اور پہلے تو معلوم کر چکا ہے کہ کل فرقہ تاویل میں ان پانچوں درجوں پر متفق ہیں اور ان میں سے کوئی شے بھی تکذیب کے دائرہ سے نہیں لیکن وہ کل فرقہ اس امر پر بھی متفق ہیں کہ ان سب درجات میں سے کسی ایک درجہ کی تاویل اس وقت جائز ہے کہ جب معنی ظاہر کے محال ہونے پر کوئی برہان قائم ہو اور ظاہر اول ان درجات میں سے وجود ذاتی ہے اس لئے کہ جب یہ ثابت ہو جاتا ہے تو باقی سب اس کے ضمن میں آ جاتے ہیں پس اگر وجود ذاتی کا ارادہ کیا جانا معتذر ہو تو اس کے بعد وجود حسی کا مرتبہ ہے اس لئے کہ جب یہ ثابت ہو جاتا ہے تو باقی سب اس کے ضمن میں آ جاتے ہیں پس اگر وجود حسی کا ثبوت معتذر ہو تو اس کے بعد وجود خیالی یا عقلی کا مرتبہ ہے پس اگر ان کا تعذر ہو تو پھر وجود شبہی کا مرتبہ ہے کہ جو مجازی ہے اور ایک درجہ سے دوسرے درجہ محتاجی کی طرف عدل کرنا بغیر ضرورت برہان کے جائز نہیں پھر آخر کار اختلاف کا مرجع اختلاف برہان ٹھہرتا ہے اس لئے کہ عقلی کہتا ہے کہ باری تعالیٰ کے لئے جہت فوق کی طرف مختص ہونے کے استحالة پر کوئی برہان نہیں اور اشعری کہتا ہے کہ رویت باری تعالیٰ کے استحالة پر کوئی برہان قائم نہیں اور ہر ایک اپنے خصم مقابل کے بیان کو پسند نہیں کرتا اور نہ اس کو دلیل قاطع خیال کرتا ہے اور خواہ کس طرح ہو یہ لائق نہیں کہ کوئی فریق اپنے خصم مقابل کی تکفیر اس خیال سے کرے کہ اس کو برہان میں غلطی کرنے والا جانتا ہے ہاں اس قدر جائز ہے کہ اپنے خصم کو غلط برہانی کے خیال سے گمراہ یا بدعتی بولے لیکن گمراہ تو اس لئے کہ اس کے نزدیک خصم مقابل اس کے طریق سے گمراہ ہے اور بدعتی اس لئے کہ اس نے ایک ایسا نیا قول ایجاد کر لیا ہے کہ جس کی نسبت سلف سے تصریح کا ہونا معہود نہیں اس لئے کہ سلف سے یہ امر مشہور چلا آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کہلا دیگا پس جو شخص کہے کہ یہ کہتا ہے کہ وہ دکھائی نہ دیگا تو اس کا یہ قول بدعتی ہے اور اگر رویت کی تاویل پر تصریح کرے تو یہ بھی بدعت ہے بلکہ اگر اس کے نزدیک یہ امر ظاہر ہو جاوے کہ رویت کا معنی دل کا مشاہدہ ہے تو یہ بھی لائق ہے کہ اس کا اظہار نہ کرے اور نہ اس کا ذکر کرے اس لئے کہ سلف نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ لیکن ساتھ ہی عقلی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت فوق کا ثابت کرنا سلف کے نزدیک مشہور ہے مگر یہ امر کسی نے سلف میں سے ذکر نہیں کیا۔ کہ عالم کا پیدا کرنے والا اللہ عالم کے ساتھ متصل

ہے اور نہ متفصل اور نہ اس میں داخل ہے اور نہ اس سے خارج اور یہ کہ جہات متہ اس سے خالی ہیں اور اس کی طرف جہت فوق کی نسبت ایسی ہے جیسے جہت تحت کی نسبت۔ پس یہ قول کہ جو سلف سے منقول نہیں بدعت ہے اس لئے کہ بدعت کا معنی یہی ہے کہ ایک ایسی بات کا ایجاد کرنا کہ جو سلف سے ماثور نہ ہو۔ اور یہاں پر تیسرے لئے واضح ہو جائیگا کہ یہاں دو مقام ہیں۔

(پہلا مقام) تو عام مخلوقات کا ہے اور اس میں امر حق یہ ہے کہ ظواہر کا اتباع کیا جاوے اور ان ظواہر کو اپنے ظواہر سے نہ بدلا یا جائے اور جس تاویل کی نسبت کہ صحابہ کرام نے تصریح نہیں کی اس کے ایجاد اور ابداع سے احتراز کیا جاوے اور باب سوال کو بالکل قطع اور علم کلام میں خوض اور بحث اور قرآن اور حدیث کے الفاظ متشابہ کی اتباع سے زجر کی جاوے جیسے کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے دو متعارض آیتوں کی نسبت سوال کیا تو حضرت عمرؓ نے اس شخص کو درہ سے پٹوایا اور جیسے کہ حضرت مالکؓ سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے استواء کی نسبت سوال کیا تو انھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ استواء امر معلوم ہے اور ایمان اس پر واجب ہے لیکن کیفیت اس استواء کی مجہول ہے اور سوال اس کا بدعت ہے۔

(دوسرا مقام) ان اہل نظر اور اہل اجتہاد کے درمیان ہے کہ جن کے عقائد ماثورہ میں اضطراب ہے پس لائق ہے کہ ان اہل اجتہاد کی بحث بقدر ضرورت ہو اور اگر معنی ظاہر کے ترک کریں تو ضرورت برہان قاطع کریں۔ اور لائق نہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر کریں اس خیال سے کہ خصم کو اپنی برہان اعتقادی میں غلطی کرنے والا جانتے ہیں اس لئے کہ اس امر کا ادراک چند ان آسان نہیں لیکن برہان ان کے درمیان یہ امر ہے کہ ان موازین خسہ میں سے کسی ایک میزان کے ساتھ وزن کر کے خلاف کو رفع کریں کہ جن کو ہم نے اپنی کتاب قسطاس مستقیمہ میں ذکر کیا ہے اور یہ موازین خسہ ایسے ہیں کہ جن میں سمجھنے کے بعد ہرگز امر خلاف راہ گیر نہیں ہوتا اس لئے کہ ان موازین خسہ سے قطعی یقین کا ادراک کیا جاتا ہے اور

اس کتاب کا ترجمہ بھی ہم نے نظم کر دیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ جلد تر شائع ہو گا یہ کتاب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب طرز پر لکھی گئی ہے کہ جس میں مسئلہ امامت کو بخوبی طرح حل کر دیا گیا ہے اور پانچوں میزانوں کو کہ جو اہل منطق کے اصلاح میں شکلوں سے معتبر ہیں قرآن کریم کے جملوں سے اقتباس کیا ہے چنانچہ میزان اول کا نام تعادل اکبر، اور دوم کا تعادل اوسط اور سوم کا تعادل اصغر اور چہارم کا میزان حلازم اور پنجم کا میزان تعادل ہے میزان اکبر یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ کی مفت معلوم ہو اور اس مفت کی نسبت کوئی حکم ثابت ہو تو ضرور ہے کہ موصوفہ نقیہ حاشیہ کندہ صلفہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

جنہوں نے کہ ان موازین کو حاصل کیا ہے ان پر انصاف کا عقدہ آسان ہو جاتا ہے اور انصاف کیا ہے یعنی پردہ کا دور ہو جانا اور اختلاف کا اٹھ جانا لیکن ان ناظرین کے درمیان سے اختلاف بھی دور نہیں ہوتا اور یہ یا تو اس لیے ہے کہ ان میں سے بعض تو میزان کے تمام شرائط کے اور اک سے قاصر ہوتے ہیں اور یا اس لیے کہ باوجود تمام شرائط کے جاننے کے محض اپنی طبیعت سے کام لیتے ہیں اور میزان کے ساتھ وزن نہیں کرتے جیسے کوئی شخص علم عروض کے حاصل کرنے کے بعد شعر کے کہنے میں فقط اپنے ذوق کی طرف رجوع کرتا ہے اور عروض سے کام نہیں لیتا اس وجہ سے کہ ہر شعر کو عروض کے سامنے کرنا اس کو گراں گزرتا ہے تو بعید نہیں کہ ایسا شخص غلطی کر جاوے۔ اور یا اس لیے کہ وہ ان علوم میں مختلف درجہ رکھتے ہیں کہ جو براہین کے مقدمات ہیں اس لیے کہ بعض علوم تو ایسے ہیں کہ جو براہین کے اصول ہیں جیسے علوم تجربیہ اور تو اتریہ وغیرہ کہ جو تجربیہ اور تو اتریہ سے حاصل ہوں اور آدمی ان علوم تجربیہ اور تو اتریہ میں مختلف ہوتے ہیں اس لیے کہ کبھی ایک شخص کے نزدیک وہ امر متواتر ہوتا ہے کہ جو دوسرے کے نزدیک متواتر نہیں اور کبھی ایک شخص کو ایک شے کا اس قسم کا تجربہ ہوتا ہے کہ جو دوسرے کو حاصل نہیں ہوتا اور یا اس لیے اختلاف دور نہیں ہوتا کہ قضایا وہمپے اور قضایا عقلیہ میں التباس ہو جاتا ہے اور یہ اس لیے کہ کلمات محمودہ مشہورہ کو کلمات ضروریہ اور اولیہ سے التباس ہو جاتا ہے جیسے کہ ہم نے اس کو اپنی کتاب محکم النظر میں بالتفصیل ذکر کیا ہے لیکن بالجلہ جبکہ ناظرین ان موازین خمسہ کو تحصیل کر لیں اور ان کو محقق طور پر دریافت کر لیں تو ممکن ہے بشرطیکہ عناوہ ہو کہ موانع غلطی پران کو توقف حاصل ہو جاوے۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ۔۔۔ کے لئے وہ حکم ثابت ہو بشرطیکہ وہ صفت مساوی موصوف ہو یا اس سے عام تر ہو۔ میزان اوسط یہ ہے کہ اگر ایک شے سے کسی امر کی نفی کی جائے اور یہی امر کسی اور شے کے لئے ثابت کیا جائے تو شے اول مباحث شے ثانی کی ہوگی میزان امتر یہ ہے کہ اگر دو امر ایک شے پر صادق آئیں تو ضروری ہے کہ ان دونوں امروں میں کوئی نہ کوئی ایک دوسرے پر صادق آئے ۴ میزان ملازم یہ ہے کہ وجود ملزم بحسب وجود ملازم ہوتا ہے اور نفی ملازم ہوئی ہے اور نفی ملزم باوجود ملازم سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا میزان اتقانہ یہ ہے کہ اگر کوئی امر صرف دو قسموں میں منحصر ہو تو ضرور ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا ثبوت ہو۔ ان موازین خمسہ کے اشلہ اور وہ شرائط جن سے قول میں غلطی نہ ہونے پائے اور اس امر کی توضیح کی صداقت پائے مذہب کے ان موازین سے کس طرح تولا کرتی ہیں یہ سب امور بالتفصیل کتاب المقطاس المستقیم میں درج ہیں۔



## فصل

بعض آدمی ایسے ہیں کہ جو بغیر کسی برہان قاطع کے فقط اپنے غلبہ ظن کے ساتھ تاویل کی طرف جلدی کرتے ہیں حالانکہ ایسے آدمی کی تکفیر کی طرف بھی ہر مقام میں جلدی کرنی لائق نہیں بلکہ اس میں نظر کرنی چاہیے پس اگر اس کی تاویل ایسے امر میں ہو کہ جس کو اصول عقائد سے کوئی تعلق نہیں اور نہ کسی امر اہم سے تو اس کی تکفیر نہ چاہیے اور مثال اس کی یہ ہے جیسے کہ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ ظلیل علیہ السلام نے جو ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھا اور کہا کہ یہ میرا رب ہے تو ان سے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مراد ان سے جو اہر نورانیہ ملکیہ ہیں کہ جنکی نورانیت عقلیہ ہے نہ حیہ اور ان جو اہر کے لئے کمال میں مختلف مراتب ہیں اور نسبت تفاوت ان کے درمیان ایسی ہے جیسے ستاروں اور چاند اور سورج کے درمیان ہے اور اس امر پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ظلیل علیہ السلام کی شان اس سے بہت بڑی ہے کہ وہ ایک جسم کی نسبت اعتقاد کرتا کہ وہ خدا ہے حتیٰ کے اس کے غروب ہونے کے مشاہدہ کی طرف محتاج ہوتا کیا تو اعتقاد کر سکتا ہے کہ اگر وہ غروب نہ ہوتا اور ظلیل علیہ السلام کو اس کے جسم و مقدار ہونے کے لحاظ سے اس کا خدا ہونا محال نہ جانتا تو وہ اس کو خدا بنا لیتا، اور انھوں نے یہ بھی دلیل پیش کی ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے ظلیل علیہ السلام نے فقط ستاروں کو ہی دیکھا ہو حالانکہ سورج سب سے روشن ہے اور پہلے یہی دکھائی دیتا ہے اور نیز یہ دلیل پیش کی ہے کہ اول باری تعالیٰ نے کہا ہے کہ اے محمد اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے ملک اور ملکوت دکھائے ہیں اور پھر اس کے بعد اس قول کا ذکر حکایت فرمایا ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ کشف ملکوت کے بعد ستاروں کی نسبت حضرت ظلیل علیہ السلام ایسا وہم کریں اور یہ ان کی دلیلیں کل غلطی ہیں برہانی نہیں چنانچہ ان کا اولیٰ یہ کہنا کہ ظلیل علیہ السلام کی شان اس سے بہت بڑی ہے کہ وہ ایک جسم کو خدا اعتقاد کرتا تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ جب کہ حضرت ظلیل علیہ السلام کے ساتھ یہ ماجرا ہوا تھا تو اس وقت وہ چھوٹے بچے تھے اور بعید نہیں کہ جس شخص نے عقرب نبی ہوتا ہو بچپن کی عمر میں اس کو اس قسم کے خطرات پیش آویں اور پھر بہت جلد ان سے تہاؤ کر جائے اور یہ بھی بعید نہیں کہ غروب ہونے کی دلالت اس کے حدوٹ پر ظلیل علیہ السلام کے نزدیک جسم و مقدار کی دلالت سے زیادہ تر ظاہر اور روشن ہو اور پہلے ستاروں کا دکھلائی دینا اس کی وجہ

یہ روایت کی گئی ہے کہ طویل علیہ السلام طفولیت کے زمانہ میں ایک غار میں قید تھے اور جب نکلے تو رات کو نکلے اور یہ جو پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد ہم نے اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے ملک اور ملکوت دکھلائے ہیں جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ان کی نہایت کا ذکر کیا ہو اور پھر حالت بداعتیت کا بیان فرمایا ہو۔ پس یہ اور اس کی مثل کل کوئل غنی ہیں ان کو وہ شخص برہان اعتقاد کرتا ہے کہ جو برہان کی حقیقت اور شرط نہیں جانتا پس ان کی تاویل اسی قسم کی ہوتی ہے اور انھوں نے عصا اور نعلین کی تاویل بھی کی ہے کہ جو آیت اطلع نعلیک اور آیت مانی یمینک میں واقع ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ ظن ایسے امور میں کہ جو اصول اعتقاد سے تعلق نہیں رکھتے جا بجا ان برہان کے ہوتا ہے کہ جو اصول اعتقاد میں ہوتا ہے پس ایسے ظن سے نہ کفر کی نسبت ہو سکتی ہے اور نہ بدعت کی۔ ہاں اگر ایسے دروازہ کا کھولنا یہاں تک پہنچانے کا اندیشہ رکھتا ہو کہ عوام کے دلوں میں تشویش و اندیشہ تو ایسے ظن سے صاحب قول کو بدعتی اس ہر امر میں رکھ سکتے ہیں کہ جس کا ذکر سلف سے ماثور نہیں اور اسی کے قریب قریب بعض باطنیہ کا قول ہے کہ سامری کا چھڑا مول ہے اس لئے کہ خلق کثیر ایک ایسے عاقل سے کیسے خالی ہو سکتی ہے کہ جو جانتا ہو کہ سونے کا بنا ہوا ہر شے خدا نہیں ہو سکتی حالانکہ یہ قول بھی ظن ہے اس لئے کہ یہ امر محال نہیں کہ ایک طائفہ اس مرتبہ کی جہالت کو پہنچ گیا ہو جیسے دشمن پرستوں کی جماعت اور اس چھڑے کا نادر ہونا یقین بخش نہیں ہے لیکن اس جنس سے جو امر کہ عقائد اہم کے اصول سے تعلق رکھتا ہے تو واجب ہے کہ اس شخص کی تکفیر کی جاوے کہ جو ظاہر کے بغیر کسی برہان کے قاطع کی بدلا دیوے جیسے وہ شخص کہ جو حشر اجساد کا انکار کرتا ہے اور نیز عقوبت حسیہ کا فقط ظنون اور اوہام اور استبدادات سے بغیر کسی برہان قاطع کے کرتا ہے بہن ایسے شخص کی تکفیر قطعاً واجب ہے اس لئے

لے جیسے قاریابی اور ابن سینا کہ جو قیامت کے دن حشر اجساد کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محل ثواب و عذاب فقط ارواح مجردہ ہی ہونگے اور عذاب اور ثواب روحانی ہوگا نہ جسمانی، امام غزالیؒ کتاب المہذمن بالصلال میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ تو انھوں نے سچ کہا کہ وہاں عذاب اور ثواب روحانی ہونگے یہ جھوٹ کہا کہ جسمانی نہیں ہونگے گو باندہ بخت یہ ہے کہ عذاب روحانی اور جسمانی دونوں ہوں گے لیکن سید احمد خاں صاحب الامام الطہر یہ کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جسم کہ جس کا حشر قیامت کے دن ہوگا یہ وہ جسم نہیں کہ جو اس وقت ہماری نظروں میں ہے بلکہ انھوں نے اس جسم سے ایک جسم لطیف ارادہ کیا ہے جو روح حقیقی اور کالبد خاکی کے درمیان واسطہ ہے اور وہ جسم لطیف بعد موت علی حالہ باقی رہتا ہے اور روح اس سے متعلق رہتی ہے۔

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

کہ جسموں کی طرف روحوں کے واپس آنے کے استحالہ پر کوئی برہان نہیں اور ایسے امر کا ذکر دین میں ضرور عظیم رکھتا ہے پس ایسے منکر کی تکفیر واجب ہے اور نیز ان میں سے اس شخص کی تکفیر کہ جو قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ فقط اپنے نفس کا علم رکھتا ہے یا فقط کلیات کا علم رکھتا ہے اور امور جزویہ کہ جنکا تعلق اشخاص سے ہے ان کو نہیں جانتا اس لئے کہ یہ قطعاً رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے اور ان درجات کے قبیل سے نہیں کہ جن کا ہم نے باب تاویل میں ذکر کیا ہے اس لئے کہ بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ . . . اقول اس جسم لطیف کا اثبات البتہ حضرت شاد ولی اللہ محدث دہلویؒ کے قول سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جو انہوں نے جتہ اللہ البتہ میں لکھا ہے لیکن اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ جسم جو کہ کالبد خاکی ہے اس کا مشر نہیں ہوگا ہاں شاد صاحب اتنا فرماتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے کہ موت کے وقت انسان کا نفس نامقہ مادہ کو بالکل چھوڑ دیتا ہے وہ جبک مارتا ہے روح کے لئے دو قسم کا مادہ ہے ایک سے روح کا بالذات تعلق ہے اور دوسرے بالغرض جس مادہ سے بالذات تعلق ہے وہ نسمہ ہے اور جس مادہ سے بالغرض تعلق ہے وہ جسم خاکی ہے جب آدمی مر جاتا ہے تو مادہ خاکی کا زائل ہو جاتا اسے کچھ نقصان نہیں پہنچتا بلکہ روح انسانی بدستور مادہ نسمہ میں حلول کئی رہتی ہے سید احمد خان صاحب اس عام قول اہل اسلام کو کہ جب خدا تعالیٰ مشر کرنا چاہے گا تو ہر ایک روح کو ایک ایک جسم عطا فرمایا گیا تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک جن اجساد کے مشر کا بیان قرآن میں ہے ان سے وہی اجسام لطیف مراد ہیں جو ارواح ابدان انسانی سے مفارقت ہونے کے بعد عالم قدس میں لگے آتے ہیں اور یہی مشر جعدی ان کے نزدیک ثابت ہے حالانکہ یہ قول بالکل تکذیب نبوت بلکہ تکذیب الوہیت ہے امام بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی اور مجھے دشنام دی حالانکہ اس کے لئے مناسب نہ تھا تکذیب تو اس نے اس طرح کی کہ اس نے میری نسبت کہا کہ میں ہدایت کی شکل اس کا اعادہ نہ کروں گا حالانکہ خلق اول اعادہ سے آسان نہیں، اور دشنام اس طرح دی ہے کہ اس نے میری طرف ولد کی نسبت کی حالانکہ میں ایسا احد صمد ہوں کہ نہ تو میں کسی کا ولد ہوں اور نہ میرا والد ہے سمیعہ اقرآن کریم یا آواز بلند اسی خاکی جسم کی مشر کی طرف دعوت دیتا ہے جیسے کہ سورۃ یاسین میں ہے قَالِ مَنْ يَحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ . قُلْ يَحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا انْتَمَ مِنْهُ تَوَفَّدُونَ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ . . . بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

قرآن اور حدیث کی دلائل عام حشر اجساد اور عام علم اللہ تعالیٰ پر باین طور کہ وہ ہر اس امر کو بالتفصیل جانتا ہے کہ جو اشخاص عالم پر جاری ہوتے ہیں ایسے حد سے متجاوز ہیں کہ جو قاتل تاویل ہو اور وہ منکرین باوجود اس کے اعتراف کرتے ہیں کہ یہ باب تاویل سے نہیں لیکن کہتے ہیں کہ جب کہ مخلوقات کی صلاحیت اس امر میں تھی کہ وہ حشر اجساد کا اعتقاد کریں اس لئے کہ ان کے عقول معاد عقلی کے سمجھنے سے قاصر تھے۔ اور نیز اس امر میں ان کی صلاحیت تھی کہ وہ اس کا اعتقاد کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سب اموز کا عالم ہے کہ جو اوپر گزرتی ہیں اور ان پر رقیب ہے تاکہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ — اور جو لوگ کہ حشر کذابی کے منکر ہیں ان کے نزدیک آج تک اس حشر کے استحالة پر کوئی برہان قائم نہیں ہوا قول اولیٰ الامر نور طلب ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان اجزاء بدنیہ کو مرنے کے بعد معدوم کر کے اعادہ کرے گا یا ان کو از یک دیگر مفارق الجدا کر کے پھر ان میں تالیف پیدا کرے گا لیکن امر حق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی امر بھی قطعی طور پر پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا اس لئے کہ ان میں سے کسی امر کے ثبوت پر آج تک کوئی قطعی دلیل قائم نہیں ہوئی اور یہ جو آیت کسل شئ، ہالک الا وجہہ کو اعدام پر دلیل لاتے ہیں اس کا استدلال بالکل ضعیف ہے اس لئے کہ تفریق اجزاء بھی اعدام ہے اس لئے کہ ہلاک شئے کا بھی یہی معنی ہے اپنی صفات مطلوبہ سے نکل جاوے اور اس کی وہ تالیف دور ہو جاوے کہ جس کے ساتھ اس شئے کے اجزاء اپنے افعال کے لئے صلاحیت رکھتے ہیں اور جس کے ساتھ ان کے منافع پورے ہوتے ہیں اور اسی طرح فاک بھی عرف میں یہی معنی ہے لہذا آیت کسل من علیہا فان سے بھی اس امر پر استدلال نہیں ہو سکتا لہذا فناء اور ہلاکت سے مراد یہی تفریق اجزاء قرین قیاس ہے اور یہی امر طبربراہیم سے بھی پایا جاتا ہے اور ہمارے علمائے عظام کے لئے اعادہ معدوم پر فی نفسہ ایک بدیہی حجت یہ ہے شئے معدوم کا وجود ثانی متوقع نہیں ورنہ وجود اول بھی متوقع ہوتا گو یا مبدأ اور معاد دونوں لازم اور موزوں ہیں الحاصل حشر و معاد کے مسئلہ میں کل پانچ اقوال منقول ہیں ایک فقط حشر جسمانی کا قول کہ جو اکثر متکلمین اور ان فلاسفہ کا ہے کہ جو نفس باطل کا انکار کرتے ہیں اور دوسرا فقط حشر روحانی اور یہ فلاسفہ الہیہ کا قول ہے اور تیسرا حشر جسمانی اور روحانی دونوں پر اکثر محققین جیسے علی اور امام غزالیؒ ابو زید دیروبی اور قدامتاء معتزلہ میں سے عمر اور متاخرین امامیہ میں سے جمہور اور اکثر صوفیہ کا قول ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان حقیقت میں نفس ناخلاق کا نام ہے اور وہی مکلف اور مطیع اور عاصی اور مشاب اور معاقب ہے اور بدن اس کے لئے بمنزلہ آلہ کے ہے اور نفس باطل فساد بدن کے بعد بھی باقی رہتا ہے پس جبکہ اللہ تعالیٰ حشر مخلوقات کا ارادہ کرے گا تو ہر روح کے لئے ایک بقیہ حاشیہ عمدہ صفحہ پر

ان کے دلوں میں رغبت اور ہیبت پیدا ہو لہذا رسول علیہ السلام کے لئے جائز ہوا کہ وہ ان کو حشر اجساد اور کل اشیاء کے علم کی تفہیم کرے اور جو شخص کہ غیر کی صلاحیت کرے اور اس بارہ میں وہی امر کہے کہ جس میں صلاحیت ہے گو خلاف حقیقت امر کہے تو وہ کاؤب نہیں کہلاتا پس یہ قول قطعاً باطل ہے اس لئے کہ یہ صریحاً تکذیب ہے اور پھر اس عذر کی طلب ہے کہ کیوں اس نے کذب بولا حالانکہ منصب نبوت کا ایسے رذیل امور سے پاک ہونا واجب ہے اس لئے کہ صدق میں اور نیز اس کے ساتھ گلوقات کی صلاحیت میں کذب کی نسبت سے زیادہ تر وسعت ہے اور یہی

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ۔۔۔۔۔ بدن خاکی مٹل ابدان دنیا کے پیدا کر چکا جس کے ساتھ اس کو تعلق ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ سے اشیاء میں تصرف کرتا ہے گویا عظام ہالیہ کو از سر نو تالیف حاصل ہوگی اور یہی مذہب حق ہے جیسے کہ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ بارہ سو میں فرماتا ہے "او کس الذی مر علی قریۃ وہی خاویۃ علی عروشہا قال انی یحییٰ ہذہ اللہ بعد موتہا فاما نہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوماً اوبعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنہ وانظر الی حمارک ولذنبک ایتہ للناس وانظر الی العظام کیف ننشزہا ثم نکسوها لحما فلما تبین لہ قال اعلم ان اللہ علی کل شیء قذیر واذ قال ابراہیم رب انی کیف تحیی الموتی قال اولم تؤمن قال ہلی ولكن لیطمئن قلبی قال فخذاربعۃ من الطیر فصرہن الیک ثم اجعل علی کل جبل منہن جزاً ثم ادعہن یتاتینک سعياً واعلم ان اللہ عزیز حکیم" اور چوتھا قول یہ ہے کہ نہ حشر جسمانی ہوگا اور نہ روحانی یہ فلاسفہ طبع کا ہے پانچواں قول توقف کا ہے اور یہ جالینوس سے منقول ہے ہمارے زمانہ کے انگریزی خوان دہر یہ طالب علوم کو خدا ہدایت دیوے کہ وہ حشر اور شراب اور عذاب قبر وغیرہ سے انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کے وجود پر کوئی استوارہ قائم نہیں ہو سکتا، جبکہ ایک صاحب نبوت اعجاز کے ساتھ کسی امر مستقبل کا بیان فرمائے تو اس کی تصدیق واجب ہے کیا حیات اخروی حیات دنیوی سے کم پایہ رکھتی ہے؟ کیا عذاب اخروی عذاب دنیوی سے عبرت نہیں دلاتا؟ ایک نابالغ لڑکا جب کسی عاقل نابالغ کو کہہ دے کہ اس راستہ میں سانپ ہے تو اس نابالغ کے قول کو عاقل فقط حیات دنیوی کے بچانے کے لئے اعتقاد کر لیتا ہے اور صاحب نبوت صاحب اعجاز کے ساتھ حیات اخروی اور عذاب اخروی سے آگاہ کرتا ہے اور اس کے قول پر اعتقاد نہیں ہائے۔۔۔۔۔ بقیہ حاشیہ مجددہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

زندقة کا پہلا درجہ ہے اور یہی اعتزال اور زندقة مطلقہ کے درمیان کا مرتبہ ہے اس لئے کہ معتزلہ کا طریقہ فلاسفہ کے طریق سے سوائے اس ایک امر کے قریب تر ہے اور وہ ایک امر یہ ہے کہ معتزلی ایسے عذر سے رسول پر تکذیب جائز نہیں رکھتا بلکہ جہاں برہان کے ساتھ اس کو خلاف ظاہر ہوتا ہے وہاں تاویل کرتا ہے لیکن فلسفی ظاہری معنی پر وہیں تک اکتفا نہیں کرتا کہ جہاں تک وہ تاویل کے قابل ہوتا ہے خواہ وہ تاویل قریب ہو یا بعید بلکہ اس سے تجاوز کر جاتا ہے اور زندقة مطلقہ یہ ہے کہ اصل معاد کا ہی انکار عقلی ہو یا حسی اور عالم صنائع کا بھی بالکل انکار کیا جاوے۔ لیکن فقط معاد عقلی کا اثبات اور ساتھ ہی اس کے آلام اور لذات حسیہ کی نفی اور صنائع کا اثبات اور ساتھ ہی اس کے صنائع کی تفصیلی علم کی نفی یہ زندقة مفیدہ ہے کہ جس میں ایک قسم کا انبیاء علیہم السلام کی صدق کا اعتراف ہے اور بظاہر میراٹن یہ ہے اور علم اس کا اللہ کے پاس ہے کہ یہ زندقة لوگ رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے مراد ہیں کہ عنقریب میری امت ستر پر کھنٹے فرقہ ہو جاوے گی کہ جو سب کے سب جنت میں ہو گئے سوائے ایک فرقہ زنداقہ کے یہ لفظ حدیث کا ہے اور بعض روایت میں ثابت ہے اور یہ حدیث بظاہر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ فرقہ زنداقہ بھی رسول علیہ السلام کی امت میں سے ہے اس لئے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... ایسی غفلت اور ایسی جہالت۔

ہر روز حشر شود بچہ روز معلومت۔

کہ با کہ باشد عشق در شب دہجور۔

لیکن علم باری تعالیٰ کے بارہ میں اسی قدر ملنا کافی ہو گا کہ چونکہ جزئیات اور کلیات کا صدور ذات باری تعالیٰ سے ہے تو ضرور ہوا کہ ان کا علم بھی اس ذات کو ہو کیونکہ اس قدر اہقان کے ساتھ ان کا صدور بجز ان کے نہیں کہ ایک ذات عالم سے ہوا ہے اور ان جزئیات کے تغیر سے اس کی ذات میں کوئی تغیر نہیں۔۔۔۔۔ کیونکہ یہ تغیرات فقط اضافی اور زمانی ہیں کہ جو ماضی اور حال اور استقبال کے اعتبار سے ہیں لیکن ذات باری تعالیٰ کا علم ازل سے ہے کہ جن کو تغیرات ازمنہ متغیر نہیں کر سکتے کیونکہ وہ خالق ازمنہ ہے اس کے علم میں نہ ماضی منحصر ہے اور نہ حال و استقبال لہذا اکل موجودات ازل سے اب تک اس کے لئے حضوری ہیں جیسے کہ قرآن کریم اس کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ لا مغرب لمنزلہ مقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض مترجم

ایقال علیہ الصلاۃ والسلام ستفرق امتی نیلنا وسبعین فرقة کلہم فی الجنة الا الزنادقة وہی فرقة انتہی

مغتریب میری امت اسنے فرقہ ہو جاو گئی اور جو شخص کہ اس کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتا وہ اس کی امت سے عیس اور جو لوگ کہ اصل معاد اور اصل صانع کا انکار کرتے ہیں تو وہ گویا رسول علیہ السلام کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتے اس لئے کہ وہ زعم کرتے ہیں کہ موت عدم محض ہے اور یہ عالم ہمیشہ سے جھسہ بغیر کسی صانع کے موجود ہے اور یہ لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور انبیاء علیہم السلام کو کمر اور تلپس کی طرف نسبت کرتے ہیں لہذا اللہ لوگوں کو رسول علیہ السلام کی امت کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں پس اس وقت زندقہ امت کا معنی سوائے اس کے نہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

## فصل

جان لوگ نامور سے تکفیر واجب ہوتی ہے اور جن سے واجب نہیں ہوتی ان کی شرح ایک ایسی لمبی تفصیل کو پا جاتی ہے کہ جس کے ذکر کرنے میں ہر مقالہ اور مذہب اور ہر ایک شیعہ اور دلیل اور ظاہری معنی سے وجہ بعد اور وجہ تاویل کے بیان کرنے کی طرف حاجت پڑتی ہے کہ جس کے لئے بڑے بڑے مجلدات بھی احاطہ نہیں کر سکتے اور نہ اس امر کے شرح کرنے کے لئے میری اوقات میں اس قدر گنجائش ہے لہذا اس وقت تو ایک وصیت اور قانون پر قناعت کر چنا فحیدریت یہ ہے کہ تو اپنی زبان کو اہل قبلہ سے حتی الامکان ہٹا رکھے جب تک کہ وہ بغیر کسی منافقت کے کہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اس لئے کہ بہر حال تکفیر کا حکم خطرہ سے خالی نہیں اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں اور کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا منقض امر یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر کسی عذر سے یا سوائے عذر کے جھوٹ کا بولنا جائز رکھیں اور قانون یہ ہے کہ تو جان لوے کہ جو امور کہ نظر اور اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جو اصول عقائد سے تعلق رکھتا ہے اور ایمان کے تین اصول ہیں اللہ اور رسول اور روز آخرت پر ایمان لانا اور اس کے ماسوا کل فروعات سے ہیں۔

ایہ اعتقاد بجز فرقہ دھریہ کے کہ جو بالکل کو عقل ہیں کوئی عقل مند نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ ہر فطرت اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ نفس الامر میں ایک ایسا وجود موجود ہے کہ جو باقی موجودات کے خصوصیات اور احوال سے ممتاز ہے پس اگر وہ موجود واجب ہو انہو المراد او اگر ممکن ہو تو کسی نہ کسی مؤثر کا محتاج ہوگا اور ضرور ہے کہ اس سلسلہ کی انتہا اس وجود واجب تک پہنچے ورنہ دور اور تسلسل لازم آئے گا اور یہ دونوں باطل ہیں۔ مترجم۔

اور جان لو کہ اصل امامت اور اس کے تعین اور اس کے شروط اور اس کے متعلقات میں خطا کا ہونا ان میں سے کوئی شخص بھی تکفیر کو واجب نہیں کرتا چنانچہ اہلن کیسان نے اصل وجوب امامت کا انکار کیا حالانکہ اس کی تکفیر لازم نہیں ہے اور وہ قوم ہے کہ جو امر امامت کو معظم جانتی ہے اور امام سے ایمان رکھنے کو اللہ اور رسول سے ایمان رکھنے کے مقارن جانتی ہے اور نیز وہ قوم کہ جو ان کے مخالف ہے اور ان کے اس مجرد مذہب امامت سے ان کی تکفیر کرتی ہے ہرگز التفات کے قابل نہیں اور یہ کل فضول کوئی ہے اس لئے کہ تعظیم امر امامت اور خدا اور رسول سے امام کو مقرون کرنے میں کوئی رسول ﷺ کی تکذیب ہرگز لازم نہیں آتی اور جہاں کہیں کہ تکذیب پائی جاوے تکفیر واجب ہے اگرچہ فروعات میں ہو پس جا کر کوئی شخص مثلاً یہ کہے کہ جو گھر مکہ میں ایسا یہ درست ہے مگر جو لوگ کہ امام کو قدر معظم بنادیوں کہ درجہ حلول اور تشبیہ تک پہنچادیں جیسے کہ شیعہ غالب کا مذہب ہے تو یہ امر بے شک کفر ہے۔ مترجم۔

یہ اعتقاد فرقہ مرجیہ میں سے خسان بن کوئی کا ہے اس کا زعم ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بالتحقیق اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو حرام کہا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ آیا وہ خنزیر کہ جس کو حرام کہا گیا ہے وہ یہ بکری ہے یا غیر اس کا تو وہ شخص مومن ہے اور اگر کہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعب کا حج فرض تو کہا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کعب کہاں ہے شاید ہند میں ہو تو یہ شخص اس کے نزدیک مومن ہے اور خسان کا مقصود اس کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ ایسے اعتقادات کو ایمان سے کوئی تعلق نہیں نہ یہ کہ وہ ان امور میں شک رکھتا ہے اس لئے کہ کوئی عقلمند اپنی عقل سے مجاز نہیں کہ وہ جہت کعب میں شک کرتا ہو اور ہر عقل والے کے نزدیک بکری اور خنزیر میں فرق ظاہر ہے عبدالکریم خضر ستانی کتاب السلسل میں لکھتا ہے کہ یہ عجیب امر ہے کہ خسان بن کوئی اس مذہب کو امام ابو حنیفہ کوئی سے حکایت کیا کرتا تھا اور امام صاحب کو فرقہ مرجیہ میں سے شمار کیا کرتا تھا مگر میں امید کرتا ہوں کہ خسان نے جھوٹ کہا شاید ابی حنیفہ اور اصحاب ابی حنیفہ کو مرجیہ سمجھ کر کہا جاتا تھا اور اکثر اصحاب مقالات نے ابی حنیفہ کو مرجیہ سے شمار کیا لیکن سبب اصلی اس کا یہ ہے کہ چونکہ امام ابو حنیفہ کہا کرتے تھے کہ ایمان فقط تصدیق قلبی ہے اور اس میں نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ نقصان لہذا ان لوگوں نے ظن کر لیا کہ ابو حنیفہ اعمال کو ایمان سے مؤخر جانتے ہیں حالانکہ ابو حنیفہ عامل ہوتے ہوئے ترک عمل کا فتویٰ کیوں کہہ سکتے تھے اور اس کا ایک دوسرا سبب یہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ فرقہ قدریہ اور معتزلہ سے کہ جو صدر اول میں ظاہر ہوا مخالفت کیا کہتے تھے اور معتزلہ لوگ ہر اس شخص کو کہ جو قدر کے مسئلہ میں ان کا خلاف کرتا تھا مرجیہ کے لقب سے پکارتے تھے اور اسی طرح فرقہ مدیدہ کا بھی یہی حال تھا اور بعد نہیں، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔۔



ہے یہ وہ کعبہ نہیں کہ جس کے حج کے لئے اللہ تعالیٰ نے امر کیا ہے تو یہ کفر ہوگا اس لئے کہ بطریق  
تواتر رسول اللہ ﷺ سے اس کے برخلاف ثابت ہو چکا ہے اور اگر وہ شخص رسول اللہ ﷺ کی  
شہادت کا کہ جو اس گھر کی نسبت انھوں نے دی ہے کہ یہ وہی کعبہ ہے انکار کرے تو اس شخص کا  
انکار سود مند نہیں ہوگا اس انکار میں عناد کر رہا ہے ہاں اگر وہ شخص تھوڑے زمانہ سے مسلمان ہوا  
ہو اور اس کو اس امر کا تواتر نہ حاصل ہوا ہو تو اس کو معذور سمجھا جاوے گا اور اسی طرح اچھو شخص کہ  
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف فاحشہ ہونے کی نسبت کرے حالانکہ قرآن  
کریم اس کی پاکی اور عصمت میں نازل ہو چکا ہے تو وہ شخص کافر ہے اس لئے کہ یہ امر اور اس  
کے مثل بغیر تکذیب اور انکار تواتر کے صادر نہیں ہو سکتا اور انسان جبکہ تواتر کا انکار کرتا ہے تو فقط  
اپنی زبان سے انکار کرتا ہے لیکن ممکن نہیں کہ اس کو اپنے دل سے بھی بھلا دیوے ہاں اگر ایسے  
امر کا انکار کرتا ہے کہ جس کا ثبوت اخبار احاد سے ہے تو اس سے کفر لازم نہیں ہوتا اور اگر ایسے  
امر کا انکار کرے کہ جس کا ثبوت اجماع سے ہے تو بھرا مرغور طلب ہے اس لئے کہ اجماع کے  
حجت ہونے کی معرفت میں اختلاف ہے پس یہ حکم فروعات کا ہے لیکن اصول شمس کا حکم یہ ہے  
کہ ہر وہ امر کہ جو فی نفسہ تاویل کا احتمال نہیں رکھتا اور اس کی نقل تواتر سے ہے اور یہ بھی متصور  
نہیں کہ اس کے خلاف پر کوئی برہان قائم ہو تو ایسے امر کی مخالفت تکذیب محض ہے اور مثال اس  
کی وہ ہے جو چشم ذکر کی ہے جیسے حشر اجساد اور بہشت اور دوزخ اور اللہ تعالیٰ کا کل فیصلی امور پر  
احاطہ علمی۔ اور جس امر میں کہ تاویل کا احتمال ہو گو مجاز بعید سے کیوں نہ ہو تو اس کے برہان کی  
بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ ..... کہ یہ لقب امام ابو حنیفہ گوان دونوں مخالف فرقوں کی جانب سے لازم ہوا  
ہو اور حضرت غوث انگلیس شیخ عبدالقادر جیلانی کا ندیہ الطالبین میں امام صاحب کے بعض اصحاب کو  
مرجیہ میں سے شمار کرتا اس امر کے لئے صاف دلیل ہے کہ امام صاحب مرجیہ میں سے نہیں تھے  
لیکن چونکہ غیبت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ بعض کون ہیں اس لئے اس نقل میں یہی شبہ پایا جاتا ہے لہذا  
ابن جوزی اور خطیب بغدادی کا قول بھی مردود ہے۔ مترجم۔

ایسے کہ شیعہ بدکردار منافقین کی اتباع سے حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف نسبت کرتے ہیں حالانکہ سورۃ  
نور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ کی نسبت عصمت کا بیان فرمایا ہے اور اقرار کرنے والوں کو  
لمن ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات  
لعنوا فی الدنیا والاخرہ ولعم عذاب عظیم یوم تشهد علیہم السنۃ  
وایدہم وارجلہم بما کانوا یعملون الا یہ۔ مترجم۔

طرف نظر کی جاتی ہے پس اگر برہان قاطع ہو تو اس کا کہنا واجب ہے لیکن اگر اس کے اظہار سے عوام کو بسبب ان کے قصور فہم کے ضرر ہوتا ہو تو اس کا اظہار کرنا بدعت ہے۔ اور اگر ایسا برہان قاطع نہیں کہ جس کے ذریعہ اس امر سے دین میں ضرر کا واقع ہونا معلوم ہوتا ہو۔ جیسے معتزلہ کا باری تعالیٰ کی رویت کا انکار تو یہ بدعت ہے لیکن کفر نہیں مگر وہ امر کہ جس سے دین میں ضرر کا ہونا ظاہر ہوتا ہے اور اس باعث سے وہ محل اجتہاد میں واقع ہوتا ہے تو اس سے تکفیر اور عدم تکفیر دونوں کا احتمال ہے اور اسی جنس میں سے وہ امر ہے کہ جس کو بعض تصوف کے مدعی دعوے کرتے ہیں کہ ان کی حالت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی ہو گئی ہے کہ جس سے نماز ان سے ساقط ہو گئی ہے اور مسکرات کا چہنا اور معاصی کا ارتکاب اور بادشاہوں کا مال کھانا حلال ہو گیا ہے تو ایسے شخص کے وجوب قتل میں کوئی شک نہیں گو غلو و تارک حکم اس کے حق میں غور طلب ہے

۱۱ اشاعرہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آخرت میں دکھائی دینا صحیح ہے آدمی کا قول ہے کہ ہم کل اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رویت دنیا اور آخرت میں عقلاً جائز ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا سمعاً جائز ہے یا نہیں چنانچہ بعض نے دلیل قرآنی سے اس کا اثبات کیا اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کا سوال کہ رب ارنسی انظُر الیک یہی جواز رویت کی دلیل ہے اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا دنیا میں منع ہوتا تو حضرت موسیٰ بھی اس کا سوال نہ کرتے اس لئے کہ عاقل آدمی امر محال کا سوال نہیں کرتا اور جاہل کا منصب نہیں کہ وہ نبی کریم ہو، اور نیز اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو استقرار جبل کے ساتھ متعلق کیا حالانکہ استقرار جبل کافی غصہ ممکن ہے اور بعض نے اس کا انکار کیا پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کا خواب میں دکھائی دینا جائز ہے یا نہیں بعض کا قول ہے کہ جائز نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور حق یہ ہے کہ اس روایا سے کوئی امر مانع نہیں اگرچہ یہ روایا حقیقہ نہیں چنانچہ یہی امام غزالی کا مذہب ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ مثل اور مثال میں فرق ہے مثل متع ہے اور مثال متع نہیں ہے جیسے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ ان اللہ خلق ادم علی صورۃ آدم علی صورۃ تو مثال کا دکھائی دینا ممکن ہے جیسے کہ آنحضرت ﷺ کا دکھائی دینا اور ہمارے درمیان خلاف نہیں کہ باری تعالیٰ کی ذات آخرت میں دکھائی جاوے گی اور معتزلہ ذی الحواس کے لئے اس کا جائز ہونا منع رکھتے ہیں اور انھوں نے بہت سے دلائل عقلیہ اس بارہ میں پیش کیے ہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے کہ وجوہ یومئذ ناضرة الی ربہا ناظرہ۔ وسیرون ربکم یوم القيامة اور اس مسئلہ کی بحث شرح موافق میں بہت بسط کے ساتھ ہے کہ جس کا ذکر یہاں پر طوالت کو چاہتا ہے۔ مترجم۔

اور ایسے ایک شخص کا قتل کرنا سو کا فردوں کے قتل سے افضل ہے اس لئے کہ ایسے شخص کا وجود دین میں عظیم الضرر ہے اور اس کے ہونے سے ایک دروازہ اباحت کا اس طرح پر کھل جاتا ہے کہ پھر بند ہونا اس کا دشوار ہے اور نیز اس کا ضرر اس شخص کے ضرر سے زیادہ ہے کہ جو مطلقاً صوم و صلوٰۃ کی اباحت کا قائل ہے اس لئے کہ اس شخص سے بہ سبب اس کے ظہور کفر کے ہر کوئی نفرت کرے گا اور کوئی بھی اس کی طرف کان نہیں لگائے گا لیکن وہ شخص جو اپنا درجہ کفر اس حد تک پہنچاتا ہے کہ صوم و صلوٰۃ کو اس سے ساقط جانتا ہے تو وہ شخص کو یا شریعت کو شریعت سے مٹاتا ہے اور زعم کرتا ہے کہ اس نے فقط تکلیفات عامہ کی تخصیص انہیں لوگوں کے ساتھ کی ہے جو اس کے مرتبہ تک نہیں پہنچے اور کبھی زعم کرتا ہے کہ وہ بظاہر تو دنیا سے ملا ہوا اور گناہوں سے مقارن ہے لیکن باطن میں ان سب سے بری ہے اور یہاں تک اس کی شنوائی کرتا ہے کہ ہر فاسق کو اپنی حالت کی مثل پر دعوت دیتا ہے اور شریعت کی رسی اس سے کھولتا ہے اور تجھے یہ ظن کرنا جائز نہیں کہ تکفیر اور عدم تکفیر کا ادراک ہر جگہ ہو سکتا ہے بلکہ تکفیر ایک ایسا حکم شرعی ہے کہ اس کا مرجع اور آل اور مال کی اباحت اور خون کے بہانے اور ظلودناری کی طرف ہے پس تکفیر کا ماخذ باقی احکام شرعی کے ماخذ کی مثل کبھی تو یقین کے ساتھ ادراک کیا جاتا ہے اور کبھی ظن غالب کے ساتھ اور کبھی تردد کے ساتھ اور جہاں کہیں کہ تردد پایا جاوے وہاں تکفیر میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے اور تکفیر کی طرف جلدی کرنا ان لمباحث میں غالب ہوتا ہے کہ جن میں جہالت کا وجود غالب ہوتا ہے اور ایک دوسرے قاعدہ سے بھی حبیہ کرنی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ مخالف کبھی نص متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور زعم کرتا ہے کہ وہ ماول ہے اور باوجود اس کے اس کی اس تاویل کے لئے قریب یا بعید کا کوئی محل نہیں تو یہ حکم صریح ہے اور تاویل کرنے والا مکذب ہے گواہنے کو زعم کرتا ہے کہ وہ تاویل کر رہا ہے اور مثال اس کی جیسے تو نے بعض فرقہ باطنیہ کے کلام میں دیکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد اس اعتبار سے ہے کہ وہ غیر کو وحدت عطا کرتا ہے اور وحدت کا خالق ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عالم ہونا اس اعتبار سے ہے کہ وہ غیر کو علم عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا اس اعتبار سے ہے کہ وہ دوسروں کو ایجاد کرتا ہے اور یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ فی نفسہ واحد یا موجود یا عالم ہے بایں معنی کہ وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہے حالانکہ یہ کفر صریح ہے اس لئے کہ وحدت کو ایجاد وحدت پر حمل کرنا کسی قسم کی تاویل نہیں اور نہ عرب کی لغت اس معنی کے لئے حامل ہے اور اگر وحدت کا خالق اس لئے واحد ہوتا کہ اس نے وحدت کو پیدا کیا ہے تو لازماً ہوتا کہ ایسے خالق کو تین اور چار بھی بولا جاتا اس لئے کہ اس نے اعداد کو بھی پیدا

کیا ہے پس ان مقالات کی مثالیں مختص تکذبات ہیں کہ جن کی تعبیرات تاویلات سے کی جاتی ہے۔

## فصل

تو نے ان تہمیدات سے معلوم کر لیا ہے کہ تکفیر کا تعلق کئی اوامر سے ہے پہلا امر یہ کہ اس امر میں نظر کرنی چاہیے کہ جو نص شرعی کا اپنے ظاہر سے عدول کی گئی ہے کیا اس میں تاویل کا احتمال ہے یا نہیں اور اگر تاویل کا احتمال ہے تو کیا یہ تاویل قریب ہے یا بعید۔ اور قابل تاویل اور غیر قابل تاویل نص کی معرفت کوئی آسان امر نہیں ہے بلکہ اس میں وہی شخص مشغل رکھ سکتا ہے کہ جو علم لغت میں ماہر اور حاذق اور اصول اخت کا عارف ہو اور باوجود اس کے پھر استعارات اور مجازات میں ان الفاظ کے طریقہ استعمال اور امثال کے بیان کرنے میں عرب کی عادت اور عرف کا بھی ماہر اور عارف ہو۔ دوسرا امر یہ ہے کہ آیا وہ نص کہ جس کا ظاہر ترک کیا گیا ہے کیا بطریقہ تواتر ثابت ہے یا بطریقہ احاد یا فقط اجماع سے ہے پس اگر اس کا ثبوت بطریقہ تواتر ہے تو کیا بشرط تواتر ہے یا نہیں اس لئے کہ بسا اوقات مستفید آدمی نص مستفاض کو متواتر گمان کرتا ہے حالانکہ تواتر کی تعریف یہ ہے کہ جس میں شک کا ہونا ممکن نہ ہو جیسے انبیاء علیہم السلام اور بلاد مشہورہ و غیرہ کے وجود کا علم اس لئے کہ ان کے وجود کا علم ہر عصر میں زمانہ نبوت تک اس طرح متواتر رہا ہے کہ ہرگز یہ امر متصور نہیں ہے کہ کسی زمانہ میں عدد تواتر میں نقصان ہوا ہو اور تواتر کی بھی شرط ہے کہ اس امر کا اس میں احتمال بھی نہ ہو جیسے کہ قرآن کریم کے بارے میں ہے لیکن غیر قرآن کے بارہ میں تواتر کا ادراک نہایت غامض اور گہرا ہے اور اس کے ادراک کے لئے بجز ان لوگوں کے کسی دوسرے کو اعتقاد جائز نہیں کہ جو کتب تواریخ اور گزشتہ زمانوں کے احوال اور کتب احادیث اور احوال رجال احادیث اور نقل مقالات میں ان کے اغراض سے بحث کرتے ہیں اس لئے کہ کبھی ہر عصر میں تواتر کا عدد پایا جاتا ہے لیکن اس علم کا حصول نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ امر متصور ہے کہ ایک جماعت کثیرہ کو باہم توافق کرنے میں کسی قسم کا رابطہ ہو علی الخصوص جبکہ اہل مذاہب کے درمیان تعصب ہوتا چنانچہ یہ بھی وجہ ہے کہ تورافضیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ علیؑ کے حق میں امامت کی نسبت نص کا دعویٰ کرتے ہیں بایں اعتبار کہ یہ نص ان کے نزدیک متواتر ہے حالانکہ ان کے

ایک پیلا سکہ ہے کہ جس نے اہل سنت اور فہمہ اسلام میں دوسرے نقل اور حفاظ طرق ہادیئے جس کی تخریج کتب تواریخ مصنف تاریخ صاحب طبری اور صاحب المسیر وغیرہ میں مخریج ہے۔ اور ہم نے بھی اس کی تخریج میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے کہ جو انتقام اللہ تعالیٰ طوعاً و کرہاً ہی ہوگا۔ محتوم

مخالف اس تواتر کے کہ جو رافضیوں کے نزدیک ہے اس لئے کہ رافضیوں کو جمہوریت اور بناوٹی باتوں کی اشاعت کرنے میں باہم نہایت سخت موافقت ہوتی ہے لیکن وہ نص کہ جس کا استفادہ اجماع کی طرف ہے اس کا اور اک نہایت ہی گہرا ہے اس لئے کہ اس کی شرط ہے کہ تمام اہل اجتہاد ایک ہی خطہ میں جمع ہوں اور پھر صریح لفظ کے ساتھ ایک امر پر اتفاق کریں اور پھر ایک قوم کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اہل اجتہاد اس امر متفق علیہ پر ایک مدت تک قائم رہیں اور دوسری قوم کے نزدیک یہ ہے کہ اس عصر کے ختم ہونے تک اس امر متفق علیہ پر عمل کریں اور یا اس کی یہ شرط ہے کہ امام وقت کل اہل اجتہاد کے ساتھ اطراف زمین میں خط و کتابت کر کے ان کے فتوے ایک ہی عصر میں جمع کرے اس طرح پر ان کے اقوال میں صریح الفاظ سے اتفاق ہوتا کہ اس سے رجوع کرنا ممکن نہ ہو اور بعد اس کے خلاف نہ ہو سکے پھر اس امر میں نظر رہے کہ آیا جو شخص کہ بعد اتفاق کے مخالفت کرے کیا اس کی تکفیر ہو سکتی ہے یا نہیں اس لئے کہ بعض آدمیوں کا خیال یہ ہے کہ جبکہ وقت اتفاق میں بھی مخالفت کا ہونا جائز ہے اور پھر ان کو موافقت پر لایا جاتا ہے تو یہ مستثنیٰ نہیں کہ بعد اتفاق کے کوئی ان میں سے اختلاف کرے لہذا یہ بھی ایک امر منفر ہے تیسرے امر یہ ہے کہ اس امر میں نظر کرنی چاہیے کہ آیا صاحب مقالہ کے نزدیک خبر کا ثبوت تواتر سے ہوا ہے یا اس کو اجماع پہنچا ہے اس لئے کہ ہر وہ شخص کہ کسی خبر کی تاویل کرتا ہے یہ ضروری نہیں کہ اس کے نزدیک امور ماولہ کا ثبوت تواتر سے ہو یا اجماع کے مقامات اسکے نزدیک خلاف کے مواقع سے ممتاز ہوں بلکہ وہ شخص ان امور کا اور اک بتدریج کرتا ہے اور وہ سلف کی ان کتابوں کے مطالعہ سے اس امر کی معرفت حاصل کرتا ہے کہ جو اختلاف اور اجماع کے بیان میں تصنیف کی گئی ہیں پھر ایک یا دو تصنیفات کے مطالعہ سے یہ امر حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ اس قدر سے اجماع کا تواتر حاصل نہیں ہوتا چنانچہ ابو بکر فارسی نے اجماع کے مسائل میں ایک کتاب تصنیف کی اور اسکے اکثر مسائل اجماع کا انکار کیا گیا اور بعض مسائل میں اہل علم نے مخالفت کی پس اس صورت میں جو شخص کہ اجماع کی مخالفت کرے حالانکہ ابھی اس کے نزدیک اس کا ثبوت نہیں ہے تو وہ شخص جاہل خطا کن ہے کذب نہیں لہذا اس کی تکفیر بھی ممکن نہیں اور اس امر کی تحقیق کی معرفت میں اشتغال رکھنا کوئی آسان امر نہیں چوتھا امر اس دلیل کے بیان میں کہ جو تاویل کرنے والے کے لئے مخالفت ظاہر کے باعث ہے کہ آیا وہ دلیل شرط برہان کے موافق ہے یا نہیں۔ اور شروط برہان کی معرفت کی شرح بغیر بڑی مجاہدات کے ممکن نہیں اور وہ جو ہم نے کتاب قسطاس مستقیم اور سبب نجات الخیر میں ذکر کیا ہے فقط اک مومن ہے

اور اس زمانہ کے اکثر فقہاء کی طبیعت پوری طور پر شروط برہان کے سمجھنے سے رکتی ہے حالانکہ اس کا سمجھنا ضروری امر ہے اس لئے کہ اگر برہان قطعی ہو تو تاویل کرنے میں رخصت ہے اگرچہ وہ تاویل بعید کیوں نہ ہو اور اگر برہان قطعی نہ ہو تو بغیر ایسی تاویل قریب کے جو قریب الظہم ہے رخصت نہیں پانچواں امر اس امر کے بیان میں کہ آیا اس مقالہ کا ذکر کہ جو اہل تاویل کے نزدیک ہے کیا دین میں اس کا ضرر عظیم ہے یا نہیں اس لئے کہ جس مقالہ کا ضرر دین میں عظیم ہو تو ہمیں ایک قسم کی آسانی ہے کہ وہ قول برا اور ظاہر البطلان کیوں نہ ہو جیسے اس شخص کا قول کہ جو امام کے انتظار میں ہے کہ امام مہتر مغرب میں چھا ہوا ہے اور وہ شخص امام کے نکلنے کا منتظر ہے کہ اس لئے کہ یہ قول صریح جھوٹ اور نہایت برا ہے لیکن اس کا ضرر دین میں کچھ نہیں بلکہ اس کا ضرر اسی احمق پر ہے کہ جو امام کے نکلنے کا منتظر کھڑا ہے اس لئے کہ وہ ہر روز شہر سے امام کے استقبال کے لئے باہر نکلتا ہے تاکہ امام شہر میں داخل ہو لیکن وہ شخص ناامید ہو کر اپنے گھر کی طرف واپس جاتا ہے پس یہ ایک مثال ہے لیکن مقصود اس سے یہ ہے کہ ہر بے ہودہ کوئی سے گویا ظاہر البطلان کیوں نہیں قائل کی تکفیر نہیں چاہیے۔ پس جس وقت تو نے سمجھ لیا کہ تکفیر کے امر میں نظر کرنا ان تمام مقامات پر موقوف ہے کہ جن کے احاد و ولیدوں کو بھی استقلال نہیں تو اس وقت تو نے جان لیا کہ جو شخص اس شخص کی تکفیر کے لئے جلدی کرتا ہے کہ جس نے اشعری یا غیر اشعری کی مخالفت کی ہے وہ ایک جاہل مضطرب ہے اور کیونکر ایک فقیہ شخص فقط فقہ دانی سے اس امر عظیم کے لئے استقلال کر سکتا ہے اور وہ ان علوم کو فقہ کی کوئی چوتھائی میں پاویگا پس جب تو ایسے فقیہ شخص کو جس کی بضاعت مجرّفہ ہے تکفیر اور تسلیل میں غوص کرتے دیکھے تو تو ایسے فقیہ سے اعراض اور روگردانی کر اور اپنے دل اور زبان کو اس کے ساتھ مشغول نہ کر اس لئے کہ دعویٰ علوم کا ایک ایسا طبعی امر ہے کہ جاہلوں کو اس سے صبر نہیں ہو سکتا اور اسی وجہ سے آدمیوں کے درمیان اختلافات بڑھے ہیں اور اگر جو شخص کہ نہیں جانتا خاموش رہتا تو ہرگز اس قدر اختلافات مخلوقات میں نہ پھیلتے۔

## فصل

سب سے زیادہ نلو اور فضولی کرنے والا فرقہ شکمیین کا ایک طاقتور ہے کہ جنہوں نے عام مسلمانوں کی تکفیر کی اور انہوں نے زعم کر لیا کہ جو شخص ہمارے مثل علم کلام کو نہیں جانتا اور

عقائد شرعیہ کو ان دلیلوں سے نہیں جانتا کہ جو ہم نے تحریر کی ہیں وہ کافر ہے پس ان لوگوں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو اس کے بندوں پر نکل کر دیا اور جنت کو متکلمین میں سے ایک جماعت قلیلہ پر وقف کر دیا اور مانیا انہوں نے سنت متواترہ کو بھلا دیا اس لئے کہ عصر رسول ﷺ اور عصر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان پر ظاہر ہے کہ انہوں نے عرب کے ان بدوی طائفوں کے اسلام پر علم کیا جو اوثان کی عبادت میں مشغول رہتے تھے اور انہوں نے ان بدویوں کو ان دلیلوں کے جاننے کے لئے مشغول نہ کیا اور اگر وہ بدوی تعلیم دلیل کے لئے مشغول بھی ہوتے تو بھی اس کو سمجھ نہ سکتے اور جو شخص یہ نطن کرتا ہے کہ ایمان کا ماخذ علم کلام اور بحر دلیلیں اور وہ تفسیحات ہیں کہ جو علم کلام میں مرتب ہیں تو وہ شخص راہ راست سے بہت دور ہے بلکہ ایمان ایک ایسا نور ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں بطور عطیہ اور ہدیہ کے بھی تو ایک ایسی ہالنی حبیبہ کے ذریعہ سے القاء کرتا ہے کہ جس کی تعبیر ممکن نہیں اور کبھی بذریعہ خواب کے دیکھنے کے اور کبھی کسی دیندار آدمی کے حال کے مشاہدہ اور اس کی صحبت اور محاسن کے ذریعہ سے اس کی طرف نور ایمان کی سرایت ہوتی ہے اور کبھی قرینہ حال کے ذریعہ سے چنانچہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی طرف انکار کی حالت میں آیا پس جبکہ اس اعرابی کی نظر آنحضرت ﷺ کے نورانی چہرے پر پڑی اور اس نے آنحضرت کے چہرہ مبارک پر انوار نبوت کو چمکتے دیکھا تو بے اختیار بول اٹھا کہ واللہ ما هذا بوجه کذاب یعنی خدا کی قسم یہ منہ جھوٹ بولنے والا نہیں اور اسی وقت اس اعرابی نے سوال کیا کہ اس کو اسلام کی تعلیم کی جاوے اور ایک دوسرا اعرابی آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تجھ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر مبعوث کیا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اللہ کی قسم مجھے اللہ نے نبی بنا کر مبعوث کیا ہے تو وہ اعرابی آنحضرت کی اس قسم کی تصدیق کر کے مسلمان ہو گیا اور اس کی مثال بے شمار ہیں حالانکہ ان میں سے کوئی بھی علم کلام میں مشغول نہ ہوا اور نہ دلیلوں کے سیکھنے میں بلکہ ایسے ہی قرینوں سے اسلام کے نور نے ان کے دلوں میں سفید چمک دی۔

پس اے میری دانش یہ کب آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سے منقول ہے کہ انہوں نے اعرابی کو حاضر کیا اور وہ اسلام لایا اور آنحضرت ﷺ نے اس اعرابی کو عالم کے محدث ہونے پر یہ دلیل بتائی کہ عالم حوادث اور اعراض سے خالی نہیں اور جو شیء کہ حوادث سے خالی نہیں پس وہ حادث ہے اور اللہ تعالیٰ علم کے ساتھ عالم اور ایسی قدرت کے ساتھ قادر ہے کہ جو

اس کی ذات پر زائد اور پھر وہ ہے اور نہ پھر یہ اور اسی طرح متکلمین کی رسومات بھی اور میں فقط یہی نہیں کہتا کہ فقط یہی الفاظ منقول نہیں بلکہ کوئی دوسرا ایسا لفظ بھی منقول نہیں کہ جس سے ان الفاظ کے معانی پیدا ہوتے ہوں بلکہ کوئی معرکہ بجز اس فتح کے نہیں تھا کہ لوگوں کے سایہ کے نیچے کئی جوان مرد بدوی ہوتے تھے اور قیدیوں کی جماعت قریب یا بعید زمانہ کے بعد یکے بعد دیگرے اسلام لاتے تھے اس وقت ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ کلمہ شہادت ان کو پڑھانے کے بعد نماز اور زکوٰۃ کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے بعد ان کو اپنے اپنے پیشہ کے لئے رخصت دیا جاتا تھی خواہ وہ پیشہ بکریوں کا چرانہ یا کوئی دوسرا اسی قسم کا ہوتا تھا۔ ہاں میں اس امر کا انکار نہیں کرتا کہ متکلمین کا اولہ کو ذکر کرنا بعض آدمیوں کے حق میں ایمان کے لئے ایک سبب ہے لیکن ایمان کا حصول فقط انہیں اولہ متکلمین پر موقوف نہیں اور یہ بھی ایک نادر طور پر ہے بلکہ سب سے نفع مند وہ کلام ہے کہ جو معرض وعظ میں جاری ہو جیسا کہ قرآن کریم اس معنی پر مشتکل ہے مگر جو کلام کہ طریقہ متکلمین پر تحریر کیا گیا ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ طریقہ ہدال کے ہے تاکہ عامی لوگ اس سے عاجز نہ ہوں اور نہ اس لئے کہ وہ فی نفسہ حق ہے اور بعض اوقات ایسا کلام عامی کے حق میں عناد قلبی کے استحکام کا وسیلہ بن جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تو نے کبھی متکلمین یا فقہاء کی مجلس و مناظرہ کو نہیں دیکھا کہ جس میں کوئی شخص اعتراض یا بدعت سے تائب ہوا ہو یا شافعی کے مذہب سے ابی حنیفہ کے مذہب کی طرف یا بالعکس انتقال کیا ہو حالانکہ ان انتخابات کے اسباب دوسرے ہیں یہاں تک کہ تموار کے ساتھ مقابلہ بھی ایک سبب ہے اور یہی وجہ ہے کہ سلف نے دعوت اسلام میں ایسے محادلات کو عادت نہیں بنایا بلکہ انہوں نے ظلم کلام میں خوش کرنیوالے اور بحث اور سوال میں شغل رکھنے والے کی تشدید کی اور جبکہ ہم نے مذہب کو چھوڑا اور کسی جانب کی رعایت نہ کی لہذا ہم نے تصریح کر دی ہے کہ ظلم کلام میں بجز دو شخصوں کے کسی تیسرے کو خوش کرنا حرام ہے ایک وہ شخص ہے کہ جس کو کوئی ایسا شبہ واقع ہوا ہے کہ اس کے دل سے نہ قریب القہم و اعطانہ کلام سے دور ہوتا ہے اور نہ حدیث رسول کریم ﷺ سے تو اس وقت جائز ہے کہ قول کلامی جو کہ ظلم کلام کے طریق پر مرتب ہے اس شخص کے شبہ کو دور کرنے والا اور اس کے مرض کے لئے دوا کی ہو پس ایسے شخص کے ساتھ قول کلامی کا استعمال جائز ہے تاکہ اس شبہ اور اس مرض سے نجات پاوے لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی واجب ہے کہ وہ تندرست کہ جس کو ایسا مرض نہیں اس کے کانوں سے ایسے قول کو نگاہ رکھا جاوے کہ احتمال ہے کہ اس قول کے سننے سے اس تندرست کے دل میں کسی شبہ کی حرکت ہو اور وہ اس سے مریض ہو جاوے اور اعتقاد صحیح اور قطعی سے



تزلزل کر جاوے اور دوسرا وہ شخص ہے کہ جس کی عقل کامل اور دین میں راسخ القدم اور انوار یقین سے ثابت الایمان ہے اور وہ خواہش کرتا ہے کہ اس صنعت کلائی کو حاصل کرے تاکہ وہ سر بیضوں کے لئے کہ جب ان کو کوئی شبہ واقع ہو دوا کرے اور جبکہ کوئی اہل بدعت ظاہر ہو تو اس کو لا جواب کرے اور جب کوئی اہل بدعت صحیح العقیدہ کے گمراہ کرنے کا قصد کرے تو وہ اس کو اس گمراہی سے بچا دے پس علم کلام کا اس غرض سے حاصل کرنا فرض کفایہ سے ہے اور اس علم کا اس مقدار پر حاصل کرنا کہ جس سے شک و شبہ دور ہو جاوے شک اور شبہ والے شخص کے لئے فرض عین ہے لیکن اس صورت میں کہ اس کے قطعی اعتقاد کا اعادہ کسی دوسرے طریق سے ممکن نہ ہو اور حق صریح یہ ہے کہ جو شخص قطعی طور پر اعتقاد رکھتا ہے کہ جو کچھ کہہ رسول اکرم ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ کہ قرآن کریم میں ہے برحق ہے تو وہ شخص مومن ہے گو وہ شخص ان امور کی دلیلوں سے آگاہ نہ ہو بلکہ وہ ایمان کہ جو دلیل کلامی سے حاصل ہوتا ہے نہایت ضعیف اور ہر ایک شبہ سے تزلزل کے کنارے پر ہوتا ہے بلکہ ایمان محکم وہ ہے کہ جو عوام الناس کو زمانہ طفولیت میں تواتر سماع یا بعد از بلوغ ایسے قرائن سے حاصل ہوتا ہے کہ جن کی تعبیر ممکن نہیں اور ایمان کا پورا پورا محکم ہونا عبادت اور ذکر الہی کی ملازمت سے ہوتا ہے اس لئے کہ جس شخص کو عبادت ظاہری حقیقت تقویٰ تک پہنچا دیتی ہے اور اس کے باطن کو کدورت دنیا سے پاک کر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے مدام ذکر کی ملازمت سے اس کے لئے معرفت کے انوار جلوہ گر ہو جاتے اور وہ امور کہ جو اس نے بطور تقلید کے اختیار کئے ہیں اس کے نزدیک مثل معائنہ اور مشاہدہ کے ہو جاتے ہیں اور یہ وہی حقیقت معرفت کی ہے کہ جس کا حصول بغیر عقدہ اعتقاد کے حل ہونے اور اللہ کے نور سے انشراح صدر کے ہونے تک ممکن نہیں ہے پس جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور وہ اللہ کے نور سے پر ہو جاتا ہے جیسا کہ کسی نے رسول اکرم ﷺ سے شرح صدر کے معنی کا سوال کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایک نور ہے جو اللہ کی طرف سے ڈالا جاتا ہے سائل نے پوچھا کہ وہ علامت کیا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دار غرور سے کنارہ کش ہونا اور دار خلود کی طرف مائل ہونا پس اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل کلام کہ جو دنیا کی طرف مائل اور اس پر ہلاک ہوتا ہے اس نے حقیقت معرفت کی حاصل نہیں کی اور اگر اس کو حاصل کرتا تو وہ قطعاً دار غرور سے کنارہ کش ہوتا۔

## فصل

مثاہد تو کہے گا کہ تکفیر اور کذب کا ماخذ خود تصدوس شرعیہ ہیں اور شارع نے ہی رحمت الہی کو مخلوقات پر تنگ کیا ہے نہ کہ متکلم نے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو فرمائے گا اے آدم اپنی اولاد میں سے ایک تعداد کو آگ میں روانہ کر اس پر حضرت آدم عرض کریں گے کہ اے رب کتنوں میں سے کتنوں کو روانہ کروں پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ایک ہزار میں سے ۹۹۹ نوسو نناوے کو روانہ کر اور نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ عنقریب میری امت ستر پر چند فرق ہو جائیں گی لیکن ان میں نجات پانے والا فرقہ ایک ہی ہو گا پس اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث پہلی بے شک صحیح ہے لیکن اس سے یہ امر مراد نہیں کہ وہ نوسو نناوے آدی کفار ہونگے اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان میں سے بعض کو آگ میں داخل کیا جاوے گا اور بعض کو آگ کے سامنے کیا جاوے گا اور بعض کو گناہوں کے مطابق آگ میں چھوڑا جاوے گا اور گناہوں سے بالکل معصوم اور پاک ہزار میں سے ایک ہی ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وان منکم الا واد دھا یعنی تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جو آگ کی طرف مردود نہ کرے پھر آگ کی طرف روانہ ہونے سے وہ شخص مراد ہے کہ جو اپنے گناہوں کے عوض میں آگ کا مستحق ہے اور جائز ہے کہ شفاعت کے ساتھ دوزخ کے راستہ سے لوٹایا جاوے جیسا کہ وسعت رحمت کی نسبت اکثر احادیث وارد ہیں اور ان کی تعداد شمار سے زیادہ ہے چنانچہ ایک ان میں سے وہ حدیث ہے کہ جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو نہ پایا اور میں نے جستجو کی اور دیکھا کہ ایک کتب نوشی کے مکان میں نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے سرمہ دارک پر تین انوار ہیں پس جبکہ آنحضرت ﷺ نماز کو ادا کر چکے تو فرمانے لگے کہ تیرا کیا نام اور یہ کون ہے میں نے عرض کی کہ میں عائشہ ہوں یا رسول اللہ تو پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ کیا تو نے ان تینوں انوار کو دیکھا ہے میں نے عرض کی کہ ہاں یا رسول اللہ تو پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل کریگا۔ پھر وہی آنے والا دوسرے نور میں آیا اور اس نے بشارت دی کہ ستر ہزار کے ہر واحد کے بجائے ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

پھر وہی آنے والا تیسرے نور میں آیا اور بشارت دی کہ بجائے ہر واحد ستر ہزار نصف کے ستر ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل کر چکا پس میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ تیری امت کی مقدار اور تعداد اس درجہ تک نہ ہوگی پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کا تکملہ ان اعراب سے کیا جاویگا کہ جو روزہ اور نماز کو ادا نہیں کرتے پس یہ اور مثل اس کی جو اخبار کہ وسعت رحمت پر دلالت کرتی ہیں بکثرت ہیں اور یہ خاص کر حضرت محمد ﷺ کی امت میں ہے لیکن ان میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ گزشتہ امتوں میں سے بھی بہتوں کو شامل ہوگی گو ان میں سے اکثر لوگ آگ کے سامنے کیا جاویگا ایک لحظہ یا ایک ساعت کے لئے یا ایک مدت کے لئے تاکہ ان پر اطلاق کیا جاویگا کہ وہ آگ کی طرف روانہ کئے گئے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں جو روم اور ترک کے نصاریٰ ہیں ان کو بھی انشاء اللہ تعالیٰ رحمت شامل ہوگی اور مراد میری ان انصار سے وہ لوگ ہیں کہ جو روم اور ترک کی اخیر جانب میں سکونت رکھتے ہیں اور ان کو دعوت اسلام کی نہیں پہنچی اس لئے کہ یہ لوگ تین قسم ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جن کو محمد ﷺ کا نام بھی نہیں پہنچا پس یہ لوگ تو معذور ہیں اور دوسری قسم وہ ہے کہ جن کو محمد ﷺ کا نام مبارک اور لغت شریف تو پہنچی ہے لیکن معجزات کا عہدوران پر نہیں ہوا اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو بلا و اسلام کے قرب و جوار میں ہیں اور ان سے اختلاط رکھتے ہیں اور یہ لوگ کافر ہیں کہ جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور تیسری قسم ان دونوں قسموں کے درمیان ہے کہ جن کو محمد ﷺ کا اسم شریف تو پہنچا لیکن آنحضرت ﷺ کی لغت اور صفت ان کو نہیں پہنچی بلکہ انھوں نے طفولیت کے زمانہ سے سنا ہے کہ ایک جھوٹے اور مکار شخص نے کہ جس کا نام محمد ہے نبوت کا دعویٰ کیا جیسا کہ ہمارے لڑکے سنتے ہیں کہ ایک جھوٹے شخص نے کہ جس کا نام مقلع کہا جاتا ہے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ پس یہ لوگ میرے نزدیک قسم اول میں شمار کیے جاتے ہیں اس لئے کہ ان لوگوں نے جیسا کہ محمد ﷺ کا اسم شریف سنا ہے ویسا ہی انھوں نے آنحضرت کے اوصاف کی ضد کو سنا ہے اور اس قدر علم سے طلب کے داعیہ میں حرکت پیدا نہیں ہوتی تاکہ ان لوگوں کو معذور نہ سمجھاوے اور دوسری حدیث کو جس میں یہ بیان ہے کہ فرقہ نجات پانے والا ایک ہے اس کی روایت میں اختلاف ہے چنانچہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ فرقہ ہلاکت میں پڑنے والا ایک ہے لیکن زیادہ تر مشہور پہلی روایت ہے۔ اور نجات پانے والے فرقہ سے مراد وہی فرقہ ہے کہ جو آگ کے سامنے نہیں کیا جاویگا اور شفاعت کی طرف محتاج نہ ہوگا بلکہ وہ شخص کہ جس

کے ساتھ زبانہ تعلیق پکڑ لیا تاکہ اس کو آگ کی طرف کھینچے تو وہ شخص مطلق نجات والا نہیں کہو شفاعت کے ذریعہ سے ان کے پیچھے سے نکل جاویگا اور ایک روایت میں ہے کہ کل نجات پاویں گے مگر فرقہ زندقہ اور ممکن ہے کہ کل روایتیں صحیح ہوں اور ہلاکت والا ایک ہی فرقہ ہو کہ جو ہمیشہ آگ میں رہیگا اور ہلاکت والے سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کی صلاحیت کی امید باقی نہ رہی ہو اس لئے کہ ہلاکت والے کے لئے بعد از ہلاکت کسی خیر اور بھلائی کی امید نہیں کی جاتی۔ اور فرقہ نجات والا بھی ایک ہو کہ جو جنت میں بغیر حساب اور شفاعت کے داخل ہوگا اس لیے کہ جس شخص کا حساب لیا جاویگا تو وہ بھی مطلق نجات والا نہیں۔ پس یہ دو فرقہ ہالک اور ناجی گویا دو طرفیں ہیں کہ جو شر خلق اور خیر خلق سے مجر ہیں اور جوان دونوں درجوں کے درمیان ہیں پس ان میں سے بعض تو ایسے ہو گئے کہ جن کو فقط حساب کا عذاب ہوگا اور بعض ایسے ہو گئے کہ جو آگ کے نزدیک بجائے جاویں گے اور شفاعت سے واپس کئے جائیں گے اور بعض ایسے ہو گئے کہ جو اپنی خطا عقیدہ اور بدعت کے انداز پر اور کفر اور قلت معاصی کے موافق آگ میں رہیں گے پس اس امت میں سے جو فرقہ ہلاکت والا کہ ہمیشہ آگ میں رہے گا وہ فقط ایک کہ جس نے تکذیب کی اور رسول اللہ ﷺ پر بنا بر مصلحت جھوٹ کا بولنا جائز رکھا۔ لیکن باقی امتوں میں سے وہ شخص کہ جس نے متواتر آنحضرت ﷺ کے خروج اور آنحضرت کی صفات اور معجزات خارق عادت جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور کنکروں کا صحیح کا پڑھنا اور آنحضرت کی انگلیوں سے پانی کا جوش مار کر ٹکٹا اور ایسے قرآن مجز کو سنا کہ جس کا معارضہ اہل فصاحت نے کرنا چاہا لیکن عاجز ہو گئے اور پھر اس نے باوجود سننے کے اعراض اور روگردانی کی اور اس نے ان امور میں غور اور تامل نہ کیا اور اس نے تصدیق کی جلدی نہ کی تو ایسا شخص ہی منکر اور مکذوب ہے اور یہی کافر ہے اور اس میں روم اور ترک کے وہ اکثر لوگ کہ جنکے بلا واسلام کے بلا و سے بعید ہیں داخل نہیں ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ جس شخص کے کان تک یہ امور پہنچے تو ضرور ہے کہ داعیہ طلب اس کو حرکت میں لاوے تاکہ حقیقت امر کی ظاہر ہو اگر وہ اہل دین سے ہے اور ان لوگوں میں سے نہیں کہ جنہوں نے حیات دنیا کو آخرت پر دوست رکھا اور اگر اس کو یہ داعیہ حرکت میں نہ لاوے اس وجہ سے کہ وہ دنیا کی طرف مائل اور امر دین کے خوف اور خطرہ سے بڑھے تو یہ کفر ہے اور اگر اس کو داعیہ طلب حرکت میں لاوے لیکن طلب میں اس نے قصور کیا تو بھی کفر ہے بلکہ ہر اہل ملت میں سے جو شخص کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے ممکن نہیں کہ وہ طلب میں قصور کرے پس اگر اس نے نظر اور طلب میں قصور نہ کیا اور اس میں مشغول رہا اور اسی میں مر گیا

قبل اس کے کہ اس کی تحقیق تمام ہوئی تو وہ شخص بھی اہل مغفرت ہے اور رحمت و صلہ اس کے لئے بھی عام ہے پس تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا طالب ہو اور امور الہیہ کو مختصر مکی میز انوں سے وزن نہ کر۔ اور جان لو کہ آخرت دنیا سے قریب ہے پس تمہاری پیدائش اور بعثت فقط نفس واحد کی مثل ہے اور جیسے کہ اکثر اہل دنیا کے ایسی نعمت یا سلامت یا حالت میں ہوتے ہیں کہ اس پر غیبت ہوتا ہے اس لئے کہ اگر ان کو مثلاً اس حالت اور موت کے درمیان اختیار دیا جاوے تو وہ اسی حالت اور نعمت اور سلامت کو اختیار کرتے ہیں لیکن جس کو دنیا میں عذاب اور تکلیف ہوتا ہے اس کا موت کی خواہش کرنا ڈر ہے پس اسی طرح جو لوگ کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بہ نسبت ان لوگوں کے جو نجات والے ہیں اور آخرت میں آگ سے نکالے جاویں گے تاہر ہیں اس لئے کہ ہمارے احوال کے مختلف ہونے سے صفت رحمت میں تغیر نہیں اور دنیا اور آخرت تیرے اختلاف حال سے مبر ہے اور اگر یوں نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کوئی معنی نہ ہوتا جو فرماتے ہیں کہ پہلے جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اول میں لکھا ہے یہ کہ میں ہی اللہ ہوں کہ میرے سوائے کوئی اللہ نہیں میری رحمت کو میرے غضب پر سبقت ہے پس جس شخص نے اس امر کی شہادت دی کہ اللہ کے سوائے کوئی دوسرا اللہ نہیں اور محمد اس کا بندہ اور رسول ہے تو اس کے لئے جنت ہے اور جان تو کہ بصارت اولوں کو اسباب اور مکاشفات کے ذریعہ

ایچانچہ صاحب فصوص احنی قلب الاقطاب نوٹ الاحباب جناب بزرگوار حضرت عی الدین ابن العربی کا مکتوف ہے کہ ہر ایک جہنمی کا مال کا رحمت الہی ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان رحمتی وسعت کل شیء اور کفار کے لئے دوزخ کا عذاب تین چھ تک ثابت کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کفار کے حق میں دوزخ کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی بخش ہوگی جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے حق میں فرد کی آگ برہنہ سلام ہو گئی تھی۔ اور انہوں نے وعید حق تعالیٰ میں خلف جائز رکھ کر فرمایا ہے کہ کوئی اہل دل غلو و عذاب کفار کا قائل نہیں لیکن حضرت امام ربانی قیوم کھانی شیخ احمد مہدالف بائی اپنے مکتوبات کے جلد اول مکتوب ۲۶۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ صاحب فصوص درین مسئلہ نیز از صواب دور افتادہ است عند انتہ است کہ وسعت رحمت در حق مؤمنان و کافران مخصوص بد نباست، و آخرت بے از رحمت بکا فرزند کما قال تعالیٰ انہ لا یبیس من روح اللہ الا القوم الکافرون وقال تعالیٰ ورحمتی وسعت کل شیء فمساکتبہا للذین یتقون ویؤتیون الزکوۃ الذین ہم بایتنا یؤمنون شیخ اول آیت را خواندہ و آخر را کا نظر مودہ کریمہ لا تحسین اللہ فیہ شیخ بہ مدظلہ و مدظرائیں۔

سے بھی رحمت کی سبقت اور شمول کا انکشاف ہوا ہے بغیر اس کے کہ اخبار اور احادیث کو انھوں نے سنا ہے لیکن اس کا بیان کرنا طوالت چاہتا ہے پس اگر تو نے ایمان اور عمل صالح کو جمع کیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نجات مطلقہ تیرے لئے بشارت ہے اور اگر تو ان دونوں سے خالی رہا تو بلاکت مطلقہ کی بشارت ہے اور اگر تو اصل تصدیق میں یقین رکھتا ہے اور بعض تاویلات میں خطایا شک یا اعمال میں خطا تو نجات مطلقہ کی طمع نہ کر اور جان لے کہ یا تو تجھے ایک مدت تک عذاب دیا جاویگا اور پھر نجات ہوگی اور یا وہ شخص حیرت نجات کریگا کہ جس کی تصدیق تو ان تمام امور میں کرتا ہے کہ جو وہ اللہ سے لایا ہے یا کوئی دوسرا شفاعت کریگا پس تو کوشش کر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تجھے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے بے پروا کر دے اس لئے کہ شفاعت کا امر بھی خطرناک ہے۔

## فصل

بعض آدمیوں کا ظن ہے کہ تکفیر کا ماخذ عقل ہے شرع نہیں اور جو شخص کہ اللہ سے جاہل ہے کافر ہے اور جو اس کا عارف ہے مومن ہے پس اس کو کہا جاویگا کہ باہت دم اور غلو فی النار کا حکم جو شرعی ہے قبل وعدہ شرع کے اس کا کوئی معنی نہیں اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ شارع کے قول سے مفہوم ہے کہ جو شخص کہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہے وہی کافر ہے تو یہ حصر ممکن نہیں اس لئے کہ جو شخص رسول اور آخرت سے جاہل ہے وہ بھی تو کافر ہے پھر اگر ذات الہی سے جاہل ہونے کی تھمیں کی جاوے اور اس جہالت سے اللہ تعالیٰ کے وجود یا اس کی وحدانیت کا انکار مراد رکھا جاوے تو باقی صفات کو جامع نہ ہوگا۔ اور اگر صفات میں خطا کرنے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... مختلف وعدہ و رسد و لالت مذاہب و خصوصیت خلف وعدہ تواند بود کہ اقتصاد وعدہ خلف وعدہ اینجا بواسطہ آن بود کہ مراد از وعدہ اینجا تصرف رسل است و غلو بہ بعضا بر کفار و آن مخصوص وعدہ و عہدست و عہدست مرد رسل را و عہدست مر کفار را پس گویا درین کریمہ ہم خلف وعدہ متکی شد و خلف وعدہ فالایہ مستبعد علیہ لالہ و اینضا خلف و در عہد رنگ خلف از وعدہ مستلزم کذبست و چاشنا از آنحضرت جبل سلطانہ زیر آکہ و رازل دانستہ بود کہ کفار را عذاب مغللہ خواہم کر مع ذالک برای کذا مخالف علم خود گفتہ کہ عذاب مغللہ خواہم کرد و آنحضرتی را تجویز نمودن شفاعت تمام دار و دیوان ربک در اعتراف علماء یصلون و سلام علی المرسلین اجماع اہل دل بر عدم غلو و عذاب کفار کثرت شیخ است مجال و در کشف بیا راست فلا اعتد او بہ مع کونہ جافلا اجماع المرسلین۔ انتہی۔ مترجم

والے کو بھی جاہل یا کافر ٹھہرایا جاوے تو اس شخص کی تکفیر لازم ہوگی کہ جس نے صفت بقاء اور صفت قدم کی نفی کی ہے اور جس نے کلام کو علم پر وصف زائد ہونے کا انکار کیا ہے اور نیز جس نے سمع اور بصر کو علم پر وصف زائد نہیں بتایا اور نیز جس نے جواز رؤیت کی نفی کی اور نیز جس نے ہجت کو ثابت کیا اور اس نے ایک ایسے ارادہ حادثہ کو ثابت کیا کہ جو نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں حادث ہے اور نہ کسی دوسرے محل میں اور یا اس میں خلاف کرنے والوں کی تکفیر لازم ہوگی خلاصہ یہ کہ ہر اس مسئلہ میں تکفیر لازم آجیگی کہ جو صفات اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ ایک ایسا محکم ہے کہ جس کے لئے کوئی سند نہیں اور اگر اس حکم کو بعض صفات کے ساتھ خاص کیا جائے تو اس کے لئے کوئی امر فیصل نہیں ہوگا پس بغیر ضابطہ تکذیب کے کوئی دوسری وجہ پاکی نہیں جاتی کیونکہ تکذیب کا ضابطہ مکذب رسول اور منکر مبادیوں کو شامل ہے اور تاویل کرنے والا اس میں سے خارج ہو جاتا ہے پھر میں یہ امر بعید نہیں جانتا کہ تاویل یا تکذیب کے جملہ مسائل میں سے بعض میں کوئی شک اور تردد واقع ہو جاتی کہ تاویل بعید ہو اور ظن اور اجتہاد کے ساتھ اس میں حکم دیا جاوے اس لئے کہ تو جان چکا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

## فصل

بعض آدمی یوں کہتے ہیں کہ میں خاص کر اس شخص کی تکفیر کروں گا کہ جو ان فرقوں میں سے میری تکفیر کریگا اور جو شخص میری تکفیر نہ کریگا تو میں بھی اس کی تکفیر نہ کروں گا حالانکہ اس کا کوئی ماخذ نہیں اس لئے کہ جب کہ قائل کا یہ قول کہ (حضرت علیؓ امامت کے لئے اولیت رکھتا ہے) کفر نہیں تو قائل اگر خطا کر کے مخالف کو کافر ظن کرے تو قائل اس ظن سے کافر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ ایک ایسی خطا ہے کہ جو مسئلہ شرعیہ میں واقع ہے۔ اور اسی طرح جبکہ جنابی کو ہجت کے ثابت کرنے سے کافر نہیں کہا جاتا تو وہ اگر غلطی سے ظن کرے کہ جو شخص ہجت کی نفی کرتا ہے مکذب ہے مادل نہیں تو اس ظن سے بھی جنابی کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان میں سے ایک مسلمان بھی دوسرے بھائی کو کافر کہے تو وہ کفر تکفیر کرنے والے کی طرف رجوع کرتا ہے اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ تکفیر کرنے والا باوجود دوسرے مسلمان بھائی کی حالت جاننے کے اس کی تکفیر کرے۔ پس اگر کوئی شخص کسی آدمی کی

ایہ قول استاذ ابوالسختی کا ہے چنانچہ شرح مقاصد میں مذکور ہے۔ مترجم

نسبت جانتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتا ہے تو باوجود اس جاننے کے پھر اس کی تکفیر کرتا ہے تو تکفیر کرنے والا خود کافر ہوگا۔ پس اگر اس نے فقط اپنے اس فتن سے تکفیر کی کہ وہ رسول علیہ السلام کی تکذیب کرتا ہے تو یہ اس شخص کی غلطی ہے۔ پس ہم نے ان تردیدات سے تیرے لئے اس امر پر تنبیہ کر دی ہے کہ اس قاعدہ اور قانون پر کہ جس میں اتباع لائق ہے غور و عظیم کرے پس اسی پر قناعت کر اور سلامت رہو۔

فتوٰ

ت